یوسف الاولیاء

ھُوالکُلُ یا بابا ھُوالکُلُ یا بابا

سرتاجِ ولایت قطبِ مدارِ عالم۔ تاجُ الفقراء۔ تاجُ المجذوبین۔ تاجُ السالکین

تاجُ العارفین۔ تاجُ العاشقین۔ تاجُ الاتقیاء۔ تاجُ الاصفیاء۔ تاجُ الاولیاء

تاجُ المِلّت والدّین

شہنشاہِ ہفت اقلیم حضرت سیّد محمد بابا

تاجُ الدّین

حسنی والحسینی قُدس سرّہ العزیز

ناگپوری

حشر تک گلشنِ اسلام رہے گا سرسبز
یہ چمن وہ ہے کہ جس کے چمن آرا تم ہو

یوسف الاولیاءؒ

بابا محمدؒ شوکت علی شاہ یوسفی تاجی اویسی چشتی قادری

اشاعتِ اول : ۱۹۸۲ء

اشاعتِ دوم : ۲۰۰۰ء

ہدیہ : ۱۵۰ روپیہ

ملنے کا پتہ :

عابدہ منزل VC - B 45 ناظم آباد، عقب میٹرک بورڈ آفس، کراچی۔

مطبوعہ : الامین پرنٹرز کراچی

در حالات

خلیفہ اعظم و جانشین تاج الاولیاء
حضرت سیدنا غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی رح المعروف
شمس العلماء مولینا محمد عبد الکریم شاہ تاجی اویسی چشتی قادری رح

حکم نافذ ہے تیرا سیف تیری خامہ تیرا
دم میں جو چاہے کرے دور ہے شاہا تیرا

کتاب کے ابتدائی صفحات میں سرکار رح کے مرشد تاج الاولیاء حضرت سید محمد بابا تاج الدین حسنی و الحسینی ناگپوری رح کے مختصر حالات بھی تبرکاً درج ہیں

یوسف الاولیاء

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ

آیاتِ حق

حمد وثنائے لامتناہی اور سپاس بے پایاں اُس ذاتِ واجب کے لئے مجورِ العالمین، قادر علی الاطلاق اور لم یزل ولایزال ہے۔ جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ ثانی ومثیل۔ درود وسلام اُس بنی ہاشم ومُطلبی اور اس کی آل پر جس کو خدائے حیّ وقیوم نے ہمارا ہادی ورہنما، ختم المرسلین اور رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجا ــــ اور جو ہمارے نفسوں، جان و مال اور اولاد پر بہ جہت اولیٰ متصرف ہیں۔

امّا بعد ارباب بصیرت پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس دورِ پُر آشوب میں مسلمانوں کی اکثریت غلبۂ مادیت کی بنا پر حرص و ہوا نمود ونمائش اور ظاہر پرستی وزر پرستی میں مُبتلا ہے جس کی وجہ سے اُس کی ذہنی صلاحیتیں، جذبہ ایمان واخلاص اور روحانی وباطنی قوتیں اس درجہ زنگ خوردہ وکدورت آلودہ ہوگئی ہیں کہ اب خود اُس کے لئے حق وباطل میں تمیز کرنا مشکل کیا تقریبًا ناممکن ہوگیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو ملّت خود روحانی واخلاقی ابتری کا شکار ہوگئی ہو اس کے لئے احیاء وعروج اسلام کے لئے جد وجہد کرنا کس قدر دشوار طلب ہوگا ــــ!

ع نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو　　ترس رہے ہیں وہی گردِ کارواں کیلئے

دریں حالات یہ ازبس ضروری ہے کہ ہم اپنے اعمال وافعال کا محاسبہ کریں اور خلوصِ نیت کے ساتھ بانیٔ اسلام کی جانب رجوع ہوں اس لئے کہ حضورؐ ہی کی ذاتِ مقدسہ محافظ دین اور ضامن ومعین اسلام ہے۔ بقول شاعرِ مشرق: ؎

بمصطفےٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست　　اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

اگر ہم صدقِ دل سے صراطِ مستقیم کے طالب ہیں تو ہمیں حضور سرورِ عالمؐ ختمی مرتبت کے احکامات وارشادات پر عمل کرنا ہوگا۔ نیز آپؐ اور آپ کے مقرر کردہ خاصانِ خدا سے محبت کرنا ہوگی اور خود کو مکمل طور پر اُن کی سپردگی میں سونپنا ہوگا۔

اہل خبر حضرات جانتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ہر آنے والے دور کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہدایتِ اُمتِ مسلمہ کے لئے یقینًا اہتمام فرمایا اور وہ اس طرح جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ الخ (مشکوٰۃ) اے مسلمانو! میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک کتابِ خدا اور دوسری میری عترت یعنی میرے اہل بیت۔ جو کوئی بھی اِن دونوں کو لازم وملزوم جان کر ان سے وابستگی اختیار کرے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر آوارد ہوگا۔

افسوس! کہ ملّت نے اس نسخۂ کیمیا پر عمل نہیں کیا بلکہ بہ تقاضائے حبِّ دنیا ومصلحت کوشی نادان ونافہم اور دنیوی منفعتوں کے دلدادہ اصحاب نے حضور کے متذکرہ فرمان کے خلاف حضورؐ کی عترت واہل بیت کو جو معلّم القرآن قرار دئے گئے تھے چھوڑ کر آیات قرآنی کی غلط توضیح اور محض اُن کے ظاہری ولفظی معنیٰ کو اپنا مسلک وشعار بنالیا۔ اِس کا ثبوت اِس بات سے مل جاتا ہے کہ آیۂ قرآنی ــــ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ــــ میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کے غلط معنیٰ اخذ کرکے اِس سے صرف حاکم وقت اور امرائے ظاہری کی اطاعت مراد لے لی گئی۔ حضورؐ کی آل واولاد اور امام وقت کو جس کے بارے میں خود قرآن میں ہے ــــ

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ الخ (سورۂ آلِ عمران) (اے رسول نصاریٰ سے کہہ دو کہ ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو بلاتے ہیں اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو بلاتے ہیں اور اپنے نفسوں اور تمہارے نفسوں کو بلاتے ہیں) نہ صرف نظر انداز کر دیا بلکہ اُسے ظلم وستم سے شہید کر ڈالا جس کی نحوست سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوا اور آج تک باقی ہے۔

[مفسّرین اِس بات پر متفق ہیں کہ آیت مذکورہ میں آنحضرتؐ نے اَبْنَآءَنَا کے تحت حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنا بیٹا قرار دیا]

پس حضورؐ جو کہ محبوبِ خدا ہیں اُن کی عترت واولاد حسبِ آیۂ قرآنی موجود ہے جس کا سلسلہ نسل و ہدایت تا قیامِ قیامت چلتا رہے گا۔ یہی ہستیاں کلامِ الٰہی کے اسرار و رموز اور اُس کے حقیقی معنوں کو سمجھنے اور سمجھانے والی ہیں لہٰذا انھیں ہمیشہ محافظِ دین اور معلمِ القرآن کی حیثیت سے ہمیں یاد رکھنا چاہیئے۔ اس سلسلۂ رشد و ہدایت کی ہر زمانے میں موجودگی کی مؤید درج ذیل آیاتِ قرآنی بھی ہیں :۔

آیت	ترجمہ
۱۔ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (سُورۃ المائدۃ)	معرفت خداوندی کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔
۲۔ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ (سُورۃ التوبۃ)	اے نبی اُمت سے کہدو کہ وہ عمل کرتی رہے۔ اُس کے عمل کو خدا اُس کا رسولؐ اور مومنین دیکھتے رہیں گے۔
۳۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سُورۃ آل عمران)	اللہ کی رسّی کو مضبوط تھام لو اور متفرق نہ ہو۔
۴۔ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ (سُورۃ القصص)	ہم نے یہ طے کر دیا ہے کہ جن کو زمین پر کمزور و بے بس کر دیا گیا ہے ان کو ہم امام بنائیں اور انھیں کو وارث بنائیں۔
۵۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ (سورۃ الانبیاء)	ہم نے اُنھیں امام بنایا ہے جو ہمارے حکم سے کارِ ہدایت انجام دیتے ہیں۔

چنانچہ جو طبقہ بھی حضورؐ کے فرمان اور احکامِ قرآن پر سچے دل سے عمل پیرا ہے اور جو عترتِ رسول میں سے کسی فرد کی ہر زمانے میں موجودگی پر یقین رکھتا ہے بلاشک اُس کا عقیدہ و ایمان سلامت ہے اور وہ اُمیدِ نجات کر سکتا ہے۔ اس کے خلاف حضورؐ کے ارشادات و احکامات کو پسِ پشت ڈال کر جو لوگ خود رائی اختیار کریں گے وہ ہمیشہ بھٹکتے رہیں گے اور گمراہی کا شکار ہوں گے۔

یہاں بغیر کسی قسم کی بحث و تمحیص میں الجھنے یا الجھانے کے اربابِ نظر کی توجہ اِس نکتے کی جانب بھی مبذول کرانا مقصود ہے کہ آیۂ "اَطِيْعُوا اللّٰهَ" میں خداوند قدوس نے ایک تو اپنی اطاعت کا حکم دیا اور دوسرا حکم رسول اور اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کا دیا۔ رسول اور اُولِی الْاَمْرِ کے لئے ایک ہی بار مشترکہ طور پر لفظِ "اَطِيْعُوا" کا استعمال ایک دلیلِ واضح ہے اِس بات کی کہ جس انداز میں اور جیسی بھی اطاعتِ رسول کی جائے گی بالکل اور بعینہٖ ویسی ہی اطاعت اُولِی الْاَمْرِ کے لئے کرنا بھی لازمی ہوگی

____ یعنی رسول کے بعد جو اُولِی الْاَمْر ہوں گے اُن میں سیرت و صفاتِ رسول کی مکمل جھلک ہونا ضروری ہے ____ لہٰذا واضح ہوا کہ لفظِ اُولِی الْاَمْر سے صرف وہ امرائے ظاہر مراد نہیں ہو سکتے جن کو نافہم لوگ اِس آیت کا مصداق گردانتے ہیں۔ اِس مقام پر اگر میں یہ کہدوں کہ دینِ اسلام کی ترقی و ترویج میں کھنکھناتے سکّوں، چمکتی تلواروں اور سطوت و شوکتِ شاہی کو دخل نہیں رہا تو یہ بات تاریخی حقائق کے عین مُطابق ہوگی۔ بات دراصل یہ ہے کہ دینِ فطرت کی ترقی اُنھیں ہستیوں کی مرہونِ منت ہے جنہیں امام، اولیاء اللہ اور خاصانِ خدا کہا جاتا ہے۔ یہی ہستیاں اُولِی الْاَمْر کی مصداق و داد ہو سکتی ہیں۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جن کی سیرتیں محبت و اطاعتِ رسول کے سانچے میں ڈھلیں اور جن کے قلوب معرفتِ الٰہی کی تجلیوں سے جگمگاتے رہے۔ یہی ذواتِ مقدّسہ حدیثِ قدسی "عَبْدِیْ اَطِعْنِیْ لِاَجْعَلَكَ مِثْلِیْ" (میرے بندے تو میری اطاعت کر لے تاکہ میں تجھے اپنی صفات عطا کر دوں) کے مُطابق منجانب اللہ موجوداتِ عالم پر حقِ تصرّف پاتی ہیں۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ حضور ختمی مرتبت کے بعد سے اب تک جب بھی شمعِ دین کی لو مدہم پڑتی نظر آئی یہی ائمۂ ہدیٰ اور اولیاء اللہ سربکف ہو کر نمودار ہوئے اور اُمرائے ظاہر و سلاطینِ زمانہ کی ریشہ دوانیوں کے باوجود اُنھوں نے اِس شمع کو اُونچا کر کے ہی دم لیا۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

چونکہ بات ائمۂ ہدیٰ کی چھڑ گئی ہے اس لئے اُس مشہور حدیثِ ختمی مرتبت کا ذکر یہاں بیجا نہ ہوگا۔ یہ حدیث بلا اختلافِ الفاظ متعدد کتابوں میں مذکور ہے مثلاً جمع بین الصحیحین از حمیدی، شرح مواقف از علاّمہ تفتازانی، شرح عقائدِ نسفی، منصبِ امامت از شاہ اسمٰعیل شہید وغیرہ وغیرہ۔ حدیث یہ ہے ____ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّةً یعنی جو شخص مر گیا اور امامِ زمانہ کی معرفت حاصل نہ کی تو وہ جہالت کی موت مرا۔ یہ حدیث شریف ہمیں یہ بتاتی ہے کہ امام زمانہ کی معرفت حاصل کرنا لازمی و ضروری ہے۔ اِسی امام زمانہ کو ولی، وسیلہ، حَبْلُ اللّٰه (اللہ کی رسّی) وغیرہ کے القاب سے قرآنِ مجید اور احادیثِ نبوی میں پکارا گیا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امامت و ولایت کا اصل منبع و ماخذ حضورؐ کی عترت و اہلِ بیت

اِس مرحلہ پر میں اپنے ان رفقاءؔ، مریدین و خلفاء کا ذکر بھی ضرور کروں گا جو میرے تبلیغی روحانی مشن کے سلسلے میں میرے ساتھ ساتھ ہیں اور جو پاکستان و بیرونی ممالک میں اِس سلسلہ کی خدمات میں شب و روز کوشاں ہیں میں دُعاگو ہوں کہ خدائے بزرگ و برتر اُنھیں اپنے خزانہ خاص سے اِس کارِ رسالت کے عوض اپنی رحمتوں اور برکتوں سے سرفراز فرمائے۔ اور یہ چمن تا قیامت پھلتا پھولتا رہے۔ بارگاہِ ایزدی میں میری یہ بھی دُعا ہے کہ تمام مسلمان عالم انسان دوست اور پابند احکام دین بنیں اور رسالت جاریہ کی جہت فعلیہ سے فلاح دینی و دنیوی پائیں اور اُنھیں سچی غور و فکر نصیب ہو۔ مزید برآں دیگر اقوام عالم بھی ندائے حق پر لبیک کہیں (آمین)

؎ جہاں کے بحر بے پایاں میں وہ باباؔ کی کشتی ہے
جو بیٹھا اِس میں اُس کا پار ہے بیڑا بہشتی ہے

دُعاگو

بابا محمد شوکت علی شاہ یوسفی تاجی

بابا محمدؐ شوکت علی شاہ یوسفی، تاجی، اویسی، چشتی، قادری

خلیفۂ مجاز سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ

۴/۱۴ اے۔ حسین ڈی سلوا ٹاؤن، ناظم آباد، کراچی

فون نمبر: ۶۱۲۷۵۶

بروز بدھ، ۲۹ رمضان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۸۲ء

چمن کہ تا قیامت گُلِ اُو بہار بادا

— از —

فخر العارفین تاج السالکین حضرت مولانا سیّد محمد ظہور الحسنین شاہ صاحب

خلیفۂ سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ چشتیہ نقشبندیہ

الحمد للہ کہ سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ کی دیرینہ روایات میں وہ مبارک سعادت آئی کہ بانئ سلسلہ امام زماں فخرِ دو جہاں شیخِ دوراں سرچشمۂ ولایت ———— اعلیٰ حضرت غوث الوریٰ غوث بابا سیّد محمد یوسف شاہ تاجی المعروف شمس العلماء مولانا عبد الکریم شاہ صاحب قدس سرہ العزیز تاجی چشتی قادری نقشبندی کے حالات و معمولات اور چند معدودے کشف و کرامات قلمبند ہو کر آپکی سوانحِ حیات یعنی کتاب ہٰذا موسومہ یوسف الاولیاء مرتب ہو گئی جس کے مطالعے سے نہ صرف اہلِ سلسلہ ہی بلکہ دیگر سلاسل کے طالبانِ حق بھی مستفیض ہونگے۔ ہر چند کہ سالہا سال سے اہلِ سلسلہ اپنی جدو جہد و کوششوں میں سرگرداں رہے کہ کتاب ہٰذا حضرت کے چشم دید واقعات پر یکجائی جمع ہو کر جلد از جلد اشاعت ہو جائے مگر یہ سعادت ازلی بھی ہمارے سلسلے کے سب سے پرانے حضرت کے مرید خاص برادر معظم بابا محمد شوکت علی شاہ یوسفی تاجی کے مقدر ہو چکی تھی موصوف ابتدا ہی سے آنحضرت قبلہ و کعبہ مدظلہ العالی کی حقیقی آغوش پروردہ تربیت یافتہ اور نورِ نظر ہستیوں میں سے ہیں اور حضرت کے زمانے سے تا ایندم انہوں نے اپنی ہستی کو سرکار کے مشن کی اشاعت و تبلیغ و توسیع سلسلے کیلئے جو تبلیغ کوششیں جدو جہد، جانفشانیاں برداشت کیں اور ہنوز کر رہے ہیں۔ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مجھے قریب سے ان کے سلسلے کے مُریدین و خلفاء سے ملنے ملانے کے اتفاقات ہوتے رہتے ہیں اللّٰھم زد فزد۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے اور سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ کو ان کی ذات سے فروغ حاصل ہو۔

دعاگو سید ظہور الحسنین یوسفی تاجی چشتی قادری نقشبندی عفی عنہ

مختصر سوانح حیات

حضرت تاج الملت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم سید محمد

بابا تاج الدین حسنی والحسینی قدس سرہ العزیز ناگپوری

آپ کا نام نامی تاج الدین اور لقب تاج الاولیاء ہے۔ آپ کے والد ماجد قدیمی مدینے شریف کے باشندے تھے۔ مدینے سے بسلسلۂ ملازمت مدراس (ہندوستان) میں آکر مقیم ہوئے۔ یہاں تک کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ مکی مدنی سادات مدراسی کہلانے لگے اور پھر بسلسلۂ ملازمت مدراس سے کامٹی شریف ناگپور میں آکر آباد ہوئے۔ سنہ ۱۲۶۸ھ میں آپ کا سالِ ولادت ہے۔ بروایتِ دیگر چراغ الدین آپ کا تاریخی نام ہے۔ ہنوز آپ شکم مادر ہی میں تھے کہ والدِ مہربان کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ دو اڑھائی سال کی عمر تھی کہ والدہ محترمہ کی آغوش سے بھی محروم ہو گئے۔ آپکے نانا حضرت شیخ میراں صاحب فوج میں صوبیدار میجر تھے جو بظاہر آپکے مربی تھے۔ مگر بہ باطن آپ خدا کے آغوشِ رحمت میں پرورش پا رہے تھے اور قدرت نے آپکو جس عظیم کام کے لئے پیدا کیا تھا اس کی خبر کسی کو نہ تھی، البتہ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت کا میلان خدا ہی کی جانب تھا، بچوں کی طرح کھیل کود سے آپکو کوئی دلچسپی نہ تھی، نہ ہی سیر و تفریح لہو و لعب یا شکار کی جانب متوجہ تھے۔ بچپن میں آپ پر کسی گہری فکر میں ڈوبے رہنے سے ہر وقت ربودگی طاری رہتی تھی، ہم عمر بچے آپکو زبردستی کہیں لیجاتے تو چلے جاتے مگر بجھے ہوئے دل کے ساتھ کسی سرگرم شریک کی حیثیت کبھی حاصل نہ کی۔ مچھلی کے شکار پہ بچوں کے ساتھ صبح جاتے اور شام کو واپس آتے۔ سب بچے مچھلیوں کا شکار کرتے مگر آپ کا یہ حال ہوتا کہ کانٹا پانی میں ڈالنے کے بعد اسے جوں کا توں واپس نکال لیتے اور وہ اس وقت؟ جب آپ کے ساتھی آکر آپ کو جھنجھوڑتے اور آپ سے کہتے کہ اٹھو گھر چلیں، انھیں کیا معلوم کہ جنھیں وہ صیاد سمجھتے ہیں، وہ خود صید ہے۔ بچپن کے حالات اس طرف نشان دہی کرتے ہیں کہ آپ مادر زاد ولی تھے۔ اللہ نے آپکو

اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اس لئے کسی چیز سے آپ کے لئے کشش باقی نہ رہی تھی کشش الٰہی کا یہ اثر تھا کہ آپ خود ہی مرکزِ جذب و کشش ہو گئے۔ نانا نے مکتب میں بٹھا دیا۔ وہاں آپ علم حاصل کرنے لگے۔ یہ بات عجیب ہے کہ حصول علم میں آپ سے بے دلی ظاہر نہ ہوئی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ آپ پڑھ رہے ہیں وہ پہلے ہی سے پڑھا ہوا ہے۔ ایک دن ایک ولیِ کامل جن کا نام سید عبد اللہ تھا۔ جذب کے عالم میں مکتب میں آئے اور معلم سے مخاطب ہو کر بابا صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا علم لدنی کے عالم کو کیا پڑھا رہا ہے"؟

سن شعور کو پہنچ کر آپ نے بھی بزرگوں کی تقلید میں فوج کی ملازمت شروع کر دی۔ دوران ملازمت دیکھا گیا کہ آپ کم گو اور کم آمیز تھے۔ کم کھاتے تھے اور کم سوتے تھے۔ تلاوتِ کلام پاک آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ عبادت، ریاضت اور مجاہدہ آپ کی فطرت بن چکا تھا۔ روحانی سرشاریوں نے جسمانی تقاضوں کو بھلا دیا تھا، رفتہ رفتہ آپ کا جسم بھی انوار کی جلوہ گاہ بن گیا تھا۔ اور آپ کا جسم اطہر روح کی طرح لطیف ہو گیا، ایک ہی وقت میں آپ مختلف مقامات پر نظر آنے لگے۔ کسی فوجی افسر نے دیکھا کہ آپ ڈیوٹی پہ بھی حاضر ہیں اور مسجد میں مشغولِ عبادت بھی ہیں۔

اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ بابا صاحب ڈیوٹی پر بھی موجود ہیں وہ یہ دیکھ کر مسجد کی طرف آیا تو دیکھا کہ آپ مسجد میں عبادتِ الٰہی میں مصروف ہیں اور پھر دوبارہ جب وہ چھاؤنی پہنچا تو دیکھا کہ آپ بدستور ڈیوٹی پر حاضر ہیں۔ اس مشاہدے سے فوجی افسر کے دل میں آپ کی عظمت و ہیبت کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔ اس نے چاہا کہ آپ کی ڈیوٹی معاف کر دی جائے تو آپ نے فرمایا کہ حضرت ہم سے دو دو جگہ ڈیوٹی نہیں دی جاتی، لو سنبھالو اپنی نوکری۔ فوجی افسر نے کہا کہ آپکو ترقی دی جائے گی تو آپ نے فرمایا۔ ترقی تو مل بھی گئی۔ یہ کہہ کر آپ فوجی احاطے سے باہر چلے گئے اور نوکری کو خیرباد کہا۔

جن دنوں آپ کی ملازمت پیٹن ساگر یوپی میں تھی آپ حضرت داؤد مکی ساگری کے مزار مبارک پر جاتے اور صبح تک یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ آپ کے باطن میں ایک عظیم تغیر پیدا ہوا۔ حضرت داؤد مکی ساگری حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے خلیفہ و جانشین تھے جو کہ حضرت

علی احمد صابر کلیری رح کے جانشین تھے ۔ اور اپنے وقت کے قطب زمانہ تھے ۔ اکثر لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپکے مرشد کون ہیں تو آپنے ارشاد فرمایا کہ میرے مرشد محمد رسول اللہ صلعم ہیں جن سے اویسیہ نسبت کی طرف اشارہ تھا ۔ علاوہ ازیں کتنی ہی مرتبہ حضرت بابا صاحب نے فرمایا کہ مجھے مولا علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آلو کھلا دیا تو میں ایسا ہو گیا اس سے قوس ولایت کی طرف اشارہ ہے ۔ یعنی آلو کے لفظ کو الٹا پڑھا جائے تو ولا ہوا ۔ نیز آپ کے ارشادات میں یہ بھی ہے کہ مجھے سیدۃ کونین خاتون جنت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے ۔ میں اس زمانے کا آخری ولی ہوں جس سے آپ کا تاجدار ولایت آخر الزمان ہونے کا مقام صاف ظاہر ہے چونکہ آپکی چلہ کشی کی نشاندہی ابتداءً حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے خلیفہ داؤد مکی ساگری کے مزار مبارک سے ہوتی ہے ۔ اس لئے آپ کی حیات ہی میں جس قدر لوگ داخل ہوتے رہے، ان کو نسبت اویسیہ سے شجرۂ چشتیہ صابریہ دیا ہے اور یہی معمول آج تک ہے اور چونکہ آپ نے فرمایا کہ میں ہر سلسلے کا محی الدین ہوں اور ہر سلسلے کا فیضان آپسے جاری ہوا اس لئے جملہ سلاسل کا شجرہ آپسے مرتب کیا گیا ۔

محویت و بیخودی اور استغراق کی حالت میں کچھ عرصہ آپ ناگپور، شکردرہ، کامٹی کے جنگلات میں گھومتے رہے ۔ پھر یکایک ایک طویل عرصے کے لئے غائب ہو گئے ۔ تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ یہ زمانہ آپنے ان خطرناک جنگلوں میں گذارا ۔ جہاں وحشی درندوں کا مسکن تھا ۔ اور جس میں کہیں کہیں گونڈ، بھیل جیسی جنگلی قومیں آباد تھیں انہوں نے جب دیکھا کہ بابا کو یہ وحشی اور خطرناک جانور نقصان نہیں پہنچاتے تو وہ آپ کے گرد جمع ہو گئے ۔ آپنے ان کو راہ حق دکھائی اور ایک مدت کے بعد ناگپور میں ظاہر ہوئے ۔ یہاں خلقت کا ہجوم اس قدر بڑھ گیا کہ حکومت برطانیہ نے آپکی زیارت پر ٹکٹ مقرر کر دیا ۔ پھر پولیس سے انتظامات مشکل ہو گئے چنانچہ آپنے خلق سے تنگ آکر فرمایا کہ اب دنیا کے لوگ ہمیں چین نہیں لینے دیتے ۔ اب ہم پاگل خانے میں رہیں گے چنانچہ آپ پاگل خانے میں خود بخود چلے گئے ۔ جب آپ وہاں پہنچے تو آپسے بیحد کراماتوں کا ظہور ہونے لگا ۔ اور گورنمنٹ نے آپکی ملاقات پر ٹکٹ لگا دیا ۔ پھر بھی ہجوم کم نہ ہوسکا ۔ بالآخر ناگپور کا ایک راجہ جس کا نام رگھو راج تھا ۔ اور سیواجی مرہٹے کی اولاد میں سے تھا ۔ آپکا معتقد ہو گیا وہ آپکو پالکی میں سوار کر کے بڑی شان و شوکت کے ساتھ پاگل خانے سے اپنے محل میں لے آیا ۔

تاج الاولیاء تاج الملت والدین شہنشاہِ ہفت اقلیم

حضرت سید محمد بابا تاج الدین

حسنی و حسینی قدس سرہ العزیز

نشستِ محمدی

دورانِ قیام پاگل خانہ، واقع ناگپور شریف
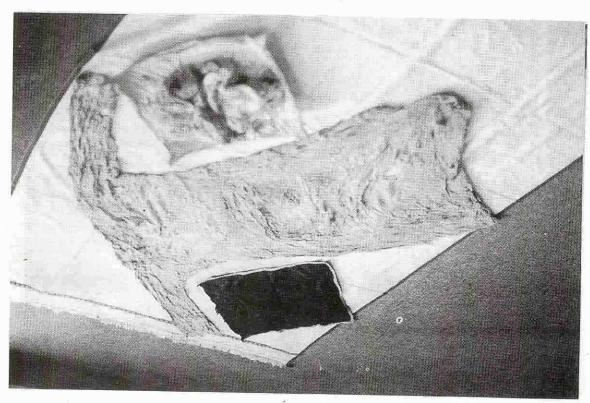
راجہ رگھوجی کے محل میں قیام کے دوران

باباصاحبؒ کی چادر مبارک

زیارت تبرکات مبارک

یہاں شکردرے کے ایک جنگل میں باباصاحب نے ایک ایسا دربار قائم کیا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ اطرافِ عالم سے ہزارہا زائرین روزانہ حاضر دربار ہوتے رہے اور باباصاحب اکثر قیام گاہ سے باہر آکر سب حاضرین کو ایک ہی حکم دیتے کہ جاؤ سب کا کام ہوگیا ہے جس سے مرادمندوں کی مُرادیں پوری ہوجاتیں۔ مُردوں کو زندہ کردینا، بیماروں کو شفا عطا کرنا، مخلوقِ خدا کی اہم مشکلات کو حل کرنا آپ کا ادنیٰ کرشمہ رہا۔

آپ نے اپنی قیام گاہ کے قریب ایک قطعہ ارضی کو شفا خانے کے نام سے موسوم کیا۔ جہاں کی مٹی کو لوگ کھاتے اور اپنے جسم پر ملتے اور کوڑھی، اپاہج اور جذامی اور ہر قسم کے مریض شفا پاتے اور ایک حصّہ زمین کو مسجد فرمایا، یہاں طالبانِ حق اور اہلِ عبادت فروکش تھے۔

اور ایک حصّہ زمین کو تعلیم گاہ قرار دیا۔ جہاں ہر قسم کے طالبانِ علم خواہ کتنے کند ذہن ہوں ذہین اور فہیم ہوجاتے ہیں۔ آپ جب اپنی قیام گاہ سے برآمد ہوتے تو مسجد والے طالب علموں اور مریضوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے جنگل میں نکل جاتے۔ اس کی ایک نظر میں ایسی تاثیر تھی کہ مریض اچھے ہوجاتے، طالبانِ خدا ولی بن جاتے اور طالب علموں کے ذہن مجلّٰی ہوجاتے سے

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جنگل میں آپکے ساتھ رہنے والے مختلف اغراض و مقاصد اپنے دلوں میں لئے ہوتے اور کبھی بھی انہیں اپنی زبان سے عرض کرنے کی ضرورت نہ ہوتی لیکن آپ کی برکت سے سب کی مرادیں بر آتیں۔ جنگل جس میں آپ کا دربار اور قیام تھا ایک ہندو پٹیل کی ملکیت تھا۔ اس کی زمین پر یہ دربار قائم ہونے سے یہ زمین زیر کاشت نہیں رہی تھی۔ پھر بھی آپ نے جب ناگپور جانے کا ارادہ کیا تو اس نے قدموں میں سر رکھ کر درخواست کی کہ سرکار آپ ناگپور نہ جائیں اور یہیں قیام رکھیں مگر آپ شکردرہ تشریف لے گئے۔ واکی میں جہاں آپ کا قیام تھا، وہاں آج بھی وہ قطعات اراضی جن کو آپ نے شفا خانہ، تعلیم گاہ و مسجد کا نام عطا کیا تھا۔ بدستور اسی نام سے موسوم ہیں اور ان سے مستقلاً وہی فیض جاری ہے

آپ کے دربار میں مشاہیرِ ہند آستانہ بوس ہوتے، گاندھی جی بھی ایک مدت تک حاضر ہوکر قدمبوس ہوتے رہے، مولانا محمد علی، شوکت علی حاضر دربار ہوئے مہاراجہ کرشن پرشاد

خانقاہِ عالیہ، ناگپور شریف

اور والیانِ ریاست ونواب وراجگان بھی دربار میں مسلسل حاضر ہوتے رہے۔ آپ کا دربار قوم و ملت کے لئے امید گاہ تھا۔ مسلمان ہندو سکھ عیسائی اور پارسی وغیرہ مساوی طور پر بلا امتیاز فیضیاب ہوتے۔ اور ہر مذہب والے نے آپ کو اپنا ہی بزرگ و پیشوا تصور کیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ سے صدہا کرامتوں کا ظہور ہوا۔ جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی مثلاً شق القمر کا واقعہ جو آپنے صرف ایک شعر پڑھ کر فرمایا جب کہ آپ جنگل میں شب کو ایک سے کے قریب کئی آدمیوں کے ساتھ گھوم رہے تھے آپنے یہ شعر پڑھ کر فرمایا ؎

ایک اشارے سے کیا چاند کا دل دو ٹکڑے

عاشق اس آن کو برچھی کی انی کہتے ہیں!

چاند کے دو ٹکڑے فرمادیئے جس کو تمام مجمع نے دیکھا۔ چند لمحوں میں چاند پھر پورا ہوگیا۔ جنگلوں میں گھومتے ہوئے اکثر شیر آن کر آپکی قدمبوسی کرتے۔

جس راجہ کے محل میں آپ قیام پذیر تھے۔ اس کی رانی جب حالت زچگی میں مرگئی تو آپنے اپنی ٹھوکر سے زندہ فرمادیا۔ علاوہ ازیں گدری نامی ایک طوائف جو آپکے دربار میں ہی رہتی تھی ہیضے کے عارضے میں مبتلا ہوکر فوت ہوگئی تو آپنے اپنی ٹھوکر سے زندہ فرمادیا۔

حضور کو جیسے ہی اس کے فوت ہونیکا علم ہوا آپنے اس کی میت طلب کی اور حکم دیا ابھی نہیں جاتے" گدری فوراً زندہ ہوگئی۔ اس واقعہ کو انڈیا کے اخباروں نے بھی شائع کیا۔ گلاب نامی ایک ہوٹل والا تھا جس کا ہوٹل حضور بابا کے دربار جنگل میں ہی تھا۔ وہ بھی بعارضہ ہیضہ فوت ہوگیا۔ جب حضور بابا کو اطلاع ہوئی تو آپنے فرمایا کہ آج گلاب کو ہماری چائے جاکر پلادو لوگوں نے عرض کیا حضور وہ تو فوت ہوچکا اور میت نماز جنازہ کے لئے مسجد میں پہنچ چکی مگر حکم دیا کہ۔ نہیں مرتا۔ ہماری چائے اس کو پلادو چنانچہ حسب الحکم میت کا منہ کھول کر چائے گلاب کے منہ میں ڈالدی گئی۔ گلاب فوراً کلمہ پڑھتے ہوئے جنازے میں سے اٹھ بیٹھا اس کو دیکھ کر تمام لوگ حیرت میں رہ گئے۔ علاوہ ازیں وقتاً فوقتاً بے شمار مردے زندہ فرمادیئے کئی دفعہ مرے ہوئے کتے اور جانور زندہ فرمادیئے۔ غرضیکہ زندگی بھر آپ سے گوناگوں کرامتوں کا ظہور ہوا۔ آپکے دربار میں صدہا افراد مرد اور عورتیں جنگل میں جابجا اللہ اللہ

میں مصروف رہتے تھے جن میں سے اکثر کا کھانا ایک طویل عرصے تک بند رہتا۔ اور وہ لوگ ولائیت کے اعلیٰ مقام پر فائز المرام ہوتے رہے اور ان سے کشف وکرامات کا ظہور ہوتا رہا۔ منجملہ ان مجاہدین کے مریم اماں کا واقعہ قابل ذکر ہے کہ ان کو حضور بابا صاحب نے چھ سال کی عمر میں ہی ایک نظر کیمیا اثر سے ولی بنادیا تھا۔ اور یہ بھی ایک دریا کے کنارے سالہا سال حالت جذب میں بیٹھی رہیں ایک جگہ بیٹھے رہنے سے ان کے بدن پر دیمک چڑھ گئی تھی اور مختلف کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا تھا، حکومت نے ان کی زیارت پر ٹکٹ لگادیا تھا۔

الغرض آپکی ان کرامات کے تفصیلی و تاریخی ہزاروں واقعات آپکی کتب ہائے سوانح حیات میں مفصل درج ہیں۔ نیز اب بھی ان واقعات کے چشم دید گواہ ہند و پاکستان میں بکثرت موجود ہیں۔

بالآخر آپ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۲۵ء یوم دوشنبہ بوقت مغرب اس جہان فانی سے پردہ فرماکر واصل بحق ہوئے۔

آپکے پردہ فرمانے پر ناگپور کے مندروں میں جس قدر بت تھے ان کے متواتر تین دن تک آنسو جاری رہے جس کا تذکرہ ہندوستان کے تمام اخبارات میں شائع ہوا۔

تاج آباد۔ ناگپور میں آپ کا روضہ مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے جہاں سے اب بھی نت نئی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اور لاکھوں آدمی آپکے عرس میں شریک ہوتے ہیں۔ یوں تو ہزارہا افراد مرد و زن مسلمان و کافر حضور بابا صاحبؒ کی فیض رساں و کیمیاں اثر نظر سے ولی اللہ بنتے رہے مگر ان اولیاء کی صف میں آپکے روحانی جانشین مالک رشد و ہدائیت و امام ولائیت حضرت سیدنا غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی قدس سرہٗ العزیز کی ہستی مبارک ہی وہ چنیدہ ہستی ہے جو قابل ذکر ہے۔ اسی لئے کتاب ہذا آپکی سوانح حیات پر مرتب و شائع کی جارہی ہے تاکہ وہ رہ روان راہِ طریقت کو استفادہ بخش ثابت ہو۔

حضرت سلطان العاشقین و فخر جملہ اوّلین و الآخرین و تاج المحب و المحبوبین

مولانا سیّد عبد الکریم شاہ المعروف سیدنا بابا غوث

محمد یوسف شاہ

تاجی قدس سرہ العزیز کلاہ محبوبی میں،

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز کے دربار میں اعزازی سجادہ نشینی کے موقع پر۔

فانی فی اللہ و باقی باللہ

فخر الموحدین، تاج المحب والمحبوبین، غوثنا و غیاثنا،

حضرت سیّدنا

غوث بابا محمّد یوسف شاہ تاجیؒ

الموسوم بہ

شمس العلماء مولانا

سیّد محمّد عبد الکریم شاہ تاجیؒ

اویسی، چشتی، قادری

بسمِ اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ولادت، نسب، تعلیم، بیعت، خلافت

حضرت غوث بابا محمدؐ یوسف شاہ تاجی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کا وطنِ اجداد ریاست جے پور، اور آپ کا مَولد مبارک قصبہ ہنڈون ہے اور با اختلافِ روایت سن ولادت ۱۸۸۱ء یا ۱۸۸۲ء ہے۔ آپکے والدِ بزرگوار سید لعل محمدؐ صاحبؒ کے متعدد اولادِ ذکور و اناث ہوئیں، لیکن زندہ ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے رہ سکے۔ صاحبزادی کا اسمِ گرامی غفورن بیگم صاحبہ اور صاحبزادگان میں پہلے صاحبزادے کا نام سید محمدؐ حسین تھا، چھوٹے صاحبزادے حضرت قبلہ و کعبہ مرشدی مولانا عبدالکریم شاہؒ کی ولادتِ با سعادت ماہِ رمضان المبارک میں ہوئی۔ والدہ صاحبہ روزے سے تھیں۔ یہ امر نو مولود کے مادر زاد ولی اللہ ہونے کا واضح نشان تھا۔ السعید من سعد فی بطن اُمّہٖ۔ حضور سیدنا غوث الاعظمؒ کی ولادتِ پاک کے وقت آپؓ کی والدہ ماجدہ بھی روزہ دار تھیں۔ دیکھنے والوں نے بچپن میں ہی دیکھ لیا تھا کہ سر زمینِ ہنڈون کا یہ نو مولود، امیرِ کشورِ فقر اور شہہِ اقلیمِ عرفاں کی طرف سے نامور ہیں اور شکمِ مادر (حقیقتِ محمدؐیہ) سے ہی ولی پیدا ہوئے۔ پیدائش کے وقت آپکی والدہ صاحبہ کا روزہ دار ہونا، ماسوائے اللہ سے اجتناب، آپکی فطری خصوصیت بن گیا۔

ابھی یہ نو مولود چھ ماہ کے تھے کہ مادرِ مہربان کی شفقت سے محروم فرما دیئے گئے۔ تاکہ تکلیف پسند، غم دوست، ناز و نعم سے بیگانہ اور درد آشنا ذوق کی تربیّت، آغوشِ فطرت میں ہو سکے۔ اور چونکہ یہ نو مولودِ مسعود، مردانِ خدا کی صف میں ایک امتیازی منصب حاصل کرنے والے تھے اور عشقِ الٰہی کی دشوار گزار گھاٹیوں، ناقابلِ عبور وادیوں سے ان کا گزارا جانا مقدر ہو چکا تھا، البلاءُ بقدرِ الولاءِ اس لئے ماں کے بعد پرورش کا بوجھ، باپ کے کندھوں پر آپڑا۔ پھر ذرا بڑے ہوئے تو کھوائے پاڑا کی مسجد میں قرآن خوانی کے لئے داخل کر دئے گئے۔ اس مسجد کے پیش امام ریاست ٹونک کے ایک حافظ قاری اور عالمِ دین حضرت مولٰینا حبیب احمد قادری تھے اور حضرت قبلۂ کعبہ مرشدی و مولائی سید مولانا عبدالکریم شاہ صاحبؒ کے پہلے استاد یہی بزرگ تھے جنھوں نے ختمِ قرآنِ کریم کے ساتھ ساتھ آپکو اردو اور فارسی بھی پڑھائی۔ جب آپ ذرا بڑے ہوئے تو آپ نے تعلیم جاری رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ کے والد جناب سید

لعل محمدؒ کے حالات متوکلانہ تھے اور اپنے لاڈلے بیٹے کے ذوق کا ساتھ دینے کے لائق نظر نہیں آتے تھے۔ چنانچہ جیسے ہی آپؒ سنِ بلوغ کے قریب پہونچے، کسی نہ کسی طرح اعلیٰحضرت مولینا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بریلی تشریف لے گئے اور اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلویؒ کے مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔ آپ کی ازلی سعادت مندی، فرمانبرداری، ذہانت، نکتہ رسی، ادب و آداب، سلاست بیانی، بلاغت فکری اور منفرد خوش الحانی نے اساتذہ کو بالعموم اور اعلیٰ حضرتؒ کو بالخصوص متاثر کیا۔ اور ان کی دُور بین و دُور رس نگاہوں نے تاڑ لیا کہ اس شہبازِ اقلیم علم و عرفان کو صلاحیتِ پرواز مبداءِ فیاض نے جی کھول کر دی ہے۔

اعلیٰ حضرتؒ کے مدرسے میں آپ بروایتِ متفرقہ بارہ برس تک مقیم رہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، ادب میں دستگاہِ کامل حاصل ہو گئی تو دستارِ فضیلت آپ کو ودیعت ہوئی۔ تقسیم اسناد کی اس تقریب کا حال بھی عجیب ہے۔ ہوا یہ کہ اس سال اس تقریب کی صدارت حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین عرف ننھے میاںؒ سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ نیازیہ، بریلی نے فرمائی تھی۔ مسندِ صدارت پر حضرت تاج الاولیاء ننھے میاںؒ رونق افروز ہوئے تو حضرت مولینا عبدالکریم شاہ صاحبؒ کو اپنے تخت پر بیٹھنے کے لئے اشارہ فرمایا۔ حضرت قبلہ و کعبہ کا ارشاد ہے کہ مجھے اتنا تو یاد ہے کہ یہ اشارہ جس میں دعوتِ خصوصی تھی، میں نے دیکھا اور اس کے معابعد میں تخت پر تھا۔ کیونکہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے ارادہ کیا ہو اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر چلا ہوں اور تخت پر جا کر بیٹھا ہوں۔ جلسے کی کاروائی کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہونا تھا۔ حضرت ننھے میاں صاحبؒ نے سرکار مولینا عبدالکریم شاہ صاحبؒ سے تلاوت کرنے کی فرمائش کی۔ حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے لحنِ داؤدی سے نوازا تھا۔ پاٹ دار آواز میں دلکش و دلنواز گونج تھی۔ آپ کی تلاوت سے پوری محفل پر، کیف و سرور اور رقتِ قلبی کی کیفیات کا صدور ہونے لگا۔ بریلی شریف میں تقسیم اسناد (کانووکیشن) کی تقاریب میں سندِ فضیلت حاصل کرنے والے کسی بھی طالب علم کو تخت نشینی کا اعزاز عطا نہیں ہوا تھا۔ ازاں بعد تاج الاولیاء بریلوی علیہ الرحمۃ نے آپ کو سندِ تکمیل تفویض فرمائی۔ یہ امر سلطنتِ فقر میں آپؒ کی تخت نشینی کا پیش خیمہ تھا۔ وہی تاج الاولیاءؒ جو مدرسہ میں آپ کو نواز رہے ہیں۔ وہی تاج الاولیاءؒ آخر میں تربیت فرما کر آپ کو تخت و تاج کا وارث بنا گئے۔ پھر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے آپ کو حکم دیا کہ سیتاپور جا کر وہاں کے علماءِ حق سے (جو اس دور کے مشہور اور مستند مُفسّر، مُحدّث اور فقیہہ تھے) سے بھی اپنی سند پر دستخط کرالو۔ حسب الحکم اعلیٰحضرتؒ آپؒ سیتاپور تشریف لے

گئے۔ چندے قیام فرمایا۔ مجالسِ علماء میں مواعظ و تقاریر فرمائیں اور آپ کی سندِ فضیلت پر بالاتفاق، تمام علماءِ دین نے اپنی اپنی مہر اور دستخط ثبت فرمادیئے۔

آپ جے پور تشریف لے آئے۔ ایک مدرسے میں معلّمی اختیار فرمالی۔ اس وقت مکمل عالمانہ رنگ غالب تھا۔ اہلِ علم، تفسیر، حدیث، فقہ میں آپؒ سے استفادہ کرتے تھے۔ تبلیغ دینِ حق سے بدرجہ اتم شغف تھا۔ تمام مسائل کماحقہٗ مستحضر تھے۔ ہزارہا احادیث نوکِ زبان پر تھیں۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ رسولِ کریم ﷺ کی تفاسیر عارفانہ شان و شوکت سے فرماتے تھے۔ مثنوی مولانا رومؒ سے شغفِ خاص تھا۔ آپ کے مواعظِ حسنہ نہایت مربوط، خزانہءِ علمی سے پُر، اسرار و رموز کے نکات سے آراستہ ہوتے تھے۔ نہایت جامع و مانع مختصر تقریر فرماتے۔ عام واعظین کی ڈگر سے بالکل جداگانہ انداز تھا۔ آپ کی تقاریر و مواعظ میں نہ روایات کی بھرمار ہوتی، نہ کوئی غیر مستند قول نقل فرماتے۔ ترجمہ و تفسیر اور بیانِ حدیث میں وہ نکات بیان فرماتے کہ اہلِ علم آپ کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ اندازِ بیان میں فصاحت و بلاغت موجزن، آواز میں سوز و گداز اور سحر افشانی تھی۔ جن سے سامعین کے دل میں گداز و تجسّس اور تفکر کا ذوق پیدا ہو جاتا۔ رقتِ قلبی کی دولت میسر آجاتی۔ جے پور میں علماءِ دین کا جمگھٹ رہنے لگا تھا اور دور دور تک آپؒ کے مواعظِ حسنہ کی شہرت جا پہنچی تھی۔ آواز میں ایسا کھنکا اور لے ایسی دلکش تھی کہ سامعین روتے روتے بے حال ہو جاتے اور پروانہ وار آپؒ پر نثار ہونا چاہتے۔ رفتہ رفتہ اتنی شہرت ہوئی کہ برِ کوچک ہند کے طول و عرض سے دعوت نامے آنے لگے۔ یہ دعوتیں رد بھی کی جاسکتی تھیں۔ لیکن آپؒ بہر حال تشریف لے جاتے۔ بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ بیک وقت کئی کئی مقامات پر آپؒ مدعو رہنے لگے۔ حتی الامکان سب کی دلدہی کا اہتمام فرماتے تھے۔ دُور و نزدیک ہر جگہ "مولانا صاحب" کے اسم گرامی سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپؒ نے اپنے مواعظ کو سرمایہ اندوزی کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا۔ جو فتوحات ہوتیں، وہ والد صاحب کی خدمت اور قوتِ لایموت و متعلقین کی کفالت کی نذر ہو جاتیں۔ اگر کبھی کچھ بچ رہتا تو مستحقین پر فورا صرف کر دیا جاتا۔

مرآۃِ جمالِ ذُوالجلالی

۱۹۱۰ء میں عالم یہ تھا کہ بمبئی، پونا، احمد آباد، کاٹھیاواڑ، ناگپور شریف بنگلور، مدراس، بریلی، کاکوری، بنارس اور کلکتہ میں آپ کے لاتعداد عقیدتمند پیدا ہو چکے تھے اور آپؒ سے حصُولِ بیعت کے طالب تھے۔ لیکن اُس وقت تک چونکہ سرکارؒ کسی سلسلۂ روحانی سے متوسّل اور مجاز نہیں تھے، اس لیے اُن طالبانِ حق کو کہیں دوسری جگہ رجوع ہونے کی تلقین فرما دیتے۔

بیعت

۱۹۱۱ء کے آغاز میں حضرت شاہ صوفی عبدالحکیم لکھنوی کامٹویؒ سے اجمیر شریف میں آپؒ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت صوفی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ ایک متبحّر جیّد عالم، شیخِ طریقت، سالک بزرگ تھے۔ آپ کا قیام زیادہ تر کامٹی شریف (سی۔پی) میں رہتا تھا۔ سرکار یوسف الاولیاءؒ سے قبلہ صوفی صاحب کی گفتگو رہی۔ آپؒ کی سعادت، وسعتِ علم اور بزرگی سے صُوفی صاحب علیہ الرحمۃ بہت متاثر ہوئے۔ اِدھر سرکارؒ کو بھی حضرت حکیم الاولیاءؒ سے والہانہ محبت ہوگئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۱ء کے اواخر میں سرکارؒ نے صوفی صاحبؒ کے دستِ مبارک پر بیعت فرمالی۔ چند ماہ سرکارؒ کو آپؒ نے اپنے ہمراہ رکھا اور مُریدین میں متعارف کرایا۔ اس دَور میں سرکارؒ کا بیشتر وقت تزکیۂ نفس میں صرف ہُوا۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے علاوہ جو اذکار و اشغال، اوراد و وظائف حضرت صوفی صاحبؒ نے تعلیم فرمائے، تہجد، اشراق اور چاشت کی پابندی کے ساتھ اُن کی تکمیل فرمائی۔ اتباعِ سُنّت سے ظاہری آراستگی کے ساتھ اذکارِ لسانی، قلبی، روحی وغیرہ آپ کا معمول تھے۔

خلافتِ کاملہ

۱۹۱۲ء میں حضرت شاہ صُوفی عبدالحکیم لکھنوی کامٹوی علیہ الرحمۃ نے تمام سلاسلِ عالیہ کا خلافت نامۂ کاملۂ و

جامعۃً سرکار یوسف الاولیاء قدس سرہٗ کو عطا فرما کر سلاسلِ اولیاء اللہ کی تبلیغ و توسیع کا حکم دیا۔ حضرت صوفی صاحب علیہ الرحمۃ کی نسبتِ واضح، جس کی آپ تبلیغ و اشاعت فرماتے تھے چشتی قادری تھی۔ چنانچہ اسی منہاج پر سرکارؒ نے بھی اشاعتِ دین شروع فرمادی اور بمبئی، پونا، احمد آباد، کاٹھیاواڑ، ناگپور، ساگر، بنگلور، مدراس، کھڑکپور، کلکتہ، جونپور فیض آباد، کانپور وغیرہ میں ہزارہا کی تعداد میں مخلوقِ خدا کو داخلِ سلسلہ کیا۔ یہ دَور آپ کے سلوک کا تھا۔ آپ نے اتباعِ شریعت و قبولِ طریقت کی تلقینِ عام فرمانے کے ساتھ اہلِ دل اور صاحبانِ استعداد کو حقائق و معارف کے نکات بھی تعلیم فرمائے۔

عروجِ پرواز

۱۹۱۹ء میں سرکارؒ بھی عُرس حضرت غریب نوازؒ میں شرکت کے لئے تشریف لائے اور آپؒ کے پیرو مرشد حضرت شاہ صوفی عبدالحکیمؒ بھی۔ ایک دن حضرت صوفی صاحب نے سرکارؒ کو غریب نوازؒ میں پیش کیا۔ سرکارؒ نے اپنی تصنیفِ لطیف تذکرۂ تاج الاولیاء میں تحریر فرمایا ہے۔

جب مجھے پیرو مرشد نے غریب نوازؒ کی خدمت میں پیش کیا تو میری ٹوپی سر سے اُتر گئی اور مزار شریف کے اندر چلی گئی۔ باہر آیا تو جوتا کسی صاحب نے قبول فرمالیا تھا۔ الغرض کہ ہم ننگے سر، ننگے پاؤں ہی خواجہ حسام الدین جگر سوختہؒ کے عُرس میں بمقام سانبھر (ریاست جے پور) حاضر ہوئے۔

سرکارؒ اس واقعہ کو باباصاحبؒ کے دربار میں پہنچ کر برہنہ پائی اور برہنہ سری کے پیش آنے والے واقعات کی طرف اشارہ ہوتا، فرمایا کرتے تھے۔ چناں چہ ہوا بھی یہی کہ حضرت شاہ صوفی عبدالحکیمؒ کے حسب الحکم باباصاحبؒ کے دربار میں جب سرکارؒ پہنچے تو آپ پر جذبی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ ننگے سر اور ننگے پیر ایک مدت طویل تک قلندرانہ گھومتے رہے۔

اسی تذکرۂ تاج الاولیاءؒ میں آقا و مولیٰ سرکار والاتبارؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ہمارے پیرو مرشد حضرت صُوفی عبدالحکیم لکھنویؒ نے حکم دیا کہ تاج الاولیاء تاج الملّت والدین شہنشاہِ ہفت اقلیم حضرت سید محمدؒ بابا تاج الدین ناگپوری کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چناں چہ پہلی مرتبہ واکی شریف

حاضر ہوئے تو ارشاد ہُوا :- "ابھی دیر ہے"۔ پھر جب حضور تاج الاولیاءؒ نے
واکی شریف سے اپنا قیام شکردرہ (ناگپور) میں فرمایا تو شرفِ حاضری
حاصل ہوا۔ حضور تاج الاولیاء کی ظاہری حالت دیکھ کر خیال آیا کہ "حضرت
پیرو مرشد نے مجھے کہاں بھیج دیا۔ یہ بزرگ تو باشرع نہیں معلوم ہوتے"۔
یہ خیال آتے ہی معاً بابا نے حکم دیا کہ "اِس مولوی کو یہاں سے نکال دو"۔

خدام نے تعمیلِ حکم میں سامنے سے الگ کر دیا۔ ہم پر انفعال طاری
ہُوا کہ ہم نے اپنے شیخ کے حکم میں چون وچرا کا پہلو نکالا۔ بابا کی روشن ضمیری
سے اپنی اِس حالت پر شرمندگی ہوئی کہ شریعت وطریقت کے مراسم
کی ظاہری پابندیاں اِس عمر تک مبالغے کے ساتھ تم کرتے رہے، مگر یہ بصیرت
پیدا نہ ہوسکی کہ بابا کے مدارج کا انکشاف تم پر ہوتا، یا، شیخ کے حکم کی
مصلحت منکشف ہوتی۔ غرضیکہ ہم اپنے دل میں بہت نادم ہوئے اور
چند روز اِسی ندامت میں بابا سے دُور گزرے۔ اللہ م توبتہ۔
آخر کار ہمارے ظاہر و باطن نے متفق ہو کر فیصلہ کیا کہ :- ؎

بمے سجادہ رنگیں کُن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

ایک روز کسی درخت کے نیچے بابا آرام فرمارہے تھے۔ زائرین کا ہجوم
چاروں طرف تھا۔ کچھ خدام پاؤں دبا رہے تھے۔ ہم نے موقع پاکر پائے
مبارک کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ آپ پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئے۔ جُبّہ مبارک
اُتارا، اور ہماری طرف پھینک کر فرمایا: "تیری شریعت تجھے ہی مبارک"۔
خدام نے بابا کو فوراً دوسرا جُبّہ پہنا دیا۔ اور وہ جُبّہ مبارک جو ہم کو عطا ہوا
تھا۔ ہم نے پہنا۔ پہنتے ہی دنیا بدل گئی۔ جذب ومستی کا عالم طاری ہوگیا
حجابات مرتفع ہوگئے ؎ مرشد ایسا کیجئے جو صَیقل گر سا ہوئے
جنم جنم کے مورچے پل میں دیوے کھوئے
ارشاد ہوا: "صرف چائے پینے"۔ چناں چہ ایک مدت تک غذا بند رہی۔

صرف چائے پر گذارا ہوتا رہا۔ ننگے پاؤں، ننگے سر، پیادہ پا میلوں سفر کرتے۔
گرمی سردی، دھوپ، ہوا، بھوک، پیاس، نیند اور فطری تقاضے سب
غائب۔ اپنی ہستی اور اپنا علم رخصت ہُوا۔ بال بال سے تاج الدین
تاج الدین کی آوازیں آنے لگیں۔ عبادت، طاعت، اوراد و اشغال
نے الفراق کہا ؎ ہنگامِ زہد و طاعت و تقویٰ گذشت و رفت
دورِ حقیقت است و داغِ مجاز کن

یُوسف نام کیوں رکھا گیا

سرکار والا تبارؒ نے خود تحریر فرمایا ہے:-
ایک روز شکردرہ میں رگھوراؤ راجہ
کے محل میں بابا کا قیام تھا۔ پاس ہی ایک تالاب ہے۔ تالاب کے قریب
ایک باؤلی ہے۔ اس باؤلی میں بابا نے ہم کو بِٹھا دیا۔ اور ہمارا نام
یُوسف رکھا۔

سرکارِ والا یوسف الاولیاءؒ نے فرمایا:-
شکردرہ میں قیام سے پہلے پہلے ہم ناگپور کئی مرتبہ گئے تھے۔ وعظ
کہا کرتے تھے۔ محلّے کے محلّے ہم سے شناسا تھے۔ ہمارے وعظ سے
اُن لوگوں کو اتنی دلچسپی تھی کہ دِنوں کا قیام ہفتوں اور مہینوں میں
تبدیل ہوجاتا تھا۔ نتیجہ میں لوگ ہم سے بہت مانوس ہوگئے تھے اور
بہت محبت کرتے تھے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہم شکردرہ
مقیم ہوگئے ہیں تو ہمارے پاس آکر سمجھانا بجھانا شروع کیا ؎

سرمد در دیں عجب شکستے کردی
ایماں بہ فدائے چشم مستے کردی
عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثارِ بُت پرستے کردی

مگر یہاں تو یہ حال تھا ؎ نہ کام اُن کو ہے اِبن و آں سے، نہ کچھ خبر اپنے جسم و جاں سے
گذر گئے ہیں وہ دو جہاں سے جو تیرے کوچے میں آچکے ہیں

ہم نے کہا کہ ہم دیوانے ہیں تو دیوانے کو نصیحت عبث ہے اور اگر عقل مند ہیں تو عاقل نصیحت کا محتاج نہیں۔ تم لوگ ہمیں شکر درہ سے شہر واپس جانے کو کہتے ہو، میں کہتا ہوں کہ تم سب یہاں آؤ اور ہم جیسے ہو جاؤ ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند و سرِ طرّہ یارے گیرند

بابا صاحب رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضری نے سرکارؒ کی زندگی ہی بدل دی۔ وہ عالمانہ وضع قطع کا لباس ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا۔ ایک عرصہ تک کمبل کا لمبا کُرتہ جسم پر ہوتا تھا۔ شیریں گفتاری، معجز بیانی اور فصیح اللسانی، گہرے اور مسلسل سکوت میں تبدیل ہوگئی۔ گھنٹوں، پہروں خاموش، مستغرق اور بے حس و حرکت آنکھیں بند کئے بیٹھے رہتے۔ جنگلوں میں رات دن گھومتے۔ ہجوم ساتھ ہوتا۔ جو ساتھ ہوتا اُسے بھی تن بدن کا ہوش نہ رہتا۔ الگ ہونے کو جی نہ چاہتا۔ کئی کئی دن لوگ اپنے گھر نہ جاتے۔ کھانا ترک تھا صرف چائے پر گذر تھا۔ اُسی زمانے میں آپ سے بے شمار کشف و کرامات، خوارق عادات کا ظہور ہوا۔

حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی آفتابِ نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ آپ کے مراتبِ ولایت کا اندازہ اربابِ کشف و شہود سے بھی مُتعَذّر ہے۔ آپ تمام کمالاتِ ولایت کا سرچشمہ ہیں۔ اور تمام کرامتیں جو مختلف زمانوں میں مختلف اولیاء اللہ سے ظہور پذیر ہوئیں۔ آپ کے نامِ نامی سے منسوب ہیں۔ جس ذات گرامی نے ہزاروں بندگانِ خدا کو چشم زدن میں مرتبۂ ولایت پر فائز کردیا، اُس کے مرتبہ کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ پھر ظاہر ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ جس کی (۱) تربیت فرمائیں (۲) جس کو نوازیں (۳) جس کو اپنا بیٹا کہیں (۴) ولی اللہ فرمائیں (۵) اپنے خزانہ کی کنجی قرار دیں (۶) جُبّہ عنایت فرمائیں (۷) عمامہ دستِ مبارک سے سرکارؒ کے سر پر

باندھیں، تو آپؒ کے مدارج کا اندازہ، آپؒ کے علوئے مرتبت کا تخمینہ کیوں کر ممکن ہے۔ حضرت قبلہ و کعبہ سیّدنا و مرشدناؒ خود فرماتے تھے کہ "ہم سے بابا صاحب رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا:۔ "سب سے پیچھے آئے اور سب سے اچھے رہے"۔

ع دیر آمدہ ز راہِ دُور آمدہ

بابا صاحب رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضری سے پہلے چارؔ خانوادوں کی نسبت اور اجازتِ خلافت آپ کو حاصل تھی، مگر بابا صاحب کی نسبت اُن تمام نسبتوں پر غالب آئی۔ تمام نسبتیں اِس جامعیت کی نسبت میں مندرج و مندمج ہوگئیں یہاں تک ایک دن بابا صاحب نے آپ کو حکم دیا کہ ہمارے ایک ہزار نام لکھ لاؤ۔ آپ نے ایک ہزار نام لکھ کر پیش کیے اور بابا صاحب نے وہ اسمائے مبارکہ سمعِ قبول سے سُنے۔ سرکار والا تبارؒ ارشاد فرماتے تھے کہ جو شخص تجلّیاتِ اسمائی کا عارف نہ ہو، وہ ان اسماء کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتا۔

تاج الاولیاء (طبع دوم) کے صفحہ ۳۳۶ پر مرقوم ہے:۔

"کسی شیخ کا اپنے مُرید کو ایک ہزار نام لکھنے کا حکم دینا، کئی معنوں کا حامل ہوسکتا ہے۔ اوّلاً یہ کہ ہر اسم چونکہ ایک صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ اس لئے ایک ہزار نام سے ظاہر ہے کہ ایک ہزار صفات پر دلالت کرنے والے ہوں گے۔ اس لئے وہ مُرید جو شیخ کو کسی اسم کا مسمّیٰ سمجھتا ہے، وہ دوسرے اسم کے ساتھ نہیں جان سکتا اور نہ پہچان سکتا ہے۔ بلکہ انکار سے پیش آنے کا قوی امکان ہے۔ ایسے مرید کا سلوک الی اللہ ناقص ہے۔ جو اپنے شیخ کی محدود اور مُقیّد جہتِ بَشَری کا عارف ہے اور اُس کو اُسی نام سے جانتا ہے۔ برخلاف اس کے وہ سالک، جو شیخ کو جہتِ حق کے ساتھ وابستہ سمجھتا ہے وہ خود غائب ہوکر، وہاں سب کچھ حاضر پاتا ہے۔ تمام تجلّیاتِ الٰہی اس کے مرکز کے گرد طواف کرتی نظر آتی ہیں۔ صفات، افعال اور آثار کے سرچشمے یہیں سے پھوٹتے ہیں۔ اِس مقام پر سالک کی نظر سے غَیرِیَّت اور تَعَدُّد کے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور وہ جان لیتا ہے کہ حقیقتِ شیخ، حقیقتِ محمدی ہے۔ یہی حقیقت تمام اسماء کی مسمّیٰ، تمام اوصاف کی موصوف، تمام افعال کی فاعل،

تمام آثار کی مؤثر، تمام موجودات کی موجِد، مشہود ہوتی ہے ـــ باباؒ کا اپنے ہزار نام سرکارِ والاؒ سے طلب فرمانا، اِس امر کی طرف اشارہ تھا کہ آپؒ حقیقتِ شیخ کے عارف تھے اور باباصاحبؒ جیسے جلیل القدر ولی اللہ کے حضور میں ہزار نام لکھ کر پیش کرنا، اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کا علم وعرفان مستند تھا اور کشف و وجدان برزخِ کبریٰ میں جاری وساری تھا۔ سلوک اِلی اللہ کی تکمیل کا یہی مقام ہے۔ اس کے بعد وُصول اور بقا باللہ ہے۔ اس سے آگے کوئی مقام نہیں۔ ذات، ترقی سے نہیں تجلّی سے موصوف ہے ـــ"

سرکارؒ کو باباصاحبؒ کی ذات میں کامل فنائیت حاصل تھی۔ تاآنکہ آپؒ کی صورت ظاہری بھی باباصاحبؒ کی صورت سے مل گئی تھی۔ اور اس امر کے شاہد آج بھی صدہا کی تعداد میں بقیدِ حیات ہیں جنہوں نے حضرت باباصاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور سرکار سیدنا و مولانا عبدالکریم شاہ المعروف حضرت غوث بابا محمد یوسف تاجی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی زیارت کی ہے۔

نائب منیب، منیب نائب

منازلِ جذب وسلوک سے گزر کر، تکمیلِ سلوک کے مقام پر جب سرکارؒ فائز ہوئے۔ تو یہ معمول بن گیا کہ جو غیرمسلم، مسلمان ہونے کے لئے باباؒ کے دربار میں حاضر ہوتے، باباؒ اُنہیں سرکارؒ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ اور سرکارؒ اُنہیں داخلِ اسلام فرما دیتے تھے۔ اسی طور پر وہ لوگ جو مُرید ہونے کے لئے حاضر ہوتے، باباصاحبؒ اُن کو بھی سرکارؒ کے پاس بھیج دیتے اور سرکارؒ انہیں مرید فرما لیتے۔ باباؒ کے دربار کے ایک پُرانے خادم جنگلی شاہ بھی تھے۔ باباصاحبؒ نے ایک دن اُن کو حکم دیا کہ "جاؤ ہمارے یوسف سے مرید ہوتے"۔ انہوں نے خیال کیا کہ یہ تو میرے پیر بھائی ہیں۔ میں اُن کا مُرید کیوں بنوں، باباؒ سے مُرید ہوں گا۔ جنگلی شاہ صاحب یہ خیال دل میں لئے باباصاحب کے سامنے پہنچے تو آپؒ نے بڑے عتاب آمیز لہجے میں فرمایا

محمد یوسف میرا بیٹا ہے،

غریب نواز ہے،

ولی اللہ ہے، ـــ حکم ملتے ہی!

چنانچہ جنگلی شاہ صاحب فوراً ہی سرکارِ والاتبارؒ کے پاس حاضر ہو کر پہلے معافی کے خواستگار ہوئے اور سرکارؒ سے حصولِ بیعت کا شرف حاصل کیا۔

ـــــ o ـــــ

حضرت بابا تاج الاولیاء ناگپوریؒ نے حکم دیا کہ شکردرہ میں جشنِ میلاد شریف آراستہ کیا جائے۔ جب محفلِ میلاد آراستہ ہوگئی تو سرکارؒ کو حکم ہوا کہ میلاد خوانی کی جائے سرکارؒ ارشاد فرماتے تھے کہ اس میلاد خوانی کا جو کیف و سرور ہمیں اور حاضرین کو حاصل ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ حاضرینِ جشن نے بکثرت بیان کیا ہے کہ سرکارؒ کا لباس بار بار بڑا ہی مُرتّع، زرنگار، رنگارنگ اور دیدہ زیب لباسوں میں تبدیل ہوتا رہا۔ آخر تک یہی کیفیت طاری رہی۔ میلاد شریف ختم ہوا تو خاص خاص حاضرین کی موجودگی میں حضرت باباصاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ :-

"مولانا محمد یوسف شاہ ہمارے خزانے کی کُنجی ہے"

ـــــ o ـــــ

سرکارؒ جن دنوں باباصاحبؒ کے پاس شکردرہ میں مقیم تھے اور طالبانِ بیعت کو اپنی غُلامی میں قبول فرمانے کے علاوہ باباصاحبؒ کے فرستادہ حضرات کو بھی بیعت فرماتے تھے، سرکارِ والاتبارؒ نے فرمایا کہ اُنہی دنوں ہمیں خیال آیا کہ دیگر سلاسل میں جس طرح خلافت نامہ یا سندِ خلافت عطا ہوتی ہے، یہاں باباصاحبؒ نے ہمیں کوئی خلافت نہیں دی۔ ناگاہ ہماری جائے قیام پر باباصاحبؒ تشریف لے آئے۔ ایک سادہ کاغذ کہیں سے آپ کے ہاتھ میں آگیا۔ قریب ہی روشنائی کی دو دواتیں رکھی تھیں۔ ان دونوں کی روشنائی کو پہلے تو ایک کیا۔ پھر شطرنج کا ایک ٹوٹا ہُوا مُہرہ، جو زمین پر پڑا تھا۔ اُٹھالیا اور اُسے قلم کی طرح دوات میں ڈبو کر بہت جلدی جلدی کچھ خطوط کشید فرمائے۔ پھر اسی پر کچھ لکھا اور پلک جھپکتے یہ سب کچھ کر کے، وہ کاغذ، ہمیں یہ کہتے ہوئے عنایت فرمایا کہ :- "لو یہ خلافت نامہ ہے"۔

سرکارؒ فرماتے تھے کہ اب جو ہم نے دیکھا تو اس کاغذ پر پورے ہندوستان کا نقشہ کھنچا ہوا ہے اور اس کے بیچ میں "شیخ شیخ شیخ شیخ چرپرا شیخ" — ارقام فرمایا ہے۔

حضرت مولا علیؑ کا یومِ وصال ۲۱ رمضان ہے۔ باباصاحب علیہ الرحمۃ نے ایسے ہی ایک یومِ مولا علیؑ پر، اپنے جسم سے اُتار کر اپنا جُبّہ مبارک، اپنے دستِ مُبارک سے سرکار یوسف الاولیاءؒ کو پہنایا۔ پھر اپنے دستِ مبارک سے سرکارؒ کے سرِ اقدس پر عمامہ باندھا۔ پھر ایک کرسی پر آپؒ کو بٹھا کر خود کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

"یہ میرا بیٹا ہے — غریب نواز ہے"۔

چناں چہ لوگوں نے دیکھا ہے کہ ۲۱ رمضان المبارک کو سرکارؒ پر ایک خاص الخاص کیفیت کا ورود ہوتا تھا اور اِس فاتحہ کا بطورِ خاص اپنے مریدین کے ساتھ اہتمام فرماتے تھے۔

حلیہ مُبارک

سرکارؒ دراز و سروِقامت، دوہرا ہاڑ، متوسط و موزوں خوبصورت جسم، گندم گوں گہرا سانولا رنگ، مخمور غلافی آنکھیں سبک بینی، خندہ و کشادہ پیشانی، سڈول اور سبک ابرو، متوسط دہن، باریک ہونٹ، گول زنخداں، لمبی گردن، لمبے لمبے ہاتھ، لانبی اُنگلیاں، ریش مبارک گھنی، گھنگھریالے بال، لیکن سرِ مبارک ہر ہفتے اُسترے سے منڈوا لیا جاتا۔ ریش مبارک کے بال جب سے آئے تھے، اُسترے سے ناآشنا تھے۔ نہایت حسین ترشی ہوئی خشخشی داڑھی ۱۹۳۰ء سے ریشِ مُبارک خشخشی سے بڑی مگر یکمشت سے کم، ۱۹۴۵ء سے خضاب اور وسمہ لگانا چھوڑ دیا تھا اور ریشِ مُبارک اُتنی ہی لمبی ہوگئی تھی جتنی حضرتِ باباصاحبؒ کی تھی۔

لباس مُبارک

۱۹۱۴ء تک وہی لباس تھا جو مولانا رزمی جے پوری صاحب نے بیان فرمایا۔ پھر ۱۹۱۸ء تک سبز یا کا کریزی عمامہ، شرعی پاجامہ، گھنگھریالی دراز زلفیں، چوغا، فرغل، چشمہ، لمبا کُرتہ، سرخ نری کے دیسی جوتے، جاڑوں میں جُرابوں کا اہتمام۔ ۱۹۱۹ء میں سرکارؒ کے پیرومرشد حضرت قبلہ شاہ صوفی عبدالحکیم لکھنوی کا مٹوی قدس سرہٗ نے جب سرکارؒ کو غریب نوازؒ کے دربار

میں پیش کیا اور آپ کی ٹوپی اندر مزارِ اقدس میں چلی گئی اور آپ کی نعلین مبارک باہر سے کسی نے قبول کرلیں تو پھر برہنہ سری اور برہنہ پائی کے ساتھ ہی لباس میں بھی تبدیلی آگئی۔ یُونیفارم اب یہ تھی:۔ نصف پنڈلی تک لانبا کُرتہ، لٹھے کے ڈیڑھ پاٹ کا تہبند، کُرتے کے نیچے ایک بَنڈی (جسے شَلُوکہ کہہ لیجیے) یہ بنڈی دوہرے لٹھے کی ہوتی تھی۔ کہنیوں سے ذرا اوپر تک کی آستینیں، باہر نچلے حصّے میں دونوں طرف جیبیں اور اندر بائیں جانب بَغلی مُنہ والی ایک لمبی جیب، ہاتھ میں ایک اتنا لمبا سفید رُومال کہ اُسے پٹکا کہہ لیجیے۔ نماز کے وقت اُسی لمبے رمال کو سر پر کچھ اِس طرح باندھ لیتے کہ صافہ معلوم ہونے لگتا۔

۱۹۲۰ء، ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۲ء کا دَور

مجذوب سالک کی جہت کا تھا۔ اس دور میں برہنہ سر، برہنہ پا، چشتی رنگ (گیروا) کا بہت لمبا کُرتا۔ باباصاحبؒ کے فرمان سے چار ابرو کا صفایا بھی کرادیا تھا پھر جب سرکارؒ سالک مجذوب کی شان میں تھے تو لباسِ مبارک لمبا سفید کُرتہ، ڈیڑھ پاٹ کے لٹھے کا تہبند (اکثر صابری رنگ کا کُرتہ پسند تھا)، ٹوپی، عمامہ، سوتی جرابیں سیاہ رنگ کا موکیشن پمپ شو۔

ازواجِ پاک اور اولاد

پہلی شادی اقارب میں ہوئی۔ جن سے تین صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ بڑی صاحبزادی حفیظ بیگم کی شادی سید عبدالباسط صاحب سے اور دوسری صاحبزادی زیتون بیگم کی شادی سید عبدالقدوس صاحب سے اجمیر شریف میں ہوئی۔ ان دونوں حضرات کا تعلق صاحبزادگانِ اجمیر سے ہے۔ تیسری صاحبزادی فاطمہ بیگم ناکتخدا تھیں کہ خدا کو پیاری ہوگئیں۔ اجمیر شریف ہی میں مدفون ہیں۔ بڑی امّاں صاحبہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ کہ دوسری شادی دربارِ تاج الاولیاء ناگپور میں خود حضرت باباصاحب قدس سرہٗ کے حکم سے حضرۃ محترمہ جدّن امّاں صاحبہؒ سے ہوئی اِن سے صرف دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ شاہزادی بیگم اور تاج بیگم۔ آخرالذکر صاحبزادی اوائلِ عمر ہی میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگئیں۔ محترمہ شاہزادی بیگم جو "بیگم آپا" کہلاتی ہیں، الحمدللہ بقیدِ

حیات ہیں۔ اُن کی شادی شیخ اظہار الحق صاحب یُوسفی ابنِ شیخ ضیاء الحق صاحب یوسفی (تحصیلدار) سے ہوئی ہے۔ بیگم آپا اور بھائی اظہار الحق صاحبان کراچی میں مقیم ہیں۔ محترمہ جدّن امّاں صاحبہ کے وصال کے بعد :-

تیسری شادی ۱۹۲۹ء میں محترمہ سیدہ محمودہ سلطانہ صاحبہ سے ناگپور شریف کے محلّہ گانجا کھیت میں ہوئی۔ امّاں جی صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے کافی اولادِ اُناث و ذکور عطا فرمائیں، لیکن اُن میں سے بقیدِ حیات صرف دو صاحبزادیاں ثریّا بیگم اور ممتاز بیگم اور ایک صاحبزادے جو ۱۹۴۲ء میں تولد ہوئے حضرت آفتاب کریم ہیں جو کلّو پاشا میاں کے نام سے معروف ہیں۔ دونوں صاحبزادیاں اور صاحبزادے صاحب شادی شدہ ہیں اور کراچی میں مقیم ہیں۔ محترمہ ثریا بیگم محمد خلیل صاحب سے منسوب ہیں جو نواب شاہ میں رہتے ہیں۔ محترمہ ممتاز بیگم قاضی عبدالعزیز جیور والے سے منسوب ہوئی تھیں۔ سب صاحبِ اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ سرکارؒ کی آل میں برکت عطا فرمائے اور وہ ہمیشہ شاد و آباد رہیں۔ (آمین)

نذرانہ

جس کو جتنی حُسنِ عقیدت بابا یوسف شاہ سے ہے
اُتنی ہی بس خلوت و جلوت بابا یوسف شاہ سے ہے

نور ہی نور ہے سارا عالم اُن کی ایک تجلّی سے
دُنیا کا ہر منظر جنّت بابا یوسف شاہ سے ہے

قادری، چشتی، تاجی، اُویسی سب ہی اچھی نسبت ہیں
خوش قسمت ہے جس کی نسبت بابا یوسف شاہ سے ہے

زہد و تقویٰ، کیف و مستی اُن کے کرم کے اسماء ہیں
تکمیلِ ہر قوسِ ولایت بابا یوسف شاہ سے ہے

کثرت کے پردوں سے عیاں ہے وحدت ذاتِ مطلق کی
آج بھی روشن شمعِ ہدایت بابا یوسف شاہ سے ہے

اُن کا حال بیاں کیا کیجئے، اُن کا عالم کیا کہیے
تھوڑی سی بھی جنھیں محبّت بابا یوسف شاہ سے ہے

فقر و فاقہ، صبر و قناعت کیسی سخت منازل ہیں
ہم کو حاصل یہ بھی نعمت بابا یوسف شاہ سے ہے

غیرِ خدا سے بچتے رہنا، غیرِ خدا کوئی بھی نہیں
ہم کو تو بس یہ ہی ہدایت بابا یوسف شاہ سے ہے

ناموں کی یہ رنگ رنگیلی دنیا سر آنکھوں پہ مگر
برکتؔ ہر ایک نام عبارت بابا یوسف شاہ سے ہے

برکت علی خاں برکتؔ یوسفی تاجی

افکارِ طریقت وارشادات عالیہ

○

از مکتوب قلمی حضرت غوث بابا محمدؐ یوسف شاہ تاجی رح

یہ مکتوب قلمی بابا محمدؐ یوسف شاہ تاجی رح نے حضرت سید محمدؐ بابا تاج الدین اولیاء ناگپوری رح کے حکم کی تعمیل میں آپ کی حیاتِ مبارکہ میں قلمبند فرمایا

○

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

○

معرفت ذات

حمد ہے جس نے جو کلام کیا ۔۔۔ میں نے یوں حمد کو تمام کیا

بعد حمد خدا و نعت رسولِ دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم ارباب بصیرت کو معلوم ہو کہ خداوند کریم نے اپنی محبت و معرفت کے لئے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے پہچاننے کا ذریعہ توحید قائم کیا جس قدر انبیاء و رسل آئے سب نے توحید کی دعوت دی مگر توحید کا تکملہ کسی پیغمبر سے نہ ہوا تا آنکہ ہمارے سرکار تاجدار مدینہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید ذاتی کی دعوت دیکر توحید و دین کو کامل کر دیا جو کسی پیغمبر سے نہ ہو سکا اور ذات کو الآن کما کان میں دکھا دیا۔

ہر نبی مستفیض ہے حضرت الوہیت سے اسی طرح ہر ولی مستفیض ہے انوار نبوت سے اب وہ ولایت کہ خاصۂ نبی تھا نبوت کے ساتھ منقطع ہو گئی مگر ولایت عامہ کہ ماخوذ ہے انوارِ نبوت سے نقل و تحلیل ہوتی چلی آ رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ بلکہ یہ سراجِ ابدی تا یومِ قیامت روشن رہے گا ولایت و ہدایت سے وہی حقیقت تجلّیٔ ذاتی جس کی دعوت فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دے کر کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ سے مشہود و غیب داں اپنی اُمت کو کروایا۔

تمام بزرگانِ دین و اکابر ملت کے منظورِ نظر ہے کہ ذاتِ رسول مقبول واجب التعظیم بنفسِ نفیس تو کامل سے قائل لا الٰہ الا اللہ کو اگرچہ اس کے معنیٰ بھی اچھی طرح نہ سمجھا ہو قدم گاہِ توحید پر قائم کر دیا اور دل نورِ معرفت سے روشن کر دیا۔ مگر اب وہ بات کہاں کہ ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہا اور دل نورِ معرفت سے روشن ہو جائے اور وہ ضامن زبردست کہاں کہ قائل کو لمحہ کہنے کے توحید کی انتہائی سیڑھی پر کھڑا کر دیں۔ مگر یہ باتیں مختص ہیں اسی ذاتِ پاک کے ساتھ جو تمام عالم کی ہدایت کا ضامن ہے اور ہر زمانہ میں انکی ولایت و ہدایت کا آفتاب چمکتا رہا اور تا یومِ قیامت چمکتا رہیگا۔ اسی آفتاب کی روشنی ہر زمانہ میں اسلام کے خلاف تاریکی کو دور کرتی رہی اور اپنی شمعِ ہدایت سے لوگوں کی رہبری کرتی رہے گی۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا دروازہ حضور سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور ولایت کی تقسیم جناب مولیٰ علیؓ کے دروازے سے ہوتی ہے اور ہوتی رہیگی اور تمام اولیاء مقامات ولایت میں آپکے خوشہ چیں ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ۔ ہوالاوّل ہوالآخر ہوالظاہر ہوالباطن وہو بکل شی علیم یعنی اللہ ہی اول ہے آخر ہے ظاہر ہے باطن ہے اور ہر شے کا عالم ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج میں ہوَ کی ضمیر کا مرجع اللہ و رسول علیہ السلام کو بھی لکھا ہے اور یہ صحیح ہے کہ سرورِ عالم علیہ السلام بھی اس صفت سے موصوف ہیں اور حضور علیہ السلام جامع الصفات ہیں۔ اور اسی لئے آپ کو خلاصۂ موجودات کہتے ہیں اور جب اس مجمل ذات کی تفصیل کی جاتی ہے تو چونکہ آپ اوّل ہیں۔ اس کے مظہر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ ہیں اور صفت آخر کے مظہر جناب سیدنا عثمان ذوالنورین رضؓ ہیں۔ اور صفت ظاہر کے مظہر جناب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نبوت نبی کا تعلق چونکہ ظاہر سے ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کی صفت میں حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔ اور اسلام کو ظاہر میں فتوحات آپ کی ذات اور آپ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی یعنی ظاہر احکامات کا نظم و نسق آپ کی طرف زیادہ منسوب ہے۔ اور صفتِ باطن جو ولایت ہے اس کے مظہر سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہٗ ہیں اسی لئے آپ کی شان مبارک میں فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کے دروازہ ہیں۔ اور فرمایا کہ ہر نبی کی ذریات کو اس نبی کی پشت سے ظاہر کیا۔ مگر میری اولاد کو علی کی پشت سے ظاہر کیا۔ اس لئے حسنین علیہ السلام کو ابن رسول اللہ علیہ السلام کہتے ہیں اور سادات تمام اولاد رسول اللہ کہلاتے ہیں۔ اور ہیں بھی ایسے ہی کیونکہ جہاں حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں تمہارے پاس دو بھاری چیزیں چھوڑ جاتا ہوں" ایک کتاب یعنی قرآن اور دوسرے اپنی عترت یعنی اپنی اولاد اور فرمایا کتاب اور معلم دونوں تمہارے پاس چھوڑ جاتا ہوں جب تک ان سے قرآن پڑھتے رہوگے گمراہ نہ ہوگے اور جب میری اولاد کی تعلیم کو چھوڑ کر قرآن پڑھوگے تو گمراہ ہو جاؤگے۔ اور ایسا ہی ہوا۔

بارہ ائمۂ معصومین علیہم السلام کے نام

حضور سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام حضور سید امام حسن علیہ السلام حضور سیدنا امام حسین علیہ السلام حضور سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام حضور سیدنا امام

محمد باقر علیہ السلام، حضور سیدنا امام محمد جعفر علیہ السلام حضور سیدنا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام حضور سیدنا امام علی موسیٰ رضا علیہ السلام حضور سیدنا امام محمد تقی علیہ السلام حضور سیدنا امام علی نقی علیہ السلام حضور سیدنا امام حسن عسکری علیہ السلام حضور سیدنا امام آخر الزماں محمد ثانی امام مہدی علیہ السلام۔ یہ ہیں بارہ امام جن کا نام یاد رکھنا مسلمان کو ضروری ہے۔ مگر لوگ متوجہ نہیں ہوتے اور غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی ہیں خاندانِ نبوت کے چراغ یہی ہیں آفتاب ولایت کے چمکدار ستارے تمام اولیاء اللہ ان کے خوانِ نعمت کے پلے ہوئے ہیں ان کا دوست خدا کا دوست ان کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ بڑے بڑے اکابر اولیاء ان کی اولاد میں ہی پیدا ہوتے ہیں اور ان کی منظوری کے بغیر دنیا میں کوئی ولی نہیں ہو سکتا اور یہی ہیں دین محمدی کے حامی و مددگار اور ان کی امداد بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

محمدؐ گل است و علی بوئے گل بود فاطمہ اندراں برگِ گل
چو عطرش برآمد حسین و حسن معطر شد از وے زمین و زمن

رباعی حضور خواجہ غریب نوازؒ

بہ بحرِ کون و مکاں گوہرِ خوشاب علی بہ دفترِ دو جہاں فرد انتخاب علی
بہ اصل و فرع بہ بیں و تمیز مرتبہ کن ابو البشر بود آدم ابو تراب علی

خواجہ صاحب قدس سرہٗ العزیز

شاہ است حسین بادشاہ ہست حسین دیں است حسین دیں پناہ ست حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

حضور سیدنا غوث الاعظم دستگیرؒ اسی خاندان سے سیدنا امام حسن علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ جناب سیدنا خواجۂ خواجگان معین الحق والدین حسن سنجری اجمیریؒ اسی خاندان سے سیدنا امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ہیں جنہوں نے انوار ولایت سے ہندوستان کو منور و روشن کر دیا اور جناب سیدنا تاج الاولیاء تاج الملت و الدین شہنشاہ ہفت اقلیم ولی آخر الزماں سید محمدؒ بابا تاج الدین ادام اللہ انوارہٗ اسی خاندان کے چمکدار آفتاب ہیں جن کے انوار سے تمام عالم منور ہو گیا۔ جنہوں نے اپنے

تعدیہ ولایت سے ایک لاکھ آدمیوں کو ولایت تک پہنچا کر دینِ محمدی کی حمایت کا بیڑا اٹھایا مگر بقول سعدیؒ

گر نہ بیند بروز شپّرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اگر چمگادڑ دن میں نہیں دیکھ سکتی تو اس میں آفتاب کا کیا قصور

ان ہی اہل بیتِ رسالت علیہم السلام اور اولیاء کاملین علیہم رضوان کی بدولت اسلام ترقی کرتا رہا اور رہیگا اور یہی وہ جماعت ہے جس کے لئے فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے کہ میری امت بہتر فرقوں پر تقسیم ہو جائے گی سب نار میں یعنی دوزخ میں ہوں گے مگر ایک فرقہ جنّتی ہوگا صحابہ نے عرض کیا حضور وہ ایک فرقہ کونسا ہے۔ فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے قدم بقدم ہوگا۔ صوفیا و فقراء کے سوا اور کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جو حضور اور صحابہ کے قدم بہ قدم ہو کیونکہ یہی وہ جماعت ہے کہ صراطِ مستقیم پر چلتی ہے اور ان کے پہنچنے کی خبر آجاتی ہے جیسا کہ حضور غوث الاعظم فرماتے ہیں

للّٰہ الحمد نمردیم و رسیدیم بدوست آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ ما
مرغ باغ ملکوتیم دریں دیر خراب! میشود نور تجلائے خدا دانہ ما
گر نکیر آید و پرسد بگو ربِّ تو کیست گویم آنکس کہ ربود ایں دل دیوانہ ما

محی بر شمع تجلائے جمالش می سوخت
دوست می گفت زہے ہمتِ پروانہ ما

علاوہ ازیں تمام عالم جانتا ہے کہ شمع ہدایت ان ہی نفوسِ قدسیہ سے روشن ہے اگر ان کی ذات قدسی صفات نہ ہوتی تو عالم میں تیرگی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی لئے کوئی زمانہ ان کے وجود سے خالی نہیں ہوتا اور زمین و آسمان کا انتظام ان ہی کی ذات سے قائم و دائم ہے۔ قرآن و احادیث میں ان کے اوصاف و صفات بے شمار ہیں مگر ان کی شان چونکہ اعلیٰ ہے اس لئے عوام ان کے مرتبہ کو نہیں پہچان سکتے اور ان کا کلام اعلیٰ ہے ادنیٰ نہیں سمجھ سکتے اور یہ دلیل ہے ان کی بزرگی کی۔

جب خداوند کریم کو یہ منظور ہوا کہ میں اپنے بندوں کو اپنی محبت میں مبتلا کروں اور اپنا عرفان عطا کروں کیوں کہ اس محبت و عرفان کے لئے ہی انسان کو پیدا کیا ہے تو

اس نے اپنے مظہرِ خاص کو یعنی انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جنہوں نے خدا کی توحید اور اپنی رسالت کا اقرار لیا۔

تنزیہہ و تشبیہہ

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی شیخ اکبر قدس سرہٗ جو صوفیہ کے امام ہیں فصوص الحکم اور فتوحات میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ خدا کو تشبیہہ میں مقید کرتے ہیں اور تنزیہہ میں نہیں مانتے وہ بھی جاہل ہیں اور قرآن و انبیاء کو جھٹلاتے ہیں اور جو لوگ تنزیہہ میں مقید کر کے تشبیہہ میں نہیں مانتے وہ بھی ایسے ہی ہیں۔ اور فرماتے ہیں محققین کا مذہب یہ ہے کہ تنزیہہ بھی اسی کی ہے اور تشبیہہ بھی اسی کی ہے اور ہر زمان و مکان میں اللہ ہی ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر یعنی زمانے کو گالیاں مت دو۔ زمانہ اللہ ہی ہے۔ جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن یعنی وہی اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور یہی اصل توحید ہے۔ دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست لاغیر کو عین سمجھ دونوں جہاں کو واعظ یہی ایمان ہے چھپانا نہیں اچھا اور لا الہ الا اللہ کا یہی منشاء ہے جس کو انبیاء علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔

درکون و مکان نیست عیاں جز یک نور — ظاہر شدہ آں نور بانواعِ ظہور
حق نور تنوعِ ظہورش عالم — توحید ہمیں است و گر وہم و غرور۔

چشم بکشا کہ جلوۂ دیدار — متجلی است از در و دیوار
نحن اقرب اللہ آمدہ است — دور افتادہ تو از پندار
کل شیءٍ محیط می بینم — آنچہ می بینمش بہ نقش و نگار
من عرف نفسہ کمی فرمود — گر نمی دید حیدرِ کرار

جامی معاد و مبدأ ما وحدت است — ما درمیان کثرت موہوم والسلام

ہر انسان چونکہ فطرۃً مغلوب الوہم ہے ہر آن اس کا وہم صورت گری و پیکر تراشی کرتا ہے اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے اسی لئے ہادیانِ برحق کو معجزات و کرامات دے کر جو وہم کے خلاف ہیں بھیجا جاتا ہے۔ اور اپنی آیات بینات دکھاتا ہے یعنی انبیاء علیہ السلام سے جو معجزات سرزد ہوتے ہیں وہ سراسر وہم کے خلاف ہیں کوئی معجزہ کسی کے وہم میں نہیں آتا اور ایسے ہی کرامات اولیاء جو انبیاء کے تابع ہیں۔ انسان اپنے وہم و عقل سے نہیں سمجھ سکتا تو جو کچھ انبیاء اولیاء تعلیم کریں اس کو قبول کر لینا سعادت مند کو ضروری ہے کہ جب ان سے وہ افعال سرزد ہو رہے ہوں جو سراسر وہم کے منافی ہیں تو اُن کی بات مان لینا ہی چاہئے۔

محبت۔ قال اللہ تعالیٰ۔ لقد جاء کم رسول من انفسکم۔ یعنی البتہ آیا ایک رسول تمہاری جنس سے۔

ہم لوگ چونکہ مجاز و صورت میں ہیں۔ اور مجاز سے حقیقت کی طرف اور صورت سے بے صورت کو پا سکتے ہیں۔ اسی لئے ہر مومن پر اول رسول علیہ السلام کی محبت فرض ہوئی اور ان کی محبت خدا کی محبت اور ان کی اطاعت خدا کی اطاعت ٹھہری اور اللہ اپنی کتاب میں ان کی صورتِ حقیقی کا بیان کرتا ہے۔ قل جاء الحق یعنی کہو حق آگیا ہے اور حدیث میں حضور نے فرمایا کہ من رانی فقد رأ الحق۔ یعنی جس نے مجھے دیکھا اس نے گویا حق کو دیکھا۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور علیہ السلام سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ اپنے ماں باپ عزیز و اقارب کو حضور کی محبت کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے تھے۔ اور یہی بات ہر مومن میں ہونا چاہیے۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں حضور ان کے سامنے موجود تھے اور وہ ہر وقت جمالِ جہاں آراء سے سرفراز ہوتے تھے۔ تو ان کی محبت دیدہ تھی اور ہم لوگوں کی شنیدہ۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ دیدہ محبت غالب رہتی ہے اسی لئے صحابہ کو محبت میں غلبہ رہا اور ہم لوگ تو اپنے

بال بچوں کی محبت میں جو دیدہ ہے مبتلا ہیں پھر ہم کو محبت کیسے نصیب ہو
جواب۔ جتنے بزرگان دین، اولیاء کاملین ہیں وہ سب نائبان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ فانی ہیں حضور علیہ السلام کی ذات میں ان سے محبت
کرنا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور ان سے فیضیاب ہونا وہ ایسا
ہی ہے جیسا کہ حضور انور سے محبت کرنا اور اطاعت بجا لانا اور فیضیاب ہونا
ہے۔ اور مجاز کے یہی معنیٰ ہیں اور یہی راستہ ہے وصول اللہ کا۔

بیعتِ طریقت

قال اللہ تعالیٰ۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ
ید اللہ فوق ایدیھم ط یعنی جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے
ان ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے یہاں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر بتایا۔
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرما رہا ہے۔ اور مرشدان
برحق کے ہاتھ کا بھی یہی حال ہے۔ کیونکہ وہ بھی فانی فی اللہ اور باقی باللہ
ہوتے ہیں۔

بیعت کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ بیعت توبہ۔ بیعتِ جہاد۔ بیعتِ سلوک
مگر یہاں بیعتِ سلوک مقصود ہے۔ اور بیعت کے
معنی بکنے کے ہیں۔ جو طالب صادق مرشدِ برحق کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے گویا
وہ بک جاتا ہے۔ مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

گر تو ذاتِ پیر را کردی قبول ہم خدا در ذاتش آید ہم رسول

یعنی اگر تو نے پیر کی ذات کو قبول کر لیا اور حکم بجا لایا تو خدا و رسول کے جلوے
نظر آئیں گے۔ بیعت میں ارادت مرید کی شرط ہے۔ نہ کہ مرشد کی یعنی
اگر مرید ایک مرتبہ کہدے کہ تو میرا پیر ہے اور میں تیرا مرید ہوں تو مرید ہو جاتا ہے
مگر برعکس اس کے مرید انکار کرے اور مرشد اقرار تو مرید نہیں ہو سکتا۔ مگر
اس آخر زمانہ میں جب کہ مریدین کے پاس خلوص اور ارادت و عقیدت نہیں ہے

تو ایسے مرشدانِ برحق کی ضرورت ہوئی جو اپنے مریدین کو خلوص اور ارادت عقیدت
محبت سب کچھ دیں۔ چونکہ عموماً مسلمانوں کے قلوب مردہ ہیں پھر وہ یقین کہاں
سے پیدا کریں گے۔ تو ایسے مرشدانِ برحق موجود ہیں جو بندگان خدا کو اپنی توجہ
خداوندی سے خداوند کریم کی طرف متوجہ کریں اور پہلے قاعدوں کو منسوخ کر کے مرشدوں
کی منظوری ہی مشروط ہے۔ چنانچہ حضور تاج الاولیا ادام اللہ انوارہٗ کے دربار خالص الانوار
سے اس قاعدے کا نفاذ ہو گیا ہے۔ کہ مرید اگر انکار بھی کرے تو اس کو معتبر نہ سمجھا
جائے کیونکہ بیعت ایک عقد ہے اور عقد میں عورت مختار نہیں بلکہ مرد جب چاہے
عقد کو توڑ سکتا ہے اور بزرگانِ سلف کا یہی دستور تھا مگر درمیان میں ضرورت زمانہ
کی وجہ سے تبدیل ہو گیا تھا۔

تاج الطریقت حضور تاج الاولیاءؒ

نبوت ختم ہو گئی ہے مگر ولایت ختم نہ ہوئی۔ نبی کی نبوت ظاہر ہوتی ہے اور
ولایت باطن۔ اسی طرح ولی جو مستفیض ہے انوار نبوت سے اس کی ولایت
ظاہر ہوتی ہے اور جو جہت انوار نبوت کی طرف ہے وہ باطن میں ہے۔
اسی لئے ہر زمانہ میں حسب دستور ضرورت ایک مجدد طریقت کی بھی ہوتی ہے
یہ زمانہ اس بات کا زیادہ محتاج تھا جب کہ مشائخین میں سوائے مادہ پرستی
اور دنیا سازی کے روحانیت نام کو بھی باقی نہیں رہی تھی اور مثل علمائے ظاہر
کے انہوں نے بھی اپنا ظاہر درست کر کے اپنے باطن کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ
خدا ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظر تو دل پر اور نیت پر رہتی ہے۔ اور
لوگوں نے ظاہر داری کو اس قدر اپنایا اور بنایا کہ باطن کو معدوم کر دیا۔ اور
صوفیائے کے یہاں ظاہر کوئی چیز نہیں جب تک باطن درست نہ ہو۔
ہمارے سرکار تاج الاولیا تاج الملّت والدّین تاج محی الدین شہنشاہِ ہفت
اقلیم سیدنا و مولانا السید محمد بابا تاج الدّین ادام اللہ برہانہٗ۔ یہ کمالات رکھتے
ہوئے مجددِ طریقت بھی ہیں اور طریقت کے بہت سے قاعدوں میں حضور نے

ترمیم کی ہے۔ اور بزرگوں کی اصلی سنت کو زندہ کیا ہے۔ جس کو لوگ بالکل مردہ کر چکے تھے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جن اصولوں کو حضور بابا صاحبؒ نے اہل طریقت کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ بزرگانِ یا سلف کے ہیں جو لوگ پابند نہ ہوں گے کبھی کامیاب بھی نہ ہوں گے۔ کیونکہ الناس علیٰ دینِ ملوکہم یعنی لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں۔ تو کوئی شخص بھی اہلِ طریقت سے شہنشاہ کی روش کو چھوڑ کر اپنی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ہر جگہ اہل باطن اسی روش پر ملتے ہیں یعنی جذب و سلوک لئے ہوتے۔ اور یہ وقت اہلِ جذب کا ہے اور میں پہلے تذکرہ میں لکھ چکا ہوں کہ بقول حضرت حکیم محمد علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جذب نبوت کا ایک جزو ہے اور نبوت کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے اور صفت نبوت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

جذب و سلوک

جب سالک طرف معنیٔ بے نشان معلوم کرتا ہے تو آفتاب حقیقت ذات بحت کو حقیقت سالک دیکھتا ہے اور انانیت سالک ہویت حق اور ہویت سالک آنانیت حق معلوم ہوتی ہے اور اس جگہ دو راستے سالک کو پیش آتے ہیں راہ جذب و راہ سلوک۔ اور تقدم ایک کا دوسرے پر ہوتا ہے یعنی رجحان مجذوب سالک کا سالک مجذوب پر اور یہ مجمع علیہ ہے جمیع اکابرین علیہم الرضوان کا۔ مگر ترجیح جذب کی جمیع اہلِ سلوک کے حق میں ضروری ہے۔ مگر بعض حضرات نے تقدم سلوک کو جذب پر زیادہ مفید سمجھا بہرحال یہ دونوں راستے سالک کو طے کرنا ضروری ہیں اور ایک دوسرے کو لازم ملزوم سمجھا گیا ہے۔ یعنی سلوک بغیر جذب کے اور جذب بغیر سلوک کے مزیدار نہیں ہوتا۔ مگر یہ یاد رہے کہ خالی زبان سے کہا اور معلوم ہو گیا۔ جذب و سلوک ایسی چیز نہیں ہے بلکہ یہ کام کرنے سے اور مرشد حق کے سکھانے اور طے کرانے سے اس کی کیفیات معلوم

ہوتی ہیں۔

اور مراد جذب محض سے اس جگہ کشش خاطر بجانب غیب ہویت اور بر طرف ہونا خطرات سے اور ربودہ ہونا عقل اور وظائف شرع سے ہی مفید نہیں بلکہ مراد ہماری خرق حجب وجودِ بشریت کا تا حقیقت الحقائق کو پہنچنا اور نفوذ بسوئی مبدا مرجع قہقری از راہ انانیت طے کرنا ہے اور جذب وہ ہے کہ جب سالک فی الجملہ العالم غیب ہویت آشنا ہوا اور غیر حق سے نظر پوشیدہ کر لے تو اس سے توحید صفاتی کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے تا آنکہ انانیت کے ضمن میں توحید ذاتی کا مشاہدہ بھی میسر آتا ہے۔ اور بعض سالک توحید افعالی سے توحید ذاتی حاصل کرتے ہیں اور بعض توحید صفاتی سے حقیقت الحقائق تک پہنچتے ہیں اور اس مقام کے لوگ اکثر ملتے ہیں۔

"در چشم نظر بازاں پردہ عیاں کردی"

نسبت

بزرگانِ دین کی نسبتیں مختلف ہوتی ہیں بعض کی نسبت عشقی وجودی جیسے شیخ الشیوخ فریدالدین عطارؒ اور بعض کی نسبت عشقی اتحادی تنزیہی وجودی محمدی محبوبی جیسے حضرت شیخ الاولین والآخرین سرورِ عالم شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اور بعض کی نسبت عشقی وجودی بے کیفیتی محمدی احمدی جیسے حضرت خواجہ معین الحق والدین اجمیری قدس سرہ اور بعض کی نسبت معرفتِ ذات وصفات میں معیت لئے ہوئے اتحادی وجودی و عشقی ہوتی ہے جیسے حضرت خواجہ ذوالنون مصری و خواجہ جنید بغدادی قدس سرہ۔ اور ان بزرگوں کے تابعین میں سے بھی بعض وراثتاً ان کی نسبتیں رکھتے تھے۔

اور حضور تاج الاولیاء تاج محی الدین سید محمد بابا تاج الدین فخر الاولین والآخرین ادام اللہ انوارہ نسبتِ امامی اتحادی وجودی عشقی بے کیفیتی

تنز ہی، محبوبی محمدی احمدی رکھتے ہیں۔ حضور گویا تمام نسبتوں کے جامع ہیں اور اپنے دربار عالیہ سے جس کو جو چاہیں نسبت مرحمت فرما دیتے ہیں۔ کیونکہ ولایت کے تمام مقامات کو آپ نے طے کر لیا ہے اور یہی باعث ہے کہ آپ کے پورے حالات کو نہ کوئی جان سکتا ہے اور آپ کا مرتبہ اللہ ہی خوب جان سکتا ہے

اور کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ آج تک کسی بزرگ نے پانچ پیسے پورے نہ کیئے مگر یاد رکھو کہ میرا نام تاج الدین ہے میں پانچ پیسے پورے کر کے رہوں گا۔ اور سب کو بتا دوں گا۔ مگر یہ کنایہ ہے اس کو اہل اللہ کی زبان کے اصطلاحات جاننے والے ہی خوب جان سکتے ہیں۔

اے شہنشاہ حقیقت تاج دین مرسلاں
واے سیرت تاج ولایت پیشوائے مقبلاں :

ذات تو شہ نور مطلق نور تو نور نبی — نور چشم مرتضیٰ و فاطمہ جان جہاں
اے کہ منظور نظر حسنین و زین العابدین — راز دار باقر و جعفر امام کاملاں ! !
صورتا موسیٰ کاظم سیرتا موسیٰ رضا ! — تقوی وار ہم تقی و ہم نقی سالکان !
عصمت آں عسکری و ہم صفت مہدی دیں — ایں بود اوصاف تو اے تاج ہادی زماں
عین غوث الاعظم و ہم شان خواجہ آں معین — زیں سبب زیبا ترا تاج دو عالم بیگماں
ہر دو عالم را منور کردہ از نور خویش — ایں بود معنی چراغ دین احمد را بیاں!
گر ترا کافر بہ بیند بالیقیں مومن شود ! — مومن از بیند جمالت آں بود از کاملاں

بندہ درگاہ تو وآنہ زچشمت مست شد
ایں چنیں الطاف تو بر کمترین بندگاں

قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ کل یوم ہو فی شان۔ یعنی ہر دن وہ نئی شان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ مالک و حاکم حقیقی ہے تمام عالم کا اور اس کے اسماء کے لئے دولت و حکومت ہے اور ہر زمانہ میں اس کے کسی ایک اسم کی

حکومت ہوتی ہے اور جب تک اسے منظور ہوتا ہے اس اسم کی دولت و حکومت رہتی ہے یہی باعث ہے کہ قطب ہر زمانہ کا جدا ہوتا ہے اور خدا جب تک چاہتا ہے ایک قطب کی حکومت رہتی ہے۔ اور جب چاہتا ہے بدل دیتا ہے۔ اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو تفصیل وار لکھا ہے

چنانچہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانے تک عالم ظاہر و باطن کی حکومت خلفاء کو حاصل رہی۔

مگر جب سیدنا امام حسن علیہ السلام نے خلافت ظاہری حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیدی اور خلافت باطنی جس سے مراد ولایت ہے اور وہ علم ہے جو حضور سیدنا امام حسن علیہ السلام نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم و سیدنا مولیٰ علی علیہ السلام سے حاصل کیا تھا اور وہ علم لدنی تھا وہ آپ کے پاس رہا۔ اور اس کی نقل و تحویل ہوتی رہی اور مسلمانوں کی ہر جماعت کو ملتا رہا اور جس جماعت کے پاس یہ علم رہا عالم کا نظم اس کے متعلق رہا۔ اور اسی جماعت میں امام وقت ہوتا رہا۔ تا آنکہ اس زمانہ میں اس علم کی حامل اہل جذب کی جماعت ہے اور ہندوستان کا ہر صغیر و کبیر یہ بات جانتا ہے کہ ہندوستان کی حکومت عرصہ سے مجاذیب کے ہاتھوں میں ہے۔ تا آنکہ اہل جذب و سلوک کے تاجدار شان جلال میں جمال رکھنے والے اسلام کی ڈوبتی کشتی کو طوفان سے پار لگانے والے مردوں کو مسیحا بنا دینے والے نے اپنی چمکتی دمکتی روشنی مثل آفتاب نصف النہار کے پیکر عالم میں جلوہ افروز ہوتے ہی یہ اعلان تعلیماً کر دیا کہ میرا نام تاج الدین شہنشاہ ہفت اقلیم ہے۔

واز ہر چہ گویم بہتری — حقا عجائب دلبری

حدیث شریف میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جس شخص نے امام وقت کو نہ پہچانا اور مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا۔ اور اکثر بزرگوں نے اس حدیث کو اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔

چنانچہ مولانا سید عبدالرحمٰن شاہ صاحب موحد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے

الانوار الرحمٰن تنویر الجنان میں نقل فرمایا ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے خلافت
ظاہر و باطن کو مندرجہ بالا قاعدے سے تقسیم فرما دیا اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت امامؑ
کی ذات جامع کمالات ظاہری و باطنی و حکمت محمدی لئے ہوئے ہے اُن کا
ہر فعل بڑی حکمت سے لبریز ہے البتہ جس حکمت سے حضور نے تفریق فرمائی تھی
اسی حکمت سے پھر ایکدن جمع فرمائیں گے۔ اس وقت حضور کی حکمت عالم پر
آشکارا ہوگی اور امام حسن علیہ السلام کے تصرفات دائمی ہیں کیونکہ وہ سراپا
محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ اور جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

بس است حب حسین و حسن بہ سینۂ ما ہمیں زمرد و لعل است در خزینۂ ما

اب مسلمانانِ عالم کی یہی تمنا ہے کہ خداوند کریم جلد وہ وقت لائے کہ چاروں انگ
عالم میں ولایتِ محمدی کا سکہ ظاہر و باطن میں قائم ہو اور بحمد اللہ تعالیٰ اس
کے آثار کبھی نمایاں ہیں اور زمانہ اس کے اظہار کا منتظر ہے چنانچہ ہر مذہب کے
پیشوا اس کی پیشین گوئی بھی کر گئے ہیں۔

علاوہ ازیں اسلام کے معین و مددگار رہبروں نے استحکام و کمال
انتظام بھی کر دیا ہے اور اس زمانے کی شورش میں ہی اس کا راز پوشیدہ
ہے مگر خدا جس کو چاہے اس کو اپنے اسرار و بھیدوں سے واقف کرتا
ہے وفی انفسکم افلا تبصرون اس کا ارشاد ہے اور آدمی خدا کے جاننے سے
سب کچھ جان جاتا ہے مگر یہ فضل خدا پر موقوف ہے۔

اسلام

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اسلام کا رکن اول یہی کلمۂ طیبہ ہے اسی
کے اقرار لسانی و تصدیق قلبی سے آدمی مسلمان ہوتا ہے مگر اس کی معرفت بڑی
مشکل سے آتی ہے۔ اس لئے کہ اسلام کے ابتدائی و انتہائی اسرار اسی میں پوشیدہ
ہیں اور جس کو اس کی معرفت مل گئی اس نے سب کچھ پالیا
اور جس کو اس کی معرفت سے کچھ نہ ملا گو اس نے برسوں

ریاضت و مجاہدہ کیا اس نے کچھ نہ پایا کیوں کہ تمام انبیاء کی دعوت کا راز اس
میں مستتر ہے اس کے دو جزو ہیں اول لا الٰہ الا اللہ دوم محمد رسول اللہ مگر
دونوں میں ایک ہی بھید کا انکشاف ہے جو ہزاروں میں موجود ہے اور
شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت کا دروازہ اس کے جاننے پر کھولا جاتا
ہے مگر لوگ اس کے جاننے سے بے پرواہی کرتے ہیں حالانکہ ہر مسلمان پر فرض
ہے کہ اول کلمۂ طیبہ توحید و رسالت کی معرفت حاصل کرے۔

حکایت

حضرت سلطان ابراہیم ادھم قدس سرہ سے کسی نے کہا کہ تم ریاضت
کرتے ہو اگر علم دین پڑھتے تو اچھا تھا۔ فرمایا کہ میں دین کے مکتب میں گیا
اور استاد نے مجھے اول یہ سبق پڑھایا کہ خدا کی ایسی محبت اپنے دل میں پیدا
کرو کہ ماسوائے اللہ کے محبت نہ رہے تو میں سبق پڑھ کر چلا آیا بعد اب اس
کو پکا کرنے میں مصروف ہوں جب پختہ ہو جائے گا تو دوسرا سبق پڑھ آؤنگا
وہ شخص خاموش ہو گیا اور سمجھ گیا کہ

مرد این رہ را نشانِ دیگر است

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات احادیث میں
اکثر اسی کلمہ کے متعلق موجود ہیں کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ من قال لا الٰہ
الا اللہ کہو عرب و عجم کے مالک ہو جاؤ گے اور ایسا ہی ہوا
بشارتیں تو صرف قائل لا الٰہ الا اللہ کے لئے ہیں باقی محمد رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کے قائل کے لئے وہ وہ نعمتیں ہیں جن کا سمجھنا دشوار ہے۔

کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ نے مکتوبات میں ارشاد
فرمایا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ میں ولایت کا ذکر ہے اور محمد رسول اللہ میں
رسالت و نبوت کا جاننا چاہیے کہ مومن خدا کے ننانویں ناموں سے ایک نام

ہے اور ولی بھی مگر نبی و رسول خدا کے ناموں میں سے نہیں ہے چنانچہ مومن اور ولی کی معرفت آسان ہے نبی و رسول کی معرفت سے بقولِ میاں میر رحمۃ اللہ علیہ

بندہ از بندگی خدا گردد　　نتواند کہ مصطفےٰ گردد

یعنی بندہ بندگی سے خدا ہو سکتا ہے مگر مصطفےٰ نہیں ہو سکتا جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی نے سبحانی ما اعظم شانی فرمایا اور منصورؒ نے انا الحق مگر انا المصطفےٰ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

مولانا روم کی مثنوی میں ہے

اللہ اللہ گفت اللہ میشود　　ایں سخن حق است باللہ میشود

گفتہ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

بقول بزرگے۔ باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

یعنی خدا کے ساتھ دیوانگی کر مگر محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب میں رہو کہ جملہ انبیاء اولیاء ان کے در کے محتاج ہیں اور باعثِ ہیژدہ عالم ہزار آپ کی مخصوص صفت ہے

صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و اولیاء امتہ اجمعین

اول لا الہ الا اللہ جس میں ولایت کی معرفت ہے ولی سے حاصل کرنا چاہیئے اور ولایت کی معرفت کا اتنا بڑا میدان ہے جس کی انتہا بیان سے باہر ہے اسی لئے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز نصوص میں فرماتے ہیں کہ ولایت کے مدارج کی انتہا نہیں ہے جس کے طے کرنے کے لئے محمد رسول اللہ کی معرفت کی خوشبو دماغ میں آتی ہے اسی مقام کے لئے حضرت جامیؒ نے فرمایا

تو جانِ پاکی سر بسر زآب و خاک اے نازنیں

واللہ ز جاں از پاکتر روحی فداک اے نازنیں

پاکاں نہ دیدہ روئے تو جاں دادہ اندر بوئے تو

اینک بہ گردِ کوئے تو صد جاں پاک اے نازنیں

یعنی یا رسول اللہ۔ آپ جانوں سے بھی پاکیزہ تر ہیں نہ کہ آپ آب و خاک سے تا آنکہ پاکوں نے آپ کا اصلی چہرہ نہ دیکھا اور آپ کی خوشبو سے جان دیدی اور ہزاروں پاک جان نے آپ کے آس پاس پہنچ کر جان دینا فخر سمجھا پھر بھی آپ کا مقام اعلےٰ کسی کو نہ ملا۔ دوسری جگہ جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ہمہ پیغمبراں در جستجو یند　　خدا داند کہ تو در چہ مقامی

یعنی تمام پیغمبر آپ کے مقام کی جستجو کرتے ہیں پھر مجھے کیا معلوم آپ کا مقام کہاں ہے علیٰ ہذا القیاس اسلام کے پانچ ارکان ہیں اس میں سے رکن اول شہادت ہے اور دوسرا نماز تیسرا روزہ چوتھا زکوٰۃ پانچواں حج جن کا اقرار زبانی اور تصدیق قلبی ہر مومن پر فرض ہے اور ان کی معرفت حاصل کرنے سے مسلمان ہوتا ہے ورنہ کہنے کو کوئی دیوانہ ہوا تو کیا رکن اول کلمہ شہادت اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ یہاں بھی توحید و رسالت کی شہادت ضروری ٹھہری۔ اور شہادت بغیر شاہدہ کے مستند نہیں اور مشاہدہ جب ہی نصیب ہو سکتا ہے کہ کوئی مشاہدہ کرنے والا اس کو مشاہدہ کرادے۔ اسی لئے بزرگانِ دین کی خدمت اور بیعت ضروری ہوئی کیونکہ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مجرد اقرار و توحید و رسالت کی معرفت سے قائل کو مشاہدہ کرا دیتے تھے اور دل نورِ معرفت سے روشن کر دیتے تھے اور جب توحید و رسالت کی معرفت ان کو حاصل ہو جاتی تھی تو اور ارکان اسلام کی معرفت ان پر آسان ہوتی تھی اور ہر رکن کی معرفت کا دروازہ ان پر کھلا ہوا تھا اسی لئے اسلام کا کامل حصہ اور پورا ذائقہ انہوں نے حاصل کیا اور بلا شک انہی کی نماز کو معراج حاصل تھی جس کی طرف فخرِ دو عالم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ الصلوٰۃ معراج المومنین یعنی نماز معراج ہے مومن کی بخلاف آجکل کہ بر زباں تسبیح در دل گاؤ خر اسی لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت تمام امت پر مسلم ہے پھر تابعین اور تبع تابعین بعد قرونِ ثلاثہ کے جب وہ فیضان اور حوصلہ نہ رہا اور دن بدن

جوں جوں حضورِ علیہ السلام کے زمانہ کو بُعد ہوتا گیا۔ ابتری پھیلتی گئی۔ تو
بزرگانِ دین و مشائخانِ کاملین نے طالبانِ صادق کی آسانی کے لئے اور
اسلام کی روحانیت کیسے زندہ رکھنے کے لئے جداگانہ طریقے اخذ کیے جو بزرگوں
کی طرف منسوب ہیں مثلاً طیفوریہ طرطوسیہ جنیدیہ قادریہ چشتیہ رفاعیہ
نقشبندیہ مداریہ قلندریہ، سہروردیہ وغیرہ وغیرہ پھران کی بہت سی شاخیں
ہوگئیں جیسے صابریہ نظامیہ، نوشاہیہ۔ فخریہ، مینائیہ وغیرہ وغیرہ اور
ان سب کا منشا، وہی وصول الی اللہ ہے اور یہ سب بزرگ متحد ہیں۔ یعنی ایک
روح وصد قالب جیسے کہ الاولیاء کنفس واحدہ مثل مشہور ہے۔ صرف طریقے اور نام
جداگانہ ہیں صورت میں ورنہ سیرت میں ایک ہی ہیں کیونکہ اسلام کی اخوت
کے رشتے کو یہ خوب جانتے ہیں اور التوحید واحد گردانیدن یعنی توحید کے معنیٰ
ایک کر دینا کو خوب سمجھتے ہیں اور لوگوں کو سمجھاتے ہیں پھران میں مغائرت کیوں
کر پیدا ہو سکتی ہے جب کہ یہ غیریت کو شرک سمجھتے ہیں تو جس نے ان کا
دامن پکڑا ان کا حکم مانا اور ان کے طریقے پر چلا وہ بقول حضرت بایزید بسطامی
رحمۃ اللہ علیہ بدبختی کی قسم سے دور ہوا اور جو ان کا معاند و حاسد و مخالف
ہوا۔ اس کا خاتمہ بالخیر نہ ہونے کا خوف ہے۔

بقول مولانا رومؔ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

اختلافِ نسبت

خداوند کریم کے جداگانہ اسماء صفات ہیں اور جملہ انبیاء علیہم السلام
خدا کے مظاہر اسماء صفات ہیں اور خداوند کریم نے بعض رسولوں کو بعض پہ
فضیلت دی اور ہم نہیں فرق کرتے ہیں یعنی جدا سمجھتے ہیں رسولوں کو
ایک دوسرے سے اور ہمارے سرکار تاجدارِ مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم مظہرِ ذات ہیں جس میں جملہ صفات موجود ہیں اس لئے آپ سید المرسلین

ہیں اور انبیاء علیہ السلام خدا کے اسماء صفات سے کسی اسم کے مظہر ہیں اور
حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسم ذاتِ اللہ کے مظہر ہیں اور جو نبی جس اسم
کا مظہر ہیں اس اسم کی تاثیرات کے موافق معجزات اسی سے سرزد ہونگے
اور ہمارے حضور سید عالم علیہ السلام سے ہر قسم کے معجزات کا اظہار ہوا۔

انبیاء کے بعد صحابہ جو صدیقیت کا درجہ رکھتے تھے وہ بھی مختلف
نسبتیں رکھتے تھے اور ہر ایک صحابی کسی ایک نبی کے قدم بقدم تھے
اور کسی ایک نبی کے مظہرِ خاص تھے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قدم بقدم و مظہر تھے اور حضرت مولا علی
کرم اللہ وجہہ سرورِ انبیا علیہ السلام کے قدم بقدم و مظہر تھے علیٰ ہذا القیاس
عام اولیاء کاملین بھی چونکہ انوارِ نبوت سے فیضیاب ہوتے ہیں اس لئے
ہر ولی کسی نبی کے قدم بہ قدم و مظہر ہوتے ہیں۔
اسی مناسبت سے ان سے کرامات سرزد ہوتی تھیں اور اولیاء کا اظہار
بھی وقت اور زمانہ کی مناسبت سے ہوتا ہے اور زمانہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا
اس لئے ہر زمانے کے ضروریات بھی جداگانہ ہوتے ہیں اور اللہ ہی جانتا ہے
کہ کس زمانے میں کس صفت کے اولیاء کی ضرورت ہے۔ اور اس کی صفات
کا ظہور اول ہی مقرر ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے
اور اس کی سنت ہمیشہ جاری ہے اور رہیگی۔
اب مندرجہ بالا مضمون سے خوب معلوم ہو گیا کہ بزرگانِ دین مختلف
حالات و واقعات کے ہوتے ہیں اور ان کی نسبتیں بھی جداگانہ ہوتی ہیں۔
اور ان کی خدمات و ضروریات بھی اور ان کا طریق و مشرب بھی اور ان کی
روش و انداز بھی جدا ہے۔ کوئی آزاد ہے تو کوئی رند کوئی ملنگ ہے تو
کوئی قلندر تو کوئی پیر ہے تو کوئی فقیر کوئی مشائخ ہے تو کوئی عارف کوئی
موحد ہے تو کوئی متوکل کوئی عاشق ہے تو کوئی معشوق کوئی سالک ہے تو کوئی مجذوب

مگر بحمداللہ تعالیٰ ہمارے سرکار تاجدارِ عالم تاج الاولیاء، تاج الملت والدین
شہنشاہِ ہفت اقلیم سیدنا و مولانا سید محمدؒ بابا تاج الدین ادام اللہ انوارہ
ان سب کے جامع ہیں۔ اور یہی باعث ہے کہ جب کوئی ناگپور شکردرہ دربار
عالیہ میں حاضر ہوتا ہے تو ہمہ نسبت کے فقراء کو دربار میں پاتا ہے اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ حضور سیدنا علیہ السلام تمام نسبتوں کے مالک ہیں۔ اور
آپ کے خزانۂ ولایت میں ہر قسم کی نسبت موجود ہے جس کو جس قابل
دیکھا وہی نسبت مرحمت فرما دی اور یہ تاج الدین کا صحیح مطالب ہے جس
کو اہلِ فہم ہی خوب جانتے ہیں۔ کہ اس نام پاک کی دولت اور حکومت کیسی ہے۔

حسن بے پردہ ہے عاشق کا پتہ ملتا نہیں
فیض بخشی پر کریم آیا گدا ملتا نہیں

کہاں ہیں خدا کے عرفان کی دولت لینے والے۔ کہاں ہیں درویشی و
فقر کے متلاشی۔ کہاں ہیں توحید کا نشہ پینے والے۔ کہاں ہیں جذب و
سلوک کے بادہ خوار کہاں ہیں نورِ ولایت کے ڈھونڈنے والے کہاں ہیں
قادری چشتی، نقشبندی سہروردی وقلندری نظامی و صابری دوڑو
اور اپنے گم کردہ نعمت دربار تاج الاولیاء میں حاضر ہو کر حاصل کرو کہ یہاں
آجکل ولایت کا عام باڑا بٹ رہا ہے جہاں قادری کو غوث الاعظم دستگیرؓ
کا جلوہ دکھا کر پیرانِ پیر کے خزانے کی نعمت دی جاتی ہے اور چشتی کو
حضرت خواجہ غریب نوازؒ قدس سرہ کی چشتی نعمت اور نقشبندی کو
حضرت بہاء الحق خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہٗ کے خزانے کی تو قلندر
کو قلندر بو علی قدس سرہٗ کے خزانے کی نظامی و صابری کو محبوب الٰہی و صابر
پاک کے خزانے و نعمت کی دولت مرحمت فرمائی جاتی ہے۔ اگر وقت پر نہ آسکے
تو پھر شرمندگی مفید نہ ہوگی۔ ایک عرصہ سے جو دروازہ بند تھا مسلمانوں کی
خوش نصیبی سے اب کھل گیا ہے۔ مگر لوگ گہری نیند سو رہے ہیں۔

از حضرت غوث بابا یوسف شاہ تاجیؒ المعروف شمس العلماء مولانا سید
محمد عبدالکریم شاہؒ

حقیقتِ احمدیؐ

کنت کنزاً مخفیاً میں بے نشاں تو ہی تو تھا
حب ذاتی سے عیاں سرِ نہاں تو ہی تو تھا
احدیت سے جلوہ فرما کر حقیقتِ احمدی
بن کے نورِ مصطفیٰؐ جانِ جہاں تو ہی تو تھا
روزِ اوّل جبکہ روحوں نے کہا قالوا بلیٰ
قول تھا تیرا الست خوش بیاں تو ہی تو تھا
عالمِ امکاں میں ہو موجود در شکلِ صفیؑ
ہو کے مسجودِ ملک جنت نشاں تو ہی تو تھا
انبیاء در اصفیا گزرے ہیں جتنے بالیقیں
نور سے تیرے تھے ان کا جسم و جاں تو ہی تو تھا
تو ہی تھا موزِ علی مشکل کشائے خاص و عام
سبطِ احمد سے عیاں حسینی شان تو ہی تو تھا
غوث الاعظم ہو کے دینِ احمدی زندہ کیا
اور معین الدین چشتی میں عیاں تو ہی تو تھا
خاص اسم پاک تاج الدین میں جلوہ کیا
عالم امکاں ہیں نور لامکاں تو ہی تو تھا
کل یوم سے بنا اظہار عالم میں کیا
دور آخر کی تجلی کن فکاں تو ہی تو تھا
تاج بخشی کے لئے سرکار تاج الدین ہوا
اور چراغ دینِ احمد کا بیاں تو ہی تو تھا

تیرے والا کو سہارا کچھ نہیں تیرے سوا
مہر کر اس پر کہ اول مہرباں تو ہی تو تھا

حضور غوث الوریٰ غوث الثقلین غیث الکونینؒ ہادی الدارین صاحب التاج بشارت دہ عالم کل نفس ذائقۃ الاسلام تاج الاولیاء تاج الملت والدین شہنشاہِ ہفت اقلیم سید محمد بابا تاج الدین حسنی والحسینی ادام اللہ برہانہ کی ذات ستودہ صفات سے تمام اہلِ عالم واقف ہیں. تمام اولیائے عالم ان کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرتے ہیں ہر ملک کا بزرگ و ولی ان کے حکم کا منتظر ہے بلاان کے حکم اس زمانہ میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑے بڑے اولیائے کاملین ہوئے اور انہوں نے اپنے انوار سے عالم کو روشن ومنور فرمایا. مگر یہ اخیر زمانہ بزرگوں کے فیضان کا زیادہ محتاج تھا جب کہ یورپ کی مادیت نے اسلام کی روحانیت پر پردہ ڈال دیا تھا اور مسلمان مادیت کے اندھیرے میں گمراہ ہو گئے تھے. مگر زمانہ کو یاد رکھنا چاہیئے. کہ اسلام کی محافظت پہلے ہی خداوند کریم کی جناب سے مقدر ہو چکی ہے اور حضور سرورِ عالم تاجدار مدینہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی اشاعت وامداد کا انتظام اول روز ہی کر دیا ہے اور اب بھی ہر زمانہ میں کسی برزخ خاص سے امداد کرتے رہے اور کرتے رہیں گے.

"تاآنکہ شہر ناگپور جو نافۂ ہند ہے. میں حضور تاج الاولیا ادام اللہ انوارہٗ نے تین سال قبل یہ فرمایا تھا کہ کل نفس ذائقۃ الاسلام یعنی ہر نفس کو ذائقۂ اسلام چکھنا ہے. کی بشارت تمام اہلِ عالم کے لئے کس قدر مسرت آمیز ہے

حضور کے حالات وواقعات تفصیلی طور پر نہ کوئی لکھ سکا اور نہ کوئی لکھ سکے کیونکہ. حسن یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری. آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کا سراپا ہیں. اگر شک ہو حاضرِ دربار ہو کر دیکھ لے.

سرتاجِ ولایت

تمہیں سرتاج ولیوں کے شہنشاہ تاج دیں ٹھہرے
شہِ مخدوم عالم سرورِ دنیا و دیں ٹھہرے
خدا و مصطفیٰ کے مظہر و ظاہر تمہیں ٹھہرے !
لسان الغیب ہو قرآن کی شرح مبیں ٹھہرے
دُرِ دریائے وحدت اور گل بستانِ احدیت
دہر میں ہو نہیں سکتا ہے ایسے مہ جبیں ٹھہرے
تمہاری شان جو دیکھی تو سب شانیں نظر آئیں
ہو فی کل یوم شان کی شرح بالیقیں ٹھہرے
تمہاری ذات اقدس میں ہے نورِ نبوت کی
کہ دین احمدی کے تم مسیح و محی الدین ٹھہرے
نبی کے دین کو زندہ کیا اور کفر کو غارت
حمایت اور اعانت ہند میں خواجہ معیں ٹھہرے
تجرد میں تفرد میں توکل اور تعشق میں
ہو گئیا جیسے شاہ دین خواجہ قطب دیں ٹھہرے
زہد میں گر کوئی دیکھے تو تم ایسے مجاہد ہو
کہ جیسے حضرت بابا فرید فرد دیں ٹھہرے
نظامت میں شہ اقلیمِ عرفانِ الٰہی ہو
نظام الدین والملۃ کے بیشک ہم نشیں ٹھہرے
صبر میں صابرِ مخدوم ہو مقبول احمد کے
نصر میں ہو نصیر الدین ضیا میں شمس دیں ٹھہرے
ہو جامعیت میں کامل قبلۂ دین کعبۂ ایماں
میرے دل کے مکان کے ظاہر و باطن مکیں ٹھہرے
ہے شہرہ چار دانگ عالم میں تیری دستگیری کا
میری بھی دستگیری دستگیر عالمیں ٹھہرے

مئے گلُ گوں پلا دو شوق سے تم اپنے والا کو
کہ ہو تم ساقیٔ وحدت احد کے ہم قریں ٹھہرے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انا تارک فیکم الثقلین۔ کتاب اللہ وعترتی یعنی چھوڑی ہیں نے تمہارے پاس دو بھاری چیزیں ایک کتاب اللہ دوسری میری اولاد۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔ تا آنکہ حوض کوثر پر مجھ سے ملیں ان دونوں کو مضبوط پکڑو۔

کتاب اللہ پڑھنے کو اور اولاد پڑھانے کو چھوڑ گئے مگر زمانہ جانتا ہے کہ اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا اور جس بات کی سرورِ عالم علیہ السلام نے ہم کو تاکید کر دی تھی اس کا کہاں تک لحاظ رکھا گیا سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام کے مقابلے میں بے جا فتوئی تیار کر کے شہید کر ڈالا پھر اُن کی اولاد کے ساتھ کیا کیا مظالم کئے گئے جو تاریخوں میں مفصل درج ہیں۔

ائمۂ معصومین علیہم السلام و دیگر بزرگانِ ملت کے ساتھ ناجائز برتاؤ ہوا جس کا خمیازہ آج تک مسلمان اٹھا رہے ہیں اور پھر بھی باز نہیں آتے

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

کسی قوم پر خدا عذاب نازل نہیں کرتا جب تک وہ قوم اپنے بزرگانِ ملت کی ایذا رسانی نہ کرے۔ مسلمان اپنی ظنیات کو یقین کے مقابلہ میں استعمال کر کے گمراہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر بے عقلی ہے۔

الماضی لا یذکر

گزشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط۔ یعنی گزشتہ کو چھوڑ کر آئندہ اپنی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھو اور آنکھ کھول کر دیکھو کہ عالم میں کیا ہونے والا ہے شہنشاہ ہفت اقلیم کے دربار فائض الانوار میں حاضر ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ کل نفس ذائقۃ۔ الاسلام کا اظہار ہونے والا ہے۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ۔ اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یہدی الیہ من ینیب ط یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور جس کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اُس کو ہدایت کرتا ہے

جذب و سلوک

مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل جذب و سلوک کا ذکر کیا ہے۔

اہلِ اجتبیٰ وہ قوم ہے جو جذبۂ حق میں گرفتار ہیں اور اہلِ ہدایت وہ جو توبہ و استغفار سے اس کی طرف راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ اہلِ جذب کو خدا اپنی طرف کھینچتا ہے اور متوجہ کرتا ہے اور اہل سلوک خود توبہ و استغفار سے خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اہل جذب میں سلوک یقیناً ہوتا ہے بخلاف کورے اہل سلوک کے اسی اہل جذب کی دو قسمیں ہوتی ہیں بعض مجذوب سالک اور بعض سالک مجذوب اور جہاں جذب نہیں وہاں کچھ بھی نہیں۔ بزرگانِ ماسلف میں جذب تھا مگر لوگ ان کے جذب سے ناواقف ہیں مثل حضرت غوث الاعظم رح کہ آپ کا قصیدہ غوثیہ جذبی کیفیت میں تیار ہوا ہے، تذکرۃ الاولیاء، باب انھاون حکیم محمد علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح جذب آزادی

حکیم محمد علی ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آزاد وہ ہے جس کو خداوند کریم اپنے دربار سے آزاد کرتا ہے اور ایسا شخص مجذوب ہوتا ہے اور خدا اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ہدایت کرتا ہے۔

جب تک کسی میں ایک صفت صفاتِ نفسانی سے باقی ہو وہ آزاد نہیں ہو سکتا بلکہ مثل مکاتب کے ہوتا ہے۔ یعنی جس غلام کو اس کا آقا کہہ دے کہ تو اس قدر درم ادا کر دے تو تو آزاد ہے جب تک ایک درم بھی باقی ہے بندہ اس ایک درم کا ہوگا۔

اور جب سب ادا کر چکا آزاد ہو گیا اور جب خداوند کریم کے دربار سے آزاد ہو گیا تو یہ فضلِ الٰہی ہے ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل

العظیم۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس پر وہ چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ بھلا اس کو فضل کرنے سے کون روک سکتا ہے مگر بدبخت لوگ ایسے بزرگوں سے حسد کرکے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

جذب صفت نبوت ہے

اور حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جذب صفتِ نبوت ہے اور مجذوب کے لئے چند درجے ہیں بعض مجاذیب کو ایک تہائی نبوت دیتے ہیں اور بعض کو دو تہائی اور بعض کو اس سے زیادہ اور جب دو تہائی سے زیادہ یہ صفتِ نبوت مل جاتی ہے تو وہ مجذوب صفت نبوت کے سبب تمام مجذوبوں سے بڑھ جاتا ہے اور خاتم الاولیاء ہوتا ہے اور سردار تمام ولیوں کا جیسے ہمارے پیغمبر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور نبوت آپکی ذات پر ختم ہوئی اسی طرح ولایت اس مجذوب پر ختم ہوگی۔

اور فرمایا کہ ایسا مجذوب مہدی ہو سکتا ہے کیونکہ جذب ایک جزو ہے پیغمبری کا۔ یہ ارشاد ہے حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا جس کو شک ہو تذکرۃ الاولیا حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی شرح کو دیکھے جس کو میں نے اس تذکرہ میں نقل کر دیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تاج دین و تاج انس و جاں توئی ::: بلکہ تاج فرق اہل شاں توئی!
شان از بے چوں بیاں سرِّ ازل ::: سیرت و صورت محمد شاں توئی
آمر کون و مکان ہم لا مکان ::: ظاہر و باطن بگویم آں توئی!
آں کمالِ اولیاء می داشتند ::: آں ہمہ داری و فخر انسان توئی
جسم تو روح است و جانِ جانِ جہاں ::: جسم کل بودی و جانانِ جاں توئی

ایں سگ دربار تو والہ حزیں
بے سروساماں شدہ ساماں توئی

حضور تاج الاولیاء دام اللہ برکاتہ کا تاج محی الدین ہونا

ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ میرا نام تاج محی الدین ہے۔ بیشک حضور تاج الاولیاءؒ تمام دین کے زندہ کرنیوالوں کے تاج ہیں۔ کیونکہ دین اسلام کے زندہ کرنے کی ضرورت اس زمانہ میں جیسے تھی وہ اور زمانوں میں نہ پائی گئی۔ جب کہ اسلام ہر طرف سے نرغے میں آگیا اور اعدائے دین نے ہر ممکن کوشش سے اسلام کا چراغ بجھا دینا چاہا اسلام و مسلمانوں کی جس جماعت کو دیکھا اس میں سوائے نفس پروری کے اور کچھ نہ پایا۔ تو ایسے وقت میں ایسے ہی تاج محی الدین کی ضرورت تھی۔

حضور کا چراغ دیں ہونا

ایک مرتبہ دربار عالیہ میں چند ارادت مندوں کو حضور کے سن و سال کی فکر ہوئی کہ حضور کی صحیح تو تاریخ ولادت نکال سکتے۔ تو خود سرکار تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم کو چراغ دین کہتے ہیں۔ چراغِ دین کے اعداد ۱۲۶۸ ہوتے ہیں۔ ۱۲۶۸ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اس وقت ۱۳۴۳ھ ہے اس وقت حضور کا سن شریف ۷۵ سال کا ہوتا ہے۔

حضور کا سلسلہ حسب و نسب سادات حسنی و حسینی سے ملتا ہے آپ کے آباواجداد مدینہ منورہ سے ملک مدراس ہندوستان میں آئے اور پلٹن کی ملازمت اختیار کی حضور کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سیدنا عبداللہ معروف سید بدرالدین صاحب رضی اللہ عنہ تھا جو حضور کے ایام حمل میں ہی راہی ملک بقا ہوئے۔

حضور کی والدہ محترمہ آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا بھی چند ماہ میں جب آپ عالم شیر خواری میں تھے جنت الفردوس کو سدہاریں آپ اپنے نانا بزرگوار جو صوبیدار میجر تھے اُن کی آغوش میں پرورش پاتے رہے۔

جب آپ کے نانا بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کی فوج مدراس سے کامٹی آئی

تو آپ بھی ہمراہ آئے۔ جب آپ کامٹی کے مکتب میں بٹھائے گئے کہ تعلیم دی جائے۔ تو حضور سیدنا عبداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانہ میں کامٹی میں مست و مجذوب شان سے رہتے تھے مکتب میں تشریف لائے اور معلم سے فرمایا کہ یہ لڑکا پڑھا لکھا ہے یہ علم لدنی کا عالم ہے اس کو پڑھانے لکھانے کی ضرورت نہیں۔ اب ان بزرگ کا مزار کامٹی اسٹیشن کے قریب موجود ہے۔ مگر ہیاس ظاہر عربی فارسی اردو انگریزی وغیرہ کا علم حاصل کر کے اٹھارہ سال کی عمر میں آبائی قاعدے کے موافق آپ بھی فوج میں بھرتی کر دئے گئے۔ تین سال ملازمت کی ملازمت کے زمانہ کے حالات بھی عجیب و غریب ہیں۔ اپنے حجرہ میں گوشہ نشین ہو کر رہتے تھے صرف نوکری کے وقت نکلتے تھے۔ کسی کو نہیں معلوم آپ حجرہ میں کیا کام کرتے تھے۔ تین سال بعد جذب کا غلبہ ہوا اور قید ظاہری سے بھی آزاد ہو گئے۔ خرق عادات و کرامات ملازمت کے زمانہ ہیں بھی سرزد ہوتے رہے۔ ساگر ہیں جہاں آپ کی پلٹن تھی وہیں سے لباس جذب پہن کر کامٹی تشریف لائے کامٹی کا ہر شخص پہلے ہی سے واقف تھا اور سیدنا سید عبداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا برتاؤ آپ کے ساتھ دیکھ رکھا تھا ایک عرصہ تک کامٹی رہے اور بالآخر کسی مصلحت و حکمت سے حضور نے بیمارستان یعنی پاگل خانے میں رہنا پسند فرمایا اور اٹھارہ برس بیمارستان میں رہے وہاں بھی مخلوقات کا اژدہام ہونے لگا اور ہر ملک و قوم کا آدمی فیضیاب ہونے لگا تا آنکہ گورنمنٹ نے ٹکٹ لگا دیا مگر دن بدن ترقی ہی ہوتی رہی اور بالآخر ارادت مندوں نے بیمارستان سے باہر رہنے کی درخواست کی اور اس کو قبول فرما کر حضور شکردرہ تشریف لے آئے۔ ہر ملک و قوم کا آدمی آنے لگا۔

اور حضور نے بالاعلان ارشاد فرمایا میرا نام تاج دین شہنشاہ ہفت اقلیم ہے۔ یہ ارشاد لوگوں کی تعلیم کے لئے ہے کہ لوگ حضرت کے مرتبہ سے واقف ہو کر باادب رہیں ورنہ بے ادب خدا کے فضل سے محروم رہتا ہے۔

حضور کا اپنے تعدیہ سے ایک لاکھ آدمیوں کو مرتبہ ولایت عطا فرمانا

چند مرتبہ کا یہ ارشاد ہے اور دربار کا ہر شخص جانتا ہے کہ حضور نے فرمایا میرا نام تاج الدین ہے میں ایک لاکھ تو ولی بناؤں گا۔ قربان اس بشارت کے اور مبشر حقیقی کے جس نے اپنے غلاموں میں ہم کو قبول فرمایا۔

ایک لاکھ تو اولیاء بنائیں گے۔ باقی اور حاضرین و زائرین کا حال سنیے ایک مرتبہ مجھ کو عالم مثال جو مثل مشاہدہ کے تھا یہ دکھلایا کہ ایک کتاب تذکرۂ اولیاء انبیاء میرے ہاتھ میں ہے جس ہیں ہر نبی کی شبیہ معہ حالات درج ہے۔ اور اس کے اخیر ہیں حضور تاج الاولیاء کی شبیہ بھی معہ حالات درج ہے۔ میں حضور کی شبیہ کو دیکھ کر حالات پڑھ رہا ہوں۔ شبیہ کے نیچے سرخی میں یہ لکھا ہے کہ یہ وہ ذات ہے کہ جس نے ارادت و محبت سے ان کو دیکھا کسے باشد کسی قوم و مذہب کا کیوں نہ ہو۔ اس کی نجات ہو گئی۔ یہ دیکھتے ہی معاً آنکھ کھل گئی اور خطرہ پیدا ہوا کہ ایسا اولیاء ما سلف میں بھی کہیں ہوا ہے۔ تو معاً جواب ملا کہ ہاں۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو جو بیس۲۴ برس کے مجاہدے کے بعد الہام ہوا کہ آج تم کو جو شخص دیکھ لیگا جنتی ہوگا۔ آپ نے اعلان کر دیا۔ تب خدام میں سے کسی نے عرض کیا حضور بہت سے معذور دربار تک نہیں آ سکتے اور خدا اپنی رحمت کو آپ کے واسطے سے وسیع کر رہا ہے تو حضور سواری میں برآمد ہوں تاکہ جو لوگ یہاں تک نہیں آ سکتے وہ بھی زیارت کر کے جنتی ہو جائیں۔ چنانچہ بابا فریدالدین گنج شکر رضی اللہ عنہ کے ایک مرید نے آ کر عرض کیا کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے یہ اعلان کروایا ہے اس پر حضور بابا شکر گنج رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھکو ہر دن میں ستر مرتبہ یہ حکم ہوتا ہے کہ تم کو جو دیکھ لے وہ جنتی مگر میں اعلان نہیں

رہا۔ حضور بابا صاحب رضی اللہ عنہ نے اعلان تو نہیں کیا بلکہ جنتی دروازہ بنوا
دیا جو اب تک موجود ہے اور محرم کی پانچ و چھ تاریخ کو کھلتا ہے اور میں نے
بھی اس کی زیارت کی ہے۔

حضرت ابوالحسن نے فرمایا کہ حضرت بابا بایزید بسطامی فرماتے ہیں جس نے
مجھے دیکھا وہ بدبختی کی رقم سے بے خطر ہوا۔ نیز حضرت ابوالحسن خرقانی فرماتے
ہیں جو لوگ میرے پاس آتے ہیں قیامت کے روز اوّل ان کو جنت میں داخل
کراؤں گا اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو اس سے کہدو میرے پاس نہ آوے۔

زہے نصیب ان زائرین و حاضرین دربار تاج الاولیاء ادام اللہ برکاتہٗ
کے کہ حضور کی ارادت و محبت سے نجات اخروی ہے اہل کشف جب حاضر
دربار ہوتے ہیں تو وہ اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ چوبیس گھنٹہ
دربار عالیہ میں عرش سے باران رحمت کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ دربار میں حاضر
ہونا گویا کہ خداوند کریم کی رحمت کے شامیانے میں داخل ہو جانا ہے
بزرگان ماسلف کے واقعات وحالات سنے گئے تھے کتابوں میں پڑھا
تھا کہ ایسی ایسی شان کے بزرگ ہو گئے مگر ہم لوگوں کی
خوش نصیبی سے ان تمام کی جامع ذات کا اظہار کیا۔

نبوت اور ولدیت

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رحمۃ للعٰلمین ہے اگلے انبیاء
علیہم السلام توحید سہ گانہ توحید آثاری و توحید صفاتی کی دعوت دے
گئے مگر توحید و دین کو کامل نہ کر سکے۔ یہ کام ختم الانبیاء علیہ السلام کا تھا
کہ آپ نے توحید ذاتی کی دعوت دے کر دین و توحید کو کامل کر دیا۔
جس کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہ رہی۔ کیونکہ تمام انبیاء نے توحید ہی
کی دعوت دی ہے مگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم توحید ذاتی کی دعوت
کے لئے مخصوص تھے۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی

یعنی موسیٰ علیہ السلام ایک پرتو صفات کی تجلی دیکھ کر بے ہوش ہو گئے مگر
تاجدار مدینہ علیہ السلام عین ذات کا جلوہ تبسم میں مشاہدہ فرماتے تھے۔

حدیث میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ اگر موسیٰ پیغمبر میرے زمانہ میں موجود
ہوتے تو ان کو مجھ پر ایمان لانا ضروری ہوتا۔ بیشک حضور امام المرسلین و
سید المرسلین ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کی امت کے اولیاء اگلے انبیاء و رسل
کے درجہ میں ہیں۔

مولانا جامی سے

ہمہ پیغمبراں در جستجو مند   خدا داند تو در چہ مقامی

جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ تمام پیغمبر آپ کے
مقام کی تلاش کرتے ہیں اور پتہ نہیں لگتا پھر مجھے کیا معلوم کہ آپ
کا مقام کہاں ہے۔

آپ پر وہ کتاب نازل کی گئی جس کا نام قرآن ہے جو تمام ادیان و
ملل کو منسوخ کرنے آیا ہے اور یہ ایک دن ہو کر رہیگا اور اب اس
کے اظہار کا وقت قریب ہے۔ مسلمانوں نے تو قرآن سے فائدہ اٹھانا
چھوڑ دیا ہے۔ مگر یورپ میں جا کر دیکھیں کہ آجکل یورپ والے
قرآن روزانہ پڑھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے اور
قرآن اپنے پڑھنے والے کو ضرور دین اسلام کی برکت دیتا ہے۔

قرآن کا اثر متعدی ہے نہ کہ لازمی۔ اب وہ وقت قریب آ گیا ہے کہ تمام عالم کا
مسلمہ قانون قرآن ہی سمجھا جائے۔ اور تمام ادیان و مذاہب کے قانون باقاعدہ
ظاہر کے بھی منسوخ ہو جائیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ رسول علیہ السلام تمام عالم کے رسول ہیں
اور تمام عالم کے شہنشاہ اب تک صرف مسلمانوں نے حضور کی رسالت کو تسلیم
کیا ہے نہ کہ تمام عالم نے وہ وقت بھی قریب ہے کہ تمام عالم حضور سرور عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وشہنشاہت کا اقبال کرے اور حضور کے دین کی ہدایت عالمگیر ہو کیونکہ زمانہ کہا جائے گا کہ تاجدار دو عالم باعث ہژدہ ہزار عالم تشریف لائے۔

چونکہ ہر ملک وقوم کے آپ ہادی ہیں اس لئے ہر ملک و قوم کی ہدایت کا انتظام اجمالاً اسی وقت کردیا گیا اور ہر زمانہ کے واقعات و حالات بیان فرمادئے تاآنکہ اس اخیر زمانہ کے واقعات زیادہ تفصیل سے بیان فرمادئے مگر کیا ہر شخص رسول علیہ السلام کے کلام کو سمجھ سکتا ہے جبکہ وہ اولیاء کرام کا کلام سمجھنے سے قاصر ہے۔ جو انسان ناقص ہے اس کا علم وعقل بھی ناقص ہے۔ وہ کامل کی بات نہیں سمجھ سکتا۔ البتہ کامل کے علم وعقل سے ہی سمجھ میں آسکتا ہے۔

یہی باعث تھا کہ جب اہل عرب کے سامنے حضور علیہ السلام نے توحید پیش کی تو ان لوگوں نے آپ کو معاذ اللہ دیوانہ سمجھا کیونکہ جو بات حضور فرماتے تھے وہ ان کی عقل میں نہ آتی تھی۔ اہلِ عرب کے جہالت سے مراد ان کا کفر ہے نہ کہ بے علمی کیونکہ شاعری ان کا روزمرہ تھا۔ اور ایسے فصیح وبلیغ تھے کہ قرآن شریف افصح الکلام معجزہ بنا کر ان کو عاجز کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہر انسان فطرۃً خدا کو ایک ماننے کے لئے مجبور ہے اگرچہ وہ کسی مذہب کا کیوں نہ ہو اہل عرب خدا کو ایک ماننے سے انکار نہ کرتے تھے بلکہ جس طریق سے حضور ان کو سمجھاتے تھے ان کی عقل میں نہ آتا تھا اور کہتے تھے یہ عجیب بات ہے

توحید

التوحید واحد گردانیدن۔ یعنی توحید معنی ایک کر دینے کے ہیں اور ہر انسان فطرۃً مغلوب الوہم ہے اسی لئے ہر پیغمبر کو معجزہ دیا جاتا ہے جو وہم کے خلاف ہوتا ہے اور معجزہ بمعنی عاجز کرنے کے ہیں۔ یعنی توحید کی بات ایسی نہیں کہ وہم میں آجائے۔ توحید کا اقرار تو وہم کو دور کرتا ہے اور یقین پیدا کرتا ہے اور لاالٰہ الا اللہ کا یہی مطلب ہے کہ لاموجود

غیر اللہ۔ اور تمام انبیاء واولیاء نے اسی کی دعوت دی ہے مولانا روم فرماتے ہیں۔

مثنوی ما دکان وحدت است غیر واحد ہرچہ بینی آں نہ است

مولانا نیاز

ہستیم جملہ خیال است بہ تمثال سراب

بالیقیں من نیم و وہم وگمانم باقی است

گو اہلِ عرب اپنے وہم وطغیان سے حضور کا انکار کرتے رہے مگر آخر آفتاب کی روشنی کا کہاں تک انکار کیا جائے ایکدن وہ ہوا کہ تمام اہلِ عرب وعجم نے مان لیا۔ اور حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ لاالٰہ الا اللہ پڑھو عرب اور عجم کے مالک ہوجاؤگے اہلِ عرب نے اقرار کر کے مالک بن گئے

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مرتبہ کو کون سمجھ سکتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نسبت متعدی سے ان کو کس مقام پر پہنچاتے تھے اعلیٰ درجہ کا ولی ادنیٰ درجہ کے صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

یہ تو اولیاء اللہ کے حالات میں ہے کہ وہ ایک نظر میں آدمی کو اس منزل ومقام پر پہنچا دیتے ہیں۔ جہاں آدمی سو برس میں عبادتِ بے ریا سے بھی نہیں پہنچ سکتا۔ بقول مولانا روم

یک زمانہ صحبتِ با اولیا بہتر است صد سالہ طاعت بیریا

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز گرداند ز راہ

جب اولیاء اللہ کو یہ قدرت ہوتی ہے کہ آدمی کو چشم زدن میں مرتبہ اعلیٰ پر پہنچا دیتے ہیں جہاں صد سالہ عبادت بے ریا سے پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ تو پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو اپنی توجہ خداوندی سے نہ معلوم کس مقام پر پہنچاتے تھے۔ تمام صحابہ درجہ صدیقیت میں تھے اور ان میں اکبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعدیہ تھا کہ ایک چشم زدن میں ذات

کا مشاہدہ کرا دیتے تھے۔

لاریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام عقل سے بالاتر ہے۔ بڑی غلطی کرتے ہیں وہ لوگ جو صحابہ کرام کے حالات کو اپنے حالات پر قیاس کرتے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ ان کے قلوب حضور علیہ السلام کی صحبت سے منور تھے اور انھوں نے عبدیت کا پورا حق ادا کیا ہے اور وہ قرب فرائض سے حصہ لینے والے تھے۔ بخلاف اولیاء کرام کہ وہ قرب نوافل میں رہا کرتے ہیں مگر بعض اولیاء اللہ نے بھی قرب فرائض طے کیا ہے

قرب فرائض ونوافل

تمام انبیاء اور صحابہ اور بعض اولیاء اللہ قرب فرائض میں ہوتے ہیں یہاں اقرار عبدیت ہے مثلاً شب کو معراج ہوئی اور صبح کو یہودی کی لونڈی کا آٹا لیکر اس کے ہمراہ سفارش کرنے جاتے ہیں اور وہ یہودی مع تمام اپنی قوم کے مسلمان ہوتا ہے مولانا نیاز مرحوم۔

چہ وسعت دادہ یارب ظرف آن عظیم الشان
کہ انی عبدہ گوید بجائے قول سبحانی

حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی تو سبحانی ما اعظم شانی اور انی انا اللہ کہہ رہے ہیں جو حضور علیہ السلام کی امت میں ہیں مگر خود حضور علیہ السلام انی عبدہ فرماتے ہیں۔

ایسے ہی امام حسین علیہ السلام چونکہ قرب فرائض میں تھے کربلا میں تمام ہتھیار اثر دکھا رہے تھے مگر جب بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ پر لوگوں نے تلوار اور چھری ماری تو کچھ اثر نہ ہوا بلکہ جس نے مارا وہی زخمی ہو گیا۔

قبل ظہور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے حضور کے نور نبوت و ولایت سے فیضان حاصل کیا اور بعد ظہور سرور عالم علیہ السلام تمام اولیاء نے حضور کے نور نبوت اور ولایت سے فیضان حاصل کیا

تو معلوم ہوا کہ کونین میں سرکار مدینہ علیہ السلام کا ہی فیضان ہے اور حضور ہی کا تعدیہ ہے جس سے تمام انبیاء و اولیاء نے نعمت لی ہے۔ اور اولیاء کا اقرار سرور عالم علیہ السلام کا اقرار ہے اور اولیاء کا انکار حضور کا انکار ہے کیونکہ اولیاء اللہ فانی فی الرسول ہوتے ہیں اور فانی میں صفات منفی پیدا ہوتے ہیں اور اسی مقام پر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ھذا وجود جدی لا وجود عبد القادر یعنی فرماتے ہیں کہ یہ میرا وجود نہیں جس کو تم دیکھ رہے ہو بلکہ میرے جد اعلیٰ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کا وجود عین وجود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

تعدیہ حضور تاج الاولیاء

بزرگان دین دو قسم کے ہوتے ہیں بعض لازمی نسبت کے اور بعض متعدی نسبت کے۔ لازمی نسبت کے وہ بزرگ ہیں جو بذات خود بزرگ ہوتے ہیں مگر دوسرے کو آن واحد چشم زدن میں مرتبہ اعلیٰ پر نہیں پہنچا سکتے اور ایسے بزرگ اکثر جگہ ملتے ہیں مگر متعدی نسبت کے بزرگ ہر جگہ نہیں ملتے زمانہ سلف میں بزرگوں کے اکثر واقعات معلوم ہوئے مثلاً حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آن واحد میں اپنے مرید نان بائی کو توجہ اتحادی سے ظاہر باطن میں اپنا جیسا بنالیا مگر وہ ضبط نہ کرسکا اور جان بحق تسلیم ہو گیا۔ اہل جذب میں تعدیہ زیادہ ہوتا ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ مجذوب اپنے وقت میں مثل آفتاب کے ہوتا ہے۔ مگر حضور تاج الاولیاء دام النورہٗ کا بڑا زبردست تعدیہ ہے دربار میں ہزاروں آدمیوں کو آن واحد میں مکمل کردیا۔

زمانہ سلف میں جو تعدیہ اہل سلوک و اہل جذب کے پاس تھا وہ مجموعی شان سے یہاں موجود ہے صرف نظر ملنے سے حالت متغیر ہو جاتی ہے

نہ تو مجذوب میں دیکھی نہ کسی سالک میں
جو جھلک دیکھی ہے بابا تیرے میخانے میں

جو ذات ایک لاکھ آدمیوں کی طرف توجہ کرے اس کی شان کوئی کیا جان سکتا ہے، دربار کے مبتدی اور سلسلوں کے منتہیوں کی حالت میں ہو جاتے ہیں ریاضت و مجاہدہ و تعلیم بس اسی قدر ہے کہ

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں تیرے رہنا عبادت اسکو کہتے ہیں
تمہارے غیر کے خطرے سے کرنا پاک باطن کو
صنم پیر مغاں غسل طہارت اسکو کہتے ہیں
تری الفت میں مر مٹنا شہادت اسکو کہتے ہیں
ترے کوچے میں ہونا دفن جنت اس کو کہتے ہیں
تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا
حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

خلفاء و مریدین

خلفاء کی تعداد مجمل ایک لاکھ کہی ہے مگر اس کی تفصیل حضور ہی خوب جانتے ہیں، مریدین کی تعداد مقرر نہیں ہے کروڑوں کی تعداد سے بھی زاید ہے کیونکہ حضور وقت کے پیران پیر ہیں۔ فیضان دینے میں مرد عورت کو برابر رکھتے ہیں صورت کو نہیں دیکھتے سیرت پر نظر رکھتے ہیں جیسا جس کا ظرف دیکھا نعمت دیدی۔ بعض سے تھوڑا سا مجاہدہ بھی کراتے ہیں اور بعض سے بالکل نہیں، دربار میں حاضر رہنا ہی مجاہدہ میں شمار فرما لیتے ہیں ـــ

واقعی یہ ایسا ہی زمانہ تھا اور اس میں ایسے ہی ولی اللہ کی ضرورت تھی کیونکہ ہر ملک و ہر قوم کا آدمی فطرۃً خدا رسیدہ بننا چاہتا ہے، خدا کے طالب ہر زمانہ میں ہر ملک و قوم میں ہوتے ہیں مگر خدا رسیدہ اور خدا تک پہونچا دینے والے ہر جگہ اس زمانہ میں نہیں ملتے۔

خاص کر اس زمانہ کے لوگ جدید تعلیم یورپ کے گرویدہ بھی روحانیت کی

طرف متوجہ ہو گئے۔ اگر وہ پرانے فیشن کے بزرگوں کے پاس جاتے ہیں تو وہ وہ بزرگ ان کو چلہ کشی اور مجاہدہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں، اور وہ لوگ وہاں سے پریشان ہو کر یہ کہتے ہوئے نکلتے ہیں کہ یہ ہمارا کام نہیں، اور ناممکن ہے کہ ہم سے ایسا ہو۔ ان کو تو اس بات کی ضرورت ہے کہ ہاتھ پکڑا اور ندی میں غوطہ دے کر نکال دیا۔ اور ہمارے سرکار تاج الاولیاء نور اللہ مرقدہ کے یہاں یہی ہو رہا ہے کہ ندی میں غوطہ دیا اور نکال دیا، اور حقیقتہً اگر دیکھا جائے تو الدین یسر، حدیث کا مضمون ہے کہ دین میں آسانی ہے نہ کہ سختی، دین ایسا آسان ہے جس کو ہر عالم و جاہل قبول کرلے دین میں دشواریاں نہیں ہیں جس کو لوگ دیکھ کر انکار کردیں مگر لوگوں نے دین میں وہ دشواریاں دکھائی ہیں جس سے لوگ ناامید ہو کر اسلام اور مسلمانی کے ذائقہ سے محروم رہتے ہیں

بیا بنگر چہ بازار است اینجا — کرم گلزار و ہم یار است اینجا
بہ بین در گل جمال گلبدن را — کہ این دو کار در کار است اینجا
تو از پائے نظر آہستہ بگذر — بن گل بر سر خار است اینجا
بہ بین در خویشتن یار گل اندام را — تجلی گاہ معمار است اینجا
بجز حق نیست ناظر در دو چشم — جمال احمدی یار است اینجا
ببرکت فیض تاج الاولیاء شد
کریم حق نما یار است اینجا

حضور تاج الاولیاء کی بیعت طریقت

حضور کی بیعت طریقت کے متعلق صحیح طور سے یوں معلوم ہوا ہے کہ حضور کو نسبت بلا واسطہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم و مولیٰ علی مشکل کشا علیہ السلام سے ایک دم حاصل ہے۔ اور ایسی نسبت کو اویسیت کہتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت مولانا شرف الدین بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ ایکدم حضرت مولیٰ علی علیہ السلام کے مرید تھے اور اسی وجہ سے آپ کو بو علی کہتے ہیں ورنہ آپ کا نام تو

مولانا شرف الدین تھا۔ اور اسی قسم کی مثالیں اور بزرگوں میں پائی گئی ہیں۔

اسی لئے ہمارے سرکار تاج الاولیاء ادام اللہ نورہ صفت قلندریت بھی رکھتے ہیں ولایت کی جتنی صفتیں ہوسکتی ہیں وہ سب حضور میں موجود ہیں اور یہ اُن نفوس میں ہونا بعید نہیں ہے جو ولایت محمدی رکھتے ہیں حضور کی نسبت ولایت محمدی مرتضوی ہے اس سے آدمی جان سکتا ہے کہ جو ذات نسبت ولایت مصطفےٰ محمدی و مرتضوی علیہم السلام رکھے ان کے اوصاف میں جو کچھ لکھا جائے وہ درست ہے،

تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتہً حضور تاج الاولیاء بلا واسطہ تاج الانبیاء علیہ السلام سے فیض یاب ہیں اور حضور سیدہ خاتون جنت علیہا السلام کی طرف سے مامور ہیں

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حضور سیدہ خاتون جنت علیہا السلام جب تک اپنی فرزندی میں قبول نہ فرمادیں قطب وقت نہیں ہوسکتا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ ایک جگہ پنجتن پاک علیہم السلام کے تصرفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے تا سرکار مدینہ علیہ السلام کسی نبی کی اُمت میں کوئی ولی نہ ہوا جب تک پنجتن پاک علیہم السلام نے منظور نہ فرمالیا ہو اس سے پنجتن پاک علیہم السلام کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے کہ ہنوز ظہور نہیں ہوا۔ اور اپنی روحانیت کے عالم میں ہی حکومت کر رہے ہیں جب اور کسی نبی کی اُمت میں کوئی ولی بغیر منظوری پنجتن پاک نہ ہوا تو خود حضور علیہ السلام کی اُمت میں کیوں کر ہوسکتا ہے۔

اور تمام خاندانوں میں روحانی فیضان پنجتن پاک علیہم السلام کا ہے قادری ہو یا چشتی نقشبندی ہو یا سہروردی تمام اولیاء اللہ پنجتن پاک علیہم السلام کی بارگاہ کے خوشہ چین ہیں سلسلہ نقشبندیہ اگرچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا ہے مگر نعمت باطنی حضرت مولیٰ علی مشکل کشا علیہ السلام سے بھی حاصل کی ہے، اس لئے ہر سلسلہ پنجتن پاک علیہم السلام کی بارگاہ سے فیض یاب ہے اور

عالم روحانیت میں آج تک پنجتن پاک علیہم السلام کی حکومت رہی اور رہے گی اور اب وہ وقت بھی قریب ہے کہ عالم ظاہر میں حکومت قائم ہو۔

حضور تاج الاولیاء جس زمانہ میں ساگر کی پلٹن میں موجود تھے بعض لوگوں نے حضور سیدنا سید داؤد مکّی رضی اللہ عنہ کے مزار فائض الانوار پر دیکھا، اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضور پہرہ بھی دے رہے ہیں اور مزار پر بھی موجود ہیں چونکہ حضرت سیدنا داؤد مکّی رضی اللہ عنہ کے مزار پر اکثر موقعہ پر لوگوں نے حضور کو دیکھا ہے اس لئے بعض حضرات کا گمان غالب یہ ہے کہ حضور تاج الاولیاء سیدنا داؤد مکّی رضی اللہ عنہ کے مرید ہیں۔

حضور سیدنا سید داؤد مکّی رضی اللہ عنہ حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی رضی اللہ عنہ کے مرید ہیں اور وہ مرید ہیں حضرت علاؤ الدین علی احمد صابر رضی اللہ عنہ کے، اگر اُن حضرات کے گمان کے موافق یہ مان لیا جائے تو پھر بھی نسبت اولیت ہی رہی کیونکہ سیدنا داؤد مکّی رضی اللہ عنہ کو پانسو برس کا زمانہ ہوگیا

در اصل یہ بات ان لوگوں کو تبلائی گئی ہے جن کی نسبت چشتیہ صابریہ ہے اور اُن لوگوں کو اسی نسبت سے فیضان دیتے ہیں اور وہ لوگ فیضیاب ہوتے ہیں اور ہونگے چنانچہ اسی واسطے سے شجرہ چشتیہ صابریہ بھی تیار ہوا ہے اور حضور اُس کے پڑھنے والوں کی امداد فرماتے ہیں، اور بعض لوگوں کو حضور نے یہ بتلایا کہ ہم قادری ہیں اور یہ ان لوگوں کو تبلایا جن کی نسبت قادریہ ہے اور ان کو قادری فیض مرحمت فرماتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ حضور جامع سلاسل ہیں جو جس سلسلہ و طریقہ کا آدمی آیا اس کو وہی نسبت بتلائی کیونکہ ہر سالک کا کسی ایک خاندان میں حصہ ہے اور حضور ہر خاندان کی دولت لئے ہوئے ہیں اور ہر سلسلہ و خاندان کے محی الدین ہیں اور ہر سلسلہ کو زندہ کرنا ہے لہٰذا اپنے دربار کے جملہ ارادتمندوں کو ہر سلسلہ و خاندان کی نعمت بانٹتے ہیں اور ہر ارادت مند کی نسبت کو پہچان کر اس کی نسبت کا پتہ دیتے ہیں لوگ اپنی سادگی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ حضور بھی

اسی سلسلے کے ہیں اور واقعی ہیں مگر اسی کے لئے باقی حضور کسی خاص سلسلہ میں مقید نہیں بلکہ ہر سلسلہ میں موجود اور ہر سلسلہ سے الگ ہیں،

اور بعض ارادتمند جو اہل حوصلہ ہوتے ہیں ان کو ہر خاندان کی نعمت بھی مرحمت فرمادیتے ہیں گویا کہ ہر سلسلہ کے حاکم ہیں: رر شہنشاہ ہفت اقلیم کی یہی شان ہے کہ باہمہ اور بے ہمہ ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا مضمون سے یہ امر واضح ہوگیا کہ حضور تاج الاولیاء ہر سلسلہ و خاندان میں ہیں اور ہر خاندان میں مرید کرتے ہیں اور نعمت دیتے ہیں، چنانچہ دربار عالیہ میں ہزاروں طالب موجود رہتے ہیں اور سب کی حالت اور کیفیت جداگانہ ہے ایک کا دوسرے سے حال نہیں ملتا کوئی قادری ہے کوئی چشتی ہے کوئی قلندری ہے تو کوئی ملنگ ہے تو کوئی سدا سہاگ ہے

اے ترا باہر دل راز دگر — ہر گدا را بر درت ناز دگر۔

کا مصداق ہے۔ یعنی تجھ کو ہر دل کے ساتھ ایک جداگانہ بھید ہے اور ہر گدا کو تیرے در پر جداگانہ ناز ہے،

کسی کو اہل سالک کے طریقہ پر چلاتے ہیں تو کسی کو مست و مجذوب رکھتے ہیں اور کسی کو مشائخانہ روش پر رکھتے ہیں تو کوئی قلندری انداز میں آزادی کا دم بھرتا ہے۔ اور مادرزاد ولی بھی دربار میں موجود ہیں مثلاً حضرت خواجہ امیرالدین شاہ صاحب و عبدالغنی بابا صاحب جو ایام طفولیت سے ہی دربار میں موجود رہے یہ ہے شان دربار شہنشاہی کی جس کو منظور ہو آکر دیکھے اور اس دربار میں وہی آئیگا جو خوش نصیب ہوگا۔

شجرہ

حضور تاج الاولیاء کا شجرہ ہر خاندان کا شجرہ انکا شجرہ ہے اور ہر شجرہ میں وہ ہیں کیونکہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ آپ کو ایکدم بیعت تاجدار مدینہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو آپ کا شجرہ ظاہر ہے،

رہا شجرۂ نسب وہ یازدہ ائمہ معصومین علیہم السلام سے جا کر ملتا ہے، حضور کے

اجداد سے سید عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن سید حمید ابن سیدنا امام حسن عسکری علیہ السلام مدینہ منورہ سے ملک ہندوستان مدراس میں تشریف لائے انہی سید عبداللہ حسنی حسینی کی اولاد حضور تاج الاولیاء تاج الملۃ والدین شہنشاہ ہفت اقلیم ہیں، کیوں نہ ہو شہنشاہوں کے بیٹے بھی شہنشاہ ہی ہوتے ہیں یہ خاندانی بھید حضور نے مجھے تبلایا ہے ورنہ اور لوگ اس سے واقف نہیں ہیں اور ہمارا ایمان تو یہی ہے جو حضور تبلادیں۔ اور لوگ ان معاملات میں اس وجہ سے غلطی کرتے ہیں کہ وہ عوام کے ظن سے استصواب کرتے ہیں حالانکہ جامع کمالات ذات اُن کے سامنے موجود ہے پھر کیا معنی کہ حضور سے استصواب نہ کریں اگر کوئی سرکار سے استفسار کرے تو حضور سب کچھ تبلانے کے لئے تیار ہیں

موجودہ زمانہ کے عوام پیر و مرید اول کسی پیر و مرید سے شجرہ دریافت کرتے ہیں حالانکہ یہ بزرگان سلف کا قاعدہ نہیں ہے بلکہ یہ بات رواج میں پڑ گئی، اگلے بزرگان دین اول مرید کو پیر کے نام کا شجرہ ہی تبلادیا کرتے اور جب کوئی قابل خلافت دینے کے ہوتا اس وقت شجرہ دیتے اور شجرہ اس پر لکھواتے یعنی شجرہ کے جتنے بزرگ ہیں ان سب کی روحانیت سے فیضیاب کرواتے بعد کے بزرگوں میں وہ قوت نہ رہی تو تبرکاً شجرہ دینے لگے۔ موجودہ زمانہ کے عوام کے پیر بھی لوگوں سے بیعت بھی بیعت تبرک ہی کرتے ہیں ورنہ اکثر پیر تو ایسے ہیں کہ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ اور یہ لازمی بات ہے کہ وہ مرشد مرید کو مراد تک پہونچا سکتا ہے جو خود مراد کو پہونچ گیا ہے اور جب پیر اپنی مراد کو نہ پہونچا تو مرید کو مراد تک کیونکر پہونچا سکتا ہے اسی لئے مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں

پچون بسے ابلیس آدم روئے ہست — پس بہر دستے نباید داد دست

یعنی بہت سے شیطان آدمی کی شکل میں پھرتے ہیں چاہئے کہ ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دیدے لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اپنا اعتقاد اور یقین اچھا رکھو

صحیح ہے مگر وہ زمانہ گیا جب لوگوں کا اعتقاد اور یقین اچھا تھا اب تو ایسے
پیروں کی ضرورت ہے جو اول مرید کو اعتقاد اور یقین دیں آجکل مریدوں کے
پاس اعتقاد نہیں ہے بلکہ پیروں کو دینا چاہیے اور جب یقین مل گیا تو سب کچھ
مل گیا اور یقین وہی دے سکتا ہے جس کے پاس یقین ہے ورنہ نہیں ۔ اور
جب آدمی وہم سے گذر جاتا ہے تب یقین ملتا ہے اور مرید کی مراد یہی یقین ہے
بقول مولانا مغربی رحمتہ اللہ

معنی حسن تو در صورت جان می بینم ۔۔۔ عکس رخسارے تو در جام جہاں می بینم
تو یقینی و جہان جملہ گمان من بہ یقین ۔۔۔ مدتے شد کہ یقین را زگمان می بینم

یقین نہ ہونے کے یہ تمام جھگڑے ہیں اور اہل یقین جھگڑے سے دور رہتے
ہیں اولیاء اللہ نفس واحد ہیں اور لا نفرق قران کی تعلیم ہے۔

مثنوی:۔ تفرقہ در روح حیوانی بود ۔۔۔ نفس واحد روح انسانی بود

یعنی روح حیوانی میں تفریق ہے اور روح انسانی تو نفس واحد ہے

مریدین کے فرائض

اول مرید کو اپنے پیر کی ذات سے قوی رابطہ پیدا کرنا چاہیئے اور پیر کی ذات
میں فنا ہونا چاہیئے اور پیر کو جامع جمیع کمالات فانی فی اللہ اور باقی باللہ نائب و فانی
فی الرسول سمجھے اگر یہ بات نہیں تو پیری و مریدی بیکار ہے

مثنوی مولانا روم

گر تو ذات پیر را کردی قبول ۔۔۔ ہم خدا در ذاتش آید ہم رسول

یعنی اگر تونے پیر کی ذات کو قبول کرلیا تو خدا اور رسول کی ذات کی تجلیات
پیر کی ذات میں دیکھے گا پیر کا اسم مرید کے لئے اسم اعظم ہے۔ مولانا روم ؎

اسم می جوئی مسمی را بجو ۔۔۔ بے مسمی اسم کے باشد نکو
اسم اللہ بانگ صوت و یا صدا ۔۔۔ بے مسمی اسم کے باشد روا

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی تعلیم دے رہے ہیں اور بغیر اس کے مرید کا
منزل مقصود تک پہونچنا ناممکن ہے حدیث میں آیا ہے۔
الشیخ فی قومہ کالنبی فی اُمتہٖ یعنی پیر اپنی قوم میں مثل نبی امت
کے ہوتا ہے اسی لئے مرید کے لئے پیر کا حکم، حکم رسول ہے اور مرید کو اتباع شریعت
ضروری ہے اور شریعت نام ہے حکم رسول کا پس پیر جو نائب رسول ہے جو حکم مرید
کو دے وہی حکم شریعت ہے۔ خود حضور تاج الاولیاء ادام اللہ نورہ تاکید کرتے
ہیں اور حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کا شعر پڑھتے ہیں کہ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور یہ تمام بزرگوں کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ بلا اتباع شریعت منزل مقصود تک
پہونچنا مشکل ہے مگر لوگ شریعت کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔
مرید کو حکم مرشد پر چلنا ہی شریعت پر چلنا ہے بقول حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

اسی لئے مرید کو چاہیئے کہ حکم مرشد خواہ مرید کی سمجھ میں آوے یا نہ آوے
موفق معلوم ہو یا مخالف مرید کو بجا لانا ضروری ہے اور یہی شریعت ہے

کار پاکان را قیاس خود مگیر ۔۔۔ گرچہ یکساں در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد کہ مردم می درد ۔۔۔ شیر آں باشد کہ مردم می خورد

یعنی پاکوں کے کام کو تم اپنے اوپر قیاس نہ کرو لکھنے میں شیر اور شیر یکساں ہوتے
ہیں مگر معنوں میں دیکھا جائے تو شیر درندہ ہوتا ہے جو آدمی کو کھاتا ہے اور شیر کو
آدمی کھاتا ہے

جب مرید اپنے شیخ کی ذات کے ساتھ رابطہ قوی پیدا کرلیتا ہے تو مرشد
اپنی توجہ کاملہ سے مرید کے قلب کا دروازہ کھول دیتا ہے اور جلد مراد تک
پہونچا دیتا ہے مگر یہ وہی مرشد کرسکتا ہے جو خود مقامات طے کئے ہوئے ہو اور
اس کو مقامات میں تصرف کی اجازت ہو اور اگر مرشد کو مقامات میں تصرف حاصل

نہیں ہوتا تو مرید اپنے مقام میں رک جاتا ہے اور ترقی نہیں کر سکتا،
بقول مولانا جامی ؎

بمی خانہ جامی ز تنہا رود   دلے ہمت شیخ جان می برد

قلندر صاحب رحمتہ اللہ علیہ ؎

گر نہ گردی طالبان را دستگیر
طالبان ہرگز نگیرند دست پیر

طلب صادق

اس زمانہ میں طالب صادق نہیں ملتے بلکہ لوگوں کو طالب صادق بنایا جاتا ہے، چنانچہ حضور تاج الاولیاء ادام برکاتہ، کے دربار فائض الانوار میں ہزاروں سالک ایسے موجود ہیں جو دربار میں طالب دنیا بن کر آئے تھے مگر حضور نے اپنی توجہ خداوندی سے محبت دنیا ان کے دل سے صاف کر کے محبت خدا ان کے قلب میں بھر دی

ایسے زمانے میں مرشد بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں جو بندگان خدا کو زبردستی طالب مولیٰ بنا دیں ورنہ آجکل تو لوگ عموماً طالب دنیا ہیں اور طالب دنیا کو طالب مولیٰ بنانا ہر شخص کا کام نہیں اس میں بڑی روحانیت یعنی زبردست طاقت روحانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو حضور تاج الاولیاء دام النورہ کی ذات ستودہ صفات میں موجود ہے اور یہی مطلب ہے تاج محی الدین کا کہ مردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں اور زندوں کو اولیاء بناتے ہیں

ایک تیری چشم کرم نے تاج دین بندہ نواز
ذرہ کو خورشید اور قطرے کو دریا کر دیا
منکروں کو راہ پر لائے ترے کھوئے ہوئے = کیا نظر ہے جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

کرامات و خرق عادت برسوں سے جاری ہیں اگلے بزرگوں کے واقعات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بزرگ گاہے گاہے خرق عادات کا اظہار کرتے تھے بزرگان دین اپنی کرامات اس وقت ظاہر کرتے ہیں کہ جب خداوند کریم کی طرف سے مامور ہوتے ہیں۔ بزرگان ماسلف اپنی کرامات اُس وقت ظاہر کرتے تھے جب ان کو حکم ہوتا تھا اور جب ضرورت سمجھی جاتی تھی اسی لئے ان کی کرامات محدود ہیں البتہ حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی کرامات اس قدر ہیں کہ ان کو کوئی محدود نہ کر سکا جیسے اگلے انبیاء علیہم السلام کو خاص خاص معجزے دئیے گئے مگر ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا اعجاز تھے اور حضور کے اعجاز محدود نہیں، جو اولیاء اللہ ولایت محمدی رکھتے ہیں مثل حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ان کی کرامات بھی کوئی محدود نہ لکھ سکا۔

اس طرح حضور تاج الاولیاء چونکہ ولایت محمدی رکھتے ہیں وقت ولادت سے آج تک چوہتر ۷۴، برس کا زمانہ ہوگیا روزانہ خرق عادت و کرامات ہر وقت ہر ساعت میں کرامات کا ظہور ہو رہا ہے جس کا شمار انسانی عقل سے بعید ہے،

ادب

ہر مرید کو اپنے پیر و مرشد کا ویسا ہی ادب کرنا چاہئے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کرتے تھے اور صحابہ کو دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب خود خداوند کریم نے سکھایا اور فرمایا کہ اپنی آواز ہمارے نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور اگر ایسا کرو گے تو تمہارے اعمال بیکار جائینگے۔ ادب تاجیست از لطف الہی

از خدا جوئیم توفیق ادب　　بے ادب محروم گشت از فضل رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد　　بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

نیز حضور تاج الاولیاء دام النورہ اپنے ارادت مندوں کو جتنی ادب کی تاکید کرتے ہیں اور کسی عمل کی اس قدر تاکید نہیں فرماتے اور واقعی با ادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب

حکایت

تذکرۃ الاولیاء میں حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ انصاری ایک جرم میں ماخوذ کر کے بلخ لائے گئے تو دیکھا کہ لوگ اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے ہوئے پتھر ہاتھ میں لئے سنگسار کرنیکو تیار ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ہتھکڑی اور پاوں میں بیڑیاں پڑی ہیں حضرت عبداللہ انصاری کو خیال ہوا کہ مجھ سے کونسا قصور ہوا جو اس سزا میں مبتلا کیا گیا معًا خیال پیدا ہوا کہ ایک روز حضرت خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا مصلےٰ بچھاتے ہوئے مصلے پر پیر پڑ گیا تھا۔ اس بے ادبی کی وجہ سے ماخوذ ہوا فوراً توبہ کر لی توبہ کرنا تھا کہ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کیا دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے پتھر اپنے ہاتھوں سے پھینکدیئے اور جب حاکم کے پاس لے گئے تو حاکم نے بے جرم سمجھ کر چھوڑ دیا یہ ہے بے ادبوں کی سزا۔

کیا ایسے با ادب مرید آجکل بھی اس زمانہ میں ملتے ہیں بہت کم۔ [illegible] رکھنا چاہیئے کہ بزرگوں کی بے ادبی اور گستاخی کرنے سے بزرگ لوگ بددعا نہیں کرتے بلکہ خداوند کریم مدعی ہو کر سزا دیدیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عین عدل ہے

مگر حضور تاج الاولیاء دام فیضہٗ نے جب دیکھا کہ میرا ظہور ایسے زمانہ میں ہوا ہے اور ایسے ملک میں جہاں لوگ اہل اللہ کا ادب بالکل نہیں جانتے پھر میرے خدام کو اگر ذرا ذرا سی بے ادبی پر خداوند کریم سزا دیگا تو لوگ مصیبت میں مبتلا ہو جاوینگے لہذا حضور تاج الاولیاء عم فیضہٗ نے خداوند کریم سے عرض کر دیا کہ خداوند اس زمانہ کے لوگ بہت ناقص گستاخ اور بے ادب ہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنے خدام کو انکی گستاخی کی سزا خود ہی دیدیا کروں چنانچہ اپنے خدام کی گوشمالی حضور بذات خود کر دیا کرتے ہیں

اور یہ وہ بات ہے جو حضور تاج الاولیاء اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ تاج الدین کا جلال بھی جمال سے کم نہیں ہے یہ گوشمالی حضور شان جلال میں کیا کرتے ہیں زہے نصیب ان خدام کے جن کو ایسا رحیم و کریم آقا ملا۔ کیا شان جلال ہے جس میں جمال الٰہی پوشیدہ ہے حاجت مندوں کی بھی زدوکوب سے مشکل آسان کی جاتی ہے اور ان کی تکلیف دور کی جاتی ہے تاآنکہ سالکوں کو مار مار کر مدارج طے کراتے ہیں یہ عجیب حکمت ہے مگر عام لوگ اس کو نہیں سمجھ سکتے اور اس کی مثال اگلے بزرگوں میں بھی پائی جاتی ہے

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف ہیں حضرت شبلی کا اصلی نام ابوبکر ہے ایک روز حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ مع حضرت ابوبکر شبلی کے خلیفہ وقت کے دربار میں تشریف لیگئے خلیفہ نے ایک ناجائز فتوے پر مہر کرانے کو طلب کیا تھا کیونکہ حضرت شیخ المشائخ تھے اگر انہوں نے مہر کر دی تو اور علماء انکار نہ کرینگے اور اگر آپ نے انکار کر دیا تو اور لوگ بھی انکار کر دینگے، استفتا پیش کیا آپ نے دیکھ کر انکار کر دیا خلیفہ برہم ہو گیا اور سوچا کہ ان کی گردن زدنی کا حکم دیدوں حضرت ابوبکر شبلی خلیفہ کے ارادہ سے واقف ہو کر شیر بن کر خلیفہ کو ڈرایا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ قالین پر شیر کی تصویر تھی اس پر توجہ ڈال کر شیر بنا دیا اور شیر نے خلیفہ کی طرف حرکت کی خلیفہ خائف ہو گیا اور حضرت کو رخصت کر دیا۔ شبلی بمعنی شیر کا بچہ کے ہوتے ہیں اسی روز سے آپ کا لقب شبلی ہو گیا جب حضرت جنید واپس دولت خانہ پر تشریف لائے تو حضرت شبلی کو بہت مارا اس پر مشائخین وقت نے حضرت جنید سے استفسار کیا کہ آج شبلی کو بہت مارنے کی کیا وجہ ہوئی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج شبلی نے ایک بھید کو ظاہر کر دیا جس کی وجہ سے شبلی میں اور خدا میں بہت سے حجاب یعنی پردے پڑ گئے ہیں میں نے شبلی کو مار مار کر ان پردوں کو توڑ ڈالا۔ یہ حکمتیں ہوتی ہیں اہل اللہ کے افعال میں جس کو عوام نہیں معلوم کر سکتے۔

اخلاق

قال اللہ تعالیٰ تخلقو باخلاق اللہ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اللہ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو جو سب پر مہربانی کرتا ہے۔

اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا اللہ تعالیٰ ذکر کرتا ہے۔ انک لعلیٰ خلقٍ عظیم۔ یعنی اے میرے محبوب تمہارا اخلق عظیم ہے روایت ایک مرتبہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کرو تو حضور ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ دنیا کی تمام چیزیں گن کر بتلا دو۔ اس نے جواب دیا کہ دنیا کی تمام چیزیں میں نہیں گن سکتا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل متاع الدنیا قلیل۔ یعنی کہو کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے۔ تو جس سامان کو اللہ تعالیٰ تھوڑا فرماتا ہے۔ وہ گنتی میں نہیں کر سکتا۔ تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو عظیم فرماتا ہے اس کو کون شمار میں لا سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے اخلاق سے تمام بزرگانِ دین کو حصہ مرحمت فرمایا ہے اور جملہ اہل اللہ اسی خلق عظیم سے اسلام کو بہت ترقی ملی ہے اور اخلاق سے اسلام کی بہت اشاعت ہوتی ہے۔ اسی لئے بزرگانِ دین ہر قوم و مذہب کے آدمی کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ چنانچہ سعدی فرماتے ہیں

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دل دشمناں ہم نکردند تنگ

یعنی مردانِ راہِ خدا دشمنوں کا دل بھی تنگ نہیں کرتے۔ گویا کہ وہ دشمن کو دشمن ہی نہیں سمجھتے۔ اگرچہ دشمن ان کو دشمن سمجھتا رہے حضور تاج الاولیاء ادام اللہ انوارہ کے دربار فائض الانوار میں ہر ملک ہر قوم و مذہب ہندو مسلمان عیسائی۔ پارسی وغیرہ حاضر ہوتے ہیں اور حضور بلا امتیاز مذہب سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں۔

اور تمام کے حاجات کو پورا کرتے ہیں۔ اور اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں آدمی شرک و کفر کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئے۔ اور ہزاروں مسلمان اوہام پرستی کے جنگل سے نکل کر یقین کے میدان میں آ کھڑے ہوئے۔

شہنشاہ ہفت اقلیم کی شرح

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو جس پر ہم رہتے ہیں سات اقلیم بنایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ یقین و ایمان بندوں میں سے سات شخصوں کو برگزیدہ کیا ہے اور ان کا نام ابدال رکھا ہے اور ہر ابدال کے حصے میں ایک ایک اقلیم دی ہے اور اس اقلیم و ملک کی حفاظت اسی ابدال کے متعلق ہے۔

اقلیم اول

اقلیم اول میں ساتویں آسمان سے امر یعنی حکم وارد ہوتا ہے اور اس کو آسمانِ اولیٰ کہتے ہیں اور اسی آسمان کی روحانیت سے وہ ملک متعلق ہے اس ملک کا ابدال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ہم قدم ہوتا ہے۔

اقلیم دوم

اور اقلیم دوم میں چھٹے آسمان سے حکم وارد ہوتا ہے اور اسی کو دوسرا آسمان بھی کہتے ہیں اور اس آسمان کے کواکب کی روحانیت سے وہاں کا انتظام ہوتا ہے اور انہیں کواکب کی روحانیت کی تاثیر سے ہی وہاں انتظام ہوتا ہے اور یہاں کا ابدال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم قلب ہوتا ہے۔

اقلیم سوم

اور تیسری اقلیم میں تیسرے آسمان سے حکم وارد ہوتا ہے اور وہ اسی ستارہ سے متعلق ہے اور یہاں کا ابدال حضرت ہارون علیہ السلام کے تابع ہوتا ہے اور تائید محمدی سے وہ زندگی کرتا ہے۔

اقلیمِ چہارم

اور چوتھی اقلیم چوتھے آسمان اور اس کے ستاروں کی روحانیت کی
تاثیرات سے متعلق ہے اور یہاں کا ابدال حضرت ادریس علیہ السلام کے تابع
ہوتا ہے اور حضرت ادریس ہی قطب ہیں اور چوتھے آسمان میں جو قلب
الافلاک ہے وہیں رہتے ہیں اور ہمارے اقطاب انہیں کے نائب ہیں۔

اقلیم پنجم

اور پانچویں اقلیم پانچویں آسمان سے متعلق ہے اور اس میں اسی کے ستارہ
کی روحانیت کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور یہاں کا ابدال حضرت یوسف علیہ السلام
کے ہم قدم ہوتا ہے

اقلیم ششم

اور چھٹی اقلیم چھٹے آسمان سے متعلق ہے اور اسی کے ستارہ کی روحانیت سے اس
پر اثر پڑتا ہے اور یہاں کا ابدال حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام
کے تابع ہوتا ہے۔

اقلیم ہفتم

اور ساتویں اقلیم ساتویں آسمان یعنی آسمانِ دنیا سے متعلق ہے اور اسی کے
ستارہ سے وہ مخصوص ہے اور یہاں کا ابدال آدم علیہ السلام کے قلب پر ہوتا
ہے۔

اَسما کی حکومت کا بیاَن

جاننا چاہیئے کہ ہر ایک اسم کے لئے اوس کے احکام و اثر کے ظہور کے موافق
دولت اور حکومت ہے اور انہی اسما کے عہدِ حکومت کی طرف سبعہ سیارہ کے
دورے منسوب ہیں اور ان ستاروں کے ہر دور کی مدت ہزار سال ہے
اور ان ہی اسما کے عہد حکومت تک ان شریعتوں کی حکومت بھی باقی رہتی ہے
اور ان کے زائل ہونے کے بعد وہ شریعتیں بھی منسوخ ہو جاتی ہیں۔

قطبؒ کی تعریفؒ

جب کوئی قطب ہوتا ہے تو پہلے عقل اوّل اس کی بیعت کرتی ہے
پھر ساکنان زمین و آسمان و ہوا اور جن و موالید ثلاثہ درجہ بدرجہ اس کی
بیعت کرتی ہیں اور جب ارواح اس سے بیعت کرنے آتی ہیں تو ہر ایک
علم الٰہی سے ایک ایک سوال کرتی ہیں۔ قطب ہر زمانہ میں ایک ہی ہوتا
ہے اور کوئی زمانہ قطب سے خالی نہیں ہوتا۔ اور زمانہ آدم علیہ السلام
تا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کل پچیس ۲۵ قطب ہوئے ہیں اور اصل
میں عہد آدم علیہ السلام سے تا ختم نبوت ایک ہی قطب ہوا ہے اور وہ
روحِ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور وہی تمام انبیاء مرسلین اور
اقطاب کی مدد کرتی رہی۔ اور یہ اس قطب کے علاوہ ہوتا ہے جو ہر شہر و
ہر ملک میں ایک قطب اور ایک غوث ہوتا ہے۔ اور اس ملک و شہر کو اللہ تعالیٰ
اسی غوث و قطب کے سبب سے محفوظ رکھتا ہے خواہ اس ملک و شہر کے
رہنے والے مومن ہوں یا کافر۔

اور جو زمانہ میں ایک قطب ہوتا ہے اس کو قطب الاقطاب یا قطب الزماں
کہتے ہیں۔ اور ہر قطب اپنے عالم میں اس زمانہ تک رہتا ہے جب تک
خدا چاہتا ہے پھر دوسرے قطب کے آنے سے اس کی دعوت اور حکومت
منسوخ ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ پہلے نبی کی شریعت دوسرے نبی کی شریعت
سے منسوخ ہو جاتی ہے۔

اور قطب کی دعوت اور حکومت سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ حکم یا تاثیر اس
کی ہوتی ہے وہ منسوخ ہو جاتی ہے۔ اور مدت قطبیت مختلف ہے
بعض لوگ زمانہ صحابہ و خلفاء رضی اللہ عنہم کے لحاظ سے کم از کم مدت تین
سال لیتے ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں زیادہ کا علم خدا ہی کو ہے۔

ارکان دین حنیفی

اللہ تعالیٰ نے چار نبیوں کو قیدِ حیاتِ ظاہری میں زندہ رکھا ہے
ان میں سے تین نبی مشرع یعنی صاحب شریعت ہیں۔ یعنی حضرت ادریس
اور حضرتِ الیاس اور حضرت عیسےٰ علیہم السلام اور چوتھے خضر علیہ السلام
ہیں اور وہ علم لدنی کے حامل ہیں اور یہ چاروں بزرگوار دینِ حنیفی کے
چار رکن ہیں جیسے گھر کے چار ستون

اہل اللہ کے اقسام و فرائض

قطب الزماں سے تمام دائرہ عالم وجود کون و فساد کی محافظت ہوتی ہے
اور دو امام ہوتے ہیں ان دو اماموں سے عالم غیب اور شہادت کی
حفاظت ہوتی ہے۔ اور اوتاد سے خداوند کریم جنوب و شمال مشرق و مغرب
کو محفوظ رکھتا ہے اور ابدالوں سے حق تعالیٰ ہفت اقلیم کی حفاظت کرواتا ہے
جیسا کہ ہفت اقلیم کے بیان میں گزر چکا۔

قطب جس کو خواہ قطب الاقطاب کہو یا قطب الزماں کہو یا شہنشاہ
ہفت اقلیم کہو۔ یہ ان سب کا یعنی اماموں کا اوتادوں کا ابدالوں کا
محافظ اور نگہبان افسر ہے کیونکہ عالم کے کون و فساد کے امر کا دارومدار
اُسی پر ہوتا ہے۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے کہ
ابدال سات ہوتے ہیں۔ جیسے کہ خدا کے امہات صفات سات ہیں
اور جہات کی حفاظت بھی انہیں سے ہوتی ہے۔ اور ہر ابدال کو اُن انبیاء
کی روح سے مدد ملتی ہے۔ جو ایک ایک آسمان میں ہیں۔ اور ان سب کا افسر
قطب الاقطاب یا شہنشاہ ہفت اقلیم ہوتا ہے جیسے کہ ہمارے
حضور تاج الاولیاء تاج ملت والدین شہنشاہِ ہفت اقلیم حضرت سید

محمد بابا تاج الدین ادام اللہ انوارہٗ ہیں اور یہ ذات ہے عالم میں فانی فی اللہ
باقی باللہ فانی و نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے اور روح
اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد لیتی ہے۔

عالم کشف کی شرح

کشف کے لغوی معنی پردہ اٹھانے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں کشف
کہتے ہیں امور غیبی کے معانی اور حقیقت کو جو پردہ میں ہے وجوداً اور
شہوداً اطلاع پا لینا۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں یا کشف صوری ہوگا
یا معنوی۔ صوری کی شکل یہ ہے کہ عالم مثال میں کسی شے کو حواس خمسہ
سے ادراک کریں یا بطور مشاہدہ کے ہوگا۔ جیسا کہ بعض اہلِ کشف روحانی
انوار کو اور ارواح کو جسدی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اور معنوی غیر اسم علیم
اور حکیم کی تجلیات سے کشف حقائق صورتوں میں اور معنی غیبیہ ظاہر ہوتے ہیں
جب سالک کا علم علم حق سے مل جاتا ہے جیسے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں۔ کہ علم حق در علم صوفی گم شود   ایں سخن کے باور مردم شود
اور ایک بزرگ نے اس کی شرح میں لکھا ہے۔

علم حق اینجا صفاتِ حق بود   علم صوفی عینِ ذاتِ حق بود

تو اس سالک کو کشف میں اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ جیسے
فرع اصل کے ساتھ مل جاتی ہے ایسے ہی علم سالک علمِ حق سے مل جاتا ہے
اور کشف سالک کی استعداد کے موافق ہوتا ہے۔ اور اس کی روح کی التفات
کی مناسبت سے ہوتا ہے اور اس کشف کا ضبط اور احاطہ نہیں ہو سکتا
اور بہت صحیح اور کامل مکاشفہ ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کا مزاج
روحانیت میں پورے اعتدال کے قریب ہوتا ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام
یا اولیائے کاملین علیہم الرضوان اور ان کے بعد وہ لوگ جو انبیاء اولیاء رسے

نسبت میں قریب تر ہیں۔

اوّل کشف متعلق بامورِ دنیا

اول اگر کشف دنیوی امور سے متعلق ہے مثلاً فلاں شخص سفر سے کب آئے گا یا میرا فلاں کام کب ہوگا یا فلاں کو فلاں چیز کب ملے گی وغیرہ وغیرہ تو یہ کشف کا ادنیٰ درجہ ہے اور حضور تاج الاولیاء کے دربار عالیہ میں تو ایسا کشف ذرا ذرا سے بچوں کو اور عوام ارادت مندوں کو بھی بلا محنت و مجاہدہ و ریاضت کے حاصل ہے مگر چونکہ ان کا ادنیٰ درجہ ہے حضور اس کی طرف اپنے غلاموں کو متوجہ نہیں ہونے دیتے اور منازل طے کراتے ہیں۔

کیونکہ یہ کشف تو ہر مذہب کے آدمی کو خواہ ہندو ہو یا مسلمان اگر ریاضت شاقہ کرے اور مجاہدات بجالائے تو ایسے مغیبات دنیوی پران کو بھی اطلاع ہوجاتی ہے۔ مگر اہل سلوک و طریقت اس طرف متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ ان کی ہمت عالی ہوتی ہے اور وہ اپنی ہمت اور اپنے مکاشفہ کو دنیا کی حقیر چیزوں میں مصروف نہیں کرتے بلکہ اخروی امور کے دریافت میں مشغول ہوتے ہیں کیونکہ ادنیٰ کشف کو وہ بندے کے ساتھ مکر سمجھتے ہیں۔

اور بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے کشف سے نہ امورِ دنیا دریافت کرتے ہیں اور نہ امور آخرت بلکہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کو اپنا مقصود جانتے ہیں اور اس قسم کے لوگ دربار حضور تاج الاولیاء میں بکثرت ہیں اور یہ حضور کی تعلیم کا اثر ہے ورنہ آجکل کے صوفی تو ایسے ہیں جو دنیا کو مقدم اور آخرت کو مؤخر سمجھ کر حصولِ دنیا میں ہی اپنی عمر برباد کرتے ہیں اور مراد کو نہیں پہنچتے۔

پس عارف کو چاہئے کہ ہمیشہ خدا کے ساتھ قائم رہے اور دنیا و آخرت کے مظاہر میں خدا کے ظہور کو جانتا رہے اور ہر ایک کو تجلیات

الٰہی سے جانتا رہے اور ہر ایک کو اس کی منزلت پر رکھتا رہے گا تو عارف اللہ ہوجائے گا اور اس کا کشف کشف اولیاء اللہ کہلائے گا۔ کیونکہ جو لوگ خداوند کریم کے مقرب ہیں ان کا کشف کشف اولیا کہلائے گا۔ اور جو لوگ خدا سے دور ہیں۔ ان کا کشف استدراج میں شمار کیا جائیگا کیونکہ وہ لوگ دنیا کی جاہ و منصب کے طالب ہیں اپنے کشف کو حصول دنیا کا ذریعہ بناتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم کامل ہوگئے حالانکہ ہنوز انہوں نے کمال کی بو بھی نہیں سونگھی ہے۔

کاملین اپنے کشف سے امورِ حقیقی اخروی اور ارواح عالی اور حقائق روحانی اور ملائکہ زمین و آسمان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یہی کشف مطلوب اور قابلِ اعتبار ہے اور اس کا نام کشفِ جامع ہے۔

اور جب سالک کا پردۂ بیرونی و اندرونی اٹھ جاتا ہے تو فرع اصل کے ساتھ ایک ہوجاتا ہے، پھر وہ ان حواس ظاہری سے ان چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو وہ حواس باطنی سے دیکھ سکتا ہے اور روح ان سب چیزوں کو دیکھتی ہے اس لئے کہ یہ حواس بھی روح سے مل جاتے ہیں اور جملہ حقائق عقلِ اول میں متحد ہیں۔ اور یہ مکاشفات ابتدا سلوک میں پہلے سالک کے خیال مقید میں واقع ہوتے ہیں پھر آہستہ آہستہ مطلق عالم مثالی میں منتقل ہوتے ہیں اور وہ عناصر کی خاصیات پر واقف ہوتا ہے۔ اور پھر سالک سماوات پر مطلع ہوتا ہے اور پھر عقل اوّل تک رسائی ہوتی ہے اور پھر علم الٰہی میں منتقل ہوتا ہے اور یہاں سالک اعیان ثابتہ پر اتنا واقف ہوجاتا ہے جتنا خدا چاہے اور یہ کشف و شہود میں سالک کے لئے اعلےٰ درجہ ہے کیونکہ اس مرتبہ کے اوپر صرف ذات حق کا مشاہدہ باقی رہتا ہے۔ اور ذات کا مشاہدہ تجلّی کے وقت بندے کو غنی کر دیتا ہے اور مشاہدہ کے پردوں میں وہ خود بھی جلوہ فرما ہوتا ہے۔

یہ ہیں اہلِ سلوک کے منازل آجکل کے درویش جن کا نام بھی نہیں جانتے

اور جو نام جانتے ہیں وہ ان مقامات کا کام نہیں جانتے۔ مگر ہمارے سرکار حضور تاج الاولیاء ادام اللہ انوارہٗ و برکاتہٗ اگر چاہیں تو آنِ واحد میں ان تمام مقامات کا کشف و شہود کرا دیں خواہ رفتہ رفتہ

اور اس عرصہ میں حضور نے ہزاروں بندگانِ خدا کو مرتبۂ اعلیٰ پر پہنچا کر تمام مقامات طے کرا دیئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حکیم عبدالشکور صاحب معروف مخدوم صاحب سے فرمایا کہ ہم نے جس مقام کو پندرہ سال میں طے کیا ہے تم کو پندرہ روز میں طے کرا دیں گے

اتنی رعایت شاید اور کسی زمانہ میں اہلِ سلوک کو نہ ملی تھی۔ یہ اسی زمانے کی خوبی اور ہم لوگوں کی خوش نصیبی ہے جو حضور تاج الاولیا کے دامن سے وابستگی ہوئی۔ بقول بزرگے بھلا کرو یا برا بناؤ تمہارے اب ہم کہا چکے ہیں۔

رحمانی تصرّفات حضور تاج الاولیاءؒ

تصرفات دو قسم کے ہوتے ہیں اوّل تصرّفاتِ رحمانی۔ سو معلوم ہو کہ مرد صاحبِ حال اور صاحبِ مقام کو بہت سی قسم کے تصرفات حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ یا حقائق کو بدل دینا جیسے ہوا کو پانی اور پانی کو ہوا بنا دینا اور مکان و زمان کو تھوڑی دیر میں طے کرنا یا ضمائر و خواطر یعنی دلوں کے حال بتا دینا۔ یا مریدوں کو اس دنیوی برزخ سے نکال کر عالم ملکوت میں داخل کر دینا ایسے تصرفات مرتبۂ الٰہیّہ سے مختص ہیں اور ایسے تصرفات اولیا و اقطاب کو حاصل ہوتے ہیں اور یہ تصرفات اُن بزرگوں کو ہی حاصل ہوتے ہیں جو ملک اور ملکوت میں تصرف کی قوت رکھتے ہیں۔

ایسے تصرفات جب اولیا و اقطاب کو حاصل ہیں تو ظاہر ہے کہ حضور تاج الاولیاءؒ تمام اولیا و اقطاب کے سردار و سرتاج ہیں چنانچہ اور اولیاء و اقطاب کے حالات میں تصرفات کا تذکرہ محدود ہے مگر حضور کے تصرفات کا شمار آج تک نہ کسی سے ہوا اور نہ ہوگا اور کوئی انسان حضور کے تصرفات کی پوری تفصیل نہیں

کر سکتا۔

اجمال میں صرف اتنا معلوم کرنا ضروری ہے کہ کئی مرتبہ مردہ زندہ کیا بلکہ بعض مقامات پر حضور کے غلاموں نے صرف حضور کا نام لے کر مردہ زندہ کر دیا ہے تو جس کے نام میں روحانیت کا یہ اثر ہو اس کے مردہ زندہ کرنے کی تفصیل کون کر سکتا ہے۔ حقائق کا بدل دینا یہ روزمرہ ہے مکان و زمان کو تھوڑی دیر میں طے کرنا۔ اس کے لئے اتنا تو زبانی ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ میں دس ہزار میل کا سفر پانچ منٹ میں طے کرتا ہوں اور بظاہر دس دس بیس بیس میل کا گھنٹوں سفر طے کرتے ہیں۔ پھر کون حساب لگا سکتا ہے۔ اور یہ بھی دربار میں روزمرہ ہے کہ ہزاروں آدمی روزانہ حاضرِ دربار ہوتے ہیں۔ اور کسی کو عرض حاجت نہیں ہر شخص کو جواب مل جاتا ہے مگر اس رنگ میں کہ کجامی نماید کجامی زند۔ اور یہ بڑے لطف کی بات ہے کہ بقول مولانا رومؒ

خوشتر آں باشد کہ سِرّ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

مریدین کو برزخ دنیوی سے نکال کر عالم ملکوت میں داخل کرنا یہ بھی دربار میں روزانہ مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ لاکھوں کو آنِ واحد میں خواہ نزدیک ہوں یا دور دربار میں ہوں یا دوسرے شہر میں اپنی توجہ خداوندی سے آنِ واحد میں ملکوت ہی کیا بلکہ جبروت و لاہوت وغیرہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

بعض اوقات بزرگانِ دین کو تصرفات حاصل ہوتے ہیں مگر اظہار کی اجازت نہیں ہوتی اور بعض کو تصرفات کے اظہار کا حکم ہوتا ہے۔ اور یہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ جبکہ عالم مادیت نے اس زمانہ میں ایسی ترقی کی ہے جس کی مثال اور زمانوں میں نہیں پائی جاتی اور ایسے زمانہ میں روحانیت کی رغبت دلانے کے لئے ایسے ہی تصرفات کی ضرورت تھی جو حضور بابا صاحب میں موجود ہیں کیونکہ اہل علم کو بتلانا ہے کہ مقربانِ خدا میں ہر قسم کی قدرت ہوتی ہے۔

اور وہ ہر شے پر قادر ہوتے ہیں اور قوت تامہ ان کو حاصل ہوتی ہے اور وہ سب کے مقدم اور سردار ہوتے ہیں اور ہمیشہ حق کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کے حکم سے ہر کام کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے خلق اللہ پر ایک صولت اور دبدبہ ان کو حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ مثنوی میں ہے

ہیبت حق است ایں از خلق نیست　　　ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

کیونکہ جب خداوند کریم کسی کو اپنا خلیفہ اور شہنشاہ بناتا ہے تو اس خلیفہ کو ضروری ہے کہ افراد انسانیہ سے یعنی جس قدر انسان آدم سے تا قیام قیامت ہوئے اور ہوں گے ان سب کا نام مع مراتب و مقام معلوم کرے اور تمام کا مشاہدہ کرے اور تمام کی سعادت و شقاوت کو جان لے یہ علم ہر قطب وقت کے لئے ضروری ہے چہ جائیکہ تاج الاولیاء جو سب کے سرتاج ہیں۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں ولایت کے کمال کی کوئی انتہا نہیں، اسی لئے اولیاؤں کے درجے بھی غیر متناہی ہوتے ہیں اور ان کا مرتبہ پہچاننا ان ہی کا کام ہے۔

تصرفات کی قسم سے ایک قسم تصرف شیطانی ہوتا ہے جو امور دنیا سے متعلق ہوتا ہے جیسے اہلِ دنیا کے سامنے غائب چیزوں کو حاضر کر دینا اور حاضر کو غائب مثلاً گرمی کے میوے سردی میں موجود کر دینا یا کسی کے کل آنے کی خبر دیدینا۔ اس کے سوا اور چیزیں ہیں جو اہل اللہ کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ یہ باتیں اعمال جن سے متعلق ہیں اور مکان و زمان کو طے کرنا اور بغیر سوراخ دیواروں سے پار ہو جانا وغیرہ بھی اعمال جنات سے متعلق ہے اور اس کو دنیادار لوگ حب دنیا اور اہلِ دنیا کو اپنا مسخر اور شہرت کے لئے کرتے ہیں مگر اہل اللہ اس سے نفرت کرتے ہیں اور اہل اللہ بغیر حکم کے اپنے تصرفات کا اظہار نہیں کیا کرتے ہیں

حق و باطل

جب خداوند کریم اپنے بندوں میں سے کسی کو برگزیدہ کرتا ہے اور اس

کے واسطے سے اپنے بندوں کو ہدایت کرتا ہے اور اپنی آیات بینات کو ان کے ذریعے سے عالم میں پہنچاتا ہے تو بعض لوگ اس کے مخالف ہو جاتے ہیں اور سنۃ اللہ اسی طرح جاری ہے کہ حق کے سامنے باطل کو ظاہر کرکے حق کی قدر دانی کرواتا ہے۔ اگر عالم میں تمام لوگ حق پر ہوتے اور باطل نہ ہوتا تو حق کو حق کون کہتا اور حق باطل سے کیونکر ممتیز ہوتا۔ اسی واسطے ہر نبی کے زمانہ میں اس کے مخالف بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے سرکار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوجہل روزانہ آیات بینات و معجزات باہرات دیکھتا اور تکذیب کرتا۔ اسی لئے جو لوگ نائبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں ان کے مخالف بھی ہر زمانے میں پائے گئے۔

مقربوں میں وہ اسرار ہوتے ہیں کہ جب وہ ان کو ظاہر کرتے ہیں تو لوگ نہیں سمجھتے اور وہ اسرار ظاہر نہیں کرتے مگر بعض لوگ ان کے اسرار کو نہ سمجھ کر مخالف ہو جاتے ہیں اور یہ ان کی بدبختی کی علامت ہے۔

حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دعائیں دیں۔ ایک دعا کو میں نے ظاہر کر دیا اور دوسری دعا کو اگر میں ظاہر کر دوں تو لقطع ھذا الحلقوم۔ تو یہ میرا گلا کاٹ دیا جائے۔ نیز حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں حضرت امام زین العابدین ابن سیدنا امام حسین علیہما السلام کے دو شعر نقل فرمائے ہیں۔

یارب لوجوھر علم البوح بہ
لقیل لی انت ممن یعبد الوثنا
ولا ستحل رجال المسلمین دمی
یرون اقبح مایاتونہ حسناً

ترجمہ اے میرے خدا اگر میں جوہر علم کو ظاہر کر دوں تو لوگ مجھ کو بت پرست

کہیں گے اور مسلمان ہماری خونریزی کو جائز کریں گے اور اپنے بُرے افعال کو وہ اچھا سمجھیں گے۔

پھر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس علم سے مراد علم لدنی ہے اور یہ وہ علوم ہیں اور اسرار کہ جن کو اہلِ دنیا اور عزل و نصب کرنے والے خلیفہ نہیں جانتے۔ اگر کوئی منکر انکار کرے تو اس کو چاہیئے کہ قرآن میں خضر و موسیٰ علیہم السلام کا قصہ غور و تامل سے پڑھے

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ہ

مثنوی اسرارِ تاج

درحالاتِ حضور تاج الاولیاء تاج الملّتِ والدّین

شہنشاہِ ہفت اقلیم سیّد محمدؐ بابا تاج الدین

حَسنی و حُسینی ناگپوری قُدس اللہ سرّہٗ العزیز

مُصنّفہٗ

حضرت مولانا عبدالکریم قادری چشتی

معروف بابا محمّد یوسف شاہ تاجی

قدس اللہ سرّہٗ العزیز متخلص بہ والہؔ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِؕ

حمد

سبھی تعریف ثابت ہیں خدا کو اس خدائی میں
وہی تو پاس ہے سب کے، نہیں ہے، وہ جُدائی میں

خدا کا نام ہر جا، ہر زباں میں جاری و ساری
وہی مالک ہے سب کا، خالقِ ہر نوری و ناری

وہی بے چون ہے ایسا کہ ہر چون و چرا میں ہے
عیاں تشبیہ میں، تنزیہہ میں، ہر دو سرا میں ہے

تفکرِ ذات میں موقوف ہے، اوصاف میں جاری
بھلا قطرے کی کیا طاقت، کرے دریا سے جو یاری

کیا کونین پیدا کُن سے، تا اظہارِ قدرت ہو
مشیّت کا یہ منشا تھا، حقیقت عینِ صورت ہو

کیا ذاتِ بحت نے اپنا جلوہ خاص وحدت میں
تجلّی کر کے دکھلایا اُسے رنگِ شہادت میں

یہی نورِ محمدؐ برزخ کبریٰ ہے وحدت ہے
یہی نورِ محمدؐ سب حقائق کی حقیقت ہے

نعت سرورِ عالم صلّی اللّٰہُ علیہ وسلم

خدا نے جلوہ فرمائی جو فرمائی تو پردے میں
اسی پردے کو اُس نے رکھ لیا اپنے ارادے میں

جو دیکھا ذات نے خود حُسن اپنا خوب صورت میں
تو اس پردے کو پوشیدہ کیا پھر نورِ کثرت میں

تو اُس نے پہلے اپنے نور سے نورِ محمدؐ کو
کیا پیدا، ہوا شیدا جو دیکھا نورِ احمدؐ کو

جمیل اللہ کے حسن و جمال انداز تو دیکھو
خدا خود شیفتہ خود کا ہے، صوفی صاف سو دیکھو

اجالا ہے تمام اس شمع رُو کا بزمِ عالم میں
ہے منظورِ نظر ہر جا وہی ہر جنّ و آدم میں

اُسی کا نام ہے منقوش ہر دل کے نگینے میں
اُسی کی دید ہے کونین کے آئینہ خانے میں

یہ کس پردے میں حُسنِ لایزالی کا تماشا ہے
جہاں حیرت کو حیرت، عقل کو چکّر ہے، غشا ہے

یہی منشا تھا حُسنِ ایزدی کا حُسنِ احمدؐ سے
جہاں میں روشنی گر ہو، تو ہو حُسنِ محمدؐ سے

شہِ بطحیٰ کے جلووں سے اُجالا ہو گیا جگ میں
بسا ہے نورِ احمدؐ دیکھ لو عالم کی رگ رگ میں

یہ سب کچھ، کچھ نہ تھا، ان سب کا سب کچھ نورِ احمدؐ ہے
یہاں جب کچھ نہ تھا، اُس وقت سے نورِ محمدؐ ہے

اگر ہوتے نہ یہ کونین کب ہوتا کہاں ہوتا
خدائی کچھ نہ ہوتی پھر خدا کا کیا نشان ہوتا

وجودِ نقشِ کثرت ایک وحدت کی سیاہی سے
ہُوا موجود سب کچھ ایک فرمانِ الٰہی سے

صفاتی رنگِ کثرت کی دکھا کر ساری ہستی کو
کیا محوِ تماشا خود پرستی حق پرستی کو

ظُہور اُس کے لطائف کا برنگِ دیگراں نکلا
تماشا حُسن کا اس کے، بطرزِ دلبراں نکلا

بہت سی بجلیاں چمکائی ہیں میدانِ عالم میں
نیا مضمون بتایا اُس نے ہر دفتر کے کالم میں

تجلّی کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ سے فرمائی
بہت سی صورتوں میں ایک ہی تصویر دکھلائی

سَلف کی رہبری کی اور خَلَف میں آ گئے خود ہی
وہ ماضی، حال و مستقبل میں آ کر چھا گئے خود ہی

وہی ہر قرن کے مرشد ہیں اور وہ سب کے ساتھی ہیں
وہی مولا ہیں سارے انبیاء اُن کے براتی ہیں

نبیؐ جس دین کی تعلیم دینے آئے عالم میں
مکمل کر دیا احمدؐ نے اس کو سارے عالم میں

صفاتِ حق کی دعوت دی تھی نبیوں نے تو بندوں کو
مگر حضرتؐ نے ذاتِ حق دکھائی، حق پسندوں کو

ہدایت مطلقہ کی ذاتِ احمدؐ ہے فقط ہادی
جو قیدی ہے محمدؐ کا فقط اس کو ہے آزادی

تو ہم، ہر گھڑی صورت گری کرتا ہے ہر شے میں
یقیں تو دیکھتا ہے یار کو ہر ساغر و مے میں

خدا کے مظہرِ کامل کو واللہ کوئی کیا جانے
محمدؐ کو خدا جانے، خدا کو مصطفیٰؐ جانے

اوصافِ ابو البشر آدم علیہ السّلام

خدا کا خاص آدم اُس کے عالم کا نمونہ ہے
ہے وحدت اُس کی کثرت میں چگونہ بے چگونہ ہے

یہی ہے عالمِ بالا کا جوہر، خاکساری میں
اُسی کا نُور ہے جاری و ساری، کیاری کیاری ہے

ہماری اور تمہاری اصل کا پہلا شجر ہے یہ
خُدائی کے چمن میں عین مقصد کا ثمر ہے یہ

یہی صورت میں صغریٰ ہے مگر معنیٰ میں کبریٰ ہے
ورائے عقل اگر دیکھو تو یہ سب سے مبرّا ہے

عجائب اور غرائب ہیں خدا کے، اس کی فطرت میں
خدا کے لطف کا مخزن ہے، دیکھو! اس کی طینت میں

خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنائی شکل آدم کی
فرشتوں نے کیا سجدہ جو دیکھی شان، اَعْلَمْ کی

عروجی سے نزولی جلوے کا محمل ہوتے آدمؑ — وہاں معراجِ منزل ہے جہاں نازل ہوئے آدم
جمالُ اللہ اُس کی شکل و صورت سے نظر آیا — خلیفہ ہو کے خالق کا یہی مخلوق پر آیا
انہیں کی نسل سے لاکھوں ہوئے ہیں انبیاء و آلہ — بڑا ہے مرتبہ اِن کا جہاں میں سب سے ہیں اعلیٰ

ختمِ نبوّت

نبی آئے نبی کے بعد پہلے دَور میں لاکھوں — خدا کے نُور کے جلوے ہوئے ہیں طور میں لاکھوں
یہ سارے انبیاء گرچہ خدا کے برگزیدہ ہیں — مگر اِک مصطفیٰؐ ان سب میں چیدہ ہیں چنیدہ ہیں
نبوّت جذب سب کی ہو گئی دَورِ محمدؐ میں — رسالت ختم سب کی ہو گئی دَورِ محمدؐ میں
ہوئے جب آپ ظاہر سب گئے باطن کے حُجرے میں — اُنہی کے نام کی تاثیر ہے آدم کے شجرے میں
جو مُرسل خاص تھے، تھی خاص دعوت اُن کے بندوں کو — مگر دعوت ہے ان کی عام، انسانوں کو رِندوں کو
یہیؐ، روزِ ازل سے، سب کی روحوں کے مربّی ہیں — یہیؐ مکّی و مدنی، ہاشمی سردارِ عربیؐ ہیں
یہیؐ تھے اور یہیؐ ہیں اور یہیؐ ہوں گے زمانے میں — حقیقت سے نظر آتے یہیؐ ہیں دانے دانے میں
یہی تو فخرِ آدم ہیں، یہی فخرِ دو عالم ہیں — یہ ہیں محبوبِ رَبُّ الْعَالَمِین اِن کے گدا ہم ہیں

مناقبِ پنج تن پاک و صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما

محمدؐ چار یارؓ اِک تن میں ہم نے پنج تن دیکھے — تمام عترت کی فطرت ایک ہے، اور ایک مَن دیکھے
کہا صدّیقؓ نے صدیق ہو، توحیدِ کامل میں — مٹا تفریق کو فاروقؓ ہو، وحدت کو لا دِل میں
تلاوت کر کے قرآں، مثلِ عثمانؓ باحیا ہو جا — سبق شیرِ خداؑ سے سیکھ لے، شیرِ خدا ہو جا
خودی کو چھوڑ دے گا تو، خدا کو خود میں پائے گا — خُدائی میں خدا کا رنگ دیکھے گا، دکھائے گا
ہیں بعدِ انبیاء صدیقؓ یارِ غارِ حضرتؐ کے — انہیں حاصل معیّت ہے، وہ ہیں غم خوار حضرتؐ کے
نظر عدلِ نبوّت آئے گا فاروقِ اعظمؓ میں — حیا عثمان ذی النّورینؓ سے آئی ہے عالم میں

علیؑ مرتضیٰؑ مولائے کُل ہیں، دیکھ برہاں کو — نبیؐ کے علم کا دروازہ جانو شیرِ یزداںؑ کو
صحابہؓ ہیں ستارے اور اہلِ بیتؑ کشتی ہیں — جو اس کشتی میں بیٹھے ہیں یقیناً وہ بہشتی ہیں
یہ سب اصحابؓ و آلِ پاکؑ ہیں تفصیل مجمل کی — وہاں مجنوں کو دیکھا ہے جہاں لیلیٰ ہے محمل کی

آلِ پاکؑ پنجتن پاکؑ

علیؑ کی ذات سے اولادِ پیغمبر ہوئی ظاہر — کہا لَحْمُکَ لَحْمِی دَمُکَ دَمِی تو ہے آخر
علیؑ زوجِ بتولؑ پارسا حسنینؑ کے والد — یہی تو پنج تن کی جان ہیں فردوس کے خالد
جنہیں اظہارِ حق اور پنجتنؑ کونین کہتے ہیں — محمدؐ اور علیؑ و فاطمہؑ حسنینؑ کہتے ہیں
جنابِ مُصطفیٰؐ نے اپنی عترت اور قرآں کا — یہاں یکجا کیا، تا ہو تمسّک اہلِ ایماں کا
شبیہِ مُصطفیٰؐ حسنینؑ سے ظاہر ہے عالم میں — یہی آلِ نبیؐ ہیں، سب کے ہیں حاجت رَوا غم میں
علیؑ کا اور نبیؐ کا مرتبہ حاصل ہوا ان کو — خدا کی ذات سے درجہ شہادت کا ملا ان کو
یہی تو بطنِ قرآں کی ہیں دونوں اچھی تفسیریں — کلام اللہ سے ماخوذ ہیں دونوں کی تقریریں
یہی تو سید الشہدا ہیں اُن کا دین شاہد ہے — خدا شاہد، نبیؐ شاہد، شہادت عینِ شاہد ہے
زمین کی سبزی سُرخی آسماں کی اک شہادت ہے — مگر اہلِ نظر کی اور یہاں اندھے کی آفت ہے
بروزِ حشر سارے اصفیا جنت میں جائیں گے — مگر ان سب جوانوں کے یہی سردار کہائیں گے
ولایت ملتی ہے ان ہی کے گھر سے اہلِ عالم کو — ہدایت ملتی ہے اُن سے جہاں میں جنّ و آدم کو
عقیدت جن کو ہو ایسے، خدا کے خاص بندوں سے — تو وہ محفوظ ہیں دارین میں آفت کے پھندوں سے
محبت جس کو ہو ان پنجتنؑ کی ذات سے وآلہ — مقرب ہے خدا کا اور نبیؐ کی مے کا متوالا

ولایت

نبوّت ختم حضرتؐ پر ہوئی، باقی ولایت ہے، — ولایت کی ضیاء سے ہی زمانے کو ہدایت ہے،

جہاں میں روشنی تھی پہلے نبیوں کی ہدایت سے
مگر اب ہے ضیا تم دیکھو ولیوں کی ولایت سے

ہوئے اُمّت میں حضرتؐ کی ہزاروں اولیا ایسے
ہوئے اقوامِ سابق میں رسول و انبیا جیسے

ہوئے ہیں جس قدر بھی انبیاء اتنے ولی ہر دم
رہا کرتے ہیں، اِس اُمّت میں ہر دم دائم و قائم

مدارج اولیا کے، کیا کوئی تعداد میں لائے
مقامِ فوق ہے، پھر کیا کسی کے تحت میں آئے

خدائے پاک کے جلوے نمایاں ہوتے رہتے ہیں
بشکلِ اولیاء، پیدا و پنہاں ہوتے رہتے ہیں

ہے اسما و صفاتِ حق کی وہ دولت یہی انساں
کہ ہے تفصیل میں اجمال کی صورت یہی انساں

انہی اسماء کی دولت اور حکومت ہے زمانے میں
انھیں کا دَور تھا اور دَور ہے اس کارخانے میں

خدا نے کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ کہا توصیف ہیں جن کی
جنھیں سب اولیاء کہتے ہیں یہ تعریف ہے ان کی

نہ ہوں گر اولیاء اللہ، سب برباد ہو جائیں
سبھی اہلِ زمین و آسماں ناشاد ہو جائیں

زمین و آسماں کو فخر ہے اہلِ کرامت سے
مَلک سجدے میں ہیں انسان کی خاطر قدامت سے

ملائک، جن و انساں سب کی اصل، انسانِ کامل ہے
یہی جامع ہے اِک مخلوق میں جو سب کو شامل ہے

ہے اَلسُّلۡطَانُ ظِلُّ اللّٰہ ارشادِ نبیؐ بے شک
اِسی سائے میں مخلوقات کو راحت ملی بے شک

سمجھنے کے لئے اہلِ خرد کو نکتہ کافی ہے
نہیں تو آیۂ مَثَلُ الۡحِمَار از بہر لافی ہے

خدا کے کارخانے کا منیجر ہے یہی کامل
یہی سرکار کا مختار ہے اسرار کا حامل

محمدؐ میں فنا جب ہو گئے، باقی محمدؐ ہیں
جہاں میں جس جگہ دیکھو گے تم ساقی محمدؐ ہیں

پڑھو تم لَا نُفَرِّقُ اور اس تفریق کو چھوڑو
کہو وَاحِدٌ خدا کے ماسوا سے اپنا منہ موڑو

اگر توحید کی خواہش ہے، خود توحید بن جاؤ
ظہورِ رنگِ کثرت میں نظر وحدت صفت آؤ

تذکرہ حضور تاج الاولیاء تاج الملّت و الدّین شہنشاہِ ہفت اقلیم

سیّد محمدؐ بابا تاج الدّین حسنی حُسینی قدس سرہ العزیز

جہاں اک جسم ہے، اُس جسم کا جو جانِ جاناں ہے
یہی تو جسم و جاں، اُس جانِ جاناں کا شبستاں ہے

خدا کو جب پسند آئی ہے یہ تصویر انساں کی
بنائی اپنی ہی تنویر سے تنویر انساں کی

اِسی تنویر سے تحریر ہے، تحریر انساں کی
یہی تحریر تو تحریر ہے تحریرِ یزداں کی

جہاں میں آنا جانا روز ہے خورشیدِ رحماں کا
نئی رفتار سے دیکھا ہے ہم نے حُسن، جاناں کا

گلستانِ جہاں میں پھول رنگارنگ آئے ہیں
گلِ رعنا کے صدقے جائیے کیا گل کھلائے ہیں

گل و بلبل کا قصہ، ہر زمانے نے سُنایا ہے
نیا افسانہ ہر عاشق نے عاشق ہو کے گایا ہے

سبھی گُل اس رنگیلے نے رنگے ہیں اپنی رنگت سے
حسینانِ جہاں کا حسن بھی ہے اُس کی نکہت سے

کتابِ خلق کا واللہ! کہاں ہے دیکھنے والا
ہو کاتب جس کا خلّاقِ جہاں ادراک سے بالا

خدا نے جب کہ چاہا ہند میں جلوہ نرالا ہو
نرالی شان کا محبوب پیدا سب سے اعلیٰ ہو

نبیؐ کے، پنج تنؑ کے نُور سے معمور یکسر ہو
شہِ بغدادؒ و اجمیریؒ کا رنگ اس میں برابر ہو

جہاں کی تاجداری، رازداری میں اکیلا ہو
اسی کے در پہ ہر شاہ و گدا کا خوب میلا ہو

سلوک و جذب کے دریا میں، اُن کے غرق شیدا ہوں
امیرِ ہفت کشور، ہند میں ظاہر ہوں پیدا ہوں

زمینِ ہند سے ظاہر اب انوارِ مدینہ ہوں
سفینے میں جہاں کے آئینِ جو اسرارِ سینہ ہوں

پُرانی داستاں میں حال کا پرچہ نکل آیا
کہ جس کی ہر سطر میں یار کا چرچہ نکل آیا

مقامِ انبیاء و اولیاء، عرفاں سے بالا ہے
خدا کا علم، مخلوقات میں سب سے نرالا ہے

ولایت کے دھنی ہر جا نئی پہچان سے آئے
ذرا دیکھو کہ رُوۡحُ اللّٰہ جسم و جان سے آئے

گدائی میں شہنشاہی کا جلوہ کیوں دکھایا ہے
بلندی کو یہاں پستی میں لا کر کیوں بتایا ہے

شہنشاہ، شانِ دُرویشی سے اس عالم میں آ نکلا
تو بولے اہلِ ایماں، دیکھ لو یہ کیا تھا، کیا نکلا

بلندی پستی میں، پستی بلندی میں نظر آئی
شبِ مخلوق میں دیکھو کہ خالق کی سحر آئی

خدا نے اپنی قدرت کو نئے سانچے میں ڈھالا ہے
زمینِ ہند کے نافے سے اِک نافہ نکالا ہے

مہک سے جن کی ساتوں آسماں چکر میں آئے ہیں
ملائک آسماں سے ان کی خوشبو لینے آئے ہیں

بڑی ہے شان تاج الاولیا کی کوئی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے، حقیقت میں خدا جانے

یہ کس نے، جلوے آخر دور میں ہم کو دکھائے ہیں نبیؐ کے نور ہی سے دونوں عالم جگمگائے ہیں
تجلیاتِ رنگارنگ میں جب ہو چکے ظاہر تو تاج الاولیاء کی شکل میں ظاہر ہوئے آخر
جو اَحوَل ہے اسے تو ایک کی جا، دو نظر آئے مگر وحدت کے ناظر کو تو وہ ہی وہ نظر آئے
مِری بادہ فروشی بادہ نوشی رنگ لائی ہے جہاں کی ساری مستی میرے پیالے میں سمائی ہے
جہاں کی، جب کی، یہ خواہش کہ ہو امداد کی صورت بھلا ہو جائے سب کا، ہو عیاں اللہ کی نصرت
تو رکھ کر تاج سر پر، سرورِ کل تاجِ دینؒ آئے شہنشاہِ زمن، دیکھو کہ بر فرشِ زمیں آئے
چلو اے بادۂ عرفاں کے مستو! آؤ مستی میں وہی پیرِ مغاں اب آگیا ہے اپنی بستی میں
جگر بندِ بتولؑ و جلوۂ شبیرؑ و شبرؑ ہیں بہارِ باغِ احمدؐ، رونقِ گلزارِ حیدرؑ ہیں
نئے خرقے میں ایک آزاد مشرب خوب آئے ہیں پرانی مے نئے ساغر میں بھر کر خوب لائے ہیں
مدینہ ہے وطن آبائی، ان کے جدِ امجد کا وہاں سے ہند آئے، آب و دانہ تھا اب و جد کا
مدینے سے خدا کا نور، ہندوستان آتا ہے فلک سے ابرِ رحمت جانبِ بستان آتا ہے
نسب مجھ کو بتایا ایک دن اپنا یہ باباؒ نے محمدؐ عسکریؑ کا پوتا ہوں فرمایا آقا نے
امامِ عسکریؑ کے پوتے عبد اللہ مدینے سے چلے آئے وہ ہندوستان کی جانب سفینے سے
انہی کی نسل سے پیدا ہوا ہوں ہند میں آکر حقیقت میں عرب ہوں ناگپوری آج کہلا کر
اقامت کی انہوں نے ساحلِ مدراس پر آکر عرب تھے، ہوگئے مشہور مدراسی، اِدھر آکر
کسی کو یہ نہیں معلوم تھا، یہ کون آئے ہیں عرب سے کونسی نعمت یہ اپنے ساتھ لائے ہیں
وِلایت کا وہ جوہر ساتھ اپنے لیکے آئے تھے مگر وہ بھید مخلوقات سے اپنا چھپائے تھے
انہیں کی نسل پھر مدراس میں پھیلی، پھلی، پھولی انہیں پھولوں کی خوشبو سے وہاں ہر ایک نے بولی
چمن مدراس کا ان پھولوں کی خوشبو سے جب مہکا تو نغمہ سنج ہو کر بلبلِ دل خوب ہی چہکا
سیادت کا شجر مدراس میں وہ بار لایا ہے کہ جس کے سائے میں ہر کافر و دیندار آیا ہے
شرافت اور نجابت کے دھنی مدراس جب آئے ہوئی توقیر ان کی ہر جگہ، اشراف کہلائے

سیادت ہی کا سارا فیض ہے گر دیکھو عالم میں سیاہی کی حکومت دیکھ لو کاغذ کے عالم میں
صحابہؓ آتے ہیں مدراس میں اخبار میں آیا نبیؐ کا فیض ہر جا، یار میں اغیار میں آیا
اشاعت پھر ہوئی اسلام کی مدراس میں ان سے حمایت دین کی ہوتی ہے وقتِ یاس میں اِن سے
یہ ساداتِ حسینی، ہر جگہ سالارِ امت ہیں ہے دامن ہاتھ میں اِن کا، تو ہم اہلِ کرامت ہیں
جو دیکھا قدرتِ باری کا نقشہ، آلِ اطہرؓ نے تعلق فوجِ انگلش سے کیا اِن میں سے اکثر نے
خدا کی شان دیکھو ابنِ حیدرؓ فوج میں آئے وہ اپنی موج سے، دیکھو نرالی موج میں آئے
تو پھر وہ فوج، مرضی خدا سے کامٹی آئی خدا کی شان ہے اس فوج میں وہ موج بھی آئی
مقدس نام سید بدرِ دین تھا، جن کا عالم میں وہی تو آپ کے والد تھے، ظاہر جنسِ آدم ہیں
یہ سیدؔ بدرِ دینؔ تھے حاملِ انوار پلٹن میں جب آئے کامٹی تو، تھے وہ صوبیدار پلٹن میں
ہوا پھر عقد سید بدر الدین کا نیک اختر سے ہماری صاحبہ، دخترِ شہِ میران صیبر سے
تو وہ، پشتِ پدر سے رحمِ مادر میں چلے آئے خدا کے نور کے سانچے میں وہ ڈھالے ڈھلے آئے
ہوئے تھے رحمِ مادر میں فقط دو ماہ جب ان کو تو سایہ اٹھ گیا والد کا ان سے شانِ رب دیکھو
جو ہو دُرِّ یتیم، اس کی تو قدر و قیمت آئی ہے نئے انداز کا موتی یہ سی، پی خوب لائی ہے

پیدائش

غرض بارہ سو اڑسٹھ (١٢٦٨) ہجری میں پیدا ہوئے بابا منور نور سے عالم کو کرنے آ گئے بابا

سیپی میں موتی C.P.

یہی وہ نور تھا جو کامٹی، مدراس سے آیا ضیائے بدر الدین کو آخر سی پی سے چمکایا
مقدر میں تھا یہ سی، پی کا موتی روزِ اول سے منور ہو گئی سی، پی بھی اک نورِ مکمل سے

سمندر بن گئی سِیپی

یہ وہ موتی ہے جس کی روشنی سب سے نرالی ہے
یہ شکل صِبغَۃُ اللہ دیکھ لو کیا بھولی بھالی ہے

سمندر بن گئی سی پی سمندر، ماجرا دیکھو
یہ قطرہ بحر سے ہے، بحر قطرے میں ذرا دیکھو

سماتی دیکھ لو دریا کی قطرے میں، یہاں آکر
اسے عارف سمجھتا ہے، نہ سمجھے گا کوئی خودسر

حُسینی اور حَسَنی رنگ سے یہ رنگ لائے ہیں
شہنشاہِ ولایت اس لئے بابا کہاتے ہیں

وصالِ والدہ ماجدہ

ہوئے دو۲ سال جبکہ والدہ کی گود میں کامل
تو وہ بھی چھوڑ کر بیٹے کو، جنت میں ہوئیں داخل

رہے وہ تربیّت میں روز و شب پھر شاہ میراں کے
وہ بیٹے شاہ میراں کے، نواسے شاہ میراں کے

بظاہر تربیت اُن کی ہوئی ہے نانا کے گھر پہ
حقیقت میں حقیقی نانا کی آغوش میں تھا گھر

حفاظت میں خدا کی سر بسر رہتے تھے وہ ہر دم
مجازی رشتے سب ٹوٹے، حقیقت کھل گئی اُن پر

بظاہر جب ہوئے تعلیم کے لائق تو مکتب میں
بٹھایا آپ کو اِک روز، تا ممتاز ہوں سب میں

تحصیلِ عِلم

اسی مکتب میں عبد اللہ شاہ مجذوب بھی آئے
مُعلّم سے کہا عِلمِ لَدُنّی کے ولی آئے

بظاہر طفل ہیں، باطن میں یہ پیرِ دو عالم ہیں
حقیقت کی نظر سے دیکھئے تو سب کے بالم ہیں

مگر پھر بھی پڑھا ہر علم کو بابا نے ظاہر میں
شریعت کی بھی حُجّت ختم کی اہلِ ظواہر میں

ہوئی تکمیل جبکہ علمِ ظاہر کی، تو باطن میں
نظارہ حُسنِ جاناں کا ہوا ہے ان کو کمسن میں

پڑھا ہے علم ظاہر کا تو گو استاد و مرشد سے
مگر پھر اوّلیں و آخریں کا علم، احمدؐ سے

فوجی مُلازمت

اٹھارہ۱۸ سال کا جب سِن ہوا اُن کا تو ظاہر میں
اَعِزّا نے کہا اب تم بھی جاؤ فوجِ غائر میں

خدا کی شان دیکھو ابنِ حیدرؓ فوج میں آئے
وہ اپنی موج سے، دیکھو! نرالی موج میں آئے

ہوئے جب تین سال اِس فوج میں نقشہ بدل ڈالا
جو باطن میں چھپا تھا راز اس کا کھول، بل ڈالا

لباسِ معنوی موزوں کیا اِک آنِ واحد میں
جو اندر تھا اُسے ظاہر کیا پھر چشمِ شاہد میں

عجائب اور غرائب دیکھے اُن سے فوج والوں نے
بہت سی موج اس دریا کی دیکھی موج والوں نے

رہے وہ تین سال اِس حال میں، شکلِ مجاہد سے
ریاضت خوب کرتے تھے، سنا میں نے یہ شاہد سے

خدا کا جذبِ کامل بڑھ گیا جب آپ کے دل میں
ریاضت ظاہری یاں ختم ہے اوصافِ کامل میں

یہ اپنا دل خدا کو دے کے بس دلدار بن بیٹھے
جہاں کے اولیاء اللہ میں سردار بن بیٹھے

نکل کر فوج سے پھر آپ، ساگر سے چلے آئے
وہ "ساگر" بن کے خود، وحدت کے ساغر سے چلے آئے

نکل کر چاہ سے یُوسف، سرِ بازار آ بیٹھے
نثارِ حسن ہونے کو زلیخا وار آ بیٹھے

گرفتارِ محبّت ہو کے یہ آزاد آ بیٹھے
جہاں تھا آشیاں بلبل کا، واں صیّاد آ بیٹھے

جہاں کی قید سے یہ ہر جگہ آزاد رہتے ہیں
یہ وہ آزادِ مطلق ہیں جو ہر جا شاد رہتے ہیں

مقیّد اور مطلق میں محبّت ہے ذرا دیکھو
چھُپا خورشیدِ کامل ذرّہ میں، یہ ماجرا دیکھو

وہ آتے کا متی، ساگر سے جب شکلِ قلندر میں
جو دیکھا اہلِ دنیا نے، کہا:- سودا ہوا سر میں

مگر اہلِ بصیرت نے کہا:- ہاں آپ آئے ہیں
ولایت کے دھنی ہو کر یہاں تشریف لائے ہیں

جو دیکھا کفر کی نظروں نے ان کو، کہہ دیا پاگل
مگر مومن نے پایا ہے یہاں ایماں سے اچھا پھل

جو ہے دُنیا میں اندھا، آخرت میں بھی رہا اندھا
یہاں جس نے نہ دیکھا وہ قیامت میں نہ دیکھے گا

خدا کے نور کا آئینہ جس کے روبرو آیا
تماشا اس کی ہی صورت کا اس کے روبرو آیا

پھر ان کے فیض سے سب اہلِ دیں ہونے لگے کامل
جو دنیا دار تھے وہ دیں میں ہونے لگے شامل

نرالا طرز ہے طرز گدائی و فقیرانہ
کبھی بستی پسند آئی کبھی بھایا ہے ویرانہ
کبھی وہ شانِ شاہانہ بنا کر خوب بن بیٹھے
کبھی وہ حُسن کے بازار میں محبوب بن بیٹھے
کبھی وہ جیل میں آزادی کا جلوہ دکھا آئے
کبھی آزاد کو وہ قید میں اپنی پھنسا آئے
شہنشاہِ رضا، تسلیم نے اِک روز بتلایا
جہاں کی قید میں آزادی کا انداز دکھلایا
جسے کہتے ہیں پاگل خانہ اس میں آپ جا بیٹھے
مسیحِ وقت بیماروں میں خود چپ چاپ آ بیٹھے

جیل خانہ

یہ کیوں محمودؔ نے خرقہ ایازی آج پہنا ہے
ذرا آقا کو کچھ دن کے لئے بندوں میں رہنا ہے
یہ دُنیا بھی تو اہلِ دیں کی خاطر جیل خانہ ہے
یہ ہے قولِ محمدؐ، جس کا ہر دل میں ٹھکانہ ہے
جہاں راحت سرا ہے کافرِ بدکیش و بدکیں کی
جہاں محنت سرا ہے صاحبِ عرفان و حق بیں کی
خدا مؤمن کا مؤمن ہے جہاں کے جیل خانے میں
وہی محسن کا محسن ہے جہاں کے جیل خانے میں

پاگل خانہ، ولی خانہ

وہ اپنی کارسازی سے انوکھے کھیل میں آئے
جو تھے آزاد یوسف پھر بھلا کیوں جیل میں آئے
وہی ہر کوچہ و بازار کی تفریح کو آئے
وہی دیر و حرم کے راز کی تشریح کو آئے
بتانے خوابِ غفلت کی وُہی تعبیر کو آئے
سکھانے علمِ قرآں کی نئی تاثیر کو آئے
شہنشاہِ جہاں کیوں خیمہ زن ہیں قیدِ عالم میں
گرفتارِ بلا، تا جامِ راحت پی سکے غم میں
وہیں دربارِ شاہی ہے جہاں سرکار جا بیٹھیں
جہاں سرکار کی مرضی وہاں سرکار جا بیٹھیں
ہُوا چرچا یہ دیوانوں میں اب ہشیار ہو جاؤ
مبارک، آ گئے پیرِ مغاں، بیدار ہو جاؤ
جو پاگل خانہ تھا، آخر ولی خانہ کیا اُس کو
جو دیوانہ ہُوا تھا، اپنا دیوانہ کیا اُس کو
غرض ہر سمت شُہرت ہو گئی اِس آستانے کی
دُہائی چار جانب پڑ گئی دیوان خانے کی

ہوئے آزاد قیدی سیکڑوں جب قیدِ شاہی سے
نکل آئے یہ یونس بھی ہمارے قیدِ ماہی سے
اٹھارہ سال رہ کر آپ جب شکرؔ دَرَہ آئے
وہ اُس خَلوت سرا سے جانبِ جلوت سرا آئے

خدا کے دوست

خدا کے دوستوں کی مرضی بھی حق کی مشیّت ہے،
ہمیں تو اِن کے قدموں ہی میں بس حاصل بریّت ہے
خدا کے لطف کا بادل جہاں چاہے وہاں برسے
مشیّت دیکھ لو اُس کی کوئی پی لے کوئی ترسے
ضیائے تاجِ دیں سے ہو گئی کافور، گمراہی
ضلالت میں خضرؑ سے ہو گئی جب اپنی ہمراہی
ہوئی شکرؔ دَرَہ سے سُوئے وَاکی جلوہ فرمائی
لگا دربار جنگل میں، عجب قدرت نظر آئی
دلا، وَاکی کے جنگل میں شہنشاہِ جہاں آئے
ہوئے جب تشنہ لب لاکھوں تو ساقیٔ زماں آئے

واکی شریف

اقامت جب ہوئی دریا پہ، دریائے کرامت کی
جو ڈوبا اِس میں اُس نے سیر کی بحرِ حقیقت کی
جو ویرانہ تھا وہ گلشن ہوا، اِک گُل کے آنے سے
ہُوا واں شور برپا بلبلوں کے چہچہانے سے
ہُوا جنگل میں منگل، یار کے آنے سے اک دم میں
خزاں نے دیکھ پائی ہے بہارِ حُسن، عالم میں
قدم زندہ پڑیں جس خاک پر، وہ زندہ ہو جائے
محبت زندہ کی جس دل میں ہو، تابندہ ہو جائے

قرآن شریف

ہُوا قرآن نازل اس زمیں پر بہرِ شادابی
دلوں کے کھیت میں پیدا ہوں تا انوارِ آدابی
وہاں لاکھوں کی قسمت بگڑی بابا نے بنائی ہے
مسیحا نے نئی تاثیر مُردوں کو دکھائی ہے
کوئی ہے مست متوالا، کوئی مدہوشِ ہستی ہے
مقیمِ راہِ حق بنا، تو کوئی گشتی ہے
کوئی تو جامۂ ہستی سے بیگانہ بنا، بے خود
دو رنگی چھوڑ کر اِک رنگ میں بھولا کوئی سُدھ بُدھ

یہی وہ تعدیہ ہے جو زمانے نے نہ دیکھا تھا — جہاں تھا دیر سے مشتاق، اُس میں کا پیاسا تھا
بچندیں سال واکی میں ہے پھر ناگپور آئے — جہاں گیری ادا سے جیسے اکبر رامپور آئے
بہت سے بھید ہیں شاہوں کے پوشیدہ سیاحت میں — پھرا کرتے ہیں وہ سِیرُوْا فِی الْاَرْض کی رعایت میں
مُرادیں مانگتے ہیں ہر جگہ پیر و جواں اِن سے — متاعِ دین و ملّت پیتے ہیں خورد و کلاں اِن سے
جہاں ہو آبِ شیریں، تشنہ لب آتے ہیں پینے کو — جو ہوں گرداب میں، وہ لوگ تکتے ہیں سفینے کو

باباکی کشتی

جہاں کے بحرِ بے پایاں میں وہ باباکی کشتی ہے — جو بیٹھا اس میں اس کا پار ہے بیڑا بہشتی ہے
جو اس بیڑے کا منکر ہے، ہوا وہ غرقِ طوفاں میں — پھنسا ہے اپنی بدبختی سے ناداں قیدِ شیطاں میں
مثل سچ ہے کہ کوّا، باغ میں ہوتا نہیں بلبل — یہ زاغِ رُوسیہ کیا جانے رازِ نغمۂ قلقل

خدا کے دوست

خدا کے دوستوں کی دوستی سے دوست ملتا ہے — اور اِن کے بھیدوں ہی سے رازِ مغز و پوست ملتا ہے

کامٹی شریف

وہاں سے بعد مدّت کامٹی شاہِ جہاں آئے — مکاں کو دیکھنے جیسے مکینِ لامکاں آئے
گئے تھے کامٹی سے ناگپور اک روز حکمت سے — مگر پھر آئے ہیں اب دیکھ لو شانِ کرامت سے
ہوئے تھے چند دن ہی جلوہ فرما کامٹی آکر — کیا محوِ نظارہ مرد و زن کو جلوہ دکھلا کر
جو دانا تھے انہوں نے یہ جانا ہے اس آنے جانے کو — جو ناداں ہیں، وہ کیا جانیں خدا کے کارخانے کو

سفرِ وطن

سفر ہے در وطن اپنا، وطن ہے در سفر ہر آں — یہ وہ منزل ہے جس کو جانتا ہے واقفِ قرآں

روانہ پھر وہاں سے ہو گئے واکی کے میداں میں — مہ و خورشید کی گردش بنائی کیا بیاباں میں
منوّر پھر ہوا نورِ خدا واکی کے میداں میں — بہارِ خلد کا نقشہ بنا صحرائے ویراں میں
ہوا دوبارہ قائم آپ کا دربار واکی میں — تو ہر فانی کو رستہ مل گیا اسرارِ باقی میں
دِلا واکی میں آیا آپ کا جب تختِ شاہانہ — تو ہر شاہ و گدا کو بھا گیا طرزِ گدایانہ
کوئی تو مغربی دنیا سے آیا دورِ ساقی میں — کوئی مشرق سے آیا مغربی ہونے کو واکی میں
دلِ خاکی ہمیشہ آبِ رحمت جذب کرتا ہے — مگر جو سنگدل ہو وُہ کہاں سرسبز ہوتا ہے
دلِ خاکی تو اکثر نور سے معمور ہوتا ہے — شقی القلب، رحمت سے ہمیشہ دُور ہوتا ہے
نہ دیکھا جس نے روئے یار دنیا میں، نہ دیکھے گا — قیامت میں شرابِ دیدِ حق ہرگز نہ چکھے گا
ہمیں کافی ہے روئے یار دنیا اور عقبیٰ میں — ہمارے یار کے دیدار کا ہے دَور عقبیٰ میں
وہی ہے خُلد اپنی جس کو کوئے یار کہتے ہیں — یہی مطلوب اپنا ہے یہ سو سو بار کہتے ہیں
بہارِ خلد بھی جاناں کے قدموں میں بچھا دی ہے — جو ہے خاکِ قدم حاصل تو قسمت اپنی یاور ہے
سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ کے مست دنیا سے نرالے ہیں — خدا کی دید کی دارو کے یارو! بس یہ پیالے ہیں

شرابِ دیدِ حق اِن سے پیو، یہ وہ پیالے ہیں

ہوا منظور پھر ایسا کہ واپس ناگپور آئیں — کہ بر آئیں ہزاروں مستمندوں کی تمنّائیں
جہاں چاہا وہیں دربار کر بیٹھے وہ دم بھر میں — امامت زیب دیتی ہے انہیں اللہ کے گھر میں
جہاں کے اولیا کا تاج ہے نقشِ قدم اِن کا — مسیحائی کا صدقہ بٹ رہا ہے دمبدم اِن کا
نہ دیکھا تھا کسی بھی آنکھ نے، وہ جلوہ دکھلایا — نہ آیا تھا سمجھ میں راز اس کو خوب سمجھایا
بنائی دستِ قدرت نے یہ صورت کیا نرالی ہے — خدا کے نور کی یہ شکل دیکھو بھولی بھالی ہے
زمانہ آشنا جس سے نہ تھا، وہ آشنا آیا — پہن کر فقر کا جامہ یہ اچھا دلربا آیا
مقدر اوج پر ہے آج دیکھو ان کے طالب کا — مگر دشوار ہے معلوم ہیں ان کے مطالب کا

حلیۂ شریف

خدا کے نور کا حلیہ بیان کیا کر سکے کوئی — ہے چھوٹا منہ بڑی باتیں ارادہ کیا کرے کوئی
بصورت عالمِ صُغریٰ ہے اور معنی میں کُبریٰ ہے — جو ہے انسانِ کامل، ہوشِ دنیا سے منزّہ ہے
یہ ہے اجمال، ہر انسانِ کامل کے سراپا کا — مُفصّل لکھ نہیں سکتا ہے حلیہ کوئی بابا کا
جنابِ مصطفےٰ کو با صفا صدیقؓ سمجھے ہیں — مگر بوجہل کیا جانے کہ کیا صدیق سمجھے ہیں
قدِ موزوں مرے بابا کا یارو! سرو بالا ہے — گلستانِ جہاں میں یہ شجر سب سے نرالا ہے
تھی رنگت گندمی مائل سیاہی، آپ کی دیکھی — یہاں تنزیہہ کو تشبیہ سے ہم نے ملی دیکھی
جو سالک ہیں انہوں نے نورِ نگیں یار کا دیکھا — ہلالی نُور ہم نے کالی بدلی میں چھُپا دیکھا
بَصِیرؑ سے بصارت ہے سَمِیعؑ سے سماعت ہے — عجب قُربِ نوافل ہے عجب شانِ ولایت ہے
ہے وجہِ پاک وَجۡهُ اللہ سراپا نور نُورُ اللہ — تکلم سے کَلِیمُ اللہ، وہ ہر آن طُورُ اللہ
یَدُ اللہ ان کے ہاتھوں کو خدا نے کہہ دیا واللہ — بھلا وسعت یہ اللہ کی کسے معلوم ہے واللہ
ہے قلبِ پاک کی وسعت زیادہ عرشِ اعظم سے — بیاں اللہ کے گھر کا مفصل ہو گا کب ہم سے
زمین و آسماں میں حق سما سکتا نہیں واللہ — مگر اس پاک دل میں آکے جا سکتا نہیں واللہ
قدم اعلیٰ کی جانب ہر گھڑی جولاں لیے ان کے — مکان و لامکاں میں ایک منزل ہیں ملے ان سے

سرکار بابا تاج الاولیاء کی جامعیت و مجذوبیت

تجلّی اولیاء کی اس لئے دنیا میں ہوتی ہے — جگائیں دین کی قسمت کو جو اس وقت سوتی ہے
خدا کا دین زندہ ہے انہیں زندوں کے دم خم سے — بجا ہے دین کا ڈنکا جہاں میں ان ہی کے دم سے
خدا کو جاننے والا تو سمجھے گا کلامُ اللہ — خدا کے جاننے والوں پہ ہر دم ہو سلامُ اللہ
تجلیاتِ حق کی، اولیاء جو ساتھ لاتے ہیں — جہاں میں آکے وہ اتمامِ حجت کر کے جاتے ہیں

کہیں مجذوبیت سے نظمِ عالم کرتے رہتے ہیں — کہیں سالک کی صورت سے وہ ہادی بن کے رہتے ہیں
اگر ہیں جذب اور ارشاد کے مالک زمانے میں — تو پھر ہیں مَجمعُ البَحرین وہ اس کارخانے میں
جدائی کچھ نہیں ان میں، یہ سب ہی جانِ احد ہیں — محی الدینؒ معین الدین چشتیؒ جانِ واحد ہیں
شہاب الدینؒ بہاء الدینؒ ہیں وحدت سے گر دیکھو — معین الدینؒ تاج الدین ہیں اہلِ نظر! دیکھو
محی الدینؒ کا بھی جلوہ، دیکھو تاج دینؒ میں ہے — جھلک ساری سہروردیؒ کی اس ماہِ مبیں میں ہے
بہت سی صورتیں ہیں گرچہ، سیرت ایک ہے ان کی — ہیں آنکھیں سیکڑوں، لیکن بصیرت ایک ہے ان کی
شہنشاہ ہفت کشور تاج دینؒ سب جنکو کہتے ہیں — مسلسل فیض کے دریا، دربابا پہ بہتے ہیں
علیؑ کے لاڈلے زہراؑ کی آنکھوں کے یہ تارے ہیں — حسنؑ کا دل، حسین ابنِ علیؑ کے ماہ پارے ہیں
جسے قربِ خدا و مصطفےٰؐ کا شوق ہو، آئے — کھلا دربار ہے ان کا، جو آئے، مدعا پائے

جامعِ کُل اولیاء

یہی تو جامعِ کُل اولیاء ہیں وقتِ آخر میں — یہی تو مظہرِ نورِ خدا ہیں فخرِ فاخر میں
یہاں ہر قوم کے، ہر ملک کے طالب جو آتے ہیں — اُنہیں مطلوب مل جاتا ہے، جو مانگیں سو پاتے ہیں
اسی اک تاج والے نے ہماری لاج رکھ لی ہے — اسی کے فیض سے ہم نے بھی لذتِ دیں کی چکھ لی ہے
جہالت سے زمانے کو نکالا میرے بابا نے — بطالت کے قلعہ کو توڑ ڈالا میرے بابا نے
ملامت میں سلامت کا ہمیں وہ راز بتلایا — فریب و مکر سے بچنے کا رستہ خوب دکھلایا
نبیؐ کے دین کی پھر سادگی مسلم کو بتلائی — طریقت کی تھی جو راہِ صفا پھر صاف دکھلائی
نئی ترکیب کا قائم کیا پھر نظم دُنیا میں — رہِ توحید پر اقوامِ عالم جس سے آجائیں
شریعت اور طریقت کا نیا مضمون بتلایا — ولایت کا طریقہ آپ نے آسان سکھلایا
بہت سے طالبِ دُنیا ہیں دینداری کے پردے میں — یہ اپنے نفس کے بندے ہیں درویشی کے خرقے میں
طریقت کو کیا بدنام ہے ان جیفہ خواروں نے — کیا ہے دین کو بدنام ایسے دُنیا داروں نے

زبانوں پر ہے قَالَ اللہ پُجاری بُت کے ہیں دل میں
نظر آئے گا جلوہ یار کا کب رنگِ باطل میں

مسلمان بن گئے جب مادّے کے پوجنے والے
تو اِن کی قوّتِ روحانیہ کے پڑ گئے لالے

مسلمان جب مسخّر ہو گئے ظاہر پرستی کے
ہوئے ناآشنا اسرارِ معنی رازِ ہستی کے

زمانہ کو کیا برباد اس ظاہر پرستی نے
جہاں کو کر دیا گمراہ اس ساحر پرستی نے

تو ایسے وقت میں قائم ہوا دربار بابا کا
سمجھ میں آ نہیں سکتا ہے کاروبار بابا کا

وہ جو کچھ کر گئے اور کہہ گئے، یہ کون سمجھے گا
بھلا رازِ خدا بھی کوئی مردِ دُون سمجھے گا

انھیں کہتے ہیں تاج الاولیاء سب اولیاء کامل
کہ قطب و غوث ان کے ہو رہے ہیں ہر جگہ عامل

جسے چاہا اُسے سردار دنیا کا کیا دم میں
تصرف جس طرح کا جس کو چاہا دے دیا دم میں

یہ ہیں اسرار کی باتیں اِنہیں پھر کون سمجھے گا
وہی سمجھے گا واللہ جس کو یہ توفیق رب دے گا

حالاتِ وصال حضور بابا صاحب قدس سرّہٗ

عروجِ آدمی ہے منزلِ جاناں کا پا لینا
مکان و لامکاں کی سیر کر کے اپنی جا لینا

تمامی انبیاء و اولیاء نے دارِ فانی سے
رکھا محبوب دارِ آخرت کو حق بدانی سے

ہدایت کیلئے جتنے بھی ہادی آئے عالم میں
حکومت کر کے سارے بس گئے ہیں مُلکِ اعظم میں

ہوئے پیدا زمین و آسماں جن کے لئے، وہ بھی
بظاہر اِس جہاں سے اُس جہاں میں بس گئے وہ بھی

مگر یہ انبیاء و اولیاء زندہ بقا میں ہیں
یہی تو نورِ حق باقی ہیں دیکھو سب بقا میں ہیں

خدا ظاہر ہے اور یہ اُس کے مظہر ہر صفت سے ہیں
صفاتُ اللہ قائم ہر جگہ ہر ہر صفت سے ہیں

خدا زندہ ہے، اس کی زندگی، جو زندہ ہو، جانے
جو مُردہ ہو وہ اُس کی زندگی کو کیسے پہچانے

ہے رشتہ جن کا حَیٌّ لَایَمُوْتُ سے، وہ زندہ ہے
نہیں ہے موت اُس کو خاص زندہ کا جو بندہ ہے

خدا کا دوست ہو جائے اُسے پھر موت کیوں آئے
سمجھ میں کس کی یہ آئے خدا کا دوست مر جائے

خدا کے دوستوں کو موت آئے، ہو نہیں سکتا
جو اپنے دوست کے گھر پر نہ جائے ہو نہیں سکتا

صفاتِ منفی پیدا ہو گئے فانی میں جب واللہ
گیا فانی رہا منفی یہ ہے اثباتِ اِلَّا اللہ

بھلا روزانہ یہ خورشید کیوں مغرب میں جاتا ہے
اُجالا کر کے پھر وہ کیوں اندھیرے کو دکھاتا ہے

ہوئی تیرہ سو چوالیس ۱۳۴۴ ہجری جب کہ عالم میں
محرم کی گئی چھبیس ۲۶ تو دُنیا گئی غم میں[1]

بروز پیر رخصت پیرِ عالم ہو گئے سب سے
ہُوا جب وقتِ مغرب، نورِ ربّی مل گیا رب سے

دریغا، آپ دارِ آخرت میں بس گئے ہم سے
مَلک، جنّ و پری، انسان نے ماتم کیا غم سے

ہوئی تجہیز ستائیس ۲۷ کو اُس شاہِ عالم کی
چھپا مغرب میں جب خورشید بن کر شکل ماتم کی[2]

خدا دشمن کو بھی یہ غم نہ دکھلانا کبھی ہرگز
جو ہم نے وقت دیکھا ہے، نہ دیکھے پھر کوئی ہرگز

ہماری یہ شبِ فرقت الٰہی ! ہو گی کب آخر
تڑپتا ہے قفس میں اب تو میری رُوح کا طائر

خدا مجھ کو بھی باباجان کی خلوت میں پہنچا دے
بہت بے چین ہے دل، وصل سے تسکین فرما دے

الگ بستی بسائی ہم سے کیوں سلطانِ عالم نے
ہمیں دُوری میں کیوں رکھا بھلا جانانِ عالم نے

تری بندہ نوازی کے ہوں صدقے پاس بُلوا لے
گرہ مشکل کی اے مشکل کشا بُلوا کے کھُلوا لے

اگرچہ آپ کو نسبت نہیں ہے موت سے کچھ بھی
مگر جینے کا ہم کو لطف ہی کوئی نہیں باقی

جو تھا دربار کل تک عام وہ ہے آج پردے میں
جلو میں جن کی رہتے تھے وہ ہیں سرتاج پردے میں

کرامات و تصرّف اولیاء کے زیادہ ہوتے ہیں
پسِ پردہ یہ جلوے بھی خدا کے زیادہ ہوتے ہیں

قدم سے جن کے یہ شکردرہ جنّت بداماں تھا
وہ تاج آباد کی قسمت میں گویا گنجِ پنہاں تھا

بسیرا اس جہاں میں چند روزہ حق کی خاطر ہے
بنا گھر آخرت میں جلد واللہ گر تو شاطر ہے

---

[1] ۲۶ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ دوشنبہ بوقت مغرب آپ کا شکردرہ میں وصال ہُوا اور موضع بیربیٹ میں جو اَب تاج آباد شریف کہلاتا ہے، مزارِ مبارک ہے۔

[2] جہاں مزارِ اقدس ہے وصال سے قبل ایک روز حضور قدس سرہٗ تشریف لائے اور وہیں بیٹھ کر فرمایا:- سبحان اللہ کیا اچھی مٹی ہے۔ اُس وقت تو کسی کی سمجھ میں نہیں آیا مگر بعدِ وصال عقدہ حل ہُوا۔

خاتمِ خانوادگان

سِلسلۂ عالیۂ یوسفیۂ تاجیۂ

ظاہراً آں شاخ اصلِ میوٗ است — باطناً بہرِ ثمر شد شاخ ہست
اوّلِ فکر آخر آمد در عمل — خاصہ فکرے کاں بود وصفِ ازل

(مولائے رومؒ)

سلسلۂ عالیہ یوسفیہ تاجیہ کے بانی و مؤسّس قبلہ وکعبہ تاج المحبّین والمحبوبین، فخر العُشّاق والموحّدین، مظہر کل اولین و آخرین، سیّدنا وسندنا، غوثنا، غیاثنا، مغیثنا حضرت مولٰینا شاہ عبدالکریم المعروف حضرت غوث، محمّد بابا یوسف شاہ تاجی قدس اللہ تعالیٰ سرّہُ العزیز ہیں۔

سلسلۂ عالیہ یوسفیہ تاجیہ صرف ایک شیخِ طریقت کا سلسلہ ہی نہیں، بلکہ بذاتِ خود ایک خانوادہ ہے۔ جسے "خانوادۂ یوسفیہ تاجیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

خانوادہ اُسے کہتے ہیں جس میں سلوک کے جدید ترین اصول مرتب کئے جائیں۔ سلسلۂ عالیہ یوسفیہ تاجیہ کے بانی و مؤسّس حضرت یوسف الاولیاء کو اپنے شیخِ طریقت حضرت شاہ صوفی سیّد عبدالحکیم لکھنوی کا مٹوی علیہ الرحمۃ کے واسطے سے سلاسلِ قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، چشتیہ کی نسبتیں حاصل ہوئیں اور اس کے بعد اپنے شیخؒ کے حکم سے تاج الاولیاء، تاج الملّت والدّین، شہنشاہِ ہفت اقلیم حضرت السیّد محمّد بابا تاج الدین حسنی والحسینی ناگپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے

صابریہ، قادریہ، اُوَیسیہ سے نسبت حاصل کی اور اِن تمام نسبتوں کا امتزاج قائم فرماکر سلسلۂ یُوسفیہ تاجیہ کی تاسیس فرمائی۔ جو دراصل شریعت وطریقت کا سنگم ہے۔

قبلہ وکعبہ مُرشدی حضرت غوث، محمّد بابا یُوسف شاہ تاجی قدس سرہٗ حضرت شاہ صُوفی السیّد عبدالحکیم لکھنوی کا مٹوی علیہ الرحمۃ کے مُرید وخلیفہ اور حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے باطنی سجّادہ نشین ہیں۔ حضرتؒ کو باباؒ صاحب نے مثالی زبان میں تحریری خلافت نامہ عطا فرمایا۔ چنانچہ جو طالبانِ حق اُس وقت وہاں موجود تھے انہیں حضرت یوسف الاولیاءؒ کے دستِ حق پرست پر بابا صاحبؒ نے بیعت کرایا۔

گویا سلسلۂ عالیہ یوسفیہ کا اِس طور پر اجراء ہوا۔ اور چونکہ اِس سلسلۂ عالیہ میں جمیع خانوادگان نقشبندیہ، قادریہ، سُہروردیہ، چشتیہ، قلندریہ، اویسیہ کی تعلیمات شامل ہیں۔ اِس لئے سلسلۂ عالیہ یوسفیہ تاجیہ خَاتمِ خانوادگان کہلایا۔

سلسلۂ یوسفیہ کی تعلیم

اس سلسلہ میں تمام خانوادگانِ ماسبق کی تعلیم شامل ہے یہ امر واضح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مجملاً تمام سلاسل کی تعلیمات بیان کی جائیں۔

[۱] تعلیماتِ نقشبندیہ

اس سلسلے میں وحدۃ الشہود کی تعلیم ہے اور ظاہر کی آراستگی اور سُنّتِ ظاہری کی پیروی اصل الاصول ہے۔ نسبت لازمی ہے یعنی اس کا حصول، کسبِ اعمال سے ہوتا ہے۔ مجاہدوں کی ممانعت ہے۔ چند باتیں مخصوص ہیں۔ مثلاً ۱۔یاد کرد۔ ۲۔یادداشت۔ ۳۔بازگشت۔ ۴۔ وقوفِ قلبی۔ ۵۔ خلوت در انجمن۔ ۶۔ سفر در وطن۔ ۷۔ وقوفِ زمانی۔ ۸۔ نظر بر قدم۔ ۹۔ ہوش در دم۔ ۱۰۔ پاس انفاس۔ ۱۱۔ مراقبہ۔ سماع ممنوع ہے۔ عقیدۂ توحید "ہمہ از اوست" ہے۔

[۲/۳] تعلیماتِ قادریہ وسہروردیہ

ان سلاسل میں وحدۃ الوجود کی تعلیم ہے۔ باطن کی آراستگی، مجاہدات کے ساتھ ساتھ ظاہر کا اہتمام، مثل سلسلۂ نقشبندیہ کے، مؤکد ہے۔ سماع متروک ہے۔ نسبت لازمی۔

۴۔ تعلیماتِ چشتیہ | تمام تعلیمات کی اساس وحدۃ الوجود ہے۔ سُنّتِ باطنی وظاہری کی پیروی۔ سماع منجملۂ معمولات واوراد، نسبت متعدّی۔

[۵/۶] تعلیمات اُوَلیسیہ وقلندریہ | ان سلاسل میں وحدۃ الوجود تعلیمات کا مرکزی نقطہ ہے۔ ترکِ ظاہر اور اختیارِ ملامت، سماع مرغوب ومعمول، نسبت متعدی۔

تعلیمات یوسفیہ | عقیدہ:۔ وحدۃ الوجود۔ صفات، افعال وذات میں۔ اوّلاً باطن کی آراستگی، ثانیاً ظاہر کی آراستگی، مجاہدات شاقّہ، گرسنگی، خاموشی، کم بولنا، کم سونا، عُزلت پسندی، نسبت متعدّی۔

طریقۂ اشغال:۔ ہر سلسلے کے جائز، طالب کے بقدرِ ذوق وصلاحیت وظرف تعلیم کئے جاتے ہیں۔

بنیادِ عقائد:۔ "کتاب و سُنّت" کی وہ تفسیر، جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ نے فرمائی۔ نیز جیسے شیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن عربی رح نے فُتُوحَات اور فصُوصُ الحِکَم میں بیان فرمایا اور جو کچھ حضرت شاہ صُوفی عبدالرحمٰن لکھنوی نے اپنی تصنیفِ لطیف کَلِمَۃُ الحَقّ میں بیان فرمایا ہے۔

فقہ:۔ امامِ اعظم حضرت ابوحنیفہ رض۔ سیاست الٰہیہ کے ماتحت:۔

"کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُولِهِمْ" بعض اوقات عالمِ سُکر میں ظاہر کا اہتمام کم ہوجاتا ہے۔ لیکن کسی بھی حالت میں حدودِ شریعت سے متجاوز نہیں ہوسکتا۔

سلاسلِ روحانی کا وہ شجرہ جس سے خانوادۂ شریفۂ یوسفیہ تاجیہ منسوب ومنسلک ہے اس کا اجمالی مطالعہ بھی سالکین راہِ طریقت کے لئے ازبس ضروری ہے۔

۱۔ سلسلہ تاجیہ اُوَلیسیّہ | حضرت بابا یوسف شاہ تاجی رح حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رح حضرت اُوَیس قرنی رض۔ حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم

۲۔ یوسفیہ، تاجیہ، صابریہ، چشتیہ | حضرت بابا یوسف شاہ تاجی رح۔ حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رح۔ حضرت داؤد

مکّی۔ حضرت جلال الدین رح۔ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رح۔ مخدوم علاءُ الدین علی احمد صابر کلیری رح، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رح۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رح۔ حضرت حاجی شریف زندنی رح۔ حضرت خواجہ مَودُودْ چشتی رح، حضرت ناصرالدین رح، حضرت شاہ ابومحمد چشتی رح، حضرت احمد ابوابدال رح، حضرت شاہ ابوالاسحاق رح، حضرت علو ممشاد بینوری رح۔ حضرت ہبیرا بصری رح۔ حضرت خواجہ سدید الدین حُذَیفہ مَرعَشی رح۔ حضرت خواجہ ابراہیم رح۔ حضرت فضیل ابن عیاض رح۔ حضرت عبد واحد زید رح۔ حضرت خواجہ حَسن بصری رض۔ حضرت مولا علی علیہ السلام۔ حضور رسولِ کریم علیہ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسلیم ط

۳۔ یوسفیہ، شریفیہ، قلندریہ | حضرت بابا یوسف شاہ تاجی رح۔ حضرت صوفی عبدالحکیم کامٹوی رح، حضرت شاہ طالب حسین مجیبؔ فرخ آبادی رح، حضرت شاہ حسین بخش شاکر فرخ آبادی رح، حضرت شاہ صُوفی عبدالرحمٰن لکھنوی سندھی رح، حضرت شاہ نورالدین رح، حضرت شاہ نوراللہ رح، حضرت شیخ شریف رح، حضرت شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر رح، حضرت مولا علی شیرِ خدا علیہ السلام، حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ط

۴۔ یوسفیہ، عزیزیہ، قلندریہ | حضرت بابا یوسف شاہ تاجی رح، حضرت صوفی عبدالحکیم کامٹوی رح، حضرت شاہ طالب حسین مجیبؔ رح۔ حضرت شاہ حسین بخش شاکر رح۔ حضرت شاہ صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی رح، حضرت شاہ فرزند علی رح (مجذوب سالک)، حضرت شاہ تقی رح، حضرت شاہ مینا رح، حضرت شاہ محی الدین رح، حضرت شاہ عبدالقدوس رح حضرت شاہ عبدالسلام رح، حضرت شاہ قطب رح، حضرت شاہ قطب الدین رح، حضرت شاہ نجم الدین رح، حضرت شاہ خضر رح، حضرت شاہ عزیز مکّی رض، حضور رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم ط

۵۔ یوسفیہ، رسول نمائیہ، اُوَلیسیہ | حضرت بابا یوسف شاہ تاجی رح، حضرت صوفی عبدالحکیم رح، حضرت شاہ طالب حسین مجیبؔ رح حضرت شاہ حسین بخش شاکر رح، حضرت شاہ صوفی عبدالرحمٰن رح، حضرت سید علی رح، حضرت

سعیدؒ، حضرت ابراہیمؒ، حضرت رسول نماؒ، حضرت اویس قرنیؓ، حضور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ؕ

۶۔ یوسفیہ، قدوسیہ، صابریہ، چشتیہ حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ، حضرت شاہ صوفی سید عبدالحکیم لکھنوی کاٹھویؒ

حضرت شاہ طالب حسین مجیبؒ، حضرت شاہ حسین بخش شاکرؒ، حضرت شاہ صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی سندھیؒ، حضرت شاہ نورالہدیٰؒ، حضرت شاہ سلیمؒ، حضرت شاہ محمد یوسفؒ، حضرت شاہ یامینؒ، حضرت شاہ ابراہیمؒ، حضرت شاہ مبارک بوسعیدؒ حضرت شاہ نظام الدین بلخیؒ، حضرت شاہ جلال الدینؒ، حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ، حضرت شاہ شیخ محمدؒ، حضرت شیخ احمد عارفؒ، حضرت مخدوم عبدالحق ردولویؒ حضرت جلال الدین کبیرالاولیاءؒ، حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ، حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ، حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ۔ تا۔ حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ؕ

۷۔ یوسفیہ، مینائیہ، نظامیہ، چشتیہ حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ۔ تا۔ حضرت شاہ صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی سندھیؒ، حضرت شاہ مبینؒ، حضرت شاہ قدرت اللہؒ حضرت شاہ عبداللہؒ، حضرت شاہ بھولنؒ، حضرت شاہ زاہدؒ، حضرت شاہ واجدؒ حضرت شاہ عبدالرحمٰنؒ، حضرت شاہ شیخ اکرامؒ، حضرت شاہ مبارکؒ، حضرت شاہ سیف الدینؒ، حضرت شاہ صفیؒ، حضرت شاہ محمدؒ، حضرت شیخ سعیدؒ، حضرت شاہ میناؒ، حضرت شاہ مجگاواںؒ، حضرت شاہ راجوؒ، حضرت شاہ جلال الدینؒ، حضرت شاہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ، حضرت محبوبِ الٰہی سلطان نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، تا، حضور رسول کریم عَلَیۡهِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسۡلِیۡمُ ؕ

۸۔ یوسفیہ، فخریہ، نظامیہ، چشتیہ حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ تا حضرت

شاہ صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی سندھیؒ، حضرت شاہ عظیمؒ، حضرت شاہ فخرالدینؒ، حضرت شاہ نظامؒ، حضرت شاہ کلیمؒ، حضرت شاہ یحییٰؒ، حضرت شاہ قطبؒ، حضرت شاہ محمد حسنؒ، حضرت شاہ جمال الدینؒ، حضرت شاہ علیم الدینؒ، حضرت شاہ راجنؒ، حضرت شاہ سراجؒ، حضرت شاہ کمالؒ، حضرت شاہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، تا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ۔ تا۔ حضور رسولِ کریم عَلَیۡهِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسۡلِیۡم ؕ

۹۔ یوسفیہ، نقشبندیہ حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ، تا۔ حضرت صوفی عبدالرحمٰن لکھنویؒ، حضرت شاہ غوثؒ، حضرت شاہ ابوالقاسمؒ، حضرت مظہر جانِ جاناںؒ، حضرت شاہ عابدؒ، حضرت شاہ زبیرؒ، حضرت شاہ محمدؒ، حضرت شاہ معصومؒ، حضرت شیخ احمد مجدد الفِ ثانیؒ، حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ، حضرت شیخ امکنکیؒ، حضرت شیخ درویشؒ، حضرت شاہ زاہدؒ، حضرت شاہ عبداللہ ولیؒ، حضرت شاہ چرخیؒ، حضرت شاہ بہاء الدینؒ، حضرت شاہ میر کلالؒ، حضرت خواجہ بابا کاسیؒ، حضرت شاہ علیؒ، حضرت شاہ محمودؒ، حضرت شاہ عبدالخالقؒ، حضرت شاہ ابو محمد یوسفؒ حضرت خواجہ علیؒ، حضرت شاہ فرقانیؒ، حضرت شاہ نظامیؒ، حضرت شاہ جعفرؒ، حضرت شاہ قاسمؒ، حضرت شاہ محمدؒ، حضرت سلمان فارسیؓ، خلیفۂ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، حضور رسولِ کریم عَلَیۡهِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسۡلِیۡمُ ؕ

۱۰۔ یوسفیہ، رزاقیہ، قادریہ حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ۔ تا۔ حضرت شاہ صوفی عبدالرحمٰن لکھنویؒ، حضرت شاہ غلام علیؒ، حضرت شاہ غلام دوستؒ، حضرت شاہ عبدالرزاق ہانسویؒ، حضرت شاہ عبدالصمدؒ، حضرت شاہ ہدایتؒ۔ حضرت شاہ حسینؒ، حضرت شاہ امان اللہؒ، حضرت شاہ ابراہیم بھکریؒ حضرت شاہ ابراہیم ملتانیؒ، حضرت شاہ جلالؒ۔ حضرت شاہ سید محمدؒ، حضرت شاہ بہاء الدینؒ حضرت شاہ ابوالعباسؒ، حضرت شاہ ولایتؒ، حضرت شاہ موسیٰؒ، حضرت شاہ سید علیؒ، حضرت شاہ سید احمدؒ، حضرت شاہ سید محمدؒ، حضرت شاہ ابو صالحؒ، حضرت شاہ عبدالرزاق جیلانیؒ، حضرت غوث الاعظمؒ، حضرت شاہ بوسعید مخزومیؒ، حضرت بوالحسن ہنکاریؒ

حضرت شاہ ابو الفرح طرطوسیؒ، حضرت شاہ عبد الواحدؒ، حضرت شاہ شبلیؒ، حضرت
شاہ ابو القاسم جنید بغدادیؒ، حضرت خواجہ سری سقطیؒ، حضرت خواجہ معروف کرخیؒ،
حضرت خواجہ داؤد طائیؒ، حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ، حضرت خواجہ حسن بصریؓ، حضرت
مولا علی علیہ السلام، حضور رسولِ کریم عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیْم ط

۱۱۔ یوسفیہ، رزاقیہ، چشتیہ
بواسطہ دوازدہ امامؑ

حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ تا۔ حضرت خواجہ
معروف کرخیؒ، حضرت امام موسیٰ رضاعؑ، حضرت
امام موسیٰ کاظمؑ، حضرت امام جعفر صادقؑ، حضرت امام باقرؑ، حضرت امام زین العابدینؑ
حضرت امام حسینؑ، حضرت مولا علی علیہ السلام، حضور رسولِ کریم عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیْم ط

۱۲۔ یوسفیہ، سُہروردیہ

حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ، تا۔ حضرت شاہ محمد حسنؒ،
(حسبِ شجرۂ چشتیہ نظامیہ ع۸) ۔ بعدہٗ۔ حضرت شاہ محمد
علی شاہؒ، حضرت شاہ محمد نورؒ، حضرت شاہ اسحٰقؒ، حضرت شاہ سید علی ہمدانیؒ، حضرت
شاہ محمدؒ، حضرت شاہ علاء الدین سبحانیؒ، حضرت شاہ نور الدینؒ، حضرت شاہ احمدؒ، حضرت
شاہ رضیؒ، حضرت شاہ محب الدینؒ، حضرت شاہ نجم الدین کبریٰؒ، حضرت شاہ عمادؒ، حضرت شاہ
ابو نجیب عبد القاہر سہروردیؒ، حضرت شاہ وجیہہ الدینؒ، حضرت ابو حفصؒ، حضرت شاہ
محمد بن عبد الواحدؒ، حضرت شاہ احمد دینوریؒ، حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ حضرت شاہ
امین الدینؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت خواجہ سری سقطیؒ، حضرت خواجہ معروف کرخیؒ،
حضرت داؤد طائیؒ، حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ، حضرت خواجہ حسن بصریؓ، حضرت شیرِ خدا
علی مرتضیٰ علیہ السلام، حضور رسولِ کریم صلوا علیہ وآلہٖ وسلم۔

سلاسل ع۳ لغایت ع۱۲ منقول از انوار الرحمٰن)

اِس بابِ پُرانوار کی ترتیب و تدوین میرے عزیز معظم و برادرِ طریقت
حضرت خلیفہ سید ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر یوسفی (ایم۔ اے،
ایل ایل۔ بی (علیگ) ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (کراچی) نے
بہ تحقیق و بہ احتیاط فرمائی ہے۔ (شوکت)

ترتیب وردِ گلدستہ شریف

سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

درودِ تاج

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ
وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ ط دَافِعِ الْبَلَآءِ وَالْوَبَآءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْاَلَمِ ط اِسْمُہٗ مَکْتُوْبٌ
مَّرْفُوْعٌ مَّشْفُوْعٌ مَّنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ سَیِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ جِسْمُہٗ
مُقَدَّسٌ مُّعَطَّرٌ مُّطَہَّرٌ مُّنَوَّرٌ فِی الْبَیْتِ وَالْحَرَمِ ط شَمْسِ الضُّحٰی بَدْرِ الدُّجٰی
صَدْرِ الْعُلٰی نُوْرِ الْھُدٰی کَھْفِ الْوَرٰی مِصْبَاحِ الظُّلَمِ ط جَمِیْلِ الشِّیَمِ ط
شَفِیْعِ الْاُمَمِ ط صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ ط وَاللّٰہُ عَاصِمُہٗ وَجِبْرِیْلُ خَادِمُہٗ وَ
الْبُرَاقُ مَرْکَبُہٗ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُہٗ وَسِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی مَقَامُہٗ وَقَابَ قَوْسَیْنِ
مَطْلُوْبُہٗ وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُہٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُہٗ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ
النَّبِیِّیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ رَاحَۃِ الْعَاشِقِیْنَ
مُرَادِ الْمُشْتَاقِیْنَ شَمْسِ الْعَارِفِیْنَ سِرَاجِ السَّالِکِیْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِیْنَ مُحِبِّ
الْفُقَرَآءِ وَالْغُرَبَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ سَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ نَبِیِّ الْحَرَمَیْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَیْنِ وَسِیْلَتِنَا فِی الدَّارَیْنِ
صَاحِبِ قَابَ قَوْسَیْنِ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَیْنِ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ
مَوْلٰنَا وَمَوْلَی الثَّقَلَیْنِ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰہِ یٰۤاَیُّھَا
الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ط

گلدستۂ شریف

بندۂ پروردگارم اُمتِ احمدؐ نبی
دوستدارِ چار یارمؓ تابعِ اولادِ علیؑ
مذہبِ حنیفہؒ دارم ملتِ حضرتِ خلیلؑ
خاکپائے غوث الاعظمؓ زیرِ سایۂ ہر ولی

گُل گفت کہ من مذہب دینی دارم
با رُوحِ رسولؐ ہم نشینی دارم
رنگم چوں محمدؐ است، بُویم چو علیؑ
خلقِ حسنؑ و خوئے حسینیؑ دارم

محمدؐ گُل است و علیؑ بوئے گُل
بود فاطمہؓ اندراں برگِ گُل!
چوں عطرش برآمد حُسینؑ و حسنؑ
معطر شُد از وے زمین و زمن

اوصافِ علیؑ بہ گفتگو ممکن نیست
گنجائشِ بحر در سبُو ممکن نیست
من ذاتِ علیؑ بواجبی کے دانم
الّا دانم کہ مثلِ اُو ممکن نیست

بہ بحرِ کون و مکاں گوہرِ خوشابِ علیؑ!
بہ دفترِ دو جہاں فردِ انتخابِ علیؑ
بہ اصل و فرع بہ بین و تمیزِ مرتبہ کُن
ابو البشر بود آدمؑ ابو ترابِ علیؑ

بس است حُبِّ حُسینؑ و حسنؑ بہ سینہ ما
ہمیں زمرّد و لعل است در خزینہ ما

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
واللہ کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

میرے مولاؑ قُل ہو اللہ احد کے واسطے
اسمِ اعظم اور اللہ الصّمد کے واسطے
اپنی ماںؑ کے باپؐ کے بھائی کے جدؐ کے واسطے
یا حسینؑ ابنِ علیؑ پہنچو مدد کے واسطے

امامِ دیں سلطانِ مدینہ
شاہوں کے سردار حسینؑ
تعظیم کو اُٹھتے تھے رسولِ عربیؐ
اے صلِ علیٰ جاہ و جلالِ زہراؓ

غوث الاعظمؓ بہ منِ بے سروساماں مددے
قبلۂ دیں مددے، کعبۂ ایماں مددے

ماگدایم تو سلطانِ دو عالم شدہ ای
از تو داریم طمع پاشہ جیلاں مددے
مصطفےٰ داد ترا خلعت غوث الاعظمؓ
ہادیٔ راہ ہدیٰ جانِ مُریداں مددے

تمہاری زلف سے ہے سلسلۂ غریب نوازؒ
اسیر دامِ محبت ہوں یا غریب نوازؒ
معین الدینؒ ولیٔ دستگیر محتاجاں
غریب پرور مشکل کشا غریب نوازؒ
تمہیں کو لاج ہے میری کہ میں تمہارا ہوں
بھلا ہوں یا کہ بُرا خواجہ غریب نوازؒ

تاج دینؒ نورِ نبی عظمت والے بابا
داکی والے مرے دنیا سے نرالے بابا
کشتیٔ عمر فنا بحرِ خطا میں ڈوبی
بادباں ٹوٹ گئے کون سنبھالے بابا
شمع عرفاں سے مرا صدرِ منوّر کردو
نور کے سانچے میں اللہ کے ڈھالے بابا
جادۂ راہِ طریقت میں ہوں میں آبلہ پا،
دور منزل ہے مجھے کون سنبھالے بابا
عرصۂ حشر ہے اور مجھ سا گنہگار کلام
سایۂ دامنِ رحمت میں چھپالے بابا
اپنے شیداؤں کو اک جامِ محبت دینا
او نئے ساغروں کے بانٹنے والے باباؒ
شہنشاہِ جود و سخا میرے باباؒ
ہیں دلیوں کے حاجت روا میرے بابا

نبیؐ و علیؓ کا بلا بھید تم سے
عیاں رازِ حق برملا میرے باباؒ
ہیں شاہ و گدا تیرے در کے بھکاری
ہیں عالم کے مشکل کشا میرے باباؒ
مرے تاج والے مری لاج رکھ لے
نہیں میرا تیرے سوا میرے باباؒ
رہ عشق میں تیرا منہ دیکھتے ہیں مومن
ہیں مومن ترے اولیاء میرے باباؒ
خطاپوش ہے تیرا دامن مبارک
تو دامن میں ہم کو چھپا میرے باباؒ
ترے ہی گدا ہیں غلامان و آلہ!
ہمیں ہے ترا آسرا میرے باباؒ
محمدؐ شان یوسف شاہ باباؒ علیؓ کی جان یوسف شاہ باباؒ
میری دُنیا میرا عقبےٰ میرا دیں
میرا ایمان یوسف شاہ باباؒ
سراپا شرح آیاتِ الٰہی!
خوشا قرآن یوسف شاہ باباؒ
حقیقت میں خدا کی معرفت ہے
تیرا عرفان یوسف شاہ باباؒ

پسِ پردہ ہیں تاج الدین باباؒ
علی الاعلان یوسف شاہ باباؒ
بہرصورت یہ سارے یوسفی ہیں
تیری ہی شان یوسف شاہ باباؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا ومولانا
محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم

سورۃ الکٰفرون

قل یٰایھا الکٰفرون ۝ لا اعبد ما تعبدون ۝
ولا انتم عٰبدون ما اعبد ۝ ولا انا عابد ما
عبدتم ۝ ولا انتم عٰبدون ما اعبد ۝ لکم
دینکم ولی دین ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد
وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم

سورۃ الفلق

قل اعوذ برب الفلق ۝ من شر ما خلق ۝
ومن شر غاسق اذا وقب ۝ ومن شر النفّٰثٰت
فی العقد ۝ ومن شر حاسد اذا حسد ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد
وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم

سورۃ الناس

قل اعوذ برب الناس ۝ ملک الناس ۝
الٰہ الناس ۝ من شر الوسواس ۝ الخناس ۝
الذی یوسوس فی صدور الناس ۝ من
الجنۃ والناس ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد
وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم

سورۃ فاتحہ

الحمد للہ رب العٰلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝
مٰلک یوم الدین ۝ ایاک نعبد وایاک
نستعین ۝ اھدنا الصراط المستقیم ۝
صراط الذین انعمت علیھم ۝ غیر المغضوب
علیھم ولا الضالین ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد
وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم

آیۃ الکرسی

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ
سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی
الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ
بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ؕ

اب کھڑے ہوکر تحت اللفظ پڑھیں۔

زیبِ زمین و آسماں صلِّ علیٰ محمدٍ
زینتِ عرشِ لامکاں صلِّ علیٰ محمدٍ

اے بہ نگاہ بے نیاز کارِ من گدا ساز
شو با محبیبِ مہرباں صلِّ علیٰ محمدٍ

اب کھڑے ہوکر ترنم سے صلوٰۃ و سلام پڑھیں

یا نبیؐ سلام علیک یا رسولؐ سلام علیک
یا حبیبؐ سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

آپؐ سلطانِ مدینہ مہبطِ وحی السکینہ
نور سے معمور سینہ مشک سے بہتر پسینہ

یا نبیؐ سلام علیک یا رسولؐ سلام علیک
یا حبیبؐ سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

حق نے دی معراج تم کو
اور بخشا تاج تم کو !!!
دو جہاں کا راج تم کو !!!

دیں سلاطین باج تم کو !

یا نبیؐ سلام علیک یا رسولؐ سلام علیک
یا حبیبؐ سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

ہجر میں مشکل ہے جینا دل ہوا چاک اور سینہ
تھامئے میرا سفینہ یا شفیع المذنبین

یا نبیؐ سلام علیک یا رسولؐ سلام علیک
یا حبیبؐ سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

کاش حاصل ہو حضوری دور ہو جائے یہ دوری
دیکھ لوں یہ شکل نوری دل کی ہو مراد پوری

یا نبیؐ سلام علیک یا رسولؐ سلام علیک
یا حبیبؐ سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

اب ایصال ثواب پڑھیں

بروحِ پاک سرتاج الانبیاء شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین حضرت سیدنا و مولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

- بروحِ پاک امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
- بروحِ پاک امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
- بروحِ پاک امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ
- بروحِ پاک امیر المومنین و امام المومنین حضرت سیدنا مولائے کائنات شیر خدا، مشکل کشا علی المرتضےٰ علیہ السلام
- بروحِ پاک حضرت سیدہ النساء العالمین فاطمۃ الزہرا معصومۂ کونین خاتونِ جنت علیہ السلام۔
- بروحِ پاک شہزادۂ کونین، راکبِ دوشِ رسول سید الشہدا، حضرت امام حسن علیہ السلام
- بروحِ پاک شہزادۂ کونین، سردارِ جوانانِ جنت راکبِ دوشِ رسول سید الشہدا

حضرت امام حسین علیہ السلام

- بروحِ پاک سرچشمۂ ولایت غوث الصمدانی، قطب ربّانی، غوث الاعظم الشیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی قدس سرہ العزیز
- بروح پاک خواجۂ خواجگان دستگیر بیکساں خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری قدس سرہ العزیز۔
- بروح پاک قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ العزیز
- بروح پاک فرید الاولیاء زہد الانبیاء حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ العزیز
- بروح پاک سلطان الاولیاء حضرت علاء الدین علی احمد صابر کلیری قدس سرہ العزیز
- بروح پاک تاج الاولیاء تاج الملت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم سیدنا و مولانا سید محمد بابا تاج الدین قدس سرہ العزیز۔
- بروح پاک فخر جملہ اولین و آخرین حضرت غوثنا و اغیاثنا غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی قدس سرہ العزیز و جملہ اولیائے کرام خاندان قادریہ چشتیہ سہروردیہ نقشبندیہ تاجیہ، یوسفیہ و کل ہم بعدہٗ دعا فتح دین والسلام کی کریں۔

حضرت غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی

کے روحانی تبلیغی مشن کے دوران

حالات، واقعات، معاملات

اور

آپ کی

کرامات

پہلا ورودِ مسعود

چھتاری میں آفتابِ ہدایت

بارِ غمے کہ خاطرِ ما خستہ کردہ بود
عیسیٰ دمے خدا بفرستاد و برگرفت

ہندوستان کے صوبہ جات متحدہ (یو۔پی) کے ہزاروں مربع میل علاقوں میں اسلام کی نشاۃ الثانیہ کی تاریخ کو جب مرتب کیا جائے گا تو ۱۹۲۳ء کو ایک یادگار سال قرار دینا پڑے گا۔ اس لئے کہ اس مبارک و مسعود سن میں ایک آفتابِ تصوف مطلعِ چھتاری پر طلوع ہوا تھا اور یہی وہ آفتابِ عالمتاب ہے جو آج برِّ کوچک پاک و ہند میں سرکار بابا یوسف شاہ تاجی قدس اللہ سرہ العزیز کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے مشہور و معروف ہے۔

چھتاری، صوبہ جات متحدہ ہند میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ چھتاری کے رئیس نواب حافظ محمد احمد سعید خاں صاحب کا نام ہی چھتاری کے لئے وجہِ شہرت ہوا۔ اس لئے کہ نواب صاحب برطانوی حکومتِ ہند میں ہوم ممبر کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ نواب صاحب کے دادا نواب محمود علی خاں صاحب بڑے دیندار، ذاکر و شاغل، عابد و زاہد اور خداترس بزرگ رئیس تھے۔ ان کی داد و دہش سے ریاست کے غرباء و مساکین ہی نہیں، دوسرے علاقوں کے باشندے بھی مستفید و متفیض ہوتے تھے۔ ریاست کی سالانہ آمدنی سے زکوٰۃ باقاعدہ نکالی جاتی تھی، اور احکامِ اسلام کے مطابق اُس کی تقسیم عمل میں آتی تھی۔ دینی مدارس اور دوسرے رفاہی اداروں کے لئے جو امدادیں جاری کی جاتی تھیں، وہ خزانۂ عالیہ سے جاری رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ اپنی ریاست میں سات گاؤں وقف فی سبیل اللہ کر دیئے تھے۔ اور آج تک اُسی طرح وقف ہیں۔ اُس زمانے میں اُن کی آمدنی اسّی ہزار

روپے سالانہ تھی۔

نواب محمود علی خان نے اپنی ریاست میں دینی تعلیم عام کرنے کے لئے مدرسہ محمودیہ کے نام سے ایک درسگاہ قائم کی تھی۔ اس مدرسہ کے لئے اساتذہ دارالعلوم دیوبند سے منتخب ہو کر آیا کرتے تھے اور دیوبند ہی کے نصابِ تعلیم پر عمل کیا جاتا تھا۔ اُس مدرسے میں سی۔پی، بہار، سرحد اور پنجاب کے علاوہ کثیر تعداد میں بنگالی طلبہ زیر تعلیم رہتے تھے۔ یہاں تعلیم پانے والے طلبہ کے جملہ تعلیمی اخراجات کے علاوہ اُن کی رہائش، خوراک، ملبوسات اور کچھ رقم بطور جیب خرچ بھی ریاست ہی ادا کرتی تھی۔

نواب محمود علی خانصاحب کے چار صاحبزادے تھے انہوں نے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اسی کا یہ ردِّ عمل تھا کہ انہیں فرنگیوں اور ان کی حکومت سے نفرت ہو گئی تھی۔ صاحبِ تقویٰ و طہارت تو تھے ہی۔ مسلمانوں کی حکومت کو، مکاری سے غصب کرنے کا اثر اُنہوں نے اس قدر قبول کیا کہ ہندستان کو دارالحرب قرار دے کر مکہ مکرمہ کے لئے ہجرت کی اور ہجرت سے قبل اپنی ریاست کو بیٹوں میں اس طور پر تقسیم کر دیا کہ عبدالعلی خان صاحب کے حصے میں چھتاری آئی۔ عبدالصمد خاں کے حصے میں ریاست طالب نگر آئی۔ یوسف علی خان صاحب کے حصے میں مینڈو آئی۔ لطف علی خاں کے ہاں صرف لڑکی تولد ہوئی تھی کہ ہجرت کے ارادے سے قبل ہی اُن کا انتقال نوعمری ہی میں ہو گیا۔

ہجرت مکہ معظمہ کے وقت نواب محمود علی خانصاحب کے ہمراہ ایک صاحبزادے عبدالعلی خاں اور ان کی اہلیہ بھی چلے گئے۔

تینوں نوابزادگان کا حصہ تقسیم کر دینے کے بعد نواب محمود علی خان صاحب کے حصے میں جس قدر املاک باقی رہیں اُنہیں وقف کر دیا اور وقف کا منصرم بھی میرے دادا صاحب کو بنا دیا۔ ساتھ ہی آمدنی کی رقوم کو خرچ کرنے کا گوشوارہ بھی بنوا دیا۔ چنانچہ انہی املاک سے چھتاری کے مدرسۂ محمودیہ کے تمام اخراجات کی کفالت جاری رہی۔ اس آمدنی کا ایک خطیر حصہ مکہ مکرمہ

کے مَدرسَۃ صَوۡلَتِیَّہٖ کے لئے جاتا تھا. جس کے بانی نواب محمودعلی خان صاحب مرحوم ومغفور تھے۔

نواب صاحب عالیجناب اوران کے صاحبزادے جناب نواب عبدالعلی خاں صاحب بمع اہلیہ نے سرزمینِ حجاز ہی پر داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور وہیں مدفون ہیں۔ البتہ نواب محمودعلی خان صاحب کچھ مدت بعد واپس ہندوستان (چھتاری) تشریف لے آئے اور ریاست چھتاری کو "کورٹ آف وارڈ" سے واگزار کرالیا۔

———o———

"مدرسۂ محمودیہ" کے دیوبندی اساتذہ اور دارالعلوم دیوبند سے آتے رہنے والے اکابر علماء کے مسلک ومعتقدات کی گرفت میں ریاست چھتاری اور ملحقہ علاقے آئے ہوئے تھے اور چھتاری تو دوسرا دیوبند بن چکی تھی۔ میلاد شریف کی محافل، صلوٰۃ وسلام، نیاز وفاتحہ اور دیگر معمولاتِ اولیاء اللہ کا یہاں نام ونشان نہیں تھا۔ سماع اور قوّال کے ناموں سے بھی کوئی آشنا نہیں تھا۔ پھر ایک چھتاری اور طالب نگر ہی نہیں، بلکہ ان ریاستوں کے آس پاس کی ریاستوں اور تعلقوں پر بھی دیوبندی مسلک ومذہب کا تسلط تھا۔ چناں چہ بمصداق "جو مسلکِ راعی وہی مذہبِ رعایا"۔ یہ ہزاروں مربع میل میں پھیلے ہوئے علاقے توہّبت اور غیر مقلدانہ عقائد کی دلدل میں دھنسے ہوئے تھے۔

۱۹۲۳ء میں یہ تمام خطۂ ارضی اپنے اپنے خیالی اصنام کی پوجاپاٹ میں مصروف اور مگن تھا اور علماءِ سُوء کی امامت وقیادت پر نازاں تھا۔

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسّس میں ہے دریا تیرا (اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رح)

عین اِسی عالم میں ایک دن چھتاری میں یہ شُہرہ ہوا کہ کہیں باہر سے کوئی میاں صاحب یہاں آئے ہیں اور گزشتہ رات اُنہوں نے میلاد کرایا ہے اور کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھا اور پڑھوایا ہے۔ پوری ریاست میں بہت تھوڑے مسلمان عقیدۂ اہل سُنّت والجماعت کے تھے اور آئے دن، ہم دیوبندی مسلک والے ذی اثر افراد کے طعن وتشنیع اور تمسخر کا شکار ہوا کرتے تھے۔ چھتاری میں اس میلاد اور صلوٰۃ وسلام کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ معلوم ہوا کہ وہ شاہ صاحب، حکیما کے ہاں ٹھیرے ہوئے ہیں حکیما کا نام عبدالحکیم تھا اور وہ چھتاری میں نواب صاحب کے مطبخ میں ملازم تھے۔

یہ اطلاع پاکر مجھے سخت طیش آیا اور میں فوراً ہی اپنے ایک عزیز دوست خورشید احمدؐ خان صاحب کے پاس پہنچا اُنہیں یہ خبر سُنا کر اپنا ہم خیال بنالیا۔ میری عمر اُس وقت ۱۹ سال کے لگ بھگ تھی۔ ہمارے مذموم عزائم یہ تھے کہ شاہ صاحب سے چل کر اِس میلاد اور صلوٰۃ وسلام کے شرعی جواز کے متعلق جارحانہ جواب طلبی کی جائے اور اِس "بدعتی" اور "مُشرک" شاہ کو حدودِ ریاست سے نکال باہر کیا جائے۔ اور پھر عبدالحکیم کا بھی احتساب ہو۔ لیکن کسے خبر تھی کہ "شکار" خود بخود اپنے شکاری کی طرف بڑھ رہا ہے اور شکاری بھی وہ یگانۂ روزگار قادر انداز کہ جس کا کوئی تیر نگاہ خطا ہی نہیں ہوتا۔

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بَر کف
بہ امید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

اس معرکے میں درپیش آنے والے واقعات سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ میرے پَردادا، پنجاب کے کسی علاقے سے چھتاری پہنچے اور نواب محمودعلی خان صاحب کے ہاں ملازمِ خاص ہوئے۔ اسی طور پر میرے دادا اور والد ریاست چھتاری میں بعہدۂ مہتمم خزانہ، و مختارِ عام اور منیجر رہتے چلے آرہے تھے اور اُنہیں خدمات پر میرا تقرر بھی ہوا۔ جناب خورشید احمدؐ خان صاحب نواب صاحب چھتاری کے پیش کار اور مختارِ عام تھے۔ غرضیکہ ہم لوگ چھتاری کے ذی عزت اور "خاص لوگوں" میں شمار ہوتے تھے۔

حکیما (عبدالحکیم یوسفی تاجی) کے گھر، ہم دونوں پہنچے تو دیکھا کہ صحن ہی میں ایک صاحب فقیرانہ لباس پہنے زمین پر بیٹھے ہیں۔ صورت سے تینتیس ۳۳ بتیس ۳۲ برس کے نظر آتے تھے۔ ننگے سر، ننگے پاؤں، دراز بینی، کشادہ پیشانی، گھٹا ہوا سر، غلافی مدبھری رسیلی آنکھیں، ایک سفید لمبا جُبّہ پہنے، محو و مستغرق ایک عجیب سا عالمِ سرشاری چھایا ہوا ہے

ناز نین ترز قدرت در چمنِ ناز نرست
خوشتر از نقشِ تو در عالمِ تصویر نبود

لیکن اس کیفیت میں بھی ہماری عیب جُو نظر نے اعتراض کرنے کے لئے یہی نکتہ تلاش کر لیا کہ شاہ صاحب کی داڑھی بالکل غیر شرعی ہے۔ ہلکی خشخاشی۔ لیکن ساتھ ہی عالم یہ تھا کہ شاہ صاحب پر نظر پڑتے ہی دل بے قابو ہو گیا اور رعب و داب کی ایسی کیفیت کا دل پر غلبہ ہوا گویا ہم شہنشاہِ وقت کے رُوبرو حاضر کئے گئے ہیں۔ رعب و جلال اور محبوبانہ دلکشی کی اُن گڈمڈ کیفیات کا اظہار میرے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ تمام حالات و محسوسات چند ثانیوں میں ہمیں پیش آ گئے۔ ہم نے بڑی ہمت کر کے بڑے کھُردرے لہجے میں باآواز بلند اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا۔ ہماری آواز سُن کر شاہ صاحب نے نظر اُٹھاتے ہوئے جواباً اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ویسے ہی فرمایا جیسے ہم نے ادا کیا تھا اور پھر معاً یہ فرمایا کہ "اچھا آ گئے بابا۔ اچھا آ گئے بابا۔ بیٹھو بابا"۔

مجھے یُوں محسوس ہوا گویا اِن شاہ صاحب کو ہمارا انتظار ہی تھا۔ لیکن یُوں ننگی زمین پر انھیں کی طرح بیٹھ جانے میں ہمیں کراہت معلوم ہوئی۔ معاً شاہ صاحب نے ارشاد کیا:۔ "اللہ کا بچھایا ہوا فرش ہے۔ زمین اللہ کا فرش ہے"۔ اور۔ اتنا فرماتے ہی زمین سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ "اچھا چلو اندر بیٹھیں گے"۔

ہم دونوں اُن کے ہمراہ ہی کمرے میں جا پہنچے۔ جہاں ان بزرگ کا قیام تھا۔ اُن کے ہمراہ کچھ مریدین بھی تھے جو اس قدر مؤدب نظر آتے تھے کہ ایسا ادب کسی انسان کا کرتے، ہم نے نہ دیکھا تھا نہ سُنا تھا۔

(یہ حضرات علی گڑھ کی سلطانی سرائے کے مُنشی مشتاق احمد صاحب یوسفی (مُنشی بھیا)، عبدالغنی صاحب یوسفی اور سعید اللہ صاحب یوسفی

(بالائے قلعہ والے) نور اللہ مرقدہم تھے۔)

کمرے میں ایک دیوار پر ایک بزرگ کی تصویر آویزاں تھی۔ جو سفید ریش تھے۔ اُکڑوں بیٹھے ہوئے۔ شاہ صاحب نے تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ "یہ ہمارے بابا کی شبیہِ مبارک ہے"۔ (بعد میں معلوم ہوا کہ شبیہ پاک حضرت بابا تاج الدین ناگپوری کی ہے)

میرا اپنا یہ حال تھا کہ اِن بزرگ کی والہانہ محبت مجھے اور میرے دل کو اپنے آغوش میں سمیٹے لے رہی تھی تو دوسری جانب اپنے جہل اور لاعلمی کی وجہ سے بار بار عقائدِ باطلہ اور توہّبُت و توَہّم کے وساوس دل میں سر اُٹھا رہے تھے کہ ان کی تو داڑھی بھی شریعت کے مطابق نہیں ہے (حالانکہ میں خود داڑھی مُنڈاتا تھا) پھر یہ ننگے سر اور ننگے پاؤں بھی تو ہیں۔ اُس پر طرفہ یہ کہ انہوں نے ایک بزرگ کی تصویر بھی اپنی قیام گاہ میں آویزاں کر رکھی ہے۔ اور اُس سے ہمیں متعارف بھی کرا رہے ہیں۔ مجھے وہ رات والے میلاد اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کی بات یاد آ گئی۔ میں نے سوچا ان باتوں کی اجازت شریعت میں کہاں ہے۔ الغرض اسی قسم کے وسوسے دل میں پیدا ہو رہے تھے۔ لیکن ساتھ ہی رعب کا حال یہ تھا کہ یہ اعتراضات بیان کرنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی۔ کچھ ایسی ہی کیفیات خورشید احمد خان صاحب کی بھی تھیں۔ ابھی ہم اِن باطنی وساوس کے گرداب میں ہی پھنسے ہوئے تھے کہ چھتاری کے جیّد علماءِ دین کا ایک وفد آ پہنچا۔ ان کے ہمراہ کثیر تعداد میں طالب علم بھی تھے۔ انہیں دیکھتے ہی مجھے خوشی ہوئی کہ بس اب سارے اعتراضی مسائل حل ہو جائیں گے۔ دیکھیں تو بھلا شاہ صاحب کیا جواب دیتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ علماءِ دین کی یہ تمام جماعت بغیر سلام دعا کے کمرے میں گھس آئی اور آمنا سامنا ہوتے ہی سوال کیا:۔

"آپ کس کے حکم سے اِس بستی میں شرک و بدعت پھیلانے کو چلے آئے ہیں؟"

یہ سوال بڑی ترش روئی سے کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے اور بھی زیادہ سختی سے یہ کہا کہ

"عالمگیر بادشاہ کا زمانہ نہ ہوا۔ ورنہ آپ کو دُرّے لگائے جاتے۔ آپ ہی جیسے لوگوں نے فقر کو بدنام کر رکھا ہے"۔ پھر ان علماء نے پے بہ پے قرآنی آیات اور احادیث پڑھ کر شاہ صاحب کو شرعی امور کی خلاف ورزی میں ماخوذ کر کے شرک و بدعت کے فتوے جاری فرما دیئے

لیکن میں نے دیکھا کہ علماء کی اس جماعت کے جارحانہ رویہ اور سخت کلامی کا اثر حضرت شاہ صاحب پر مطلقاً نہیں ہے اور مُسکرا مُسکرا کر ہر مرتبہ یہی فرماتے جاتے ہیں کہ:۔ "بیشک میں ایسا ہی ہوں جسطرح آپ گمان فرما رہے ہیں۔ آپ سب نائبِ رسول کی حیثیت کے مالک ہیں۔ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ خدا مجھے شرک و بدعات سے نجات دے"

علماء پر حضرت کی اس خندہ پیشانی اور معذرت خواہانہ انداز کا جیسے کوئی اثر ہی نہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنی خشونت و رعونت اور خشکی برقرار رکھتے ہوئے پھر کہا:۔ "اب دعاؤں سے علاج کرنے کا وقت گیا۔ ہم تو تمہیں اس بستی سے اب جب جانے دیں گے کہ تم اپنے اس مسلک سے سچی توبہ کر لو اور تم جن کا مُرید اپنے کو بتاتے ہو وہ شخص تو محض مجذوب ہے۔ کیا تم کو پتہ نہیں کہ مجذوب سے بیعت ہونا جائز نہیں ہے"۔

علماء سے حضرت بابا صاحب کے متعلق "مجذوبیت" کا اعتراض سُنتے ہی حضرت شاہ صاحب کے چہرے پر جلال کے آثار نمودار ہو گئے اور ارشاد ہوا:۔

"بس ہو۔ حضور بابا صاحب کی شانِ مبارک میں گستاخی کرنے والا مُرتد اور مردود ہو جاتا ہے"۔ پھر بلند آواز سے سخت جلال میں فرمایا:۔ "اور اب ہم بھی یہ امر طے کر کے ہدایتِ عالم کو کھڑے ہوئے ہیں کہ اب زمانے میں ہم فقیروں ہی کی چلے گی۔ تمہارے وعظوں کے اثرات سلب کر دیئے گئے۔ صرف ناچنے گانے کے کام کی طرح یہ وعظ گوئیاں کرتے رہو اور اپنا پیٹ پالتے رہو"۔ پھر یکایک ایک عجیب شان سے فرمایا:۔ "اور ہم دوبارہ اُنہی آیات و احادیث کو سننا چاہتے ہیں جن کی رُو سے تم نے ہم پر کفر و شرک عائد کیا ہے"۔ علماء خائف نظر آنے لگے تھے اور گم صم تھے لیکن حضرت کے اصرار پر ان علماء نے وہ آیتیں اور حدیثیں دُہرا دیں۔ جب وہ پڑھ چکے تو اُن سے حضرت نے فرمایا کہ "ان کے معانی بیان فرمایئے"۔ جب یہ لوگ معانی بیان کر چکے تو حضرت نے فرمایا کہ "نہیں ایسا تو نہیں ہے" اور پھر ان آیاتِ الٰہی اور احادیثِ مبارکہ کے معانی و مفاہیم اور حقائقِ الٰہیہ کو ایسی فصاحت و بلاغت اور جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا کہ یہ ساری جماعت دنگ رہ گئی اور حیرت و استعجاب سے اُن کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور اُسی وقت کُھل کر اپنی لاعلمی اور بے بصیرتی کا اعتراف

کر کے اظہارِ ندامت کیا۔ پھر اس وفد کے ایک سربراہ عالم نے بہت نرمی اور طالب علمانہ عجز کے ساتھ کہا:۔ حضرت آپ نے بڑے پیچیدہ اور متنازعہ مسائل تو الحمدللہ حل فرما دیئے۔ اب صرف اس فوٹو کا مسئلہ باقی رہ گیا ہے (علماء نے دیوار پر آویزاں حضرت بابا صاحب کے فوٹو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا) حضرت شاہ صاحب نے بلا توقف بیساختہ سوال فرما دیا:۔ "مولانا کوئی روپیہ ہے آپ کی جیب میں؟" — مولانا بولے، جی ہاں کئی روپے ہیں اور نکال کر دکھائے۔ اُس وقت ہندوستان میں چاندی کا روپیہ چلتا تھا اور ان میں سے کسی پر ملکہ وکٹوریا کی تصویر ہوتی تھی، کسی پر ایڈورڈ ہفتم کی۔ حضرت نے روپیہ دیکھتے ہی فرمایا:۔ "مولانا آپ جب نماز پڑھتے ہیں تو ان فوٹو والے روپیوں کو کیا جیب سے باہر نکال کر کہیں رکھ دیتے ہیں؟"۔ مولانا نے خالص مفتیانہ انداز میں فرمایا:۔ "عندالضرورت جائز ہے"— حضرت شاہ صاحب نے فوراً ہی فرمایا:۔ مولانا اگر احکامِ شرعیہ کو اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس میں حیلے تراشے جا سکتے ہیں تو میرا اپنے پیر و مرشد کا فوٹو رکھنا بھی درست ہی ہے۔ مگر یہ مسئلے کا جواب ہرگز نہیں ہو سکتا— حضرت نے ابھی اتنا ہی فرمایا تھا کہ علماء اُٹھ کھڑے ہوئے اور معذرت خواہانہ انداز میں بولے:۔ حضرت ظہر کی اذان ہو چکی ہے۔ اب پھر کبھی حاضر ہوں گے"۔ حضرت شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا:۔

"ہاں جاؤ، قواعد پریڈ کرتے ہیں"۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ خورشید احمد خاں صاحب کے محسوسات کیا تھے، لیکن میں نے جب اُن سے پوچھا تو ان کو بھی اپنا ہم خیال ہی پایا۔ میرا حال یہ تھا کہ علماء کے بلا سلام دعا کے یوں آ دھمکنے اور اس قدر گستاخانہ اندازِ گفتگو سے مجھے پہلے ہی کبیدگی ہوئی تھی اور پھر اُس پر حضرت شاہ صاحب کی وسیع القلبی، مٹھاس اور تحمل سے گفتگو کرنے کے رویّہ نے مجھ پر گھڑوں پانی ڈال دیا تھا کہ ان ہمارے علماءِ دین سے اخلاق میں یہ "مشرک اور بدعتی" شاہ صاحب ہی بہتر ہیں۔ اور جب حضرت نے ذرا سی دیر ہی میں ان مولوی صاحبان کو لاجواب کر کے علمِ حقائق میں اپنی برتری کا سکہ ان پر بٹھا دیا تھا تو مجھے اور بھی زیادہ شرمندگی ہو رہی تھی کہ ہمیں وہ سوءِ ظنی کیوں ہوئی

تھی۔ میں نے سوچا کہ کیا ہمارے یہ علماء اخلاقِ محمدی کو بھی آج تک اپنا رہنما نہ بنا سکے۔ علماء کے جلنے کے بعد میں نے اپنے دلی کرب سے مجبور ہو کر عرض کیا کہ :۔ حضرت! اِن علماء کے احوال خود خلافِ شریعت ہیں۔ صبح سے شام تک قال اللہ تعالیٰ اور قال الرّسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی رٹ لگائے رکھتے ہیں اور عمل اس کے برخلاف ہے۔ سوائے لفاظی کے ان کے ہاں کچھ نظر نہیں آتا۔ حضرت نے ہماری اس بددلی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ اُنہوں نے ہمیں ڈانٹ کر فرمایا :۔ نہیں وہ صحیح کہتے ہیں۔ یہ اُن کا اپنا نقطۂ نظر اور ان کی اپنی رسائی فہم ہے۔ آپ کو اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ آپ جانتے نہیں کہ جس شخص نے ایک مکان کی مکانیت پر ہی نظر جمائی ہے، اُس نے اِس مکان کے حدودِ اربع اس کے طرزِ تعمیر اور رنگ و روغن تک ہی اپنے علم و مشاہدے کو محدود رکھا ہے۔ لیکن وہ شخص جس کا علم و مُشاہدہ بلیغ ہے وہ مکان کے ساتھ مکین کو بھی دیکھتا ہے۔ نتیجتاً وہ اُس مکان کو مکین کی نسبت سے دیکھے گا۔ اے۔ بی۔ سی۔ ڈی پڑھنے والا طالب علم بی۔ اے کے نصاب کو کیوں کر سمجھ سکتا ہے؟۔ پھر فرمایا :۔ "یہ علماء حق بجانب ہیں"۔ اور اتنا فرما کر "یا بابا" کا ایک ایسا نعرہ بلند فرمایا کہ ہمارے قلوب ہل گئے ۔ پھر آپ نے ارشاد کیا :۔

"ہم نے یہاں دین کا جھنڈا نصب کر دیا۔ اِس نواح کے تمام کانٹے جلا کر خاکستر کر دیئے جائیں گے"۔ ہم لوگ ان جملوں کا مفہوم بالکل نہ سمجھ سکے۔ حاضرین ساکت و صامت زمین پر نظریں گاڑے بیٹھے تھے۔ ایک بیخودی کی سی کیفیت تھی کہ ہر چہار طرف چھائی ہوئی تھی۔

جلوہ بر من مفروش اے مَلکُ الحاج کہ تو
خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم

ہم اسی عالمِ بے خودی میں بیٹھے تھے، نہ کوئی سوال نہ کوئی جواب۔ نہ خیال، نہ گمان۔ نہ وہم، نہ قیاس کہ کسی آنے والے کی چاپ سُنائی دی۔ ہم نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو آنے والے صاحب، نواب بہادر طالب نگر کے ایک منیجر تھے۔ انہوں نے آ کر حضرت شاہ صاحب کو سلام کیا اور ایک خط یہ کہہ کر اُن کے سامنے پیش کیا کہ نواب بہادر طالب نگر کا یہ معروضہ ہے۔ حضرت کی سواری کے لئے اپنا ہاتھی بھیجا ہے۔

———o———

تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع تھے اور وہ بنگلہ جہاں نواب زادہ صاحب دردِ گردہ میں ماہیٔ بے آب کی مانند تڑپ رہے تھے، چاروں طرف ڈاکٹروں اور حکماء کا مجمع تھا حضرتؒ تیز تیز چل کر اُن کے سامنے جا پہنچے۔ نواب زادہ عبدالسمیع خان صاحب کی نظر حضرتؒ پر پڑی کہ بستر یکلخت چھوڑ کر حضرتؒ کے قدموں پر پیشانی رکھ دی۔

حضرت نے فرمایا :۔ "کیا حال ہے؟"

نوابزادہ نے عرض کیا :۔ (دست بستہ کھڑے ہو کر) سرکار کے کرم کا خواہاں ہوں۔

حضرتؒ نے ایک عجیب دل وجاں نواز مُسکراہٹ سے اُنہیں ایک نظر دیکھا اور جو شعر ارشاد فرمایا؛ اُس کا مصرعِ اولیٰ اور شاعر کا تخلص ٹھیک طور پر یاد نہیں ہے۔ اغلب ہے کہ یوں تھا :۔ (شاعر انیس یا امیر ہیں)

ہو مسیحا تے دو عالم کا کرم جن پر امیر
اچھے یوں ہوتے ہیں جیسے کبھی بیمار نہ تھے

یہ شعر پڑھ کر حضرتؒ یکایک باہر کی طرف چل پڑے۔ اِدھر حضرتؒ نے نوابزادہ صاحب کی طرف پُشت فرمائی کہ اُن کا درد کافور ہو گیا۔ وہ شخص جو مُرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا، کسی کل چین نہ تھا، چارہ گر و تیماردار اپنے عجز کے سراپا اعتراف بنے نظر آتے تھے، سب نے دیکھا کہ وہ لاچار مریض ایک دم بستر سے اُٹھا اور حضرتؒ کے قدوم مبارک چُوم کر بولا :۔ سرکار میں تو بالکل صحت یاب ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے گویا میں کبھی بیمار ہی نہیں تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا :۔ "ہمارے بابا کے احکام حکمِ قطعی کی تاثیر رکھتے ہیں"۔ یہ بات حضرت نے فرمائی ہی تھی کہ نوابزادہ عبدالسمیع صاحب کے والدِ بزرگوار نواب بہادر صاحب سارے استقبالی ہجوم کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ نواب زادے کی یکایک شفایابی کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ حضرتؒ نے بڑا کرم فرمایا۔ مگر ایک گزارش یہ اور ہے کہ آئندہ بھی یہ مرض اِن کو لاحق نہ ہو۔ حضرتؒ نے بیساختہ فرمایا :۔

"ہم نے مرض سے کہہ دیا ہے کہ اب زندگی بھر اس کے پاس نہ آنا"۔ پھر فرمایا؛ "آپ بھی مطمئن رہیں گے"۔ پھر نواب زادے صاحب کی طرف یکایک متوجہ ہو کر فرمایا؛

"میاں تم شیروں کا شکار تو کرتے ہی ہو ایک پیلی چونچ والا بگلا بھی مار لانا۔ اور اُس کا نمک تیار کر لینا۔ اُس نمک کی ایک چاول خوراک تم جس پتھری والے مریض کو چالیس دن کھلاؤ گے، اُس کی پتھری پانی بن کر بہہ جائے گی۔ لیکن تمہیں اب کسی دوا کی ضرورت نہیں ہے"۔

چنان چہ نواب زادے صاحب نے بہت سے لوگوں کا علاج اِسی نسخے سے کیا اور وہ سب بفضلہٖ صحت یاب ہوتے رہے۔ نواب زادے صاحب نے اسی اثناء میں حضرتؒ کو چائے پیش کی۔ حضرتؒ نے اسے نوش فرمالیا اور نواب بہادر صاحب سے فرمایا: "اچھا تو اب ہم چلتے ہیں"۔ نواب بہادر صاحب نے دست بستہ ہو کر عرض کیا، حضرتؒ اِس بستی کا نام "طالب نگر" ہے۔ حضرتؒ نے تبسم فرما کر ارشاد کیا۔ "ہاں وقت آنے پر اِس کا مطلوب دے دیا جائے گا"۔

چنان چہ کچھ عرصے بعد ہی اِس بستی کے عوام و خواص سب ہی حضرتؒ سے بیعت ہوئے اور حضرتؒ کے فیضان سے یہاں کے باشندے دینی و دُنیوی دولت سے مالا مال ہوتے رہے۔

———— ٥ ————

ہمارے ہاں یو۔پی میں بزرگانِ طریقت کو بالعموم "میاں" یا "میاں صاحب" کہا جاتا تھا۔ بعض لوگ شاہ صاحب بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کو بھی "میاں" اور "میاں صاحب" ہی شروع میں کہا گیا۔ لیکن نواب زادہ عبدالسمیع خان صاحب نے چونکہ آپ کو پہلے ہی دن "سرکار" عرض کر کے مخاطب کیا تھا اور دہی اُن کا معمول رہا ہے) اسلئے حضرت قبلہؒ کو ان تمام علاقوں میں "سرکار" کے نامِ نامی سے ہی یاد کیا جانے لگا — حتیٰ کہ طول و عرض ہند میں بچہ بچہ آپ کو "سرکار" کے لقب سے پکارتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ اجمیر القدس میں جمع ہونے والے مشائخِ عظام بھی حضرتؒ کو مخاطب کرنے کے لئے "سرکار" کہا کرتے تھے اور یہی میرے وہ میاں صاحب، میرے وہ شاہ صاحب، میرے وہ سرکار ہیں، جن کے میلاد اور صلوٰۃ وسلام کی اطلاع پا کر مجھے طیش آیا تھا اور جن کے "شرک و بدعت" کی اصلاح کے لئے میں خورشید احمد خان صاحب کو ہمراہ لے کر حکیمؒ

کے گھر پہنچا تھا۔ یہی وہ میرے آقا و مولا سرکار یوسف الاولیاءؒ ہیں جو فَخْرُ الْعُشَّاق وَالْمُوَحِّدِیْن ہیں، جو تَاجُ الْمُحِبِّیْن وَالْمَحْبُوْبِیْن ہیں، جو مَظْهَرِ کُلِّ اَوَّلِیْن وَ آخِرِیْن ہیں، جو مقامِ غوثیت پر فائز فرمائے گئے جن کا لقب غوث محمد بابا یوسف شاہ تاجی ہے اور جن کا اسمِ گرامی عبدالکریم شاہ ہے قدس اللہ سرّہ العزیز۔

———— ٥ ————

یُوں ہی اُلٹے قدموں سرکارؒ چھتاری کے لئے روانہ ہوئے۔ نواب بہادر صاحب کا ہاتھی سواری میں تھا۔ شام کا وقت ہو چکا تھا۔ چھتاری کی بستی قریب آچکی تھی۔ جاڑوں کے دن تھے۔ میں ایک کرتے میں تھا۔ سردی محسوس ہونے لگی۔ خیال آیا کہ جب بستی میں میرے مکان کے سامنے سے سرکارؒ کا ہاتھی گزرنے لگے گا، تو میں سرکارؒ کی اجازت سے اُتر جاؤں گا اور گھر سے کوئی گرم کپڑا پہن کر خورشید احمد خان صاحب کے ہاں پہنچ جاؤں گا، جہاں سرکارؒ مقیم ہوں گے۔ لیکن اس خیال کے ساتھ ہی ایک بے قراری ایسی کیفیت پیدا ہوگئی اور یوں محسوس ہونے لگا کہ میں اتنے سے وقت کی مہجوری کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

سرکارؒ کے قدموں میں، چند ساعات کی حاضری نے تن بدن میں ایک آگ سی پھونک دی تھی۔ اس کے کوائف اور وارداتِ قلبی کا ذکر کرنے کیلئے الفاظ مجھے نہیں مل رہے

اُن کے عارض کی زیارت نے بڑا کام کیا
مصحفِ رُخ کی تلاوت نے بڑا کام کیا

———— ٥ ————

بازآمدی

عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیر آمدی

میں ابھی گھر سے گرم کپڑے لے لینے وغیرہ کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ ہاتھی میرے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ سرکارؒ نے معًا فرمایا:۔ "اب کچھ خنکی بڑھ گئی ہے۔ جب تمہارا مکان آجائے تو ہاتھی سے اُتر کر کوئی گرم کپڑا گھر سے اوڑھ آنا۔" میں نے عرض کیا: سرکار یہی تو غریب خانہ ہے۔ فرمایا: "اچھا تو اُترو، لے آؤ۔"

میں ہاتھی سے اُتر گیا۔ دَوڑا ہُوا گھر میں پہنچا۔ سب کو مطمئن کیا اور فوراً سرکارؒ کی جائے قیام پر حاضر ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ سرکارؒ ایک کمرے میں آرام فرما ہیں اور کچھ مُریدین ہاتھ پاؤں دبا رہے ہیں۔ اِردگِرد پچاس ساٹھ حاضرین ہیں، جن میں سے کچھ کمرے میں بھرے ہوئے ہیں، کچھ سائبان میں حضرت کی طرف مُنہ کئے حاضر ہیں اور باقی لوگ صحن میں موجود ہیں۔ میں نے دیکھا کہ کمرے میں جگہ نہیں ہے اس لئے سائبان میں ہی ایک طرف کو بیٹھ گیا۔ مگر دِل تھا کہ اتنی سی دُوری پہ بھی بیقرار تھا۔ بار بار خواہش پیدا ہوتی کہ اندر جاؤں اور پاؤں دَبانے لگوں ۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال آتا کہ میں ریاست میں ذی عزت عہدیدار ہوں۔ بستی کے لوگ کیا خیال کریں گے ۔ اِس سے میرے مرتبے میں فرق نہ آجائے۔ اِسی قسم کے شیطانی وساوس بار بار پیدا ہو رہے تھے، مگر آتشِ شوق ان خیالات کو پھر بھسم کردیتی تھی۔ کہ سرکارؒ نے بآوازِ بلند فرمایا:۔

"مسٹر شوکت! کم اے لانگ"

میں بھاگ کر سرکارؒ کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ارشاد ہُوا:

"ہمارے پاؤں دباؤ۔" حکم پاتے ہی میں نے پاؤں دبانا شروع کر دیئے۔ اُدھر

میں خود ہی پڑھ لوں۔ مسجد کی جانب قدم اُٹھانے کا قصد کیا تو پھر پاؤں اُسی حالت میں پائے۔ چل ہی نہیں سکتا تھا۔ بالآخر یہ خیال ترک کیا اور حضرتؒ کی جائے قیام کو چلنا چاہا۔ اِس مرتبہ میں چل سکتا تھا۔ چنانچہ چل پڑا اور یہ سوچ لیا کہ حضرتؒ نے پوچھا تو کہہ دوں گا کہ نماز کا بہت وقت باقی ہے۔ پڑھ لوں گا۔

حضرتؒ کے سامنے پہنچا تو دریافت فرمایا: "نماز کا کیا ہوا؟" میں نے وہی جواب دے دیا جو سوچا تھا۔ حضرت نے فرمایا: "جو نماز تم چاہتے ہو ضرور پڑھ لوگے وقت کافی ہے۔" میں بیٹھ گیا۔ مجمع کافی تھا۔ حضرتؒ نے مثنوی شریف اور کچھ غزلیں ترنّم کے ساتھ پڑھنا شروع فرما دیں اور ۳، ۴ گھنٹے تک یہ شغل جاری رہا۔ حضرتؒ کی خوش الحانی کا عالم یہ تھا کہ ایسی لَے، ایسا سوز وگداز اور ایسی دلکشی و دلنشینی مجھے نہ پہلے سُننے کو ملی اور نہ بعد میں۔ لحنِ داؤدی کا نام اور اُس کی حکایات سُنتے آئے تھے، مگر اُس شب کو اس کا تجربہ ہوا۔ ہر شے سے نغمات پھُوٹتے اور ہر شے رقص کرتی نظر آتی تھی۔

ان ۳، ۴ گھنٹے تک سرکارؒ نے جو کچھ پڑھا، اُس میں سے کچھ اس وقت مستحضر ہے، درج ذیل ہے:

مثنوی شریف

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما
جسمِ خاک از عشق، برا فلاک شد
کوہ، در رقص آمد و چالاک شد

گفت لیلےٰ را خلیفہ کاں توئی
کز تو مجنوں شد پریشاں وغوی
از دگر خوباں تو افزوں نیستی
گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا
باخودی تو لیک مجنوں بیخودست
در طریقِ عشق بیداری بدست

غزلیاتِ اُردو

جس کے ہم مارے ہوئے ہیں وہ ستم گر اور ہے
زخم ہے جس کا رگِ جاں پر وہ نشتر اور ہے
علمِ سینہ جس کو کہتے ہیں سفینے میں کہاں
جس سے پاتے ہیں خدا کو وہ تو منتر اور ہے
ہے نہ یہ رتبہ عبادت کا، نہ کچھ تقویٰ کا زور
عرش پر اُڑتے ہیں ہم جس سے وہ شہپر اور ہے
عابدوں میں ہے نہ اپنا زاہدوں میں ہے شمار
نام ہے جس میں لکھا اپنا وہ دفتر اور ہے
عابدوں کے واسطے پیدا کئے دیر و حرم
عاشقوں کے واسطے اللہ کا گھر اور ہے
ہم انہیں آنکھوں سے اُس کو دیکھتے ہیں واعظو!
فہم اپنا اور ہے اپنا مقدر اور ہے
اور نبیوں کو ہے نسبت اپنے پیغمبر سے کیا
وہ ستارے اور، یہ ماہِ منوّر اور ہے

کیا جب سے قبلہ ترے نقشِ پا کو — خدائی تو کیا میں نے چھوڑا خدا کو
دعائیں میں دیتا ہوں اُس کج ادا کو — بھلایا مرے دل سے جس نے خدا کو
وہ خود ہی تو تھے دل کے گوشے میں بیٹھے — جو کہتے تھے ہم سے کہ ڈھونڈو خدا کو

ہوا میں تو فانی یہ ہے کون، یارو! — ہلاتا ہے جو اب مرے دست و پا کو

جو دل کو تم پر لٹا چکے ہیں مذاقِ اُلفت اُٹھا چکے ہیں
وہ اپنی ہستی مٹا چکے ہیں خدا کو خود ہی میں پا چکے ہیں
نہ بول سکتے ہیں کچھ زباں سے نہ کام ہے اُن کو جسم و جاں سے
گزر گئے ہیں وہ دو جہاں سے جو تیرے کوچے میں آ چکے ہیں
کہاں کی دوزخ جناں ہے کس کی کسے ہے بیم و امید اُس کی
بسا ہے خالق نظر میں جس کی ہم آنکھ اُس سے لڑا چکے ہیں
نہ سوئے کعبہ جھکاتے ہیں سر نہ جاتے ہیں بُت کدے کے اندر
انہیں ہے دیر و حرم برابر جو تم کو قبلہ بنا چکے ہیں
عبث ہے واعظ نے سر پھرایا یہ بھید مطلق نہ جان پایا
کہ ہم میں اب تک تھا وہ سمایا، سو اُس میں اب ہم سما چکے ہیں
رضا کے کوچے سے ہٹ نہ جانا بلا کی منزل میں گھر بنانا
کہ جن کو بابا کہے زمانہ وہ شکر ہم کو سکھا چکے ہیں
مجیبؔ راہِ رضا پہ آؤ یہ اپنے آقا کو کہہ سناؤ
بُرا کرو یا بھلا بناؤ تمہارے اب ہم کہا چکے ہیں

نہیں غیر کی اپنی آنکھوں میں جا ہے — وہ قبلہ مری چشم قبلہ نما ہے
غمِ بندگی ہے، نہ فکرِ خدا ہے — طلب ہے نہ مطلب، نہ کچھ مدعا ہے
نہ مومن نہ کافر نہ مولا نہ بندہ — میں جیسا تھا ویسا ہی ہوں اور کیا ہے
کبھی وہ ہے مجھ میں کبھی اُس میں میں ہوں — کبھی دونوں غائب عجب شعبدہ ہے
فقط ایک دریا ہے بے حد و پایاں — نہ میں ہوں نہ وہ ہے یہ اسرار کیا ہے
خودی کے مٹانے میں اِک عمر کھوئی — میں کیا جانتا تھا خودی ہی خدا ہے

ایک نرالا سماں تھا، ایک انوکھی چاشنی تھی، ایک عجیب لذت تھی۔ کیف کے دریا بہہ رہے تھے، سُرور کی بارش ہو رہی تھی۔ حاضرین مسحور تھے۔ لحنِ داؤدی کام کر گئی تھی۔ رات کے دو بج گئے اِسی بارشِ انوار میں۔

جبری بھرتی کے معنیٰ

اس محفلِ مبارک میں ہم چالیس۴۰ بیالیس۴۲ افراد تھے (حضرت کے مریدین کے علاوہ) جب دو۲ بجے کا عمل ہوا تو حضرتؒ نے فرمایا:

"ہم ہاتھ مُنہ دھوئیں گے اور قواعد پریڈ کریں گے۔"

ہم میں سے اس گفتگو کا مقصد کوئی نہ سمجھ سکا۔ لیکن حضرت کے مُریدین نے پانی گرم کر کے لوٹے میں بھر دیا اور ایک مصلیٰ بچھا دیا جو شیر کی کھال کا تھا۔ حضرتؒ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے بِلا ارادہ وضو کا وہ لوٹا اٹھا لیا اور حضرتؒ کو وضو کراتا رہا۔ حضرت مصلے پر تشریف لے گئے اور دو۲ رکعت نماز ادا فرمائی۔ سلام پھیر کر فرمایا:۔ "چائے لاؤ"۔ چنانچہ ایک کپ میں چائے پیش کی گئی۔ حضرتؒ نے چائے کی پیالی دیکھ کر فرمایا:۔ "نہیں، گلاس میں لے کر آؤ"۔ چناں چہ جناب خورشید احمد خان صاحب نے ایک بڑے گلاس میں چائے پیش کی۔ حضرتؒ نے اُس میں سے صرف ایک گھونٹ لیا۔ ہم سب کی طرف ایک جلال آمیز نگاہ سے دیکھا اور کڑک کر فرمایا:۔ "اِسٹینڈ اَپ"۔ حکم ملنا تھا کہ ہر شخص بیساختہ سروقد کھڑا ہو گیا اور سب نے ناف پر ہاتھ از خود باندھ لئے۔ میرے ہاتھ پاؤں میں رعشہ پیدا ہو گیا تھر تھر کانپنے لگا۔ ہوش وحواس جاتے رہے۔ حضرتؒ نے چائے کا گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا: "پیتے ہیں اور پلاتے ہیں"۔ میں نے اس چائے کو تبرک سمجھتے ہوئے، ایک گھونٹ پیا اور اپنے برابر والے کو گلاس دے دیا۔ اسی طور پر ہر شخص کرتا رہا۔ ہم ۴۰ - ۴۲ لوگوں میں غیر مُقلد، وہابی، اہلحدیث الغرض مختلف العقائد افراد تھے۔ جب سب لوگوں نے وہ چائے پی لی تو حضرتؒ نے مُصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ ہر شخص بڑھا، کسی نے دست بوسی، کسی نے بڑے عجز سے صرف مصافحے پر ہی اکتفا کیا۔ جب سب فارغ ہو گئے تو پھر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔

اُس وقت حضرتؒ نے یا علی کا ایک نعرہ بلند فرمایا۔ ہم سب کے دل دہل گئے۔ جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور پھر ہم میں سے ہر ایک شخص نے یہ دیکھا کہ حضرتؒ کے مصلے پر بجائے حضرتؒ کے ایک اور بزرگ رونق افروز ہیں اور شکل وشباہت اِس قدر نورانی ہے کہ بیان میں نہ آ سکے۔ جسم مبارک پر ایک فوجی وردی ہے جو سُنہری اور سبزی مائل ہے، جس پر جگہ جگہ تمغے مزین ہیں اور ایک تلوار جس کی چمک سے نگاہیں خیرہ ہو رہی ہیں، آپ کی بغل اور کاندھے میں حمائل ہے، ایک زرین تاج سر پر پہنے ہیں ۔ ان بزرگ کو دیکھ کر میرے اوسان ہی جاتے رہے۔ ٹکٹکی باندھے اُنہیں دیکھے چلا جا رہا تھا اور دُرُود پڑھے جا رہا تھا۔ دو۲ یا تین۳ منٹ تک یہ منظر قائم رہا، پھر یہ بزرگ اوجھل ہو گئے اور مصلے پر حضرتؒ ہی سر جھکائے بیٹھے نظر آنے لگے۔ ہم سب کے سب ایک بے خودی کے عالم میں دست بستہ کھڑے رہے۔ حتیٰ کہ صبح کے پانچ بج گئے۔ تین گھنٹے تک یوں بے حس وحرکت کھڑے رہنے والے، ہم میں سے ہر ایک کی کیفیاتِ سرمستی وسرشاری کی طویل داستانیں ہیں اور اس عالم میں جو مشاہداتِ مختلفہ ہوئے ہیں، اُن کا ذکر یہاں کرنا مناسب نہیں ہے۔ پانچ بجے تو حضرتؒ نے فرمایا:۔ "جاتے حضرت! ہو چکا کام"۔

ہم لوگ حضرتؒ کے کمرے سے جیسے ہی باہر آئے کہ حضرتؒ کے مُریدوں نے ہم سے فرداً فرداً معانقہ شروع کر دیا اور مُبارک باد دیتے گئے کہ حضرتؒ نے تمہیں قبول فرما لیا۔ تم کو اپنی بیعت کا شرف بخش دیا۔ تم ہمارے پیر بھائی ہو گئے۔ ہم نے جو یہ سُنا تو ہر شخص کو بہت خوشی ہوئی۔ میں جتنا مسرور تھا اتنا ہی حیران بھی تھا۔ اس وقت وہ بات سمجھ میں آئی کہ "آج ہم جبری بھرتی کریں گے۔ دیکھیں کون بھاگتا ہے"۔ ہم نئے مُریدین میں جہاں بیشتر وہابی اور غیر مقلد وغیرہ تھے، وہیں کچھ لوگ دوسرے سلسلوں میں بیعت یافتہ بھی تھے جن میں سے ایک برادر گرامی خلیفہ خورشید احمد خان صاحب یوسفی تاجی نور اللہ مرقدہٗ بھی تھے۔ جو "بُتّیر شریف" کے حضرت میاں بہار الدین شاہ صاحب سے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت تھے۔ میرے ان خوش بخت پیر بھائیوں میں اُس وقت جو لوگ شریک تھے، اُن میں سے جن حضرات کے نام مجھے یاد رہ گئے ہیں، وہ یہ تھے:۔

۱۔ خورشید احمدؒ خان یوسفی تاجی مرحوم (طالب ہوئے۔ وہ پہلے سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے)
۲۔ رشید احمدؒ خان یوسفی تاجی مرحوم (اول الذکر کے بڑے صاحبزادے)
۳۔ کنور محمدؒ فیاض علی خان یوسفی تاجی مرحوم
۴۔ کالے خان یُوسفی تاجی مرحوم
۵۔ صدیق نوابؒ یوسفی تاجی مرحوم
۶۔ علی بخش یوسفی تاجی مرحوم
۷۔ الہ دین یوسفی تاجی
۸۔ جمشید علی خان یوسفی تاجی مرحوم (خورشید احمدؒ خان صاحب کے چھوٹے صاحبزادے)
۹۔ شوکت علی خاں یوسفی تاجی (راقم الحروف)
۱۰۔ قاضی عثمان علی یوسفی تاجی چھتاروی

پھر صبح کے وقت ہماری بیعت کی شہرت سن کر جو لوگ سرکارؒ کی غلامی میں آئے اُن کے نام جو یاد ہیں، یہ تھے :۔

۱۔ برکت علی خان یُوسفی تاجی (میرے چھوٹے بھائی) بعمر تیرہ ۱۳ سال۔
۲۔ عبدالرحیم خان یوسفی تاجی مرحوم (میرے تایا زاد بڑے بھائی)
۳۔ ڈاکٹر عبدالرزاق (اب تک چھتاری میں ہی مقیم ہیں)

——— (وغیرہم) ———

اس "جبری بھرتی" پر ہم میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ ہر شخص ایک عجیب سا فخر محسوس کر رہا تھا۔ اپنی خوش بختی پر نازاں و شاداں تھا۔ پھر ہم سب سرکارؒ کے کمرے میں لوٹ آئے اور فرداً فرداً ہر شخص قدمبوس ہوا ؎

بے مانگے ہوئے ملتے ساغر کو یہیں دیکھا
بابا سا سخی داتا، ہم نے تو نہیں دیکھا

اس دست گرفتگی کا نشہ، سرشاری و محویت کی صدہا رِدائیں بن کر مجھے ڈھانپے ہوئے تھا۔ ایک خود فراموشی تھی جس نے مجھے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ وظائفِ جسمانی تک سے بے نیازی ۔ اسی عالم میں حضرتؒ کے کمرے سے باہر ایک

گوشے میں بیٹھا تھا۔ یہ وہ دن تھے کہ میں ریاست کے خزانے کا مہتمم تھا۔ اِس وقت دن کے دس بج چکے تھے۔ مجھے اس وقت حسب معمول خزانہ پر حاضر ہونا چاہئے تھا لیکن میں تو یہاں "ہمہ آفاق گُم" کی منزل میں بیٹھا تھا۔ والد صاحب قبلہ خزانے پہنچ چکے تھے۔ مجھے وہاں ۹ بجے سے ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ خزانے کی کُنجیاں میرے پاس ہوا کرتی تھیں۔ والد صاحب قبلہ نے میرا انتظار فرمایا اور پھر ریاست کے ایک سپاہی کو میری تلاش میں بھیجا۔ سپاہی سیدھا خلیفہ خورشید احمد خانصاحب یوسفیؒ کے دولت کدے پر آیا اور مجھے اس حال میں دیکھ کر بہت ادب اور لجاجت سے بولا کہ آپ کے والد صاحب بہت دیر سے آپ کے انتظار میں پریشان ہیں۔ جلدی تشریف لے چلئے تاکہ خزانہ کُھل سکے۔

میں نے سپاہی کو جھڑک دیا اور اپنے اِزار بند سے خزانے کی کنجیوں کا گُچھا اُس کی طرف بڑھا دیا اور کہا "لے یہ لے جا۔" "اب ہمیں خزانے سے سروکار نہیں"۔۔ سپاہی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا اور بولا:۔ خزانچی صاحب کیسی بات کر رہے ہو؟۔ اس نے پیچھے کو ہٹتے ہوئے کہا:۔ میں یہ کُنجیاں نہیں لے سکتا۔ خزانے کا معاملہ ہے صاحب!۔ میں نے اُسے ڈانٹ کر کہا:۔ "بھاگ جاؤ میں نہیں چلتا"۔۔ سپاہی فوراً ہی چل پڑا۔ اس نے والد صاحب قبلہ کو سارا ماجرا سُنایا۔ ابّا نے میرے تایا صاحب قبلہ کو یہ حال سُنایا اور اُن سے کہا کہ کوئی دھمکی وغیرہ دے کر شوکت کو لے آیئے۔ چنان چہ کچھ دیر بعد ہی میں نے دیکھا کہ تایا صاحب چلے آ رہے ہیں۔ اُنہیں دیکھتے ہی میرے جنون میں اضافہ ہوگیا اور میں نے تہیہ کر لیا کہ اگر انہوں نے مجھے لے جانے کے لئے حیل و حجت کی تو ان کے ساتھ گستاخی سے پیش آؤں گا۔

میں نے یہ سوچا ہی تھا کہ یُوں معلوم ہوا جیسے سرکارؒ نے مجھے آواز دی ہو۔ میں بڑی سُرعت کے ساتھ کمرے میں پہنچا جہاں سرکارؒ چادر اوڑھے استراحت فرما تھے ۔ کمرے میں داخل ہوتے وقت میں نے کسی قسم کی آواز پیدا نہیں ہونے دی تھی لیکن میرے داخل ہوتے ہی رُوئے مبارک سے چادر سرکا دی اور سختی سے فرمایا:۔ "گڑبڑ نہیں کرتے رے۔ شرارت کرتا ہے۔ ہڈی پسلی ایک کر دیتے ہیں۔ سیدھے سیدھے خزانے

چلے جاتے اور ہمیں وہیں دیکھتے ہیں۔"

سرکارؒ کے اِس فرمان سے میرا سب نشہ کافور ہوگیا اور قدمبوسی کرکے اُلٹے قدموں باہر آگیا۔ اسی اثنار میں تایا صاحب وہاں پہنچ چکے تھے۔ بولے:- شوکت! خزانہ بند پڑا ہے وہاں تمام لوگ پریشان ہیں۔ میں نے عرض کیا:- بڑے ابا! واقعی دیر ہوگئی مجھے۔ ابھی جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں خزانے پر پہنچ گیا۔ والد صاحب نے میری صورت دیکھی اور فرمایا:- خزانہ کھولو اور کنجیاں مجھے دے جاؤ۔ میں تمہاری جگہ کام کرتا رہوں گا۔ تم سیدھے گھر جاؤ۔ آرام کرو۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ وہاں سے چل کر پھر سرکارؒ کی جائے قیام پر آگیا۔ میں نے دیکھا کہ رات کو جو لوگ داخلِ سلسلہ ہوئے تھے، ان میں سے کوئی بھی نہیں گیا ہے۔ سب موجود ہیں۔ ہم معززینِ چھتاری کے مُرید ہو جانے کی اطلاع سے بستی چھتاری کے تمام ہی افراد بہت متاثر تھے اور وہ اسے کرامتِ شیخ کیسے نہ مانتے کہ بڑے بڑے بدعقیدہ، غالی غیر مقلدین، متشککین، متذبذبین یُوں چند ساعات کی صحبت میں حضرتؒ کے قدموں پر بِلا عُذر اور بلا جبر و اکراہ سرنگوں تھے۔

سہ پہر کو سرکارؒ حسبِ معمول جنگل کو تشریف لے چلے۔ ہم سب پیچھے پیچھے تھے۔ سرکارؒ پر جذبی کیفیات کا غلبہ تھا۔ برہنہ پا، برہنہ سر۔ آپ ایک ایسے جنگل میں بے تکان تشریف لے جارہے تھے جہاں ببول کے کانٹوں کا چھتراؤ تھا۔ اِن کانٹوں پر اتنے تیز چل رہے تھے کہ ہم میں سے کوئی شخص بھاگ کر بھی، قریب نہ پہنچ پا رہا تھا اور پھر یہ روز کا ہی معمول تھا کہ حضرتؒ برہنہ پا ہوتے اور ہم لوگ سرکارؒ کی برہنہ پائی کی وجہ سے خود بھی برہنہ پا ہوتے۔ لیکن دن ہو یا رات، کبھی ایسا نہ ہوا کہ ہم میں سے کسی بھی شخص کے پاؤں میں کوئی کانٹا یا کنکر پتھر چُبھا ہو۔ اکثر و بیشتر یہ ہوتا کہ رات ایک دو بجے سرکارؒ جنگل کو چل پڑتے اور ہر مُرید اُسی حالت میں ہمرکاب ہوتا —— موسم کی بھی کوئی قید نہیں تھی۔ جاڑا، گرمی، برسات، معمولات میں فرق نہیں آتا تھا اور ہماری وارداتِ ظاہری میں بھی دن، رات اور موسمی تغیرات کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ جنگل میں جب بہت دُور دراز کا سفر ہو جاتا تو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم ہوتا۔ ہم سب کے ساتھ رات کے اندھیرے میں سرکارؒ بھی لکڑیاں چُنتے —

جب لکڑیوں کا انبار لگ جاتا تو سرکارؒ اپنی جیب سے دیا سلائی کی ڈبیا نکال کر، ایک ہی تیلی گِھس کر لکڑیوں کو دکھاتے اور آگ بھڑک اُٹھتی۔ حکم ہوتا:- اس آتشکدے کو گھیرے میں لے لو اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بآوازِ بلند صلوٰۃ و سلام پیش کرو۔ پھر ہم سب سرکارؒ کے ہم آواز ہو کر اسقدر زور شور سے سلام پیش کرتے کہ جنگل گونج اُٹھتا کمال یہ تھا کہ اتنے سارے آدمیوں پر بھی غالب آواز سرکار یوسف الاولیاءؒ ہی کی ہوتی۔

ایک رات اسی طرح یہ آتش کدہ بھڑکانے کے بعد ارشاد ہوا:- "ہم سارے کانٹے جلا ڈالیں گے"۔ پھر فرمایا:- "ہم اِس قلعے کو فتح کریں گے"۔

یہ معمولات تین سال تک جاری رہے اور رات کے وقت جنگل میں صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے مابین، اور اس سے ماقبل و مابعد جو جو مشاہدات اور مکاشفات، بقدرِ استعداد ہم میں سے ہر ایک پیر بھائی کے تھے، اُن کا بیان اور اُن اسرار و رموز کی نقاب کشائی ممکن نہیں ؎

یا بہ مردانِ خدا باش کہ در کشتیٔ نوح
ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفاں را

دریائے فیضان

چھتاری میں میرے گھر سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہمارا ایک خاصہ بڑا آموں کا باغ تھا۔ بارہا یہ ہوتا تھا کہ سرکارِ والاؒ باغ کی طرف چل پڑتے۔ مریدین و معتقدین کی جماعت پیچھے پیچھے ہوتی۔ اس باغ کی راہ میں ایک مندر پڑتا تھا۔ اس مندر کے مہنت اور پُجاری، سرکار معرفت مدارؒ کو تشریف لاتا دیکھتے تو دوڑ دوڑ کر مندر سے باہر آجاتے۔ قدمبوسی کرتے۔ ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے۔ نظریں جُھکائے رکھتے۔ اُن کی ہیئت، برتاؤ اور رویہ سے یوں معلوم ہوتا جیسے وہ سرکارؒ کو بھگوان کا اَوتار سمجھتے ہیں۔ ایک روز ایسا ہُوا کہ سرکارؒ یکایک مندر میں داخل ہوگئے اور مندر میں بڑی مورتی کے اوپر جو گھنٹا لٹکا ہوا تھا اسے سرکارؒ نے ہاتھ بلند فرما کر، مہا پروہت کی طرح بجایا۔ تمام پجاری اور مہنت آپ کے چرنوں میں گر گئے۔ اور سرکارؒ کو چندن (صندل) کے تلک لگا کر، سرکار کی آرتی اُتارنا شروع کردی، ساتھ ساتھ اشلوک پڑھتے اور بھجن کرتے رہے۔

چھتاری ہی میں جہاں ہماری مردانہ نشست گاہ تھی، وہاں سے ۳۰۔ ۴۰ قدم
کے فاصلے پر رام سہائے بزاز کی دوکان کے پاس ایک اور مندر تھا۔ اس مندر کا بڑا مہنت
سرکارؒ کو بڑی پیاری پیاری اور تقدس آگاہ نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ پھر تو یہ حال ہو گیا
تھا کہ وہ سرکارؒ کو دیکھتے ہی نعرے لگا لگا کر یہ کہنے لگتا تھا کہ "محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ
وسلم) کی حکومت ہے"۔ کبھی کہتا :۔ "ہندو کافر ہیں"۔ کبھی کہتا :۔ "ارے لوگو!
بابا تاج الدین حاکمِ وقت ہیں اور چھتاری میں آئے ہوئے ہیں"۔

ان دونوں مندروں کے پجاری سرکارؒ کے چرن چھوکر، ڈنڈوت کیا کرتے تھے
اور وہ لوگ جتنی دیر تک قدمبوسی کرتے سرکارؒ بڑے شہنشاہانہ انداز سے، مسکراتے ہوئے
کھڑے رہتے اور فرماتے جاتے :۔ "اچھے رہتے۔ بہت اچھے رہتے۔ بہت اچھے بہت
اچھے"۔ یہ لوگ سرکارؒ کا اس قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ ہم مسلمان مریدوں کو ندامت
اور عبرت ہوتی تھی۔ سلسلۂ عالیہ یوسفیہ تاجیہ میں داخل ہونے والے سعیدانِ ازلی،
ہمارے خوش بخت برادرانِ طریقت، بلاتفریقِ مذہب و ملت آپس میں بھی ایسی والہانہ
محبت کرتے تھے کہ اس کی مثال اپنے سگے بہن بھائیوں میں ملنا دشوار ہے۔

سرکارؒ خواہ چھتاری میں رونق افروز ہوں یا دوسرے مقامات پر اپنا دریائے
فیضان بہا رہے ہوں۔ معمول یہ تھا کہ تمام مقامی پیر بھائی اپنے اپنے مشاغل سے فارغ
ہو کر شام کو ایک جگہ جمع ہو جاتے اور پوری پوری راتیں سرکارؒ ہی کے ذکر میں بسر کر دیتے
ہر پنجشنبہ (جمعرات) کو گلدستہ شریف اور فاتحہ کا اہتمام، معمولاتِ سرکارؒ کے
مطابق کیا جاتا۔ پنجشنبہ کی فاتحہ کی مداومت کی تاکید سرکارؒ ہمیشہ فرماتے تھے۔
سلسلۂ عالیہ سے وابستہ تمام افراد بلاتخصیصِ مرد و زن و اطفال، ان معمولات میں
حسبِ توفیق پوری سرجوشی و سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ علمائے ظاہر نے ہمارے معمولاتِ سلسلہ اور ہمارے
مسلکِ طریقت پر جس شدّ و مد سے اعتراضات اور لعن و طعن اور سب و شتم کا
بازار گرم کیا اور جس تیزی سے سرکار شرک شکارؒ پر "شرک" کے فتووں کی بارش کی
اتنی ہی تیزی اور ہمہ گیری کے ساتھ سلسلۂ عالیہ، دن دونا، رات چوگنا پھیلتا چلا گیا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اُتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

دیکھتے ہی دیکھتے چھتاری، طالب نگر، پہاسو، اترولی، خورجہ، بلندشہر، پلہونہ،
آدون، ٹپّل اور ضلع علی گڑھ کے تمام اطراف میں سلسلۂ عالیہ تاجیہ، یوسفیہ کے
ڈنکے بجنے لگے۔ جس میں مختلف العقائد و مسالک نواب، راجے، رئیس، تعلق دار،
جاگیر دار، علماء، پروفیسر، اطبّاء، حکام و عوام متوسّل ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ بہت سے
شیعہ حضرات کو بھی یہ توفیق ارزاں ہوئی کہ وہ سرکارؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت
ہو کر بابُ العِلم تک باریاب ہوئے ؎

اے کہ با سلسلۂ زلفِ دراز آمدۂ
فرصتت باد کہ دیوانہ نواز آمدۂ

ان اطراف میں سرکار علیہ الرحمۃ نے کچھ اصحاب کو اس درجہ اپنے اکرام و
الطاف سے نوازا اور ایسی تربیت فرمائی کہ دولتِ ولایت سے مالا مال ہوئے اور
ان سے کشف و کرامات اور خرقِ عادات کا ظہور ہوتا رہا۔ کچھ حضرات کو انکی استعداد
کے مطابق سخت ریاضتوں اور مجاہدوں کی گھاٹیوں سے گزار کر کامیاب و کامران فرمادیا

سرزمینِ چھتاری پر پہلی محفلِ سماع

چھتاری کے لئے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یہ سرزمین دیوبند ہی کا ایک مثنیٰ خطہ تھا اور
یہاں الٰہ اعتقادی کے پجاریوں کا دور دورہ تھا۔ اذانِ حق سے یہ خطۂ ارض، محروم
تھا۔ سرکارؒ کے دستِ مبارک سے لوائے محمدی یہاں لہرایا گیا۔ حقائق و معارف کے
علوم کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ علومِ ظاہر کا کبر، خاک میں ملنے لگا اور اس حقیقت کو
بے نقاب کر دیا گیا : ؎

جیوں نینن میں پُوتلی تیوں خالق گھٹ ما ہیں
مُورکھ لوگ نہ جان ہیں باہر ڈھونڈن جا ہیں

انہی دنوں میں، ایک روز سرکار نے فرمایا :۔ "ارے کتاب پڑھنے والوں کو بلاؤ۔ کتاب

سُنیں گے "۔ مگر اس اصطلاح کو ہم میں سے کوئی بھی نہ سمجھ پایا لیکن "جی حُضور" ! عرض کرکے باہر نکل آئے۔ اور وہاں علی گڈھ وغیرہ کے جو پُرانے برادرانِ طریقت تھے، اُن سے سرکارؒ کے ارشاد کا مقصد معلوم کیا۔ اُنہوں نے بتایا کہ سرکارؒ قوالی سُننا چاہتے ہیں۔ قوالوں کو بُلالو۔ اب عجب کشمکش میں مُبتلا تھے۔ اس لئے کہ ہم قوال اور قوالی کے نام سے ہی نا آشنا تھے۔ پھر یہ کہ "مولویوں کی چھتاری" میں قوالوں کا کیا کام۔ ہم لوگوں نے اِدھر اُدھر سپاہیوں کو دَوڑایا کہ ایسے لوگ جو قوالی جانتے ہوں، انہیں فوراً ہمراہ لے کر آؤ۔ مگر یہ جنس کہاں مِلتی۔ تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ ایک سپاہی نے بتایا کہ قوال تو یہاں کوئی نہیں ہے البتہ دو لڑکے ہیں جو اکثر سوانگوں میں اور نوٹنکی اور رام لیلا وغیرہ میں گاتے ناچتے ہیں۔ حکم ہو تو اُنہیں بُلا لائیں۔ مجبوری تھی۔ کیا کرتے۔ ناچار اُن لڑکوں کو ہی ہم نے بُلوالیا اور اُن سے پوچھا کہ تم قوالی جانتے ہو؟ لڑکوں نے معذرت چاہی البتہ یہ بتایا کہ ہم گانا جانتے ہیں۔ مگر ہمارے پاس ہارمونیم نہیں ہے۔ ڈھولک والا معشوق علی ہے اُسے ہم لے آتے ہیں۔ ہارمونیم کے لئے آپ اگر مندر سے پنڈت دیو کی نندن کو بُلالیں تو سب کام ہو جائے گا۔

چنان چہ حبیب اللہ اور مجید نامی یہ دونوں لڑکے، معشوق علی اور پنڈت دیو کی نندن کے ساتھ سرکارؒ کے حضور پیش کر دیئے گئے۔ ان چاروں لوگوں کو قوالی کا فن آنا تو کجا، انہوں نے تو کبھی کوئی قوالی کی محفل تک نہیں دیکھی تھی۔ ان لوگوں نے پہلے ساز ملائے اور پھر ایک نعت پڑھنا شروع کردی۔ سرکارؒ نے اِس جماعت کی اس قدر ہمت افزائی کی کہ ہم حیران رہ گئے۔ پھر کچھ غزلیں بھی انہوں نے سُنائیں ایک سماں سرکارؒ نے خود ہی پیدا فرمادیا تھا۔ روپیہ بھی ان لوگوں کو خوب خوب ملا —

ان چاروں کی ہمت افزائی سے حبیب اللہ، مجید اور معشوق علی میں ایک نیا شوق اور ترقی کرنے کا ولولہ پیدا ہوگیا۔ ان لوگوں نے ہارمونیم بجانا بھی سیکھ لیا اور قوالی کا طریقہ بھی۔ دوسری بار جب حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چھتاری تشریف لائے تو یہ لوگ از خود حاضرِ دربار ہوگئے اور قوالی کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے سرکارؒ کو بہت محظوظ کیا۔ اب وہ خاصے اچھے قوال بن چکے تھے۔ حضرت قبلہؒ نے انہیں حضرت شاہ مجیبؒ

فرخ آبادیؒ، حضرت شاہ نیاز بے نیاز بریلویؒ اور حضرت بےدم شاہ وارثیؒ کا کلام عطا فرمایا اور ارشاد ہوا، اسے پڑھ کر سُناؤ۔

اب کیا تھا۔ اچھا کلام بھی ان لوگوں کو یاد ہوگیا تھا اور وہ بہت اچھے قوال بن چکے تھے۔ باہر سے بھی محافلِ سماع اور اعراس میں ان کے بُلاوے آنے لگے تھے۔

ایک مرتبہ چھتاری میں سرکارؒ تشریف فرما تھے۔ جہاں تک یاد آتا ہے، سرکارؒ نے ایک عرس کا اہتمام فرمایا۔ بھائی خورشید احمدؒ خان صاحب یُوسفی کے مکان کے سامنے مردانہ حصّے میں جو چبوترہ تھا اُس پر شامیانہ لگایا گیا تھا۔ علی گڈھ کے مشہور و معروف بُدّھو قوال کو طلب فرمایا تھا۔ سماع میں سرکارؒ کو کیفیت ہوئی تھی۔ سرکارؒ یکایک کھڑے ہوگئے تھے اور شامیانے کی ایک رسّی پکڑے کھڑے رہے تھے۔ ساری محفل پر شدید رقت اور کیفِ حضوری طاری تھا۔

پھر تو اترولی اور پہاسو سے بھی قوال آنے لگے تھے، جو سرکارؒ کی داد و دہش سے نہال ہوتے رہتے تھے۔ چنان چہ ایک مرتبہ یہ بھی ہوا کہ سرکار والا تبارؒ نے کیفیت میں اپنا لباسِ مبارک، اپنی پانوں کی ڈبیا اور بٹوا وغیرہ سب کچھ قوالوں کو دے دیا تھا۔ یہ واقعہ بھی خورشید احمدؒ خان صاحب یُوسفی نور اللہ مرقدہٗ کے ہاں قیام کے دوران ہی پیش آیا تھا۔

ایک مرتبہ چھتاری میں ایسے موقع پر قیام تھا کہ ماہ محرم آگیا۔ بھائی کالے خاں صاحب یُوسفی کے گھر پر شہداءِ کربلا کی فاتحہ کا اہتمام تھا۔ گھر کے باہر کُھلے حصّے میں فرش بچھایا گیا تھا۔ سرکارؒ نے وہاں مجلس کا اعلان کرنے کا حکم دے دیا اور خود مجلس کو خطاب فرمایا۔ سرکارؒ کے لب ہائے مبارک سے جو ذکرِ شہادتین ہم لوگوں نے اُس روز سُنا، وہ نِکات اور وہ رموز ہم میں سے کسی بھی شخص نے نہ پہلے سُنے تھے، نہ کسی کتاب میں ہی پڑھے تھے۔ یوُں معلوم ہوتا تھا گویا میدانِ کربلا سامنے ہے اور وہاں واویلا اور شور وشغب کی جگہ ایک عجیب سرمستی، ایک بے مثال جذبۂ شہادت چھایا ہوا ہے۔ اللہ اکبر ؎

اے دل بگیر دامنِ سُلطانِ اولیاء
یعنی حسینؑ ابنِ علیؑ جانِ اولیاء

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

یوپی کے نواب راجگان و روساء کی صف میں ایک مشہور و معروف ہستی طالب نگر کے رئیس نواب بہادر محمد عبد السمیع خان صاحب کی ہوئی ہے یہ اپنے والد ماجد نواب بہادر عبد الصمد خان کے اکلوتے بیٹے اور بڑے ناز پروردہ تھے اور جب سے وہ سرکار ذیجاہ غریب نواز سیدنا و مرشدنا حضرت غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی قدس سرہ العزیز کی پناہ میں آگئے تو ایک عظیم انقلاب آگیا ان کی منزلِ ناآشنا زندگی دیکھتے ہی دیکھتے منزل رسیدہ زندگی بن گئی۔ تاریک الدنیا۔ زہد و تقویٰ عبادت گذاری ان کا شعار بن گیا۔ اتباع شریعت و صوم صلوٰۃ کی پابندی میں کبھی رخنہ نہ پڑنے دیا۔ نماز تہجد آخری عمر تک کبھی قضا نہ کی۔ ذکر اذکار، شغل اشغال، ورد و وظائف میں تمام عمر ایک مثالی مومن ایسی گذاری۔ حضرت سے بیعت ہوتے ہی ان پر کیفیات جذب غلب و طاری رہیں انہوں نے ۱۹۲۶ء کے بعد سے دم واپسیں تک نوابی میں درویشانہ زندگی بسر فرمائی وہ اپنے عزیب سے غریب پیر بھائیوں سے بھی اس قدر تعظیم تکریم تواضع و اخلاق سے پیش آتے تھے کہ کوئی فرق مراتب نظر نہیں آتا تھا۔ بڑے حسین و وجیہہ نورانی شکل و صورت کے مالک تھے خندہ رو خندہ پیشانی آنکھوں سے ذہانت و محبت برستی تھی سرکار پیر و مرشد کے حکم سے سرِ مو کوئی عمل ان سے سرزد نہیں ہوتا تھا۔ سرکارؒ کے ہمرکاب حج بیت اللہ شریف کی سعادت کا شرف انہیں نصیب ہوا۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

(۲)

الحاج نواب بہادر عبد السمیع خانصاحب یوسفی کو شکار کا از حد شوق تھا۔ روزانہ کا یہ ایک معمول تھا علاقے کے کمشنر اور کلکٹر آئے دن شکار میں ان کے ساتھ ہوتے وہ آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ ساری ریاست اسی سیر و شکار کی نذر ہوا چاہتی تھی۔ نواب بہادر صاحب صوبہ جات متحدہ ہند کے بڑے شکاری نوابین کے ہم قدم ملنے جاتے تھے۔ سرکارؒ نے یہ حالات دیکھے۔ ایک روز یکایک نواب بہادر صاحب کی طلبی ہوئی اور ارشاد ہوا۔ "پرندوں کا شکار آپکا بالکل بند۔" پھر ذرا توقف کے بعد فرمایا۔ آپ شکار کھیلنا چاہیں تو صرف شیر کا شکار کھیل سکتے ہیں۔"

حکم ملتے ہی نواب بہادر صاحب نے سب شکار بند کردیئے۔ صرف شیر ہی مارتے تھے اور سال میں صرف دو بار "کجلی بن" وغیرہ جایا کرتے تھے۔ انہوں نے درجنوں نر شیر ببر شکار کئے اور کئی کھالوں کے مُصلّے سرکارؒ کی خدمت میں پیش کئے۔

(۳)

رئیسِ چھتاری نواب حافظ محمد احمد سعید خان صاحب سرکارؒ کے پاس حاضر ہوتے رہتے تھے اور خط و کتابت بھی کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ سرکارؒ نے نواب صاحب کے خط کے جواب میں جو خط لکھا، وُہ خود اپنے دستِ مُبارک سے انعام فرمایا۔ خط کی ترتیب یُوں تھی کہ پہلے بسم اللہ کے اعداد "۷۸۶" اور پھر "ہوالکل یا بابا" تحریر تھا۔ پھر اسی کے نیچے دو سطروں میں اُردو کے حروفِ تہجی الگ الگ اسطرح تحریر تھے:۔

ا ب پ ت ٹ ج چ ح خ (وغیرہ)

نواب صاحب نے اس خط کو بار بار بغور پڑھا۔ فکر کرتے رہے۔ گُتھی نہ سُلجھ سکی تو انہوں نے حضرت خلیفہ خورشید احمد خاں صاحب یُوسفی کو اور مجھے طلب فرمایا اور بتایا کہ "بھائی تمہارے پیر صاحب کا یہ خط آیا ہے۔ ذرا اسے پڑھو ہم تو سمجھ نہیں سکے"۔ بات ان حروفِ تہجی کے معانی اور اس کے سببِ تحریر پر اٹکی ہوئی تھی۔ بالآخر ہم دونوں نے نواب صاحب سے یہی عرض کیا کہ یہ آپ کے اور سرکارؒ کے درمیان ہی کوئی راز کی بات ہے۔ اب سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو آئندہ ظاہر ہوجائے گی۔

اگلے دن ہی حکومت یو۔پی کی جانب سے تار برقی کے ذریعے نواب صاحب کو تاجِ برطانیہ کی جانب سے دیئے خطاب K.C.S.I. (وغیرہ) کی اطلاع موصول ہوئی۔

نواب صاحب نے بھائی خورشید احمد خان صاحب اور مجھے فوراً ہی یاد فرمایا۔ وہ بہت خوش تھے۔ فرمایا:۔ دیکھو ابھی ابھی یہ تار برقی آیا ہے۔ ہمیں حکومت نے خطابات دیئے ہیں۔ دیکھو۔ حضرت کے خط میں اُن حروفِ تہجی کے معنیٰ یہ برآمد ہوئے۔

نواب صاحب نے سرکارؒ کو اظہارِ تشکر کیلئے خط لکھا اور اسمیں اِس سارے واقعہ کی تفصیلات بھی تحریر کیں۔

(۴)

ہندوستان کا گورنر جنرل (جو وائسرائے بھی کہلاتا تھا) اور ہندوستان کے تمام صوبوں کے گورنر ہمیشہ انگریز ہی ہوتے تھے۔ صوبہ جات متحدہ ہند (ہندوستان) کا سب سے بڑا صوبہ تھا وہاں کا انگریز گورنر فوت ہوگیا تو حکومت برطانیہ نے نواب صاحب چھتاری کو یو۔پی کا ایکٹنگ گورنر بنا دیا تھا۔

چھتاری میں جب سرکارؒ کا وُرُود ہُوا اور ۱۹۲۳ میں قریب قریب تمام معززینِ چھتاری آپؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوگئے، تو اُسی زمانے میں نواب صاحب چھتاری بھی سرکارؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور گرویدہ ہوگئے۔ مشائخ، صوفیاء اور علماء کی تعظیم و تکریم اور اُن کی خدمت میں سعادتمندانہ اور مؤدبانہ حاضری کے آداب یو۔پی کے رئیسوں کی گھُٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ نواب صاحب چھتاری بھی ان اوصاف سے مُتّصف تھے۔ اِدھر سرکارؒ بھی اُن پر نظرِ التفات فرماتے تھے۔

یو۔پی کی عارضی گورنری کے بعد جب نواب صاحب چھتاری واپس آگئے تو اُسی دوران میں سرکار یوسف الاولیاؒ کا وُرود چھتاری میں ہوا۔ نواب صاحب نے سرکارؒ سے عرض کیا کہ یو۔پی کی مستقل گورنری کیلئے میرے واسطے دُعا فرمایئے۔ سرکارؒ نے مُسکرا کر نواب صاحب کو دیکھا اور فرمایا:۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلانِ نبوّت، چالیس سال بعد فرمایا تھا۔ آپ کی عمر جب چالیس سال ہوگی تو آپ ہی یو۔پی کے مستقل گورنر بنا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا۔ پانچ سال تک گورنر رہ کر آپ جب رِٹائر ہوگئے تو پھر کاروبارِ ریاست آسنبھالا۔

سرکارؒ جب پھر چھتاری تشریف لائے نواب صاحب بھی حاضر ہوئے۔ گورنری سے نیک نامی کے ساتھ سبکدوشی کا حال سُنا کر اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ یہ منصب پھر عطا ہو۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ اب تو آپ کو گورنری سے بلند عہدہ ہی ملنا چاہیئے۔ نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضور! گورنر جنرل تو فرنگی ہی ہوسکتا ہے۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ اچھا تو نظام دکن کا وزیرِ اعظم آپ کو مقرر کردیا جائے؟۔ نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اُن کی ریاست میں ملکی اور غیر ملکی کا سوال بہت ہے۔ وہاں کے وزیرِ اعظم کا "مُلکی" ہونا ضروری ہوتا ہے

سرکارؒ نے فرمایا:۔ "میاں سارے ملک اللہ کے ہیں۔ اللہ کے قانون میں کسی کی نہیں چلتی۔ پس آپ کو نظامِ دکن کا وزیرِ اعظم مقرر کردیا گیا"۔

نواب صاحب سرکارؒ کی خدمتِ اقدس سے رخصت ہوکر اپنے دولت کدے پر پہنچے ہی تھے کہ اعلیٰ حضرت نظام دکن کا برقیہ موصول ہوا، جس میں نواب صاحب سے فوراً حیدرآباد پہنچنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ چنانچہ نواب صاحب جب حیدرآباد دکن پہنچے تو آپ کو ریاست کا وزیرِ اعظم مقرر کردیا گیا۔

(۵)

والیٔ ریاست چھتاری نواب حافظ محمد احمد سعید خان صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے نواب زادہ راحت سعید خاں صاحب یُوسفی تاجی (جو آر۔ ایس۔ چھتاری کے نام سے دنیا بھر میں مشہور اور عرب ممالک میں بہت مقبول اور نیک نام ہیں) سرکارؒ کے مقبول ومقرب مریدین میں سے ہیں۔ ان کی شادی الحاج لیفٹننٹ کرنل نواب بہادر عبدالسمیع خان صاحب یُوسفی تاجی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ بارات چھتاری سے طالب نگر گئی تھی۔ باراتیوں میں زیادہ تعداد یو۔پی کے رؤسا اور امراء کی تھی۔ ضلع بلند شہر، ضلع علی گڈھ اور ضلع میرٹھ کے قریب قریب تمام ہی رؤسا سرکارِ والاجاہؒ سے واقف تھے۔

سرکارؒ نے راحت میاں کی شادی میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی تھی۔ نواب صاحب چھتاری اور نواب جمشید علی خاں صاحب والیٔ باغپت دیوبندی عقائد رکھتے تھے۔ قوالی کو ناجائز سمجھتے تھے۔ انہوں نے کبھی قوالی سُنی بھی نہیں تھی۔

برادرم برکت علی خاں یوسفی سلمہ اللہ الکریم کا بیان ہے کہ میں اُسی دن علی گڈھ گیا ہوا تھا۔ وہاں ریلوے کے کٹھ پُلے پر مجھے 'پہاسُو' کا ایک قوال مل گیا۔ سلام دعا کے بعد اُس نے مجھ سے سرکارؒ کے متعلق استفسار کیا کہ حضور کہاں ہیں؟۔ میں نے کہا کہ آج طالب نگر میں شادی ہے سرکارؒ وہاں تشریف لاچکے ہیں۔ اُسی دن 'پہاسُو' کے قوالوں کی وہ چوکی شام چار بجے والی ٹرین سے طالب نگر پہنچ گئی۔ اس ٹرین سے آنے والے مہمانوں کو نواب صاحب کی گڑھیا تک لانے کے لئے بہت سی موٹر کاریں اور گھوڑا گاڑیاں اسٹیشن پر موجود تھیں۔ انہیں گاڑیوں کے ذریعے یہ قوال بھی قلعے میں پہنچ گئے اور سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر قدمبوس ہوئے۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ "اے

یہ قوال خوب آگئے"۔ نمازِ مغرب کے بعد نکاح ہُوا۔ نکاح ہوتے ہی سرکارؒ نے فرمایا:۔" ایسے وہ قوال آئے ہیں۔ اُنہیں بُلا لاؤ"۔ قوال حاضر ہوگئے۔ حکم ہُوا:۔" لاؤ رے اپنی کتاب سُناؤ"۔ کسی کو وہاں سے کِھسکنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ سماع شروع ہوگیا۔ قوالوں نے پہلے سہرا پڑھا، پھر مبارکبادیاں پڑھیں۔ روپے کی بارش ہونے لگی۔ تمام رؤسا بڑھ چڑھ کر سرکارؒ کو نذریں پیش کر رہے تھے۔ حالانکہ یہ کوئی مشہور اور بڑے قوال نہیں تھے۔ لیکن محفلِ سماع پُرکیف سے پُرکیف تر ہوتی چلی گئی۔ قوالوں کو ہزاروں روپے مل گئے۔ اس کے بعد قوالی کے منکر رؤسا سرکارؒ کے ساتھ ہمیشہ بزمِ سماع میں شرکت کرتے رہے۔ اور ان پر کیفیات اور لطائف کا نزول ہونے لگا۔

(۶)

برکت علی خان صاحب یوسفی کا بیان ہے کہ ہندوستان میں آدی باسی جماعت اور اچھوت قوموں کے مشہور رہنما سوامی کلجگانند کبیر پنتھی اُن دِنوں چھتاری میں قریب قریب روزانہ ہی آیا کرتے تھے۔

میرے سرکار حضرت غوث محمد بابا یُوسف شاہ تاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب تک چھتاری میں تشریف فرما ہوتے تو سوامی کلجگانند صاحب آپکی خدمت میں روزانہ حاضر ہوتے تھے۔
سوامی صاحب کا مطالعۂ علمِ ادیان بہت ہے۔ ہندو دھرم اور عیسائیت کے تو وہ بخیئے ہمیشہ اُدھیڑتے رہے، لیکن اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور برتری کے بھی وہ معتاد ہے۔ اہلِ تصوّف سے اُنہیں روحانی لگاؤ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اُن کی راست فکری اور حق گوئی کے ساتھ عمرِ طویل عطا فرمائے۔ انہوں نے مظلوم و مقہور انسانوں کے لئے بڑے کام کئے ہیں۔ اور لوگوں کو عیسائیت اور ہندو دھرم کے گرداب اور دلدل میں پھنسنے سے بہت بچایا ہے۔ تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان تشریف لے آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اُن کی عمر اس وقت ایک سو کے پیٹے میں ہے۔ مگر دیکھو تو ستّر بہتّر سے زیادہ کے نظر نہیں آتے۔
ایک دن کراچی کے صدر بازار میں مجھے مل گئے۔ بڑی شفقت سے ملے۔ ہم دونوں نے ایک ہوٹل میں چائے پی۔ چائے پینے کا تو بہانہ تھا۔ بقول ؏

تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے

انہوں نے سوال کیا کہ نواب صاحب (چھتاری) تو آجکل علی گڈھ میں ہی ہیں؟۔ میں نے کہا۔" ہاں"۔ انہوں نے کہا کہ حضرت بابا یوسف شاہ صاحب علیہ الرحمۃ یعنی آپکے پیر و مرشد کا نواب صاحب پر بڑا کرم تھا۔ میں خاموش رہا۔ سوامی صاحب نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔" حضرت بابا یوسف شاہؒ کی دعا سے ان کو بڑا عروج ملا۔ نواب صاحب چھتاری پر بڑا کرم رہا۔ اور اس نواح کے باشندگان بھی حضرت سے فیضیاب ہوئے۔

(۷)

ایک سال ناگپور کے نواب منہاج الدین صاحب کے داماد اور کچھ اعزّہ اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ بڑے اہتمام سے آئے تھے۔ ملازم، باورچی، کھانے پکانے کے تمام برتن، اشیاء و اجناسِ خورد و نوش ساتھ تھے۔
ناگپور شریف میں سرکارؒ سے ملاقات میں نواب صاحب نے عرض کیا تھا کہ غریب نوازؒ کے عرس مبارک پر حاضری کا قصد ہے۔ آؤں گا تو حضور کو اطلاع دے دوں گا۔ نواب صاحب کے پاس سرکارؒ کا پتہ موجود تھا۔ لیکن اجمیر شریف یہ قافلہ سرکارؒ کو اطلاع دیئے بغیر پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ اسٹیشن پر اترنے کے بعد بھی سرکارؒ کو اپنی آمد کی خبر نہیں بھیجی۔ اسٹیشن پر ہی انتظار گاہ میں مقیم رہے اور قیام کے لئے کسی مکان کی تلاش شروع کرادی۔ تین شبانہ روز یہ جدوجہد جاری رہی، لیکن مکان حاصل نہ ہوسکا۔ تین روز بعد مجبوراً انہوں نے سرکار کی خدمت میں اپنی آمد کی اطلاع کرائی۔ سرکارؒ بنفسِ نفیس ریلوے اسٹیشن پر تشریف لائے۔ نواب صاحب ہنوز اپنے ساز و سامان اور ہمراہیوں کے ساتھ پلیٹ فارم پر پڑے تھے۔ شہر میں کسی قیمت پر کوئی مکان نہیں مل رہا تھا۔ سرکارؒ نے فرمایا: آپ نے غلطی کی ہمیں اطلاع نہیں دی۔

اور ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو یہاں تکلیف ہوئی ۔ پھر سرکارؒ نے اجمیر شریف کے سرکردہ افراد میں سے ایک صاحب جناب محمد الیاس رضوی سے جو کہ شاعر بھی تھے، فرمایا کہ ہمارے ایک مہمان آئے ہیں۔ دس پندرہ افراد اُن کے ہمراہ ہیں۔ ان کو مکان نہیں مل سکا ہے۔ آپ ابھی کسی مکان کا انتظام کیجئے ۔ رضوی صاحب تشریف لے گئے اور کوئی نصف گھنٹے میں ہی واپس آکر عرض کیا کہ تشریف لے چلئے ۔ مکان مل گیا ہے ۔

نواب صاحب سرکارؒ کے بڑے شکر گزار ہوئے ۔ یہ چھٹی رجب تھی ۔ چھٹی شریف کی فاتحہ کا ایک خصوصی اہتمام سرکار کے دولت کدہ پر بھی ہوتا تھا۔ آپؒ نے نواب صاحب کو مدعو فرمایا۔ وہ وقت سے پہلے ہی حاضر ہو گئے اور پھر عرض کیا کہ حضرت آپ نے بڑا کرم فرمایا۔ ہم بہت پریشان تھے سرکارؒ نے فرمایا :۔ "ہمیں تو کوئی تکلیف نہیں ۔ البتہ یہ تکلیف ہوئی کہ آپ تشریف لائے اور ہماری موجودگی میں آپ کو تکلیف اٹھانا پڑی"۔ پھر فرمایا :۔ "نواب صاحب ! ایک بات تو ہے ۔ یہاں غریب نوازؒ کے ہاں جو بے سرو سامان آتے ہیں، غریب نوازؒ ان کا ہی انتظام کرتے ہیں۔ آپ تو اپنا سامان خود ہمراہ لائے تھے ۔ غریب نوازؒ نے سوچا ہو گا کہ ان کا ہم کیا انتظام کریں"۔ نواب صاحب عرق عرق ہو گئے ۔ عرض کیا کہ حضرت یہ گستاخی تو واقعی ہوئی ہے ۔ ہمیں اس پر سخت ندامت ہے ۔

(۸)

سرکارؒ کے مریدین ریاست جوناگڈھ میں بہت تھے ۔ آپ کا شہرہ نواب جوناگڈھ تک پہنچ چکا تھا ۔ ہمارے ایک پیر بھائی مرحوم آدم جی نے جو اسی علاقے کے رہنے والے تھے، یہ واقعہ بیان کیا تھا ۔ وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ سرکارؒ جوناگڈھ پہنچے تو نواب مہابت خاں جی والئی ریاست جوناگڈھ کا ایک نمائندہ سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ نواب صاحب نے سلام عرض کیا ہے اور کہلا ہے کہ یہاں بھی کبھی تشریف لائیے ۔

سرکارؒ نے جواباً فرمایا :۔ "ہم فقیر ہیں ۔ فقیروں کا نوابوں سے کیا مطلب"۔

نواب صاحب کو یہ اطلاع پہنچی تو انہوں نے معذرت خواہی کرائی کہ غلطی مجھ سے سرزد ہوئی ۔ حضورؒ کی خدمت میں، میں خود حاضر ہوں گا ۔ پھر ایک اور پیغام رساں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ نواب صاحب حاضرِ خدمت ہو رہے ہیں ۔

آدم بھائی نے بتایا کہ میں سرکارؒ کی خدمت میں اُس وقت حاضر تھا ۔ حضورؒ نے فرمایا :۔

"ارے آدم !"۔ عرض کیا :۔ "حضور !"۔ سرکارؒ نے فرمایا :۔ "اس جوناگڈھ والے نواب کو، نواب کس نے بنایا ہے ؟"۔ عرض کیا :۔ "سرکار ! اللہ نے بنایا ہے"۔ فرمایا :۔ "اچھا ! تو جب اللہ نے اُسے نواب بنایا ہے اور عزت عطا فرمائی ہے تو ہمیں بھی نواب کی عزت کرنا چاہیئے"۔ اتنا فرما کر سرکارؒ ایک لمحے کو خاموش ہوئے ۔ پھر فرمایا :۔ "اچھا تو نواب صاحب کو کہلا بھیجو کہ ہم خود ہی آتے ہیں۔ آپ تکلیف نہ فرمائیں"۔ پھر سرکارؒ نواب صاحب کے پاس تشریف لے گئے ۔ نواب صاحب، عجز و انکسار اور پورے ادب و احترام کے ساتھ استقبال کو بڑھے، اور اس تکلیف فرمائی کے لئے بار بار شکریہ ادا کرتے رہے۔ ان کے ادب کا عالم یہ تھا کہ سرکارؒ سے نظر ملا کر بات نہیں کر رہے تھے ۔

اس کے بعد جب بھی سرکار دولت مدارؒ جوناگڈھ تشریف لاتے، نواب صاحب مرحوم حاضرِ خدمت ہوتے اور اپنے ہاں تشریف لے چلنے کی دعوت بہت ہی ادب سے پیش کرتے تھے ۔

بُت شکن

(۱)

سرکار یُوسف الاولیاء علیہ الرحمۃ کا قیام، رئیسِ طالب نگر نواب بہادر عبد السمیع خانصاحب یوسفی تاجی نور اللہ مرقدہٗ کے ہاں تھا۔ طالب نگر سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر جنگل کے ایک حصے میں کوئی ہندو جوگی جادوگر ایک محیّر العقول کرتب دکھا رہا تھا۔ زمین سے قریب قریب سوا گز اُونچا، آلتی پالتی مارے ہوا میں معلق بیٹھا تھا۔ اور دیکھنے والوں کا کہنا یہ تھا کہ ایک ہفتے سے وہ اِس جوگی کو اسی طرح ہوا میں معلق دیکھ رہے ہیں۔

بات معمولی نہیں تھی۔ ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے بھی ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ ہزاروں روپے کے نقد چڑھاوے آرہے تھے۔ مٹھائیوں، کھیل بتاشوں کے چڑھاوؤں کے تو ڈھیر تھے۔ حد یہ ہے کہ اس علاقے کے مسلمان تک اِس جادوگر ہندو جوگی کی "کرامات" سے مسحور ہوتے چلے جارہے تھے۔

شدہ شدہ یہ اطلاع سرکارؒ تک پہنچی۔ سرکارؒ کا معمول تھا کہ شام کے وقت جنگل میں دُور دُور تک ہوا خوری فرماتے تھے۔ مُریدین پیچھے پیچھے ہمراہ ہوتے۔ جس دن حضورؒ کو یہ اطلاع ملی، اُسی شام کو آپ حسبِ معمول چہل قدمی کے لئے تشریف لے گئے، اور راستہ اُسی جنگل کا لیا جہاں سادھو نے میلہ لگا رکھا تھا۔ سادھو واقعی ہوا میں معلق نظر آرہا تھا۔ زمین پر نقدی، بتاشوں، کھیلوں اور شیرینی کے ڈھیر لگے تھے۔ حضرتؒ اُس مجمع میں گھُستے چلے گئے اور آپؒ نے بلند آواز سے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھا۔ سرکارؒ کا اتنا پڑھنا تھا کہ وہ سادھو زمین پر دھڑام سے آوندھا گیا۔ اُس کا سر زمین سے ٹکرایا اور ٹانگیں اوپر کو ہوگئیں۔ سرکارؒ نے چلتے چلتے لاحول پڑھی تھی۔ آپ تیز تیز قدموں بدستور بڑھتے چلے گئے۔ لیکن وہاں تہی پڑ گئی — مجمع بیک زبان چیخنے لگا کہ نواب کے پیر نے اوندھا دیا۔ سرکارؒ جنگل میں چہل قدمی فرما کر، حسبِ معمول اپنی قیام گاہ "نواب صاحب کی گڑھی" پر واپس تشریف لے آئے۔

جوگی کا سارا سحر ختم ہوگیا۔ بچے بچے کی زبان پر صرف سرکارؒ ہی کا ذکر تھا، جو راسخ ہوتا چلا گیا۔

(۲)

بُنتیر شریف کا فاصلہ چھتاری سے تین میل تھا۔ یہاں بدرِ ہند حضرت مولانا بہار الدین شاہ علیہ الرحمۃ کا مزارِ مبارک ہے۔ بھائی خلیفہ خورشید احمد خان صاحب یُوسفی تاجی پہلے قادریہ سلسلہ میں اِنہی مولانا بہار الدین شاہ صاحبؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ مگر خدا طلبی کے ذوق نے چین نہ لینے دیا۔ تلاشِ حق اور تکمیلِ سلوک کے لئے کسی مردِ راہ داں اور مرشدِ کامل کی تلاش ہی یہ اُن کی خوش بختی ہی تھی کہ سرکار یوسف الاولیاءؒ نے اُنہیں اپنی غلامی میں قبول فرما لیا۔

لیکن اس بیعت سے بُنتیر شریف کے سجادہ نشین اور اُن کے سلسلے کے دیگر خلفاء بہت ناراض اور کبیدہ خاطر تھے۔ خورشید احمد خان صاحب آئے دن اُن کے طعن و تشنیع کا ہدف بنا کرتے تھے۔ اُن لوگوں کی کج بحثی سے بھائی صاحب کو آزردگی ہوا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے سرکارؒ اور حضرت بابا صاحبؒ کی شان میں بھی گستاخی کی کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ اِسی کو شرک فی الطریقت کہتے ہیں۔ حالانکہ حکم یہ ہے کہ: ع

نیر نگیوں سے یار کی حیراں نہ ہو جیو

بھائی خورشید احمد خانصاحب چاہتے تھے کہ کسی طرح سرکارؒ اُن کے ساتھ بُنتیر شریف چلیں اور وہاں کے سجادے صوفی عبد الحمید اور دیگر خلفاء سرکارؒ سے بالمشافہ گفتگو کرکے اِن کے پیر (سرکارؒ) کی عظمت تسلیم کرلیں اور ان کا پیچھا چھوڑ دیں۔ لیکن سرکارؒ ہمیشہ ہی موضوعِ گفتگو تبدیل فرما دیتے تھے۔

ایک مرتبہ سرکارؒ ہاتھی پر رونق افروز، کالی ندی کے کنارے کنارے جنگل کی سیر فرما رہے تھے۔ سامنے ہی دریا پار کرکے بُنتیر شریف کی درگاہ تھی۔ بھائی صاحب نے سرکارؒ سے اصرار کیا کہ سامنے ہی تو درگاہ ہے۔ چلیں حضور فاتحہ پڑھ آئیں۔ سرکارؒ نے منظور فرما لیا۔ ہاتھی دریا پار کرکے درگاہ کے قریب پہنچا تو آپ نے ہاتھی سے اُترنے کا حکم دیا۔ فرمایا ہم ذرا پیدل چلیں گے۔ ندی سے وضو کر آئیں۔ خلیفہ خورشید احمد خانصاحب نے اِس مُہلت سے فائدہ اُٹھایا اور وہاں کے سجادہ نشین صاحب کو مطلع کرنے کو درگاہ پہنچ گئے۔ مگر وہاں اِس خوشخبری کا اثر ہی اُلٹا لیا گیا۔ بجائے اس کے کہ وہ ایک بزرگ کا

استقبال کرتے اور اُن کی میزبانی کا فریضہ ادا کرتے، بابا صاحبؒ اور سرکارؒ کو بُرا بھلا کہنے لگے، جو مُنہ میں آیا دے مارا۔ پھر حضرتؒ کی ملاقات ہی سے انکار کر دیا۔ صاحبِ مزار کے بعض خلفاء نے اس پر اپنے سجادہ صاحب کو سمجھایا بھی کہ یہ وطیرہ تو اخلاقِ محمدیؐ کے سراسر منافی ہے۔ گھر پر آئے ہوئے مہمان کے ساتھ ایسا نہیں کرتے۔ آپ کا یہ فعل تو آپکے پیرو مُرشد کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ بہرکیف وہاں تو یہ کھینچ تان ہو رہی تھی اور یہاں سرکارؒ دریا میں وضو فرما رہے تھے اور چہرۂ اقدس پر جلال کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

میں سرکارؒ کے روئے مبارک کو تک رہا تھا۔ ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ سخت خائف تھا کہ دیکھئے اب کیا ہو! ۔ بھائی خورشید احمد خان صاحب، وہاں سے جلدی جلدی واپس آئے، اور خلافِ واقعہ سرکارؒ سے عرض کیا کہ حضرت تشریف لے چلیں وہاں سب زیارت کے مشتاق ہیں۔ سرکارؒ نے بھائی خورشید احمد خان صاحب کو غصّے کے ساتھ دیکھا اور فرمایا:۔ "ہمیں لغو گوئی ہرگز پسند نہیں۔ کیوں یہاں کے سجادے کو تباہی و بربادی میں ڈالتا ہے"۔ اتنا فرما کر اُسی جلال میں لپک کر حضرت بہار الدین شاہ صاحبؒ کے روضے میں داخل ہو گئے اور چند ساعت میں فاتحہ پڑھ کر باہر تشریف لے آئے، جہاں بعض خلفاء سرکارؒ سے ملاقات کے لئے موجود تھے۔ سرکارؒ نے برآمد ہوتے ہی اُن خلفاء پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا:۔ "یہاں مولانا بہار الدین کوئی نہیں بنا!" ۔ خلفاء ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ کچھ نہیں سمجھے۔ پھر سرکارؒ وہاں موجود طالب علموں سے مخاطب ہو گئے اور اُن سے چند علمی سوالات فرمائے۔ مگر وہ بھی کوئی جواب نہ دے سکے۔ آپؒ نے ایک طالب علم کی جانب دیکھ کر آگے آنے کا اشارہ فرمایا۔ جیسے ہی وہ طالب علم، بڑے ادب سے دست بستہ سر جُھکائے سامنے آئے کہ سرکارؒ نے فرمایا:۔ تمہارا نام کیا ہے؟۔ اُنہوں نے جواب دیا:۔ ساجد میاں ۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ بس یہاں کے لئے بنا بنایا سجّادہ موجود ہے"۔ اتنا فرما کر آپ اپنی سواری کے ہاتھی کی جانب بڑھے۔

وہاں کے خلفاء نے اصرار کیا کہ جب حضرت یہاں تک تشریف لے آئے ہیں تو سجادہ نشین صاحب سے بھی ملاقات فرمالیں۔ سرکارؒ نے اُن سے بھی فرمایا:۔ "کیوں اسے پریشان کرنا چاہتے ہو"۔ پھر فرمایا:۔ "اچھا چلو"۔

وہاں کے سجادہ نشین ایک خیمے میں چند مریدین کے ساتھ بیٹھے تھے۔ سرکارؒ ان کے خیمے میں داخل ہوئے اور بلند آواز سے السلام علیکم فرمایا۔

سجادہ نشین نے آپؒ کے سلام کا جواب نہیں دیا اور اپنا مُنہ دوسری جانب پھیر لیا۔ جس جگہ لوگوں کی جوتیاں اُتری ہوئی تھیں، سرکارؒ وہیں بیٹھ گئے۔ ہم لوگوں کا ذکر ہی کیا ہے۔ خود اُن کے حلقے کے خلفاؤ مریدین کے چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ اُنہیں اپنے سجادہ صاحب کا یہ خلافِ سُنّت طریقہ پسند نہیں آیا۔ وہ لوگ منفعل بھی معلوم ہوتے تھے۔

سرکارؒ اُن کی جوتیوں میں کوئی دو منٹ بیٹھے، پھر یکایک اُٹھ کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے یہ شعر پڑھا اور خیمے سے باہر تشریف لے آئے ؎

شیخ جی چلّے اگر کرتے رہو چالیس سال
شیخ تو ہوتے نہیں، پر شیخ چلّی ہو تو ہو

سرکارؒ ہاتھی پر سوار ہو گئے۔ کچھ دور چل کر بھائی خورشید احمد خاں صاحب سے پُوچھا کہ "تمہارے سجادے نے ہمارے بابا صاحب کی شان میں کیا الفاظ کہے؟"۔

مگر بھائی صاحب سخت نادم تھے اُن پر کامل سکوت طاری تھا۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ "اچھا، تو ایسے گستاخ کو سزائے موت کے احکام جاری کئے جاتے ہیں"۔ اتنا فرما کر سرکارؒ اپنی جائے قیام پر پہنچے تو وہاں جتنے اہل سلسلہ حاضر تھے، وہ سرکارؒ کے روئے انور پر جلالی کیفیات کو دیکھ کر لرز گئے۔ اور سہمے ہوئے ہم لوگوں سے استفسار کرنے لگے۔ ہر شخص سرکارؒ کو خوش کرنے کی فکر میں منہمک و مصروف ہو گیا مگر سرکارؒ کی وہ کیفیت فرو نہیں ہو رہی تھی کہ اِسی عرصے میں چھتاری کے بازار میں شور و غل بلند ہوا۔ مرحوم بھائی خورشید احمد خان صاحب اس زمانہ میں چھتاری کی پوری بستی کے صدر کارندہ تھے، سرکارؒ نے انہیں سے دریافت فرمایا کہ "یہ کیسا شور ہے جا کر معلومات کرو"۔

بھائی صاحب جلدی جلدی روانہ ہوئے اور آ کر عرض کیا کہ بُتنیر شریف کے سجادہ نشین صوفی عبدالحمید کو قتل کر دیا گیا ہے اور اُس خیمے کو جلا دیا گیا ہے جہاں وُہ ابھی تھوڑی دیر پہلے بیٹھے تھے اور اب اُن کی نعش تھانہ پہاسو لے جائی جا رہی ہے۔ پہاسو جانے کیلئے

چھناری کے بازار سے گزرنا ہوتا ہے۔

ہر شخص حیران تھا اور خائف تھا کہ سرکارؒ کے ساتھ بے ادبی اور بابا صاحبؒ کی شان میں گستاخی کا انجام ہم میں سے ہر ایک کے سامنے موجود تھا۔ بھائی صاحب نے سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سرگزشت سنائی تو سرکارؒ نے فوراً فرمایا: "نہیں بابا صاحب تو سراپا رحمت ہیں۔ مگر محبوبانِ الٰہی کی شان میں جب کوئی گستاخی کی جاتی ہے تو غیرتِ الٰہی اسمِ مُنتقم کی تجلی فرماتی ہے۔ وہ کبھی نہیں چُوکتی"۔ اتنا فرما کر ایک لمحے کے لئے آپ ٹھیرے۔ پھر فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی گستاخی کرتا ہے تو، توبہ کر لینے سے اُس کا قصور معاف کر دیا جاتا ہے، مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی جناب میں گستاخی کرنے والے کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی"۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ چند اماميں کے نزدیک اُس کا قتل واجب ہے"۔ آپ نے ارشاد کیا:۔" حضور نبیؐ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جانشینان اِسی حکم میں آتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے کہ جس بستی میں کسی مقربِ الٰہی کی دل آزاری کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ جب تک اُس بستی کو ویران نہیں کر دیتا، اُس کی شانِ قہاری کو قرار نہیں آتا"۔ اتنا فرما کر سرکارؒ نے یہ شعر پڑھا: ؎

نہیں وُہ میٹھی نگاہ والا خدا کی رحمت ہے جلوہ فرما
غضب سے اُن کے خدا بچائے جلالِ باری عتاب میں ہے

{ وہ طالب علم جن سے آپؒ نے اُن کا نام دریافت فرمایا تھا۔ اور اُن کے سجادہ بننے کی پیشین گوئی کی تھی وُہی درگاہ حضرت بہاء الدینؒ کے سجادہ نشین ہوئے۔ ایک حج میں بھی وہ سرکارؒ کے رفیقِ حج تھے۔ اور ہندوؤں کے ہاتھوں بمقام بُنیر شریف ...... کو شہید ہو گئے۔ }

(۳)

بھائی آدم جی یوسفی تاجی نے بیان کیا کہ جیت پور میں ہمارے ایک پیر بھائی تھے۔ متموّل لوگوں میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ سرکارؒ کا قیام اُن کے ہاں ہی ہوتا تھا۔ ان صاحب کا ایک ہوٹل تھا۔ اس پر انہوں نے بہت سرمایہ لگایا تھا۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ دوسرے معمولی ہوٹلوں کے مقابلے میں اُن کا ہوٹل نہیں چل سکا تھا۔ ایسا آراستہ و پیراستہ ہوٹل، ایسی

اچھی سروس ایسا اچھا ماحول، لیکن سب بیکار۔ ہوٹل برابر نقصان دے رہا تھا۔

ایک مرتبہ سرکارؒ تشریف لائے تو ہمارے اُن ہوٹل والے پیر بھائی نے سرکارؒ سے عرض کیا کہ حضورؒ میں نمازِ پنجگانہ کا پابند ہوں۔ قرآنِ کریم کی روزانہ تلاوت کرتا ہوں۔ روزے بلا ناغہ رکھتا ہوں۔ زکوٰۃ اور خیرات بھی حکمِ الٰہی کے مطابق دیتا ہوں۔ ہر پنجشنبہ کو گلدستہ شریف بھی پڑھتا ہوں۔ حضورؒ کا مُرید بھی ہوں۔ بابا صاحبؒ کا نام لیوا ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ میرا ہوٹل نہیں چلتا۔ جبکہ دوسرے ہوٹل والوں کا حال یہ ہے کہ اُن کو دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، مگر وہ لوگ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

سرکارؒ اُن سے محبت فرماتے تھے۔ اُن کی اس فریاد سے آپؒ متاثر ہوئے۔ معاً کیفیتِ جلال نمودار ہوئی۔ پھر فرمایا:۔

" اچھا، جا اب تُو جو کہہ دے گا وُہی ہوگا"۔

اگلے دن سے معاملہ ہی کچھ سے کچھ ہو گیا۔ اب حال یہ تھا کہ ہمارے یہ بھائی صاحب جو کچھ کہہ دیں وہی کام ہو جائے۔

سرکارؒ واپس تشریف لے گئے۔ ان صاحب کی شہرت چند ہی روز میں سارے شہر میں ہو گئی۔ رات دن اہلِ ضرورت کا ہجوم رہنے لگا۔ جس سے جو کچھ کہہ دیتے، پُورا ہو جاتا۔ مریضوں کی قطاریں لگنے لگیں۔ الغرض جیت پور میں اُن کا ڈنکا بجنے لگا۔

سرکارؒ دوبارہ تشریف لائے تو لوگوں نے ان کی کرامات کے حالات بیان کئے۔ سرکارؒ نے بڑی حیرت کا اظہار فرمایا۔ جیسے آپؒ کو کچھ معلوم ہی نہ ہو۔ پھر فرمایا:۔" اچھا؟ ایسا ہے؟"۔ ایک شخص اپنی لبِ دم بچی کو لے کر آیا۔ اِن ہمارے پیر بھائی کو تو عادت ہو گئی تھی کہ ہر معاملے میں کہہ دیتے:۔" سب ٹھیک ہو جائے گا"۔" اچھا ہو جائے گا"۔ (وغیرہ وغیرہ)۔ بچّی کے باپ نے بڑی لجاجت سے حال بیان کر کے زندگی مل جانے کی التجا کی۔ انہوں نے حسبِ عادت اس سے بھی کہہ دیا کہ "جا ٹھیک ہو جائے گی"۔ سرکارؒ کو اُن کے اِس وطیرے پر بہت ناگواری ہوئی اور اُن سے فرمایا:۔

" اَبے خدا کی خدائی ہی پلٹ دے گا۔ جا! اب نہیں ہوتا ہے"۔ بس۔ اتنا فرمانا تھا کہ اُن کے زبان کی ساری تاثیر جاتی رہی۔ اور سرکارؒ بھی واپس تشریف لے گئے۔

(۴)

۱۹۲۳ یا ۱۹۲۴ ہی کا زمانہ تھا۔ علی گڈھ میں طاعون پھیلا ہُوا تھا۔ روزانہ بکثرت اموات ہورہی تھیں۔ سخت خوف وہراس طاری تھا۔ سرکارؒ کے پاس سے عوام النّاس کا تانتا ٹوٹنے ہی کو نہ آتا تھا۔ ہندو مسلمان جسے دیکھئے دوڑا چلا آرہا ہے۔ کسی کو تعویذ عطا ہوتا۔ کسی کو پھُول کی پتّیاں یا پورا پھُول، کسی کو لوبان اور کوئلوں کی ملی جُلی راکھ دے دی جاتی اور ہر ایک سے فرماتے جاتے:۔ "جاؤ حضرت اچھے رہتے۔"

ہم نے تو یہی دیکھا اور اُن علاقوں میں شہرت بھی یہی تھی کہ سرکارؒ کی خدمت میں جو بھی حاضر ہوگیا، طاعون سے محفوظ وما مون ہوگیا۔

ایک دن ہمارے ہی کوئی پیر بھائی اپنی بچّی کو لے کر حاضر ہوئے۔ بچّی کو اُسی دن بخار چڑھ آیا تھا اور طاعون کی گِلٹی نکلنے کا اندیشہ تھا۔ وہ جس قدر مضطرب اور پریشان ہو رہے تھے، سرکارؒ اُن کی اور اُن کی بچّی کی طرف سے اتنی ہی عدم توجہی ظاہر فرما رہے تھے۔ انہوں نے رونا شروع کردیا اور اسی حالت میں بچّی کی صحت کے لئے سرکارؒ سے دعا کرنے کی درخواست کی۔ یکایک سرکارؒ نے ایک غیر متعلق سا جملہ ارشاد فرمایا۔ جسے حاضرینِ دربار میں سے اُس وقت کوئی نہ سمجھ پایا۔ فرمایا:۔

"۔ آوا کروں دَوا کروں تو مر جائے تو مَیں کیا کروں
بکری پان چبا گئی میں کیا کروں ۔"

اتنا فرمایا اور آنکھیں بند کرکے بیٹھ گئے۔ اگلے روز اطلاع آئی کہ وہ بچّی فوت ہوگئی ہے۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ط

(۵)

رِیمیا وسِیمیا وکِیمیا
کَس نداند جُز بذاتِ اولیا

حکیم سعید احمدؒ صاحب سہوان کے رہنے والے تھے۔ سرکار یوسف الاولیاء قدس سرہٗ سے ان کی ملاقات علی گڈھ میں ہوئی تھی۔ سرکارؒ دیگر علوم کی طرح علم نباتات کے حقائق کے بھی عالم تھے۔ جڑی بوٹیوں کے آثار وخواص اور ان کی تاثیرات آپؒ پر

مُنکشف تھیں۔ حکیم سعید احمدؒ صاحب سہسوانی کو مہوّسی نے دیوانہ کر رکھا تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے کیمیا سازی کی دُھن تھی۔ سرکارؒ سے بات چیت کے دوران وُہ یہ سمجھ گئے تھے کہ اُن کا دُرِ مقصود، اِسی صدف میں پنہاں ہے۔ چناں چہ وہ ہردم سرکارؒ کے پاس حاضر رہنے لگے۔ خیال یہ تھا کہ حضرتؒ سے دوستی پیدا کرکے کیمیا کا نسخہ باتوں باتوں میں حاصل کرلیا جائے۔

دو یا ڈھائی مہینے گزر گئے لیکن حکیم صاحب کا کام کسی طور پر بننے ہی میں نہیں آتا تھا۔

سرکار والا تبار علیہ الرحمۃ علی گڈھ میں مقیم تھے۔ ہمارے پیر بھائیوں میں بھائی مونس علی خانصاحب یوسفی مرحوم اور بھائی علی اصغر خان صاحب یُوسفی (علیگ) اطال اللّٰہ عمرہٗ وغیرہ سے حکیم صاحب کافی مانوس ہوگئے تھے۔ اِدھر ہم لوگوں سے بھی بے تکلفی ہوگئی تھی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ سرکارؒ اپنی جائے قیام سے شاید ہَوا خوری کے لئے باہر نکلے۔ ہم لوگ بھی ہمرکاب تھے۔ سرکارؒ ایک ہوٹل میں چائے نوش فرمانے کے لئے داخل ہوگئے۔ بعض خاص احباب بھی آپؒ کے ساتھ تھے۔ میزوں پر بیٹھتے وقت سرکارؒ اور آپؒ کے احباب ایک میز کے گِرد رونق افروز ہوگئے، تو ہم لوگ وہاں سے فاصلے پر ایک الگ میز پر حکیم صاحب کو لے کر بیٹھ گئے۔ مُونس بھیّا سے حکیم صاحب کی بہت بے تکلّفی تھی۔ اُنہوں نے تفننِ طبع کے طور پر کہا کہ یہ ڈاڑھی حکیم صاحب نے دُھوپ میں ہی سفید کی ہے۔ کیمیا کی الف بے بھی اِن کو نہیں آتی۔ حکیم صاحب تو گویا بھرے بیٹھے تھے۔ طیش آگیا۔ پھٹ پڑے۔ بولے، میاں مجھ کو تو وہ کچھ آتا ہے جو آپ کے حضرت کو بھی نہیں آتا۔ اتنا کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور شیشی نکال کر ہمیں دکھاتے ہوئے بولے:۔ یہ دیکھو! ڈاڑھی دھوپ میں سفید نہیں کی ہے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں درویشوں اور رِشیوں، مُنیوں کی خدمت کی ہے تو یہ اکسیر حاصل ہوئی ہے۔

ہم نے دیکھا کہ پانی کے رنگ کا کوئی سیّال مادّہ دو ڈھائی تولے کے قریب اُس شیشی میں ہے۔ مُونس بھیّا نے حکیم صاحب کو مزید چھیڑا اور بولے:۔ آہاہاہا، یہ پانی دکھا کر ہمیں دھوکا دیا جارہا ہے؟ یعنی، اب ہم پر بھی اپنی کیمیا دانی کا رُعب ڈالنے لگے؟

حکیم صاحب اِس فقرے بازی پر بالکل ہی کھَول گئے اور ہم سب سے مخاطب ہوکر فرمایا:۔ اچھا تو جاؤ۔ تم میں سے کوئی بھی شخص دہکتا ہُوا ایک کوئلہ لے آؤ ـــ بھائی

مونس علی خان صاحب یوسفی بھی علی گڈھ کے اولڈ بوائے تھے، مُسکراتے ہوئے اُٹھے اور ہوٹل ہی سے ایک دہکتا جھم جھماتا کوئلہ لے آئے۔ کوئلہ کے آتے ہی حکیم صاحب نے فرمایا:۔ تانبہ کا ایک پیسہ دو۔ اس زمانے میں تانبے کے بڑے بڑے پیسے چلتے تھے۔ ملکہ وکٹوریا والا ایک موٹا سا پیسہ ہم میں سے کسی نے حکیم صاحب کو پیش کر دیا۔ انہوں نے اُس شیشی کے سیّال میں ایک تیلی ڈبوئی اور تانبے کے پیسے پر اچھی طرح مَل کر، وہ پیسہ آگ کے کوئلے پر رکھ دیا۔ تھوڑی سی دیر ہوئی ہوگی کہ وہ پیسہ سونے کا پیسہ بن گیا۔ ہم لوگ اِس چشم دید واقعے سے جتنے حیران ہوتے، کم تھا، کہ اسی اثناء میں ہم میں سے اکثر پیر بھائیوں نے اپنی اپنی جیبوں سے تانبے کے پیسے نکال کر حکیم صاحب سے اصرار شروع کر دیا کہ میرا پیسہ بھی سونے کا بنا دیجئے۔ اس محیّر العقول کارنامے سے ہم لوگ اتنے متاثر اور مسحور ہو گئے تھے کہ یہ ادب بھی یاد نہ رہا کہ سرکارؒ کی حضوری میں آواز بلند نہیں ہونا چاہیئے۔

ہماری اِس معمولی سی رَدّ و قدح کی آواز کو بھی سرکارؒ نے سماعت فرما لیا اور فرمایا:۔ ارے یہ کیا شور ہے؟" — ہم سب ہی آگے پیچھے پیشِ سرکارؒ ہو گئے اور ہم میں سے ہی کسی بھائی نے وہ سونے کا پیسہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور حکیم صاحب نے یہ سونا بنا دیا ہے۔

سرکارؒ متبسم ہوئے اور حکیم صاحب کو طلب فرما کر بڑے بھولے پن سے دریافت فرمایا:۔ "حکیم صاحب آخر وہ کونسی اکسیر ہے؟"۔ حکیم صاحب عُجبِ نفس میں تو مبتلا ہو ہی چکے تھے۔ اُنہوں نے بڑے فاتحانہ انداز میں وہ شیشی سرکارؒ کے ہاتھ میں دیدی۔ سرکارؒ نے شیشی اِدھر سے اُدھر اونچی نیچی کر کے دیکھی اور کچھ عجیب سی حیرانی اور اشتیاق آمیز آواز میں فرمایا:۔ اچھا تو حکیم صاحب اِس اکسیر سے تو لاکھوں کا سونا بن جائے گا۔ حکیم صاحب نے نہایت فاتحانہ انداز میں فرمایا:۔ لاکھوں کیا کروڑوں روپے کا سونا تیار کر سکتا ہوں۔

سرکارؒ نے معاً وہ شیشی کھولی اور اس کا سارا سیّال فرش پر اُوندھا کر اپنے جوتوں سے مَسلتے ہوئے فرمایا:۔ "مٹّی تھی مٹّی میں مل گئی"۔

اب کیا تھا حکیم صاحب آپے سے باہر ہو گئے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی گستاخانہ رویہ اختیار کرتے، سرکارؒ اُٹھے اور تیز قدم اپنی جائے قیام کو روانہ ہو گئے۔ اب حکیم صاحب

نے ہم لوگوں کو گھیر لیا اور تمام راستے ہم لوگوں سے جھگڑتے ہوئے جائے قیام تک پہنچے حتیٰ کہ رات بھر ہم میں سے ایک ایک کا دماغ چاٹتے رہے۔ بس اتنی ہی سی کسر رہ گئی تھی کہ وہ ہم میں سے کسی پر حملہ آور بھی ہو جاتے۔ رات کو انہوں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ اُن کی حالت پر عجیب سی بے چارگی طاری تھی۔ منہ اندھیرے وہ اُٹھ گئے اور وطن واپس ہونے کے لئے ہم لوگوں سے زادِ راہ کے لئے تیس[30] روپے طلب فرمائے۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم بلا اجازت یہ حکم پورا کرنے سے معذور ہیں۔ اِسی اثناء میں چہل قدمی کے لئے سرکارؒ نے جنگل کا قصد فرمایا، ہم میں سے ہر ایک حاضر الوقت ساتھ ہو لیا۔ حکیم صاحب بھی ہمارے تعاقب میں بھاگے اور ایک ایک سے فرماتے گئے کہ مجھے صرف تیس[30] روپے دیدو۔ میں آپ کے سرکارؒ سے کوئی بات ہی کرنا نہیں چاہتا۔ بس آپ لوگ ہی دیدیں۔

سرکارؒ ہم لوگوں سے ۲۰-۲۵ قدم آگے آگے جنگل کی سمت رواں دواں تھے کہ یکایک رُک گئے اور استنجے کے لئے ڈھیلا طلب فرمایا۔ ہمارے ایک پیر بھائی آدم جی بھی ہمراہ تھے۔ انہوں نے ایک جگہ سے زمین سے اُکھاڑ کر مٹی کے کچھ ڈھیلے پیش کئے۔ سرکارؒ نے اُسی جگہ استنجا فرمایا اور وہ ڈھیلا یکایک حکیم صاحب کے سر کی طرف اُچھال دیا۔ اور ساتھ ہی فرمایا:۔ "لے یہ تیرا معبود ہے، مُرتد بھاگ جا یہاں سے"۔ ڈھیلا حکیم صاحب کے سر سے ٹکرا کر زمین پر گرا تو وہ آدھ پاؤ کے قریب سونے کا ڈلا تھا۔ ایک آن گزری ہوگی کہ سرکارؒ نے ارشاد فرمایا:۔ "ارے ہم تو اپنے پیشاب سے مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں"۔ اتنا فرمایا اور پھر جنگل کی راہ لی۔ اب تو حکیم صاحب کا وہ حال تھا کہ کیا کہئے۔ ایک ہیبت، ایک حیرت، ایک ندامت۔ دوڑتے جاتے تھے اور ہم میں سے اکثر پیر بھائیوں کی خوشامد کرتے جاتے تھے کہ میری خطا معاف کرادو۔ بھلا ہماری کیا مجال تھی کہ سرکارِ والا تبارؒ سے اشارۃً بھی اس ضمن میں کوئی گزارش کر سکیں۔ کسی نے حکیم صاحب کو مشورہ دیا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ اپنا یہ سونے کا ڈلا سنبھالیں اور جلد سے جلد رخصت ہو جائیں۔ چناں چہ حکیم صاحب کو بمشکل تمام رخصت کر دیا گیا۔

دَر آستانِ جاناں از آسماں میندیش
کز اوجِ سربلندی اُفتی بخاک پستی

اب حال یہ تھا کہ ہمارے اکثر برادرانِ طریقت رات دن سرکارؒ کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ حاضر رہنے اور طرح طرح سے خوشامدانہ انداز میں بڑھ چڑھ کر سرکارؒ کی ایسی خدمتیں کرنے لگے جو سرکارؒ کو نظر آتی رہیں۔ کیونکہ ہم میں سے اکثر کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہو گئی تھی کہ کسی طرح سرکارؒ کو اتنا خوش کر دیا جائے کہ سونا بنانے کی ترکیب بتا دیں۔

ایک دن اچانک ہم سب کو مخاطب فرما کر ارشاد ہوا:۔ "میاں، کیمیا سازی سے، اللہ پر توکل کرنے کی طلب اور عادت چھوٹ جاتی ہے اور اس کا بتانے والا، بنانے والا اور استعمال کرنے والا مردودِ بارگاہ ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر تنگیٔ رزق سے اضطراری کیفیات پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایک ایسی صنعت گری کو کام میں لا سکتا ہے جو شرعًا جائز بھی ہے اور ہم وہ بھی جانتے ہیں"۔ ذرا توقف کے بعد فرمایا:۔ جب کوئی زیادہ پریشان ہو تو اس صنعت سے کام لے سکتا ہے۔ اجازت ہے"۔ پھر حضرتؒ نے حکم دیا کہ ایک "رُوہُو" مچھلی لائی جائے۔ مچھلی آ گئی تو آپ نے اُس کی آنکھیں نکلوا کر میٹھے تیل (تیل تِل) اور بھیڑ کے دودھ (وغیرہ) میں اپنے روبرو پکوائیں۔ کچھ دیر بعد وہ برتن انگیٹھی سے اُتروا لیا گیا۔ پھر وہ دونوں آنکھیں کھرل میں ڈلوا کر آہستہ آہستہ صاف کرائی گئیں۔ پھر کچھ دیر کے لئے اُنہیں پانی میں ڈلوایا گیا اور جب وہ آنکھیں پانی سے واپس نکالی گئیں، تو ہمارے سامنے ۲ دو عدد سچے موتی موجود تھے۔ یہ دونو موتی لے کر ہم لوگ جوہریوں میں گئے اور معمولی قیمت پر فروخت کر آئے۔

فرمایا:۔ بس ضرورت مند کے لئے یہ صنعت جائز ہے اور اس کی اجازت دی جاتی ہے۔

(۶)

خلیفہ سیّد ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر یوسفی ایم۔ اے، ایل ایل۔ بی (علیگ) ایڈوکیٹ ہائی کورٹ (مغربی پاکستان) نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مجھے کیمیا بنانے کا شوق پیدا ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے سونا بنانا سکھا دیجئے۔

سرکارؒ خاموش رہے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن میری طلب اور خلش میں اضافہ ہو گیا۔ ایک دن سرکار یوسف الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جنگل کو چل پڑے۔ میں بھی ہمرکاب تھا۔ یکایک سرکارؒ نے فرمایا:۔ "ارے استنجے کے واسطے ڈھیلا لانا!"۔ میں لپکا اور ایک

ڈھیلا لا کر پیش کر دیا۔ سرکارؒ نے اس سے استنجا فرمایا اور پھر اُسے زمین پر پھینکتے ہوئے فرمایا:۔ "سونا اس طرح بناتے ہیں"۔ میں نے فوراً وہ ڈھیلا دیکھا تو سونے کا ڈلا نظر آیا۔ سرکارؒ آگے کی طرف چل پڑے۔ میں نے جھپٹ کر وہ ڈلا اُٹھا لیا۔ اور شہر پہنچ کر سُنار کو دیا۔ اُس نے کسوٹی پر کسا تو بتایا کہ اصلی سونا ہے۔ پھر اُسے گلا کر مزید تصدیق کر دی کہ یہ تو نہایت خالص سونا ہے۔

(۷)

سرکار والا تبارؒ کو دوائیں بنانے کا بہت شوق تھا۔ سینکڑوں روپے ادویات کی تیاری پر خرچ ہوتے، دوائیں پھونکی جاتیں، کھرل کی جاتیں، ایک ایک طبی احتیاط برتی جاتی، بڑے بڑے حکماء و اطباء اور کیمیا سازوں کی تیار کردہ دواؤں سے زیادہ معیاری۔ ان ادویہ سے لاکھوں روپیہ پیدا کیا جا سکتا تھا۔ زر و جواہر کے ڈھیر لگائے جا سکتے تھے۔ کوٹھیاں بنگلے، حویلیاں تعمیر کرائی جا سکتی تھیں۔ کرامتوں کے ڈنکے بجوائے جا سکتے تھے۔ لیکن سرکارؒ کا تو مزاج ہی محمدی تھا۔ کوئی بھی ایرا غیرا نتھو خیرا آتا، اپنی بیماری لاچاری کا ذکر کرتا، اور اُدھر دواؤں کی ٹوکری اور صندوق طلب کر لئے جاتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوا اُسے دیدی جاتی۔ جس کی تیاری پر سب سے زیادہ روپیہ لگا ہوتا اور سب سے زیادہ محنت کی گئی ہوتی۔ کسی بھی مرض کا کوئی آدمی آ جاتا، سرکارؒ فوراً ہی فرما دیتے کہ ہاں اس مرض کی دوا ہمارے پاس موجود ہے اور جسے حکیم ڈاکٹر لاعلاج قرار دیدیتے تھے اُسے تو خاص طور پر دوا دی جاتی تھی پھر وہ شخص اپنی شفایابی کی اطلاع لے کر آ پہنچتا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ایسے افراد داخلِ سلسلہ بھی نہیں ہوتے تھے، نہ اُنہیں اس کی ترغیب ہی دی جاتی تھی۔ سرکارؒ کی دواؤں کی اگر کوئی تعریف کرتا تو سرکارؒ بھی اس دوا کی خوب تعریف فرماتے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ یہ دوا ہمیں فلاں صاحب نے بتائی تھی۔ فلاں شخص نے اس کا بنانا ہمیں بتایا تھا۔ بہت مجرب دوا ہے۔ اس تمام مشغولیت میں کبھی خود کو نمایاں نہیں ہونے دیتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ سرکارؒ نے بہت سی مفردات کا ایک نسخہ اور بہت سا روپیہ دے کر ہم میں سے کسی اپنے خادم کو بھیجا۔ یاد نہیں کہ وہ حضرت قبلہ بھائی مشتاق احمد صاحب یوسفی (منشی بھیّا) تھے یا بھائی سیّد ظہور الحسنین شاہ صاحب یوسفی تھے۔ نہایت نفیس

مفرد ادویہ آئیں۔ اُنہیں چھانا پھٹکا گیا۔ پھر سنگِ سماق کی ایک کھرل کے لئے روپے عطا فرمائے۔ بڑی مشکل سے دستیاب ہوسکی۔ کھرل آگئی تو یہ دوائیں اُس میں ایک ہفتے تک کھرل کی جاتی رہیں۔ ایک لمحے کے لئے یہ عمل رُکنے نہ پایا۔ باری باری ہم لوگوں کو اِس خدمت پر مامور کیا جاتا رہا۔ خود سرکارؒ بھی بہت بہت دیر تک اس عمل میں شریک رہتے رہے۔ بالآخر دوا تیار ہوگئی۔ فرمایا: "یہ بڑی قیمتی دوا ہے۔ کیمیا سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ فلاں بزرگ نے ہمیں بتائی تھی"۔ اُس روز بالکل اجنبی ایک صاحب حاضر ہوئے۔ سلام دعا کے بعد اپنا مرض بیان کیا۔ سرکارؒ نے فرمایا: "ہاں اس مرض کی تو ایک تیر بہدف دوا ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ ہمیں فلاں صاحب نے بتائی تھی"۔ ٹھیک طرح یاد نہیں کہ مونس بھائی یا بھائی سید ظہور الحسنین شاہ صاحب کو آواز دے کر اپنی دواؤں کا صندوق طلب فرما کر وہ ساری دوا جو اس قدر جانفشانی سے تیار ہوئی تھی، ساری کی ساری اُنہیں دے دی۔ پھر فرمایا: "بس اب جایئے۔ خدا خوش رکھے۔ آپ اچھے ہو جائیں گے۔ بہت اچھی دوا ہے"۔

ہم لوگوں کو اس قدر قلق ہوا کہ دیکھئے اتنا روپیہ خرچ فرمایا۔ اس قدر محنت خود کی، ہمارے بازو شل ہوگئے اور ایک اجنبی شخص کو سب دوا دیدی۔ اس زمانے میں ہماری عقلوں نے یہ کام ہی نہ کیا کہ اس رمز کو سمجھ لیتے کہ یہ اہتمام اسی صاحبِ ضرورت لاعلاج مریض کے لئے کیا گیا تھا۔ چند روز بعد معلوم ہوا کہ ان صاحب کی تو کایا کلپ ہوگئی۔ ہٹے کٹے ہشاش بشاش، توانا و تندرست ہو گئے ہیں۔

۸

جہاں تک مجھے یاد ہے اور جہاں تک میں دریافت کرسکا، یہ واقعہ ۱۹۳۰ کا ہے۔ سرکارؒ طالب نگر میں رونق افروز تھے۔ بارشیں نہیں ہوئی تھیں۔ قحط پڑ گیا تھا۔ دُور و نزدیک تمام کھیت جل گئے تھے۔ باغات پر خزاں نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ کنویں بھائیں بھائیں کر رہے تھے۔ کاشتکاروں کے خاندان فاقہ کشی سے دوچار تھے۔ طالب نگر جہاں نواب بہادر کی گڑھیا تھی، اس کے اطراف و جوانب میں سارے مواضع اور قریے ریاست میں تھے۔ چاروں طرف نواب صاحب کی رعیت آباد تھی۔ بالآخر تمام لوگ مجبور ہو کر جمع ہوئے اور

طے کیا کہ نواب صاحب کے پاس چل کر فریاد کی جائے۔ صدہا مرد، اپنے بال بچوں کو لے کر نواب صاحب کے پاس پہنچے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ساون بھادوں کے مہینے بیت چکے تھے۔ گرمی کا وہ عالم تھا کہ جیسے اب پڑ کے آئندہ پڑے گی ہی نہیں۔ نواب بہادر صاحب نے رعایا کی آمد کی آوازیں سُنیں تو باہر برآمد ہوئے۔ لوگوں نے قحط سالی کی تفصیلات بیان کیں اور عرض کیا کہ ہم لوگ کیسے زندہ رہ سکیں گے۔ کس طرح آپ کے لگان اور مال گزاری ادا کرسکیں گے۔ کنویں اور نہریں بھی خشک ہو چکے ہیں۔

نواب بہادر عبدالسمیع خان صاحب یوسفی علیہ الرحمۃ نے بڑی شفقت سے اُن لوگوں کو پاس بُلایا اور رازدارانہ طور پر اُنہیں مشورہ دیا کہ ہمارے سرکارؒ سامنے والے بنگلہ میں قیام فرما ہیں۔ تم سب وہاں حاضر ہو کر فریاد کرو۔

تمام کسان اپنے بال بچوں سمیت سرکارؒ کی فرودگاہ پر حاضر ہو کر بابا کی دُہائی دینے لگے۔ سرکارؒ نے جو یہ آوازیں سماعت فرمائیں، اپنی آرام گاہ سے باہر تشریف لے آئے۔ دریافت فرمایا: "خیر تو ہے؟ کیا بات ہے؟" صدہا لوگ سرکارؒ کے قدموں پر جُھک گئے۔ پھر ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے مُکھیاؤں نے عرض کیا: "آپ مہاراجوں کے مہاراج ہیں۔ آپ شری بھگوان کے اوتار ہیں۔ ہماری لاج آپ کے ہاتھ ہے۔ قحط پڑ گیا ہے۔ کنویں، نہریں، باغ، کھیت سب سُوکھ گئے ہیں۔ بارش کے مہینے بھی بیت چکے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں بھگوان نے سب کچھ دے دیا ہے۔ ہم بارش چاہتے ہیں مہاراج کا راج جُگ جُگ بڑھے۔ مہاراج ہمارے سُوکھے کھیت دیکھ لیں ایک نظر۔"
سرکارؒ نے اِتنا سُنتے ہی بلا توقف فرمایا: "کل دوپہر ایک بجے آجاؤ۔ ہم ساتھ چلیں گے"۔

دوسرے دن صدہا بوڑھے، ادھیڑ، جوان، نوجوان حاضر ہو گئے۔ سخت لُو چل رہی تھی۔ مکان کی کسی کھڑکی سے بھی باہر نہیں جھانکا جاسکتا تھا۔ سرکارؒ خس کی ٹٹیوں میں فروکش تھے۔ پنکھا چل رہا تھا۔ تشنگی اور لُو کی وجہ سے لوگ "تَوانسے" ہو ہو کر مر رہے تھے۔ تالاب خشک ہو گئے تھے۔ کروڑوں مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور مر گئے تھے۔ چھوٹے بچے ذرا کی ذرا میں چٹ پٹ ہو جاتے تھے۔ لوگ جمع ہوئے تو سرکارؒ برہنہ سر، برہنہ پا کمرے سے باہر تشریف لے آئے۔ سب لوگوں نے جُوتے اُتار دیئے۔ معلوم ہوتا

تھا کہ ہم دہکتے ہوئے الاؤ پر چل رہے ہیں۔ گرمیٔ حشر کا ذکر جو وعظوں میں سنتے آئے تھے، اس تمازت کا اندازہ، دھوپ اور تپتے ہوئے زمین و آسمان سے ہو رہا تھا۔ العیاذ باللہ۔

سرکارؒ جنگل کی طرف بلا تکلف اسطرح چل رہے تھے گویا، شبنم خوردہ سبزے پر محوِ خرام ہوں۔ ہمارے پاؤں یوں معلوم ہوتا تھا جیسے تھوڑی دیر میں کباب ہو جائیں گے۔ سرکارؒ اسی طرح سوا میل تک لوگوں کی جلی ہوئی کھیتیوں کو دیکھتے چلے گئے۔ تا آں کہ موضع ڈھک نگلا آ گیا۔ یہاں آموں کا ایک جدید باغ لگا ہوا تھا۔ مگر پتہ کسی درخت پر نظر نہ آتا تھا۔ باغ کا مالی دوڑ کر سرکارؒ کے قدموں سے لپٹ کر آہ و بکا کرنے لگا۔ اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ گریہ میں ذرا سا افاقہ ہوا تو عرض پرداز ہوا کہ حضور! میری پانچ برس کی محنت برباد ہو رہی ہے۔ پانی نہ ہونے سے سب درخت سوکھ چکے ہیں۔ تھوڑے دن یہی حال رہا تو جڑیں جل جائیں گی۔

سرکارؒ نے فرمایا:۔ "ارے تو کون ہے؟ یہاں کیا کام کرتا ہے؟"

مالی نے عرض کیا:۔ "حضور! میں اس باغ کا مالی ہوں اور پودوں پر قلم چڑھاتا ہوں"۔

سرکارؒ نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا:۔ ارے تب تو تیری اور ہماری برادری ایک ہی ہے، میں باباؒ کے باغ کا مالی ہوں اور آدمیوں پر قلم چڑھاتا ہوں آؤ تو پھر تم ہم مل کر بھگوان سے کہیں کہ بارش برسا دے۔ پھر فرمایا:۔ اِس باغ کے درخت بھی ہم سے فریادی ہیں۔ اتنا فرمایا اور یکلخت کھڑے ہو گئے۔ پھر ہم سب کی طرف دیکھ کر ارشاد ہوا:۔ دیکھو آسمان پر غبار چھانا شروع ہو گیا ہے۔ جلدی جلدی بھاگو۔ بارش بہت آ رہی ہے۔ مالی کی دُعا بھگوان نے سُن لی۔ یہ فرما کر آپؒ تیز تیز قدم بستی (طالب نگر) کی جانب چل پڑے۔ ابھی آدھا راستہ طے نہ ہوا ہو گا کہ بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ سرکارؒ کی جائے قیام تک پہنچتے پہنچتے گھٹنوں گھٹنوں پانی کھڑا ہو چکا تھا۔ یہ جھڑی سات روز تک لگی رہی۔ جل تھل ہو گئے۔ سوکھی کھیتیوں میں زندگی لوٹ آئی۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں
اِک دل ہمارا کیا ہے، آزار اُس کا کتنا تم نے چلتے پھرتے مُردے جِلا دیئے ہیں۔

اِتّباعِ شریعت

چھتاری میں سرکارؒ مقیم تھے۔ جہاں تشریف فرما تھے، وہاں عقبی دیوار پر حضرت بابا تاج الاولیاءؒ کی شبیہِ مُبارک آویزاں تھی۔ حافظ حمید اللہ صاحب اپنے کچھ شاگردوں کے ساتھ سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ طلبہ کی نگاہ بابا صاحبؒ کے فوٹو پر پڑی تو اپنے اُستاد کو ادھر متوجہ کیا۔ حافظ صاحب نے سرکارؒ سے کہا:۔ حضرت! یہ فوٹو تو شریعت کے خلاف ہے سرکارؒ نے فرمایا:۔ "ارے ہاں یہ فوٹو اُلٹا کر دو"۔

ہمارے پیر بھائی حضرت خلیفہ خورشید احمد خاں یوسفی (نور اللہ مرقدہٗ) اُٹھے اور انہوں نے تعمیلِ حکم کی۔ لیکن عزیزم برکت علی خان یوسفی کو یہ امر بہت ناگوار گزرا۔ وہ کھڑے ہو گئے اور حافظ صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ مولانا آپ کی جیب میں جو روپے ہیں اُن پر تو ایک کافر کا چہرہ بنا ہُوا ہے۔ جنہیں آپ سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔ وہ روپے بھی تو نکال کر پھینک دیجئے۔ سرکارؒ نے برکت میاں کیطرف دیکھ کر فرمایا:۔ "تم خاموش رہو"۔

حافظ صاحب نے مزید ہمت پا کر کہا کہ ہم نے سُنا ہے آپ نماز بھی نہیں پڑھتے۔! اتنا سُن کر سرکارؒ نے فوراً دُعا کے لئے ہاتھ بلند فرما دیئے اور ارشاد ہوا:۔ "مولانا دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں احکامِ شرعیہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے"۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک صاحب بولے:۔ مولانا! آپ نواب صاحب کے ہاں دعوتِ طعام پر جاتے ہیں۔ وہاں بڑے بڑے فوٹو لگے ہوئے ہیں۔ آپ اُن کے نیچے بیٹھ کر خُوب شکم سیر ہو کر کھاتے پیتے ہیں۔ لیکن نواب صاحب کو کبھی نہیں ٹوکتے۔ یہاں تو ایک بزرگ کا فوٹو لگا ہوا ہے۔ جسے آپ نے پلٹوا دیا۔ مگر وہاں تو کفار کے فوٹو ہوتے ہیں۔ سرکارؒ نے فوراً فرمایا:۔ "خاموش!۔ تماشا نہیں دیکھا جاتا؟۔ مولانا یہ شرعی مسائل ہیں۔ ان کا جواب یہ نہیں ہے"۔ تھوڑی دیر پوری محفل میں سکوت رہا۔

پھر اسی ضمن میں سرکارؒ نے ایک آیت تلاوت فرمائی اور ایک حدیث بیان کی (جو مجھے افسوس ہے کہ مستحضر نہیں) ۔ معترض صاحب کو آیۂ مبارکہ اور حدیث شریف سُن کر سخت گریہ طاری ہوگیا۔ کھڑے ہوگئے۔ سرکارؒ کی دست بوسی کی۔ معذرت خواہ ہوئے کہ مجھ سے گستاخیٔ اعتراض ہوئی۔ آپ تو خود بڑے عالم ہیں۔ اس کے بعد درخواست کی کہ حضرت ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک عمل کی توفیق بخشے۔ سرکارؒ نے دعا فرمائی اور مہمانوں کو چائے پلائی۔ وہ لوگ بہت دیر تک ساکت و سامت بیٹھے رہے۔ پھر اجازت لے کر واپس ہوئے اور معتر ضین چھتاری کو بتایا کہ حضرت تو بہت بڑے عالم اور سچے صوفی درویش ہیں۔ اس کے بعد بار ہا بڑی ہی عقیدت و ادب کے ساتھ سرکارؒ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوتے رہے۔

———o———

ایک مرتبہ نمازِ مغرب کے لئے سب کھڑے ہوئے۔ پچھلی صف میں ایک مولوی صاحب بھی موجود تھے۔ ان کے برابر ہی بھائی کنور محمدؐ مونس علی خان صاحب یوسفی (نوراللہ مرقدہٗ) کھڑے تھے۔ انہوں نے چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا۔ یہ پاجامہ ٹخنوں کو ڈھکے رہتا ہے۔ اقامت سے قبل اُن مولوی صاحب نے مونس بھیّا سے کہا کہ میاں صاحبزادے یہ پائنچے اوپر کر لو۔ تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس طرح نماز نہیں ہوتی۔ مونس بھیّا بڑے ہنس مُکھ، خوش مزاج، مہذب اور حاضر جواب تھے۔ انہوں نے مُسکراتے ہوئے دبی آواز میں مولوی صاحب سے کہا کہ میرے ٹخنے تو کچھ نہ کچھ کھلے ہوئے بھی ہیں۔ لیکن آپنے تو موزے (جرابیں) پہن رکھے ہیں۔ ٹخنے بالکل ہی پوشیدہ ہیں۔ اس مکالمے میں اقامت شروع ہو چکی تھی۔ سرکارؒ ہاتھ بلند فرما چکے تھے کہ یکایک ہاتھ چھوڑ کر پیچھے دیکھا اور فرمایا، "یہ کوئی جواب نہیں ہے۔ پائنچے اوپر کرلو۔ یہ مسئلہ ہے، حضرت نے صحیح فرمایا ہے۔"

———o———

ایک مرتبہ سب لوگ سرکارؒ کی امامت میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ ہم سب برادرانِ طریقت علی گڈھ تراش کے سیدھے پاجامے پہنے ہوئے تھے۔ اس پاجامے

میں بھی ٹخنے نصف ایڑیوں تک چھُپے ہوتے ہیں۔ سرکارؒ نے یکایک گھُوم کر ہم سب سے فرمایا :- آپ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ پائنچے ٹخنوں سے اُونچے ہونے چاہئیں؟ چنانچہ سب نے جُھک جُھک کر پائنچے اُوپر چڑھالئے۔

———o———

سرکارؒ نماز باجماعت کا اہتمام فرماتے تھے۔ میں نے بالا اہتمام مختلف مقامات کے لوگوں سے دریافت کیا تو ہر ایک نے یہی بتایا کہ حضور یوسف الاولیاء علیہ الرحمۃ جہاں بھی ہوتے اور جس مسجد میں بھی نمازِ باجماعت ادا فرماتے وہاں کا مستقل امام، حتیٰ کہ نمازِ عیدین کے امام تک سرکارؒ سے درخواست کرتے کہ نماز تو حضرت ہی پڑھائیں اور بہت زیادہ مُصر ہوتے تو سرکارؒ یہ درخواست قبول فرما لیتے۔ جن لوگوں کو سرکارؒ کی امامت میں ادائے نماز کی سعادت نصیب ہوئی ہے، اُن کا بیان ہے کہ کسی نماز میں یہ کیف و سرور اور کیفیات پھر کبھی نصیب نہیں ہوئیں۔

بالغ سماعت

سرکارؒ "محبوب منزل" میں تشریف فرما تھے۔ حضور غریب نوازؒ کی درگاہ کے جنوب مغرب میں یہ حجرہ واقع ہے۔ محبوب منزل میں داخلہ کا دروازہ شمال رُو تھا اور جنوب میں ایک کھڑکی جھالرے پر کھُلتی تھی۔ یہ کھڑکی جھالرا شریف سے کم و بیش دو سو فٹ بلندی پر ہے۔ محبوب منزل کے شمال مغرب میں قریب ہی حضرت مولانا محمدؐ حسین الہ آبادی علیہ الرحمۃ کا مزارِ مبارک ہے۔ سرکار قدس سرہٗ کے پاس اُس وقت حضرت سیّد رفیع میاں صاحب وغیرہ کے علاوہ بھائی سیّد ضیاء الحق شاہ صاحب یُوسفی (وکیل جھنجھنوں) نوراللہ مرقدہٗ اور سرکارؒ کے احباب میں سے حضرت مولانا عبدالقادر نیازی اور حضرت مولانا عبدالسّلام خیالؔ (سب جج: ریاست جے پور) علیہم الرحمۃ بھی وہاں موجود تھے۔ کسی مسئلہ پر سرکارؒ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں ملنگ صورت ایک صاحب نمودار ہوئے اور محبوب منزل کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر آقا و مولا مُرشدی سرکار یوسف الاولیاءؒ کو بے نقط گالیاں دینے لگا — حاضرین میں برہمی پیدا ہوئی۔ فحشیات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔ محفل

میں سے کچھ حضرات نے اُس گستاخ کی سرزنش کے لئے ابھی اُٹھنا ہی چاہا تھا کہ سرکارؒ
نے منع فرمادیا اور بہت ہی شادمانی، مسرت اور خندہ رُوئی سے اُس ملنگ صورت کی
طرف متوجہ رہ کر سُبحَانَ اللّٰہ، سُبحَانَ اللّٰہ فرماتے رہے۔ اور حاضرینِ محفل کی
برہمی اور اضطرابِ قلبی کے علاج کے لئے ارشاد فرمایا: "کچھ لوگ قرآنی آیات کے
حروف کو بے ترتیب کردیتے ہیں"۔ یہ فرماکر ایک قہقہہ لگایا اور سب کو مخاطب کر کے
فرمایا: "جی! ـــ سُبحان اللہ"۔

حضرت مولینا عبدالقادر نیازیؒ اکثر یہ واقعہ سُنانے کے بعد فرمایا کرتے تھے
کہ میاں اسمِ سمیع کا کوئی عارف ہی اتنی بلندیات کرسکتا ہے۔

فَنَاءُ الفَنَاء

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ حضرت سُلطان نظام الدین
اولیاء محبوبِ الٰہی قدس سرہٗ کی درگاہ میں سرکار یوسف الاولیاءؒ فروکش تھے۔
علماء اور اشیاخِ طریقت کا مجمع ارد گرد تھا۔ حضرت امیر خسروؒ کو اپنے پیرومرشد
حضرت محبوبِ الٰہیؒ سے جو عشق تھا، اُس کا ذکر ہورہا تھا۔ مختلف روایات
اور ان کے متقابل واقعات بیان کئے جاتے رہے۔ آخر میں کسی بزرگ نے کہا کہ
مُرید کو اپنے پیر سے ایسا عشق ہو جیسا حضرت امیر خسروؒ کو جناب محبوبِ الٰہیؒ
سے تھا، اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

سرکارؒ نے یہ الفاظ سماعت فرمائے تو چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور بلند آواز سے
فرمایا: "کیا کہتے ہیں آپ! جتنے نظام، اُتنے خسرو"۔

پوری محفل پر سناٹا طاری ہوگیا۔ کوئی فرد اپنی زبان پر ایک لفظ نہ لا سکا۔

حضرت قبلہ مولینا عبدالسلام صاحب نیازی دہلوی علیہ الرحمۃ کبھی کبھی اس
واقعہ کو نقل فرماکر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ فنائے تامہ حاصل ہوئے بغیر صاحبانِ
حال کی زبان پر یہ الفاظ آ ہی نہیں سکتے۔ ـــ

خسروا در عشق بازی کم ز ہندو زن مباش
کُو برائے مُردہ سوزد زندہ جانِ خویش را

پڑھے لکھے کی تعریف

ایک مرتبہ کا ذکر ہے درگاہِ مُعلّیٰ اجمیر القدس
کی بارہ دری میں سرکارؒ رونق افروز تھے۔ آپؒ کو وہاں موجود پاکر، حاضری کے لئے آنے
والے صوفیاء، علماء، مشائخ طریقت اور بہت سے صاحبزادگان بھی وہیں جمع ہوتے چلے گئے۔
کسی عالمِ دین نے کسی دوسرے عالمِ دین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ صاحب
حضور سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدرسہ میں تفسیر، حدیث اور فلسفہ کے
شعبوں کے امیر ہیں۔ علم میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کی تائید دیگر بزرگوں نے
بھی فرمائی اور کہا کہ وہ ایک متبحر عالم اور علومِ مختلفہ میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔
یکایک سرکار یوسف الاولیاءؒ نے دریافت فرمایا کہ "اچھا، وہ کچھ لکھے پڑھے
بھی ہیں؟" ـــ

تمام حاضرین حیران رہ گئے۔ ایک بزرگ عالم نے قدرے تلخی اور برہمی سے کہا کہ
"حضرت! دو گھنٹے سے اُن کے علم وفضل کی فضیلت بیان ہورہی ہے۔ آپ آخر کس طرف
متوجہ تھے؟" ـــ

سرکارؒ نے اس کے باوجود بڑی ہی سادگی اور بھولے پن سے مکرر اپنا سوال دُہرایا:
"اچھا، وہ کچھ لکھے پڑھے بھی ہیں؟"۔

اس محفل میں اتفاقاً حضرت قبلہ مولینا عبدالقادر نیازیؒ بھی موجود تھے۔ وہ بولے:
حضرت! یہ تو عجیب سوال ہے۔ اب یہ ارشاد ہو کہ آپ کے نزدیک پڑھا لکھا کون ہوتا ہے؟"۔
سرکارؒ نے بلاتوقف ارشاد فرمایا: "ہمارے نزدیک تو پڑھا لکھا وہ ہے جو لوحِ محفوظ
پر جو چاہے لکھے پڑھے"۔

اس ارشاد کے بعد پورے مجمع کا عالم یہ تھا کہ بُت معلوم ہوتے تھے۔ ہر ایک کی
نظر از خود زمین پر گڑ گئی تھی۔

مُسبّب الاسباب

طالب نگر میں سرکار دولت مدار قدس سرہٗ قیام فرما
تھے۔ ایک حکیم صاحب جو خورجہ ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے، حاضر ہوئے اور اپنی تنگدستی

اور ناداری کا حال بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ لڑکی کی شادی کی تاریخ مقرر کر چکا ہوں۔ صرف دو دن رخصتی کے رہ گئے ہیں۔ جہیز میں دینے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے، نہ بارات کی تواضع کے لئے کوئی شے میرے پاس ہے۔ از حد پریشان ہوں۔ میری آبرو بچا لیجئے۔ سرکارؒ نے بڑی شفقت و رحمت سے فرمایا:۔ "خدا مسبب الاسباب ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

کچھ توقف کے بعد سرکارؒ نے میری طرف دیکھا۔ میں جلدی سے قریب ہو گیا۔ سرکارؒ نے اور قریب آنے کا اشارہ فرما کر میرے کان میں فرمایا:۔ "ہماری خاطر جہاں کہیں اور جس سے بھی بڑی سے بڑی رقم مل سکے فوراً لے کر آؤ۔ ہم اس قرض کو جلد از جلد ادا کر دیں گے۔"

چنانچہ حسب الحکم میں گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے حلقے کے ایک موضع میں پہنچا۔ ایک برہمن سے وہاں میرے دوستانہ مراسم تھے۔ میں نے اپنی ضرورت اس پر ظاہر کی ــــ اُس نے میرے سامنے ہی اپنا کیش بکس منگوا کر کھولا اور اس میں جسقدر رقم تھی میرے حوالے کر دی۔ میں فوراً ہی واپس ہُوا اور ساری رقم سرکارؒ کی خدمت میں پیش کر دی۔ سرکارؒ بہت خوش ہوئے اور وہ ساری رقم جُوں کی توں حکیم صاحب کی طرف بڑھا کر فرمایا:۔ "لیجئے اب تو آپ کے سارے کام حسب مراد پورے ہو جائیں گے۔"

حکیم صاحب شاداں و فرحاں تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد سرکارؒ نے اپنی جیبِ خاص سے وہ رقم مجھے واپس فرمائی اور حکم دیا کہ جاؤ ہمارا وہ قرض ادا کر آؤ۔

اخفاء

۱۴ شعبان کو شبِ قدر ہوتی ہے۔ "شب برأت" اسی دن ہوتی ہے۔ اجمیر القدس میں سرکارؒ کا قیام تھا۔ پوری رات درگاہِ معلیٰ میں آپؒ محبوب منزل میں مقیم رہے۔ بہت سے مریدین اور معتقدین بھی شب بیداری میں شریک تھے۔

۱۵ شعبان کو سرکارؒ محبوب منزل میں تشریف فرما تھے۔ بہت سے مشائخ اور سرکارؒ کے کچھ احباب بھی شریکِ بزم تھے۔ کسی نے کہا کہ میں نے پچھلی آدھی رات وہاں گزاری اور آدھی رات فلاں مقام پر رہا۔ کسی نے کہا کہ میں آدھی رات تک تو تلاوت میں مصروف رہا اور آدھی رات نوافل ادا کرتا رہا۔ شریکِ بزم حضرات میں سے کم و بیش سب ہی نے اپنی اپنی شب بیداری کا اظہار فرمایا اور سرکار والا تبارؒ خاموشی سے سب کی باتیں سماعت فرماتے رہے۔ جب سب لوگ اپنے اپنے ذکر سے فارغ ہو گئے تو سرکارؒ نے فرمایا:۔ "ارے ہاں، شب قدر تھی۔ جبھی تو ہمیں رات کو بڑی اچھی نیند آئی۔"

مَعمُولات

صبح طلوعِ آفتاب سے بہت پہلے سرکارؒ اُٹھ جاتے تھے۔ ایسے شواہد اب تک دستیاب نہیں ہو سکے ہیں کہ کسی نے سرکارؒ کو مکمل عالمِ خواب میں دیکھا ہو۔ صُبح اُٹھنے کے بعد آپ سب کو نمازِ فجر کے لئے اُٹھا دیتے تھے۔ نمازِ فجر میں بالعموم پہلی رکعت میں مُزّمِّل شریف اور دوسری میں سورۃ دَھْر تلاوت فرماتے۔ سنگ دل سے سنگ دل افراد بھی رو پڑتے تھے۔ اہلِ محبت پر اسرار و معارف کے دروازے کُھلتے تھے۔ بعض رقیق القلب افراد پر وجد کی کیفیات کا ورود ہوتا تھا۔

بھائی خلیفہ سیّد ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہرؔ یُوسفی، ایم۔ اے، ایل ایل بی، (علیگ) ایڈووکیٹ (ہائی کورٹ مغربی پاکستان) کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ موضع بدن پور ضلع متھرا (یو۔پی) میں سرکارؒ، میرے خسر نوّاب محمدؐ مُبین خان صاحب کے ہاں مقیم تھے۔ مسجد میں لوگ کم تھے۔ سرکارؒ نے فجر کی اذان خود دی۔ کھیتوں کو جانے والے اور کھیتوں پر کام کرتے ہوئے کسان اور سبزیاں لگانے والے مسجد کی طرف دوڑ پڑے اور سرکارؒ کو گھیر کر عرض کرنے لگے کہ "بابا! اب تو بس آپ یہیں رہ جائیے۔ آپ کی بانگ (اذان) تو ایسی ہے کہ "دیکھا پَرچِیئے"

سرکارؒ نے تہجد کے وقت ذکرِ ذات، نفی اثبات اکثر خود بیٹھ کر کرایا۔ چنان چہ بدن پور میں تو یہ معمول برابر جاری رہتا تھا۔ چاشت کے بعد کھانا، اس کے بعد آرام فرماتے۔ نمازِ ظہر کے بعد بالالتزام تلاوتِ کلام پاک بلند آواز سے فرماتے۔ نمازِ عصر ادا فرما کر جنگل تشریف لے جاتے۔ زیادہ تر برہنہ پا ہوتے۔ مغرب کے وقت مریدین کا عام اجتماع ہو جاتا تھا۔ نمازِ مغرب کی پہلی رکعت میں آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ تا وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اور دوسری رکعت میں بالعموم سورۃ النّاس

تلاوت فرماتے۔ نمازِ عشاء تاخیر سے ادا فرماتے۔ زیادہ تر عشاء کے وقت پہلی رکعت میں سورۃ وَالضُّحٰی اور دوسری میں سورہ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ تلاوت فرماتے اور کبھی کبھی پہلی رکعت میں سورہ مُزَّمِّلۡ اور دوسری میں سورۃ وَالضُّحٰی کی تلاوت ہوتی۔ نمازِ فجر کے وقت دعا میں یہ دُعا ہمیشہ فرماتے:-

اے کریمی و رحیمی سرمدی
درگزار از بدسگالاں ایں چنیں

اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر
خوش سلامت ما بساحل باز بر

ما ز حرص و آز خود را سوختیم
ایں دُعا را ہم ز تو آموختیم

وقت تنگ آمد بیا در یک نفس
پادشاہا کُن مرا فریاد رس

حرمتِ آنکہ دُعا آموختی،
در چنیں ظلمت چراغ افروختی

اے عظیم، از ما گناہانِ عظیم
تا توانی عفو کردن در حریم

اے سعادت بخشِ جانِ اولیاء
یا بکش یا باز خوانم یا بیا

خوشتر از ہر دو جہاں ایں جا بُود
کہ تُرا با من سر و سَودا بُود

نمازِ جمعہ اور نمازِ عیدین میں امامت فرماتے تو یہ دعا علی الخصوص فرماتے۔

ہر پنجشنبہ کو بالا اہتمام گلدستہ شریف خود پڑھواتے۔ برہنہ سر رہتے۔ چنانچہ وہ حاضرین جو ٹوپی، یا صافہ پہنے ہوتے تھے، گلدستہ شریف شروع ہوتے ہی برہنہ سر ہو جاتے تھے۔ طریقہ یہ ہوتا۔ تعوّذ و تسمیہ کے بعد ایک بار درود تاج خود تنہا بالجہر پڑھتے۔ اُس کے بعد "گلدستہٗ پنجتن شریف" شروع فرماتے۔ تمام حاضرینِ محفل بھی بالجہر، مترنم، ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے۔ ہر مصرع دو دو مرتبہ پڑھا جاتا۔ جب یہاں تک پہنچتے:-

سر داد، نہ داد دست، در دستِ یزید
واللہ، کہ بنائے لاالٰہ است حُسینؑ

تو پھر پانچ مرتبہ صرف یہ مصرع پڑھواتے:-

ع امامِ دیں سلطانِ مدینہ شاہوں کے سردار حُسینؑ

اس کے بعد:-

میرے مولیٰ قُلۡ ھُوَاللّٰہُ اَحَدۡ کے واسطے

بدستور ہر مصرع دو مرتبہ۔

اب سب حاضرین خاموش ہو جاتے اور سرکارؒ تحت اللفظ یہ رُباعی پڑھتے۔ (ہر مصرع ایک ایک بار)

یَا مُحۡیُّ الدِّیۡن تَرَحَّمۡنَا بِلُطۡفٍ وَّاسِعٍ،
اَنۡتَ کَافِیۡ کُلِّ مَقۡصُوۡدٍ بِاَبۡوَابِ الۡکَرَمۡ
دُزد و رہزن را بیک دم ساختی ابدالِ حق
یا شہِ دنیا و دیں! بر حالِ ما ہم کُن کرم

اِس کے بعد سرکارؒ شروع فرماتے اور تمام حاضرین بالجہر مترنم ہر مصرع دو بار پڑھتے جاتے:

غوث الاعظم بمنِ بے سر و ساماں مددے

تا آنکہ آخر میں:-

وہ جہاں مخزنِ ایمان بنے بیٹھے ہیں
وہاں ہندو بھی مسلمان بنے بیٹھے ہیں
وہ جہاں مخزنِ قرآن بنے بیٹھے ہیں
وہاں جبریلؑ سے دربان بنے بیٹھے ہیں

تا ــــــ

ہو فنا ذاتِ رسُولِ عربیؐ میں واللہ
احمدؐ پاک کی کیا شان بنے بیٹھے ہیں

اس کے بعد سب خاموش، گردنیں نیوڑھائے دوزانو بیٹھے رہتے۔ جنہیں معذوری ہوتی اور زیادہ دیر دوزانو نہیں بیٹھ سکتے تھے، وہ آلتی پالتی مار کر مؤدب بیٹھے رہتے۔ اور سرکارِ والا سورہ الکافرون ایک بار، معوذتین ایک، ایک بار، سورۃ فاتحہ ایک بار، آیۃ الکرسی۔ تا۔ اِلَّا بِمَا شَآءَ نہایت دلکش، دلدوز اور کیف آفریں لحن میں تلاوت فرما کر، صلوٰۃ و سلام کے لئے سروقامت کھڑے ہو جاتے اور سلام شروع کرنے سے قبل تنہا یہ پڑھتے:-

زیبِ زمین و آسماں صَلِّ عَلیٰ محمّدٍ
زینتِ عرشِ لامکاں صَلِّ عَلیٰ محمّدٍ
اے بنگاہِ بے نیاز کارِ منِ گدا بساز
شو بمحبّتِ مہرباں صَلِّ عَلیٰ محمّدٍ

اس کے بعد سب لوگ بلند تر آواز سے سرکارؒ کے ہمنوا سلام پیش کرتے :۔

یا نبی سَلَامُ عَلَیْکَ — یا رَسُول سَلَامُ عَلَیْکَ
یا حبیب سَلَامُ عَلَیْکَ — صَلَوٰۃُ اللہ عَلَیْکَ

پھر جب بند کے مصرعے سرکارؒ پڑھتے تو سب خاموش کھڑے رہتے (اس پورے وِرد میں بڑے بڑے بلند آواز لوگ شریک ہوتے تھے۔ لیکن کوئی بھی اپنی آواز سرکارؒ کی آواز سے بلند نہیں کرتا تھا۔ تمام لوگ بالکل ہم آواز ہو کر پڑھتے تھے۔ کسی کی آواز جُدا نہیں ہو پاتی تھی۔ البتہ ان میں چندے معدودے وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے سرکارؒ کے لحن کے اتباع یا اُسے اختیار کر لینے پر توجہ نہ دی۔ چنانچہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ لوگ زندگی بھر اوراد و معمولات میں اپنے ہی ذاتی ذوق پر رہے۔ حتیٰ کہ انہیں وہ تمام اَوْرَاد پوری طرح یاد بھی نہیں رہے، جو اجتماعی ادائیگی کے لئے تھے)

صلوٰۃ و سلام کے بعد سرکارؒ ایصالِ ثواب فرماتے۔ پھر دعا

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم
وَاتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم

(گلدستہ شریف کی تفصیلات کسی دیگر مقام پر بیان ہوں گی)

گلدستۂ پنجتن کے آخر میں جو سورتیں اور آیات تلاوت فرماتے تو پہلے درود شریف :۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

پھر، بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ٥ تلاوت فرماتے۔

دَورِ اوّل کا طریقِ مَعْمُولات

سرکار علیہ الرحمۃ کے چھتاری میں ورود کے پہلے ہی مرحلے میں جو لوگ سرکارؒ کی غُلامی میں آتے تھے اُن میں کنور محمدؒ فیاض علی خانصاحب

بھی تھے۔ جمعرات کی فاتحہ اور دیگر تقاریبِ فاتحہ کے موقع پر وُہ محفل کی زیب و زینت کا اہتمام فرماتے تھے، نیز یہ کہ اورادِ سلسلہ اور گلدستہ شریف بھی اُن کو بالکل صحیح حِفظ اور ازبر ہو گیا تھا اس لئے سرکارؒ جب چھتاری سے باہر دَورے پر ہوتے تو پنجشنبہ کو گلدستہ شریف یہی پڑھواتے، اور دوسرے پیر بھائیوں کو بھی یاد کراتے رہتے تھے' اس لئے سرکارؒ انہیں "ماسٹر صاحب" کے لقب سے یاد فرماتے تھے، بالآخر وہ ماسٹر فیاض کے نام سے ہی مشہور ہو گئے۔ نواب صاحب چھتاری کے اعزہ سے تھے۔ خاصے بڑے جاگیردار تھے۔ داڑھی مُونچھ صاف۔ کلامِ پاک کی بڑی بڑی سورتیں حِفظ تھیں۔ پہلے حضرت مولانا شیرازی نقشبندی سے بیعت تھے۔ بڑے وضعدار انسان تھے۔ سرکارؒ نے جن وظائف و اَوْرَاد کا حکم مرحمت فرمایا تو اُس پر پوری طرح کاربند رہے۔ وحدۃ الوجود اِن کا مسلک تھا۔ جذبی کیفیت کا بسا اوقات غلبہ رہتا تھا۔ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے اور تقسیم ملک کے بعد چھتاری میں ہی مقیم رہے اور ۱۹۵۲ کے بعد وہیں واصل بحق ہوئے۔

ماسٹر فیاضؒ کو جن دنوں سرکارؒ نے اپنی محافل کا مہتمِم خاص متعین فرمایا تھا، اُن دنوں گلدستہ شریف کا معمول اس طور پر تھا:۔

سب سے پہلے درود تاج ایک مرتبہ پڑھی جاتی تھی۔ ازاں بعد سورۃ یٰسٓ شریف ایک مرتبہ، پھر سورۃ مُزَّمِّلْ شریف ایک مرتبہ، پھر درود تاج ایک مرتبہ۔ ازاں بعد گلدستہ شریف شروع کیا جاتا۔ جس کا ہر مصرع دُو دُو مرتبہ پڑھا جاتا تھا۔ اور پھر تمام وہی معمولات جو آج تک جاری ہیں۔

———— ٥ ————

ایصالِ ثواب کے بعد سب لوگ سرکارؒ کی قدمبوسی کرتے اور تقسیم تبرک پر مامور حضرات تبرک تقسیم کرنے لگتے۔ اس تبرک میں سے ایک چٹکی لے کر سرکارؒ نوش فرما لیتے تھے۔ جس قدر تبرک موجود ہوتا، حاضرین میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ کسی کا حصّہ بچا کر نہیں رکھا جاتا تھا۔ تمام فاتحاؤں میں تقسیم تبرک کا اہتمام ہوتا تھا۔

پنجشنبہ کو گلدستہ شریف سے قبل ایک لاکھ یا داموں پر یا حَضْرَتْ تَاجُ الْاَوْلِیَاء تَاجُ الْمِلَّتْ وَالدِّیْن شہنشاہِ ہفت اقلیم السیّد محمدؒ بابا تاج الدین اَغِثْنِی

وَ اَمْدِدْنِیْ ایک لاکھ مرتبہ پڑھا جاتا تھا۔ یہ طریقہ حضرت قبلہ بھائی ماسٹر فیاض صاحبؒ نے چھتاری میں اپنی وفات کے وقت تک جاری رکھا۔

———— o ————

محفلِ فاتحہ ہو یا محفلِ سماع، سرکارؒ رات بھر جاگتے رہتے تھے۔ حاضرینِ محفل بھی پورے خشوع و خضوع سے نہایت باکیف اس شب بیداری میں شریک رہتے۔ صبح سب اپنے اپنے کاموں میں منہمک و مصروف ہو جاتے تو رات پھر اسی مستی و سرشاری کی نذر ہوتی۔

ع صلوٰۃ بادہ پرستی پہ میکشی پہ درود (ذہینؔ)

———— o ————

کم کھانا، کم سونا، کم بولنا سرکارؒ کا خاصہ تھا۔ دوسروں کو بولنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دیتے۔ قطع کلام نہ فرماتے، تقریر یا گفتگو میں مترادفات استعمال فرما کر سلسلۂ کلام کو طول نہ دیتے۔ موضوع سے ہٹ کر گفتگو نہ فرماتے۔ مسئلۂ زیرِ غور کو تشنہ نہ چھوڑتے۔ سائل کو چند جملوں میں مطمئن فرما دیتے۔ غیبت آپؒ کی صحبت میں ممکن نہیں تھی۔ کوئی شخص کسی کی بُرائی کرتا تو موضوعِ گفتگو تبدیل فرما دیتے۔

بیشتر مُریدین سے مجاہدے کرائے جاتے۔ کم کھانے، کم سونے، کم بولنے اور اختلاط میں کمی کی تاکید فرمائی جاتی۔ مُرید کر لینے کے کچھ دن بعد نماز کی پابندی کا حکم ملتا۔ اوراد تلقین فرمائے جاتے۔ بعض افراد سے چلّہ کشی کرائی جاتی۔ (مثلاً اسمائے حُسنیٰ یَا بَاسِطُ، یَا فَتَّاحُ، یَا وَھَّابُ کے چلّے) کچھ لوگوں کو صومِ سُکوت کے ساتھ ترکِ اجناس اور ترکِ حیوانات کا حکم ہوتا (حکم پانے والے اِن کی تعمیل برضا و رغبت کرتے) بعض حضرات سے صلوٰۃِ معکوس پڑھوائی۔ بعض سے شغلِ میّت کرایا گیا۔ ذکرِ خفی، ذکرِ جلی اور صلوٰۃِ تہجد کی مداومت پر بعض حضرات کو ان کی استعداد کے مطابق مامور فرمایا۔

———— o ————

منزلِ شریعت میں منظم اوقات کی پابندی کا التزام تھا۔ سرکار کا ارشاد ہے:۔

o شریعت، عابدوں کی راہِ استقامت ہے۔

[توبہ کی تکمیل کے لئے اس منزل کے تمام مقامات، بیشتر مُریدین کو تفصیل وار طے کرائے جاتے تھے۔]

o طریقت، زاہدوں کی راہِ استقامت ہے

[یہ منزل برق رفتاری سے طے کرائی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ بیشتر مریدین کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ کس وادیٔ دشوار کو عبور کر چکے ہیں۔]

o معرفت و حقیقت، عارفوں کی راہِ استقامت ہے۔

[عرفائے سلسلۂ عالیہ یُوسفیہ کو بحمدللہ یہ راہ بھی سرکارؒ نے بآسانی طے کرائی ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید]

اسی مضمون کو حضرت ذہین شاہ صاحب یُوسفی تاجی نے کمالِ قدرتِ کلام سے دو مصرعوں میں بیان فرمایا ہے:۔

پلائی شیرِ مادر کر کے اطفالِ طریقت کو
شرابِ رُومیؒ و عطارؒ یوسف شاہ باباؒ نے

فقر و زُہد

چشمِ تاریخ نے موجودہ صدی میں سرکار والا تبار حضرت قبلہ غوثؒ، محمدؐ بابا یوسف شاہ تاجی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جیسی کوئی دوسری شخصیت نہیں دیکھی جو دُنیا پر اختیار رکھتے ہوئے اُس سے الگ تھلگ رہے۔

آپؒ کا ارشاد ہے کہ "ہر وہ چیز جو خدا سے دُور رکھے، اسے ترک کر دو"۔

ایک مرتبہ فرمایا:۔ "مال جمع کرنا احمقوں کا کام ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت مُوسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں جس کو دوست رکھتا ہوں اُسے خالی ہاتھ رکھتا ہوں" قرآنِ کریم میں وارد ہے:۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (دُنیا کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھو۔ دُنیا ان لوگوں کے لئے فتنہ ہے۔ جو چیز خداوندِ عالم کے پاس ہے تمہارے واسطے ہے وہ بہت دیرپا ہے)

سرکارؒ اکثر اوقات مہمانوں پر وہ بھی صرف کر دیا کرتے تھے جو کہ اماں جی صاحبہ کے پاس

ہوتا۔ آپؒ اکثر پیوند لگے تہبند اور رفو کئے ہوئے کُرتے پہنتے۔ اپنے پاس اپنی ضرورت کی چیزوں میں سے بھی کبھی کچھ نہیں رکھا۔ کپڑے نہایت سادہ اور وہ بھی دو یا تین جوڑے‘ جو کچھ آتا، دوسروں میں تقسیم فرما دیتے۔

فقر کی تعریف حضرت امام غزالیؒ نے یوں بیان فرمائی کہ آدمی کو جن اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے‘ فقیر کے پاس نہ ہوں اور زاہد اُسے کہتے ہیں‘ جو قصداً مال حاصل نہ کرے اور اُس چیز سے پرہیز کرے جس پر قادر ہو۔ اور اس کے پاس جو کچھ آئے‘ خرچ کردے۔

سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ زیادہ عیال دار درویش کو خداوندِ کریم دوست رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے فرمایا کہ درویشی کی خواہش کر‘ تونگری دل سے نکال دے‘ اس لئے کہ میری اُمّت کے فقراء امیروں اور تونگروں سے پانچ سو برس پہلے جنّت میں جائیں گے۔

اہلِ ناگ پور نے دیکھا ہے کہ سرکارؒ کو کئی کئی وقت کا فاقہ ہوتا اور کہیں سے کھانے کے لئے کچھ آجاتا اور اسی دوران میں کوئی سائل آجاتا تو آپ اُسے سب کچھ دے دیتے تھے۔

ایک مرتبہ سرکارؒ نے فرمایا:۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط (خداوندکریم نے مومنین کے نفسوں اور اموال کو جنّت کے بدلے خرید لیا ہے) فرمایا:۔ ”جو لوگ ظاہرداری کے لئے ترکِ دنیا کرتے ہیں‘ وہ زاہد نہیں ہیں“۔ پھر ارشاد ہوا:۔ ”زاہدِ حقیقی تو وہ ہے جو دُنیا اور آخرت اور جنّت سے بھی بے نیاز ہو۔ کمال یہ ہے کہ اس دنیا میں مشغول رہتے ہوئے‘ اس سے الگ رہے۔ تمام خزانے موجود ہوں اور اُن پر نظر نہ جائے“۔

توکّل اور توحید‘ فی الحقیقت ہم معنیٰ ہیں۔ سرکارؒ کی حیاتِ اقدس سرتاپا توکّل و توحید میں ڈھلی ہوئی تھی۔ سرکارؒ فرماتے:۔ ”صفات ہیں‘ افعال ہیں‘ ذات ہی پر نظر رکھو۔“

سیّد ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر یوسفی ایڈووکیٹ کی اہلیہ محترمہ بہن عقیل فاطمہ صاحبہ یوسفی سے ایک مرتبہ فرمایا:۔ ”کیا تم ہوا کھا کر زندہ نہیں رہ سکتی ہو؟“

اُنہوں نے دست بستہ ہوکر فوراً عرض کیا:۔ جی ہاں سرکار!

فرماتے:۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے قریب ہوجاؤ۔

فرماتے:۔ اعلیٰ توکّل یہ ہے کہ نعائم اور تکالیف کو بھی فرق سے دیکھے کہ یہ کیوں اور کیسے ہیں۔

اکثر ارشاد ہوتا اور خطوط میں بھی تحریر فرماتے:۔

عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا فَھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ط

(شاید کہ جس چیز سے تم نفرت کرتے ہو اُس میں تمہارے لئے بھلائی ہو اور جس چیز سے محبت کرتے ہو اُس میں بُرائی ہو اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

بقول حضرت حافظ علیہ الرحمۃ:۔

بہ ہست و نیست مرنجاں ضمیر و خوش می باش
کہ نیست است سرانجام ہر کمال کہ ہست

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زُھد فی الدُّنیا یہ نہیں ہے کہ حلال چیزوں کو حرام کر لیا جائے اور نہ یہ ہے کہ مال کو اُڑا دیا جائے۔ بلکہ زہد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قبضے میں جو چیز ہے اُس پر تمہارا اعتماد اور وثوق، اُس چیز کے بہ نسبت زیادہ ہو جو کچھ کہ تمہارے قبضے میں ہے۔ نیز یہ کہ زہد یہ ہے کہ تم پر جب کوئی مصیبت آئے تو تم کو اُس کے ثواب کی زیادہ رغبت ہو‘ بہ نسبت اس کے کہ وہ مصیبت باقی نہ رہے۔ (رواہ ترمذی)

ایثار و سخاوت

بھائی سید ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر یوسفی نے بیان فرمایا کہ خُراسان (ایران) سے ایک صاحب‘ سرکارؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور دس تولہ کا ایک یاقوت نذر کیا۔ سرکارؒ نے فرمایا کہ فقیر کو اِس کی کیا

ضرورت ہے۔ لیکن وہ نہایت ہی اخلاص اور عجز و انکسار سے مُصر رہا کہ حضرت یہ نذر قبول فرمالیں۔ سرکارؒ نے وہ یاقوت قبول فرمالیا۔

اس واقعہ کے بعد سرکارؒ بروالاؒ قنوّج تشریف لائے۔ بھائی کنور محمد مونس علیخاں یُوسفی (نوراللہ مرقدہٗ) سرکارؒ کے ساتھ تھے۔ میں اُن دنوں وہاں سب رجسٹرار تھا۔

سرکارؒ تشریف لائے تو میں اپنے ایک دوست خان صاحب حاجی عبدالرؤف کو لے کر سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ حاجی صاحب قنوج میں جماعتِ اہلِ حدیث کے صدر تھے اور بزرگانِ دین، شیُوخ اور درویشوں کی مخالفت اُن کا شعار تھا۔ سرکارؒ سے پہلی ہی ملاقات میں اتنے متاثر ہوئے کہ دوسری ملاقات میں ایک عطردان نذر کیا سرکارؒ نے مونس بھیّا کو آواز دی:-

"ارے مونس ہماری تھیلی لاؤ"

وہ لے آئے۔ سرکارؒ نے اُس میں ہاتھ ڈالا اور وہ یاقُوت نکال کر حاجی صاحب کو دیتے ہوئے فرمایا:- "فقیر کا تحفہ قبول فرمائیے"۔ انہوں نے شکریہ ادا کرکے جیب میں رکھ لیا۔ لکھنؤ جاکر حاجی صاحب نے جوہریوں سے اس کی قیمت دریافت کرائی تو پچیس۲۵ ہزار روپے اُس کے لگا دیئے گئے تھے اور جوہری اُس کی خریداری پر اصرار کررہے تھے۔ اُس روز سے حاجی صاحب نے درویشوں سے اجتناب اور مخالفت کا وطیرہ ختم کردیا۔ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ صاحب! آپکے پیر و مرشد واقعی بڑے درویش ہیں۔

———o———

سخاوت کا عالم یہ تھا کہ جو کچھ فتوحات میں آتا، اُسے ضرورت مند مریدین میں تقسیم فرما دیتے۔ کوئی غریب مُسافر آجاتا تو اس کی حاجت بر آری فرمادیتے یا، وہ مشائخ جو اکثر سرکارؒ کے ساتھ رہتے تھے، اُن پر صرف فرما دیتے۔ نہ کوئی بینک بیلنس تھا، نہ منقولہ یا غیر منقولہ کوئی ایسی جائیداد کہ جس کے بل بوتے پر دو چار برس ہی گذر سکیں۔

عفو و ترحم

بڑی سے بڑی غلطی کو معاف فرما دیا جاتا۔ مُریدین کو بہت ہی غصّے میں لفظی تنبیہ فرمادیتے اور ارشاد ہوتا:- اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡم ؕ

سرکارؒ کی صاحبزادی حضرۃ شاہزادی بیگم (بیگم بی بی) کی شادی کے موقع پر خورجہ میں ایک صاحب کو چھ سَو روپے عطا فرمائے تاکہ اس تقریب کے لئے خالص گھی وہ اجمیر شریف بھیج دیں لیکن شادی کی تقاریب ختم ہونے تک نہ گھی آیا، نہ روپیہ ہی واپس کیا گیا۔ البتہ ایک تار عین تقریب کے دن موصول ہوا کہ گھی دستیاب نہیں ہوسکا ہے۔ نتیجتاً ایک ہندو بقال سے تقاریب کے لئے گھی قرض لینا پڑا۔

جن پیر بھائیوں کو یہ حال معلوم تھا، سب کے سب سخت برافروختہ تھے کہ سرکارؒ کے ساتھ یہ دھوکہ بازی کی گئی ہے۔ لیکن کر کچھ نہیں سکتے تھے، اس لئے کہ سرکارؒ نے مسکرا کر فرما دیا تھا:- "ایسا ہو جاتا ہے، بہر نوع یہ غلطی ہے"۔ ہمارے سب کے علم میں ہے کہ سرکارؒ نے وہ چھ سو روپے واپس طلب نہیں فرمائے۔ خدا معلوم اُنہوں نے واپس کئے یا نہیں۔

صفائی معاملات

ایک بار علی گڑھ میں ہمارے کسی پیر بھائی سے سرکارؒ نے کچھ سامان منگوایا۔ وہ سامان تو لے آئے مگر اُس کا حساب پیش نہیں کیا۔ سرکارؒ نے کچھ وقت گزرنے کے بعد فرمایا:- "کیا حساب دینا ضروری نہیں ہوتا؟" وہ بہت خفیف ہوئے اور حساب پیش کردیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اسقدر روپے (جو چند ہی تھے) انہوں نے خود خرچ کرلئے ہیں۔ فرمایا:- "بغیر اجازت صَرف نہیں کرنا چاہئے۔ یہ امانت میں خیانت ہوتی ہے۔ معاملات میں صفائی ضروری ہے"۔ (حالانکہ سرکارؒ کو حساب کتاب سے کیا تعلق تھا۔ لاکھوں آئے اور بے حساب لٹائے، اور مُڑ کر نہیں دیکھا۔ یہ تنبیہ محض تعلیماً تھی۔ (شوکت))

خلق اللہ سے ہمدردی

فرماتے:- جو شخص اپنا غم مجھ سے بیان کرتا ہے، اُس سے دُوچند غم مجھے ہوتا ہے۔ معلوم نہیں وہ لوگ کیسے سنگدل ہیں جو اپنے دینی بھائیوں کے غم دیکھیں تو آہ بھی نہ کریں"۔ سرکارؒ کا مطبخ اجمیر شریف کے دورانِ قیام میں برابر جاری رہتا تھا اور بلا تخصیص لوگ اُس سے فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔

ہم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ساری فتوحات جب تک روزانہ ٹھکانے نہ لگ جاتیں، سرکار مطمئن نہیں ہوتے تھے۔

بھائی محمد شفیع صاحب یُوسفی علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں سرکارؒ کے ساتھ سفر میں ہمرکاب تھا۔ دورانِ سفر پیسے کی کمی ہوگئی۔ مجھے بڑا تردّد ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک صاحب آئے اور سرکارؒ کو روپے نذر کئے، جو سرکارؒ نے میرے پاس رکھوا دیئے۔ چند گھنٹے ہی گزرے ہوں گے کہ مجھ سے روپے لے کر لوگوں کو دینا شروع کر دیئے۔ لیکن میں نے کچھ روپیہ احتیاطاً روک لیا۔ پھر ایک شخص کو دینے کے لئے جتنے روپے سرکارؒ نے طلب فرمائے تھے۔ میں نے اُس سے کم روپے پیش کئے۔ تاکہ سرکارؒ یہ سمجھ لیں کہ روپیہ ختم ہوچکا۔ لیکن وہ کم روپے لیتے ہوئے مجھ سے فرمایا: "اور وہ باقی؟"۔ شفیع بھائی نے بتایا کہ میں اپنی خام خیالی پر شرمندہ ہُوا اور جو کچھ بچالیا تھا، سب پیش کردیا۔ سرکارؒ نے وہ بھی سب اُسی شخص کو دے دیا۔

دیانت و امانت

ایک مرتبہ کسی صاحب نے نذرانہ بھیجا اور لکھا اس میں سے اس قدر رقم رفیع میاں صاحب (وکیل دربار غریب نوازؒ) کو دے دی جائے۔ سرکارؒ نے رفیع میاں صاحب کو بُلوا کر اُن کے نذرانے کے روپے اُنہیں دے دیئے۔

سرکارؒ کے توسط سے جو ڈاک آپؒ کے مریدین کی آتی تھی، یا کسی دیگر شخص کی، تو سرکارؒ وہ خطوط کبھی نہیں پڑھتے تھے اور تلاش کر کے ہر شخص کو اس کی ڈاک بروقت مرحمت فرمادیتے۔ یہی حال احوالِ مُریدین کا تھا کہ کسی مُرید کے راز، دوسرے کسی مُرید کو نہ بتاتے۔ (نہ اشارۃً و کنایۃً ہی بیان فرماتے)

بُردباری

سید ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر یُوسفی کی روایت ہے کہ مجھے رفیع میاں صاحب اور بعض دیگر ثقہ بزرگوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ اجمیر شریف میں سماع کے دَوران میں ایک عرب صاحب تشریف لائے اور سرکارؒ کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ اُن کا کہنا تھا کہ قوالی حرام ہے۔ تم ایسے مقدس مقام پر فعلِ حرام کے مرتکب

ہو رہے ہو۔ سرکارؒ نے قوالی فوراً بند کرادی اور اُن عرب صاحب سے فرمایا۔ "تشریف رکھئے۔" وہ بیٹھ گئے۔ سرکارؒ نے چائے منگائی۔ اُن صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔ ہم نہیں پیتے تم بدعت پھیلاتے ہو۔

سرکارؒ نے فرمایا۔ میرے مشائخ سے جو کچھ مجھ تک پہنچا ہے، میں اُسے دوسروں تک پہنچاتا ہوں۔ آپ نے جو پہنچایا، وہ بھی سُن لیا۔ دعا فرمائیں۔ اتنا سُن کر وہ برہمی کے انداز میں اُٹھ کر چلے گئے۔ سرکارؒ نے بہت کوشش کی کہ بیٹھیں۔ مگر وہ چلے گئے۔ لیکن دوسرے ہی دن ہم سب نے دیکھا، وہ عرب صاحب بہت ہی ادب و احترام کے ساتھ سرکارؒ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔

شُکر سے محبّت، شِکوہ سے نفرت

اگر کوئی روزگار کی تنگی کا ذکر کرتا تو سرکارؒ فرماتے۔ "شکر سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ شِکوہ اللہ کو پسند نہیں۔ اللہ نے آپ کو آپکی رائے سے پیدا نہیں کیا ہے"۔ پھر ارشاد ہوتا۔ "جو لوگ سُپُردم بتو مایۂ خویش را" کے گوشۂ عافیت میں زندگی بسر کرتے ہیں، خوش رہتے ہیں۔"

اگر کوئی پیر بھائی، اپنے کسی پیر بھائی کی شکایت کرتا تو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ ارشاد ہوتا۔ "درویشی، پردہ پوشی ہے"۔ اکثر ارشاد فرماتے۔

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ

(یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ شکر کرو اور کفر (ناشکری) نہ کرو)

سرکارؒ کا فرمان تھا کہ شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور مصیبتوں میں افاقہ ہوجاتا ہے

تواضع

تواضع کا یہ عالم تھا کہ کوئی مہمان بغیر کچھ کھلائے پیئے واپس نہیں جاتا تھا۔ کوئی آتا تو بیش قدمی میں کھڑے ہو جاتے۔ رخصت کے وقت دروازے تک چھوڑنے کو جاتے۔

⊛ بھائی سید ظہور الحسنین شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ اجمیر شریف میں عرس کے بعد میں تھے اور میری اہلیہ عقیل فاطمہ یُوسفی نے اجازت طلب کی۔ سرکارؒ نے

سواری طلب فرمائی۔ تانگہ میں آگے سرکار والا تبارؒ بہ نفسِ نفیس اور حضرت سید محمد رفیع میاں صاحب بیٹھے۔ پیچھے ہم دونوں تھے۔ گاڑی میں سوار کرتے وقت سرکارؒ نے میرے گلے میں پھولوں کی مالا پہنائی۔ حضرت رفیع میاں صاحب جو ہمارے تمام اہلِ سلسلہ کے 'غریب نوازؒ میں وکیلِ دربار تھے' انہوں نے تبرکات مجھے عنایت فرمائے ـــــ میں سجدۂ تعظیمی بجالایا تو سرکارؒ نے مجھے اُٹھالیا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ رقت کا غلبہ مجھ پر اس قدر تھا کہ بے خود و مدہوش ہوگیا تھا۔ یُوں معلوم ہوتا تھا کہ رُوح، تن سے پرواز کیا چاہتی ہے۔ فرمایا:۔ "خُدا خوش رکھے"۔ پھر گاڑی میں مجھے بٹھایا۔ ٹرین روانہ ہوئی تو میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ جب تک ٹرین نظر آتی رہی، پلیٹ فارم پر کھڑے رُومال ہلاتے رہے

⊛ بھائی سید محمد ممتاز رفیق یُوسفی (سید رفیق عزیزی) صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک ماہ چار روز تک سرکارؒ کا قیام اجمیر شریف میں دولتکدے پر رہا۔ میں سرکار کے ہاں مقیم تھا۔ اُن دِنوں بلاناغہ یہ معمول تھا کہ نمازِ فجر کے بعد مجھے حکم ہوتا، جاؤ اپنی اماں کے پاس ناشتہ کر آؤ۔ کچھ دیر بعد خود اُوپر تشریف لے آتے اور حضرۃ اماں جی صاحبہ سے دریافت فرماتے کہ ممتاز رفیق کو کیا ناشتہ کرایا؟ ـ جبکہ خود سوائے چائے کے دوپہر تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔

محبّت

سرکارؒ کے اخلاقِ محمدی کی زندہ کرامت، آپؒ کا وہ جذبۂ محبت تھا جس کی بھینی بھینی خوشبو سے آپؒ کا ماحول معطر رہتا تھا اور جس کی پھوار ہر مُتنفس پر ہر ساعت پڑتی رہتی تھی۔ اِس محبت میں فرقِ مراتب بھی تھا، احتساب بھی تھا، رحمت للعالمینی بھی تھی اور ربوبیت بھی تھی۔

سرکارؒ فرماتے کہ دنیا کی اغراض کے لئے دوستی کبھی پائیدار نہیں ہوتی۔ دوستی اور محبت صرف اللہ کے واسطے ہونی چاہیئے۔ دیگر سلاسل کے لوگ سرکارؒ کے پاس حاضر ہوتے تو یہ محسوس کرتے کہ وہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ جلوت و خلوت میں کسی سے کوئی تعرض نہیں ہوتا تھا۔ خواہ آنے والا کیسے بھی حالات میں آلودہ

کیوں نہ ہو۔ اپنے لئے کوئی امتیازی نشست گاہ نہیں بنوائی۔ حتیٰ کہ اپنے دولت کدہ پر اپنے لئے دنیاوی آسائش و آرام کا کوئی خصوصی اہتمام بھی نہیں کرایا۔

حیاء

سرکارؒ بڑے ہی باحیاء اور عفیف تھے۔ آپؒ کے ستر کو کبھی کسی نے بے حجاب نہیں دیکھا۔ اکثر فرماتے:۔ حیا، ایمان کا جُزو ہے۔ یہ عورت کا زیور ہے اور مرد کا حُسن ہے۔ ارشاد ہوتا:۔ باحیا وہ ہے جس کے آنکھ، ناک، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں کے ساتھ اس کے خیال و افکار سب کے سب حیادار ہوں۔

اربابِ فضل کی تکریم

کوئی عالم دین یا درویش آتا تو اُس کی منزلت اس کے مراتب کے بقدر فرماتے اور اپنے علم و فضل کا اُس پر اصلاً، اظہار نہ فرماتے۔ بہت ہی عجز و انکسار سے پیش آتے۔

ایک مرتبہ کوئی مولانا صاحب سرکارؒ کے پاس آئے۔ دورانِ گفتگو بولے:۔ حضرت آپ نے علمِ دین کی تکمیل بھی کی یا نہیں؟ ـ سرکارؒ نے تبسم فرمایا اور باوجودیکہ آپ اعلیحضرت فاضل بریلویؒ کے دار العلوم سے فارغ التحصیل تھے، صرف اتنا فرمایا: "جی ہاں! چند کتب پڑھ لی ہیں"۔ علماء یا درویشوں میں کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہوتا تو سرکارؒ چند عالمانہ نکات ایسے بیان فرمادیتے کہ وہ مسئلہ آن کی آن میں حل بھی ہوجاتا اور وہ لوگ مطمئن بھی ہوجاتے۔ واقفِ حال اہلِ علم سرکارؒ کے مواجہ میں بہت سنبھل کر گفتگو کرتے تھے۔

طلبِ جاہ واقتدار سے نفرت

فرماتے:۔ ہزارہا افرادِ انسانی کی ہلاکت کا باعث حُبِّ دُنیا اور طلبِ جاہ واقتدار ہوچکی ہے، یہ جذبے دُنیا کو دین سے جُدا کردیتے ہیں اور دل میں نفاق، ریا، کِبر و غرور پیدا کردیتے ہیں۔ خود نمائی، خود ستائی، خود بینی، خود رائی، دین کی بیخ کنی کرتی ہیں۔ اہلِ حق کا ان آلائشوں سے کیا تعلق ـــ فرمایا کہ قرآنِ کریم میں وارد ہے کہ آخرت کی نیکیاں اس کے ساتھ ہیں،

جو جاہ و حشمت اور اقتدار کا اس دنیا میں طالب نہیں ہے اور نہ فساد کا۔
ایک مرتبہ ارشاد ہوا:- حضرت ایوب علیہ السّلام نے فرمایا کہ اپنے کو پہچنوانے کی کوشش نہ کرو۔ یہ صدق کی علامت ہے۔
فرمایا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا ہے کہ ریا بھی حدیث کے مطابق شرک ہے۔
فرمایا۔ خداوندِ عالم ایسے پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے جن کے سینے تقویٰ سے بھرے ہوں اور دُنیا والے اگر انہیں تلاش کرنا چاہیں تو نہ ملیں۔
فرمایا:- حضرت جامیؒ نے فرمایا ہے کہ شہرت پانے والے دُنیا میں رُسوا ہوتے ہیں۔
فرمایا:- اقتدار کی خواہش، مال و دولت کی خواہش سے پیدا ہوتی ہے اور ایسا شخص جو خوشامد پسند ہوتا ہے اگر کوئی شخص اُس کی خوشامد سے گریز کرے تو ناراض ہو جاتا ہے۔

اقارب سے میل جول

بھائی سید ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر یُوسفی کا بیان ہے کہ سرکارؒ کے اعزہ میں صرف ایک بڑے بھائی تھے۔ آپ اُن کی بڑی عزت فرماتے اور خاموشی سے اُن کی خدمت فرماتے رہتے۔
ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ آج میری سُسرال میں کچھ تقریب تھی اور مجھے بھی دُنیا داری کے کچھ لازمے پورے کرنا تھے۔ لیکن میں چلا آیا ہوں کہ اِن فضولیات سے بچنا ہی اچھا ہے۔ سرکارؒ نے سماعت فرمایا اور سخت برہم ہو کر فرمایا:-
"میں خوش ہوں گا اگر آپ مع تمام جہات اور تعلقات کے سفر کریں اگر آپ کو اللہ سے رشتہ رکھنا ہے تو دنیاداری کو پورا کرنا ہو گا۔"

عبادات و اشغال

سید ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر یوسفی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ چھتاری میں سرکارؒ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا:

تا صومعہ و مدرسہ ویراں نکنند
اِنساں ھرگز انساں نہ شود

میں سمجھا کہ اب عبادات سے چھُٹی ہوئی۔ چنانچہ جب سرکارؒ ظہر کی نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو میں غائب ہو گیا۔ نماز کے بعد سرکارؒ والا باہر تشریف لائے، مجھے طلب فرمایا اور ارشاد ہوا:-
"کیا نماز اور عبادات آپ پر معاف ہیں؟"
میں سخت شرمندہ ہوا۔ عرض کیا۔ حضور غلطی ہوئی۔
فرمایا:- "ہاں۔ یہ عبادات و اشغال ظاہر کی آراستگی کے لئے ضروری ہیں اور ماحول جو تمہارے چاروں طرف سے تمہیں گھیرے ہوئے ہے اِس سے درست رہتا ہے۔"
سرکارؒ نے مجھے بہت سے اوراد و اشغال تعلیم فرمائے اور اُن کا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ سرکارؒ نماز کے بعد اکثر تسبیحات کا ورد رکھتے تھے اور نمازِ فجر و عشاء کی دعاؤں میں غیر معمولی طوالت اختیار فرماتے۔

مراقبات

سرکارؒ نے تقریباً اکتیس ۳۱ قسم کے مراقبات تعلیم فرمائے۔
(۱) مراقبۂ شیخ (۲) مراقبۂ ازل (۳) مراقبۂ ابد (۴) مراقبۂ طبقات آسمان (۵) مراقبۂ زمین (۶) مراقبۂ انبیاء و اولیاء (۷) مراقبۂ روحِ مومن (۸) مراقبۂ ۱۸ ہزار عالم (۹) مراقبۂ حضوریت (۱۰) مراقبۂ قلبی (۱۱) مراقبۂ اقربیت (۱۲) مراقبۂ معیّت (۱۳) مراقبۂ احاطت (۱۴) مراقبۂ افعال (۱۵) مراقبۂ صفات (۱۶) مراقبۂ فنا (۱۷) مراقبۂ توحیدِ ذاتی (۱۸) مراقبۂ سویٰ (۱۹) مراقبۂ شہود (۲۰) مراقبۂ وجودی (۲۱) مراقبۂ سرادق (۲۲) مراقبۂ ہویت (۲۳) مراقبۂ ہیبت (۲۴) مراقبۂ وَجْہہُ اللہ (۲۵) مراقبۂ خاتم (۲۶) مراقبۂ عرش (۲۷) مراقبۂ وراء (۲۸) مراقبۂ نزاہت (۲۹) مراقبۂ محاسبہ (۳۰) مراقبۂ خدا (۳۱) مراقبۂ فردانیت

توحیدِ وجودی

بھائی سیّد ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر یُوسفی (ایڈووکیٹ) کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:-
فی الحقیقت، ذاتِ واحد کے سوا کوئی موجود نہیں جو کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی شرح ہے۔ ذات نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ اپنا نام ظاہر کیا اور ذاتِ محمدؐ نے ہر اسم

کو زنگار نگ کے اسماء سے موسوم کیا۔ اسی لئے شیخ کی موجودگی میں مرید کا وجود فانی ہوگیا اور خود کے وجود کو، شیخ کا وجود دیکھنے لگا۔ یہی جہت عرفانِ اعلیٰ ہے۔"

٥

نواب عطاء اللہ خانصاحب ریاست چھتاری کے سربراہ تھے۔ اچھی خاصی بڑی ریاست تھی۔ ضلع علی گڈھ میں واقع تھی۔ عطاء اللہ خانصاحب بڑے کلّے ٹھلّے اور اَلّلے تلّلے کے رئیس تھے۔ پڑھے لکھے۔ بذلہ سنج، شاعر، نازک مزاج اور ذرا سی بات پر لاکھ کا گھر خاک کر دینے والے۔ سرکارؒ کی خدمتِ بابرکت میں اکثر چھتاری، طالب نگر، علی گڈھ آتے رہتے تھے۔ گھنٹوں سرکارؒ کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔ کبھی اپنی غزلیں بھی سُناتے۔ ہم نے جو دَور دیکھا ہے اس میں اُنہوں نے فقیرانہ لباس و رَوش اختیار کرلئے تھے۔ سرکارؒ بھی اُن کی دلداری فرماتے۔ اُن سے فرمائش کرکے غزلیں سُنتے۔ خوب داد عطا فرماتے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ سرکارؒ چھتاری میں رونق افروز تھے۔ برسات کا زمانہ تھا۔ پلنگ پر سرکارؒ نے بستر بچھانے کو منع فرمادیا اور کھرّی چارپائی پر گاؤتکیہ کے سہارے نیم دراز تشریف رکھتے تھے کہ نواب صاحب چھتاری آگئے۔ سرکارؒ کی دست بوسی کی اور سرکارؒ ہی کی چارپائی کی پائینتیوں پر بیٹھ گئے۔ سرکارؒ نے فرمایا: "نواب صاحب کوئی نئی غزل ہوئی؟" ۔ نواب صاحب نے کچھ شعر عرض کئے۔ پھر کہنے لگے 'حضورؐ اجازت ہے میں پاؤں دباؤں؟' سرکارؒ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ پاؤں اُن کی طرف بڑھادیئے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے عرض کیا: "سرکار جان کی امان پاؤں تو ایک بات عرض کروں؟ سرکارؒ نے فرمایا: "ہاں ہاں فرمائیے"۔ عرض کیا: "حضورؐ گزارش یہ ہے کہ میں جو کچھ پُوچھوں گا، سرکارؒ اس کا صحیح جواب دیں گے؟"۔ فرمایا: "بالکل صحیح"۔ اُنہوں نے مکرّر کہہ کر سرکارؒ سے یہی وعدہ لیا۔ سرکار نے ارشاد فرمایا: "ہم سچوں ہی جواب دیں گے" ___ پھر اُنہوں نے دست بستہ ہوکر بڑی عاجزی سے سوال کیا:- سرکارؒ اللہ کی شکل کیسی ہے؟ ___

سرکارؒ نے بیساختہ فرمایا:- "بالکل آپ کی ایسی ہے"۔

نوابصاحب پر گریہ طاری ہوگیا۔ وہ بولے، توبہ توبہ نعوذ باللہ۔ حضورؐ میں تو بہت گندہ بندہ ہوں۔ آپ نے یہ کیا فرمادیا۔ سرکارؒ بہت ہنسے۔ فرمایا: "ہم نے تو اِسی شکل میں اُنہیں دیکھا ہے"۔

تَوَکُّل

تاج الاولیاء حضرت سیّد محمد بابا تاج الدین ناگپوری قدس سرہٗ نے ۲۶ محرم الحرام ۱۳۴۴ ہجری، ۱۷ اگست ۱۹۲۵ بروز دوشنبہ (پیر) کو مغرب کے وقت دنیا سے پردہ فرمایا ۱۹۲۵ کے اواخر میں سرکارِ والا علیہ الرحمۃ بھی مستقل قیام کے ارادے سے اجمیر شریف تشریف لے آئے۔

شاید ۱۹۳۳ یا ۱۹۳۴ میں رئیسِ طالب نگر نواب عبدالسمیع خان صاحب یُوسفی (نوراللہ مرقدہٗ) نے اجمیر شریف میں ترپولیہ دروازے کے قریب ایک معمولی سا دو منزلہ مکان تعمیر کرایا۔ نیت یہ تھی کہ جب سرکارؒ نے اجمیر القدس میں مستقل قیام کا ارادہ کرلیا ہے تو آپؒ کے اہل و عیال کی رہائش کے لئے ایک ٹھکانہ ہوجائے۔

ایک دن موقع پاکر نواب بہادر صاحب نے دست بستہ ہوکر عرض کیا کہ: سرکار! اماں جی کے قیام کے لئے ترپولیہ دروازہ پر ایک مکان بنوالیا گیا ہے ___ اتنا سماعت فرمانا تھا کہ آپؒ برہم ہوگئے۔ فرمایا:-

"میاں! ہمارے پاس ایک ٹوٹا پھوٹا توکل ہے۔ تم اپنے مکان سے اُسے بھی چھین لینا چاہتے ہو"۔

نواب بہادر صاحب سراپا ادب اور سرکارؒ کے عاشقِ صادق تھے۔ یہ کلمات سن کر لرز گئے۔ پیلے پڑگئے۔ مگر ہمتِ شیخ نے سہارا دیا۔ معاً نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ سرکارؒ! غلام کا مقصد یہ نہ تھا۔ گزارش یہ ہے کہ ہر سال غریب نوازؒ کے عرس پر ہمارے تمام پیر بھائی اور پیر بہنیں جو اجمیر شریف آتے ہیں، انہیں قیام کے لئے بہت تنگ و دَو کرنا ہوتی ہے۔ مکانوں اور ہوٹلوں کا کرایہ ادا کرنے پر بلاوجہ ایک زرِ کثیر خرچ ہوجاتا ہے۔ یہ مکان اس غرض سے بنالیا گیا ہے کہ اہلِ سلسلہ کو آرام ملے گا اور سرکار

کے مہمان جو مشائخ حضرات آتے ہیں اُنہیں بھی سہولت رہے گی ۔ ایسی صورت میں ہماری
اماں جی صاحبہ بھی اگر بالائی منزل میں مستقلاً قیام فرمائیں تو کسی قسم کی تنگی نہیں ہوگی ۔

یہ جواب سن کر سرکارِ والاؒ کے مزاجِ اقدس میں کچھ شگفتگی آئی ۔ فرمایا :-
"ہاں بات تو ٹھیک ہے ؛ مگر اس کے باوصف یہ پیشکش سرکارؒ نے بکراہت ہی قبول فرمائی ۔"

— ٥ —

نواب حافظ محمدؒ احمدؒ سعید خان صاحب رئیسِ چھتاری نے حیدر آباد دکن کی
وزارتِ عظمٰی کے ہی زمانے میں ناگپور میں تاج آباد شریف کی حاضری کے لئے سرکارؒ
سے اجازت طلب کی اور درگاہ حضرت تاج الاولیا ناگپوریؒ پر حاضر ہوئے ۔ اس زمانے
میں سرکار بابا صاحبؒ کی درگاہ شریف کی تعمیر کا کام شروع ہوا تھا ۔ نواب صاحب واپس
حیدر آباد پہنچے تو سرکارؒ کو عریضہ لکھا کہ درگاہ بابا صاحبؒ کی تعمیر کے لئے ریاست سے پچاس ہزار
روپے کی منظوری ہوئی ہے ۔ حضرت کو اِس نذرانہ کا چیک کس پتہ پر ارسال کیا جائے ؟

اجمیر شریف سے سرکارؒ نے نواب صاحب کو شکریہ کا خط لکھا اور تحریر فرمایا کہ :
"ناگ پور میں درگاہ کمیٹی موجود ہے ۔ ہم اُس کے صدر ہیں ۔ آپ وہ رقم درگاہ کمیٹی کو
ناگپور شریف کے پتے پر بھیج دیجئے ۔ ہمارا پتہ دریافت کرنا ، یا ہمارے پاس رقم
بھیجنے کی کیا ضرورت ہے ۔"

— ٥ —

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اجمیر شریف کے کوئی صاحب سرکارؒ کے پاس حاضر ہوئے اور
عرض کیا کہ مجھے ریاست حیدر آباد دکن سے وظیفہ ملتا تھا ۔ مگر نہ جانے کس وجہ سے اب
بند ہو گیا ہے ۔ مجھے فلاں بزرگ نے بتایا ہے کہ حضرت مولینا عبدالکریم شاہ صاحب
چاہیں تو تمہارا وظیفہ بحال ہو سکتا ہے ۔

سرکارؒ نے بلا توقف و تردّد فرمایا کہ ہم نواب صاحب چھتاری کو لکھتے ہیں ، آپ
اپنا نام و پتہ اور دیگر کوائف ہمیں لکھ دیں ۔ سرکار والا تبار قدس سرہٗ نے نواب صاحب
کو لکھا کہ یہ ایک غریب آدمی ہیں جو ہمارے پاس آئے ہیں ۔ ان کا وظیفہ ریاست دکن
سے مقرر تھا اور وہ آپ کے زمانے میں بند ہو گیا ہے ۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کے

زمانے میں ایسے لوگوں کی امداد بند ہو جائے ۔ اگر آپ نے ان کا مقررہ وظیفہ دوبارہ جاری
کرا دیا تو ہم کو خوشی ہوگی ۔

نواب صاحب چھتاری نے جواب میں تحریر کیا کہ ان حضرت کا وظیفہ جاری کرنے
کا حکم دے دیا گیا ہے ۔ آپ ، انہیں مطمئن فرما دیں ۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ ——
میری دلی خواہش یہ ہے کہ ریاست حیدر آباد سے اپنی موجودگی میں آپ کے واسطے
بھی تاحینِ حیات مقررہ جاری کرا دوں ۔

سرکارؒ نے نواب صاحب چھتاری کو جواباً تحریر فرمایا :- "ہمیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی
کہ آپ نے اُن صاحب کا وظیفہ دوبارہ جاری کرا دیا ہے ۔ رہا ہمارے لئے "مقررہ" کا سوال
تو ہمارے لئے اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے ۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ۔"

اس خط و کتابت کے باوجود ، نواب صاحب چھتاری نے پانچ صد روپے ماہانہ بطور
وظیفہ تاحینِ حیات منظور کرا کے ، اس کے فارم اور رسیدی واؤچر وغیرہ بغرضِ دستخط ،
سرکارؒ کی خدمت میں بھیج دیئے ۔ سرکارؒ نے اس فارم کو پھاڑ کر ایک لفافہ میں رکھ کر ،
نواب صاحب کو لکھا کہ " ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا تھوڑا سا توکّل ہی تو ہے ۔ کیا
آپ اُسے بھی خریدنا چاہتے ہیں ؟ "

— ٥ —

ایک مرتبہ نواب صاحب چھتاری ایک بیش قیمت کمبل ، جو وہ لندن سے سرکارؒ کے
لئے خرید کر لائے تھے ، حضرت کو پیش کیا ۔ سرکارؒ نے بہت ہی پسندیدگی سے یہ تحفہ قبول فرما
لیا ۔ اور آنے جانے والوں کو دن بھر وہ کمبل دکھاتے اور ہر ایک سے کہتے کہ یہ بڑا بیش قیمت
ہے ۔ نواب صاحب ہمارے لئے ولایت سے لائے ہیں ۔ کبھی کبھی یہ بھی فرما دیتے کہ دیکھو
بڑا ہی قیمتی کمبل ہے یہ ، اسے ہم کسی کو نہیں دیں گے ۔ کمبل سے اِس قدر رغبت کا
اظہار فرما رہے تھے سرکار کہ اس سے یہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ واقعی یہ تحفہ از حد
پسند آیا ہے ۔

ان دنوں ٹھنڈ بھی بہت پڑ رہی تھی ۔ کراچی میں تو اس سردی کا تصور ہی نہیں
کیا جا سکتا جو صوبہ جات متحدہ ہند میں پڑتی ہے ۔ اُسی شب کو ایک بجے یکایک سرکارِ

والاؒ اُٹھے اور جنگل کا رُخ فرمایا۔ تمام حاضر الوقت خدّام بھی پیچھے پیچھے چل پڑے۔ سرکارؒ نے وہی نواب صاحب والا کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ ہم لوگوں میں سے کوئی روئی کا فرغل پہنے تھا۔ کوئی رضائی اوڑھے تھا۔ کسی نے کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ جنگل میں پہنچ کر سرکارؒ یکایک ایک سایہ دار درخت کی جانب بڑھے۔ جہاں کوئی فقیر سردی سے ٹھٹھرا ہوا، کانپ رہا تھا۔ سرکارؒ نے آنِ واحد میں وُہی کمبل جس کی دن بھر تعریفیں کی تھیں، اُس فقیر کو اوڑھا دیا اور بغیر توقف فرمائے وہیں سے اپنی قیام گاہ (حضرتِ خلیفہ خورشید احمدؒ خاں صاحب یوسفی کا مکان) پر واپس تشریف لے آئے۔ اُس وقت سرکارؒ کے جسم مبارک پر لٹھے کے ایک شلوکے، روئی کی مرضئی اور ایک ٹھنڈے کرتے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ آپ اُسی شانِ وارفتگی اور شاہانہ رفتار سے اپنی قیام گاہ تک تشریف لائے، اور اُس کمبل کو ایسے بھُول گئے جیسے وہ کمبل سرکارؒ کے پاس تھا ہی نہیں۔

———— ۰ ————

سرکارؒ کو لاتعداد جواہرات تحفتاً نذر کیئے جاتے تھے۔ لیکن ان میں کوئی بھی قیمتی سے قیمتی پتھر آپؒ نے اپنے پاس نہ رکھا، اور نہ حضور امّاں جی صاحبہ یا اپنی کسی صاحبزادی صاحبہ ہی کو دیا۔ بڑے بڑے قیمتی الماس، نیلم، فیروزے، لہسنیے، زمرد، یاقوت اور پنّے کے نگینے بڑی ہی حسین سادہ کاری کی ہوئی انگوٹھیوں میں جڑے ہوئے آپ کو نذر کیئے جاتے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے میں کوئی انگوٹھی کسی قوال کو پہنا دیتے۔ بہت سی انگوٹھیاں اپنے نام لیواؤں کو عطا فرما دیتے۔ چناں چہ ہمارے بہت سے پیارے برادرانِ طریقت کو اِن جواہرات کی انگوٹھیاں ملیں اور الحمدللہ یہ لوگ بھی سرکارؒ کے کرم سے ایسے سیر چشم اور بے نیاز رہے کہ وہ انگوٹھیاں یا تو سماع میں نذر کر گزرے یا کسی اپنے محبوب پیر بھائی کو پہنا دیں۔

یہی حال لباس کا تھا۔ قیمتی سے قیمتی ملبوسات سرکارؒ کو نذر کئے جاتے اور سرکارؒ اُنہیں بغیر استعمال فرمائے، ضرورتمندوں کو عطا فرما دیتے۔ چناں چہ ہم لوگوں نے دیکھا ہے کہ زیادہ تر قیمتی ملبوسات اور گرم بستر وغیرہ، بارہا حضرت مولانا ذہینؒ شاہ صاحب کو عطا فرما دیئے جاتے۔ موسم سرما میں گرم مالینہ کے پھولدار جتنے جُبّے سرکارؒ کو نذر

کیئے جاتے اُن میں سے ایک آدھ معمولی سے جُبّے کے علاوہ سارے بہترین جُبّے اسی طرح بخش دیئے جاتے تھے۔

اِس محمّدی عطا و سخا اور توکّل و استغنا کے چشم دید گواہ آج بھی برِّ کوچک پاک و ہند میں بکثرت بقیدِ حیات ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو سلامت رکھے)

———— ● ————

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ سرکارؒ اپنے ایک مشہور درویش دوست، میاں فرہاد شاہ صاحب وارثی کو ہمراہ لے کر اجمیر القدس سے ناگور شریف کے لئے روانہ ہوئے۔ ناگور شریف ریاست جودھپور میں واقع ہے اور وہاں سلطان التارکین حضرت صوفی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آسودہ ہیں۔ اِس سفر کی اطلاع سرکار والا تبار قدس سرہٗ نے ریاست جے پور میں مقیم اپنے مریدین و معتقدین کو فرما دی تھی۔ چنانچہ سرکارؒ کی سواری جب پھُلیرا جنکشن پر پہنچی تو یہاں اکرام حسن خان صاحب ناظم (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اینڈ ڈپٹی کلکٹر) سانبھر ڈسٹرکٹ اور بھائی سیّد ضیاء الحق شاہ صاحب یُوسفی ایڈووکیٹ اور صلاح الدین صاحب عشقیؔ فاروقی یوسفی، حضرت مولانا ذہین شاہ صاحب یوسفی تاجی کی سربراہی میں پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ اکرام حسن خان صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع سانبھر نے عرض کیا کہ سرکارؒ آج سانبھر تشریف لے چلیں تو رات کو قیام فرما کر کل ناگور شریف تشریف لے جائیں۔ سرکارؒ نے یہ دعوتِ محبت قبول فرمالی۔ سانبھر تشریف لے گئے۔ لیکن رات حضور خواجہ غریب نوازؒ کے نبیرہ حضرت خواجہ حُسَامُ الدّین جگر سوختہؒ کی درگاہِ عالی میں بسر فرمائی۔ اگلے روز مارواڑ لائن سے ناگور شریف کو روانگی ہوئی۔ جماعتِ عشّاق ہمراہ تھی۔ ناگور شریف پہنچ کر سرکارؒ نے بھائی ذہین شاہ صاحب قبلہ سے دریافت فرمایا کہ یہاں کی حاضری کے کیا آداب ہیں؟ - انہوں نے عرض کیا کہ حضرت سلطان التارکین ہمیشہ باجرہ اور موٹھ کی کھچڑی پر گزر فرماتے تھے اس لئے یہاں درگاہ شریف میں گوشت وغیرہ کا استعمال پسند نہیں کیا جاتا ہے۔

سانبھر سے روانگی کے وقت ناظم اکرام حسن خان صاحب نے ناشتہ دانوں میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی بریانی، شامی کباب اور زردہ ہمراہ کر دیا تھا۔ سرکارؒ نے فرمایا،

یہ کھانا کسی کو دے دیا جائے۔ پھر درگاہ شریف تشریف لے گئے اور صبح سے رات ۹ بجے تک مُراقب رہے۔ حضرت بھائی ذہین شاہ صاحب تاجی نے بتایا کہ میں نے اتنا طویل مراقبہ فرماتے سرکارؒ کو کبھی کسی مزار پر نہیں دیکھا۔ مراقبے کے بعد آپؒ پر ایک انوکھی کیفیت طاری تھی۔ بار بار فرماتے " واقعی سلطان التارکین ہیں"۔ پھر جائے قیام پر جو درگاہ کے دروازے کے سامنے ہی تھی تشریف لائے۔ جسے آپؒ کے لئے آراستہ کیا گیا تھا۔ سارا سامان بھی یہیں موجود تھا۔ قیام گاہ میں رونق افروز ہوتے ہی ارشاد ہوا :۔

" آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو تو اس کو اُن
جیسا ہو جانا چاہیئے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو جتنی دیر اُن کے
پاس رہے اُتنی دیر کو تو ویسا ہی ہو جانا چاہیئے"۔

اتنا فرمایا اور جیب میں ہاتھ ڈالتے جاتے اور جتنے روپے، پیسے، نوٹ ہاتھ میں آتے لُٹاتے رہے۔ سرکارؒ کی آمد کی اطلاع پا کر زائرین بکثرت جمع ہو چکے تھے۔ زرِ نقد لُٹانے کے بعد سامان کا نمبر آیا۔ کپڑوں کا بکس کُھلا، جتنے کپڑے تھے، ایک ایک کر کے لُٹا دیئے۔ جب بکس خالی ہو گیا تو اُسے بھی مجمع کی طرف اُچھال دیا۔ پھر دواؤں کے بکس کا نمبر آیا۔ پھر تمام بستر لٹائے، لحاف، توشک، چادریں، بالش، کمبل، دری، بستر بند، بھی لٹانے کے بعد اپنے جسم مبارک سے جبّہ شریف اور شلوکہ تک اُتار کر پھینک دیا۔

ـــــ o ـــــ

برادرِ عزیز برکت علی خاں صاحب یُوسفی نے بیان کیا کہ :۔

تاج آباد شریف میں سرکارؒ کے یہاں مقیم رہ کر مجھے سرکارؒ کی گھریلو زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ بابا صاحب علیہ الرحمۃ کے دربار سے دن میں بارات کے وقت لنگر آجاتا تھا۔ سب کا اُسی پر گزارا تھا۔ گھر میں تین تین چار چار یوم تک کھانا پک سکنے کا کوئی اہتمام نہیں ہو پاتا تھا۔ سرکارؒ کے پاس بہت سے نذرانے بھی آتے تھے۔ آپ ان نذرانوں کو قبول بھی فرماتے تھے، لیکن اماں جی تک ان میں سے کچھ حصّہ پہنچنے سے پہلے ہی اہلِ ضرورت پر صَرف کر دیئے جاتے تھے۔ کوئی درویش میلے کپڑوں میں آجاتا تو حکم ہوتا :۔" ارے دیکھو، یہ کپڑے ان حضرت کو

پیش کردو۔" حالانکہ وہ بغیر پہنے کپڑے ہوتے تھے۔ کئی کئی دن ایک ہی جوڑا پہنے رہتے وہ میلا نظر آنے لگتا تو کچھ مزاج شناس لوگ بڑے ادب سے عرض کرتے کہ حضور، کپڑے بہت میلے ہو گئے ہیں۔ جواباً ارشاد ہوتا :۔ اچھا لو اِن کو صابن سے دھو کر سُکھا دو۔ چنانچہ وُہی جُبّہ، تہبند، شلوکا، اور ہاتھ میں رہنے والا سفید ململ کا پٹکا دُھلتے سوکھتے اور پھر زیب تن فرما لئے جاتے۔ یہ پٹکا نماز کے وقت اور کبھی کبھی یُونہی سر پر اسطرح باندھ لیتے کہ وہ صافہ نظر آنے لگتا۔ حالانکہ اس کا طُول کبھی دُو گز سے زائد نہ ہوتا تھا۔

برہنہ سر اور برہنہ پا تو رہتے ہی تھے۔ ۱۹۳۷ء کے بعد سے سُوتی موزے اور ایک پمپ شو (جسے "مکیشین" کہیے) استعمال میں رہنے لگا تھا۔ مگر جنگل کو جاتے وقت آنِ واحد میں برہنہ پا ہو جاتے اور ان جوتوں کو کوئی خوش بخت مُرید اپنی بغل میں یا سر پر لے کر چلتا رہتا۔ سردیوں کے موسم میں چھینٹ کی ایک رُوئی والی مرضی پہن لی جاتی۔

سرکارؒ کی یہ حالت دیکھ کر اکثر لوگوں نے سرکارؒ کو ملبوسات کے نذرانے پیش کرنا بند کر دیئے تھے کہ خود تو پہنتے نہیں، جو آتا ہے اُسے دیکر فرما دیتے ہیں" یہ کپڑے تو پہن کر دکھاؤ"۔

ـــــ o ـــــ

سرکار یُوسُفُ الاَوْلِیاءؒ کے مُریدین، مُحبّین، معتقدین میں جیّد علماء، اہل الرائے عائدین، پی۔ ایچ ڈی حضرات، یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں کے اساتذہ، اطباء، ڈاکٹر، بیرسٹر، وکلاء، رؤسا، ادباء، شعراء، صاحبانِ صنعت و حرفت، تجار اور تزکیہ و تصفیۂ نفس سے آراستہ سالکینِ طریقت، سول اور فوجی حکام سبھی تو شامل تھے۔ ان میں سُنّی بھی تھے، شیعہ بھی تھے، ہندو بھی تھے، پارسی بھی تھے، عیسائی بھی تھے۔ صدہا متوکلین اور ان گنت غریب و نادار افراد بھی حلقہ بگوش تھے۔ انہی میں ایسے جاں نثار بھی تھے جو سرکارؒ کے اشارۂ ابرو پر اپنی بھری پُری دنیا لٹا سکتے تھے۔

سرکارؒ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہنے والے وہ لوگ جو داخلِ سلسلہ بھی نہیں تھے، اُن کو بڑی حیرت اور محبت کے ساتھ یہ کہتے سُنا گیا کہ اگر سرکارؒ اپنے مُریدین سے

سے ایک ایک روپیہ ماہانہ نذرانہ بھی لیا کرتے تو اُن کے پاس مال و دولت کی وہ فراوانی ہوتی کہ بڑے بڑے جاگیردار گدّی نشینوں کی طرح دولت مند ہوتے ۔ لیکن یہاں تو یہ حال تھا کہ نہ کسی بینک میں حساب تھا، نہ پس انداز سرمایہ تھا، نہ زر و جواہر، نہ کوئی لائقِ ذکر و شمار اثاث البیت، نہ ظروف اور کٹلری کا کوئی اسٹور۔ نہ آپ کے اہل و عیال کے پاس زیورات تھے، نہ اتنے ملبوسات کہ وقت آپڑے تو یہ سب اشیاء فروخت کرکے ایک سال ہی گزر بسر کی جاسکے، نہ کوئی جائیداد تھی، نہ جاگیر، نہ کوئی میراث نہ چراغی، نہ چڑھاوے، نہ فاتحاؤں اور نیازوں کے حیلے سے وصول کئے جانے والے نذرانے، نہ کوئی کاروبار۔

ایسا نہیں ہے کہ سرکارؒ کو مریدین نذرانے پیش نہیں کرتے تھے۔ بہت کافی تحائف اور نذرانے آتے تھے۔ لیکن یہاں تو کشادہ دستی کا عالم یہ تھا کہ سونے چاندی کے پہاڑ بھی ہوں تو دیکھتے ہی دیکھتے لٹا دیئے جائیں ؎

کریم ایسا ملا ہے کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے
بتاؤ اے مفلسو کہ پھر کیوں تمہارا دل اضطراب میں ہے
(اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ)

جو ضرورت مند آپؒ کے پاس حاضر ہوتا، خالی ہاتھ واپس نہ لوٹتا۔ غریب مُریدین کی امداد کا سلسلہ جاری رہتا۔ فاتحاؤں میں تمام تبرکات، کھول کر سامنے رکھے جاتے اور فاتحہ کے بعد ذرا کی ذرا میں تبرک تقسیم کر دیا جاتا۔

اجمیر القدس میں جب تک قیام ہوتا، ہمہ وقت مہمانداری جاری رہتی۔ تمام عمر سفر میں بسر فرمادی۔ ہزاروں روپیہ اس سفر خرچ میں کام آگیا۔ پھر حضرت بابا صاحبؒ کے عرس مبارک کا جب زمانہ آتا تو جو کچھ ہوتا، درگاہ کمیٹی (ناگپور شریف) کو دے دیا جاتا۔ غریب نوازؒ کے عرس مبارک پر سرکارؒ کے درِ دولت پر گویا میلہ سا لگا رہتا تھا اور صبح سے رات گئے تک لنگر جاری رہتا تھا۔

بھائی سید محمد ممتاز رفیق یوسفی تاجی جو گزشتہ چالیس سال سے پیشۂ صحافت سے منسلک ہیں اور سید رفیق عزیزی کے نام سے مشہور ہیں، اور جنہیں سرکارؒ نے "ہمارا اخبار نویس" فرمایا ہے، بیان کرتے ہیں:۔

چار مرتبہ میں نے دیکھا کہ حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کے عُرس سے قبل سرکارؒ تمام اہل خانہ کے ساتھ ناگپور شریف کے لئے عازمِ سفر ہوتے تو بھائی مُنیر خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ارشاد ہوتا کہ مُنیر خان روپے کی ضرورت ہے ۔ بھائی صاحب "جی حضور" فرماتے اور سوالیہ نشان بنے سامنے کھڑے رہتے ۔ تو ارشاد ہوتا: "اپنی امّاں جی سے کہو کہ جو زیور ہو دے دیں، ہم اُنہیں لوٹا دیں گے۔" امّاں جی صاحبہ (مستورات کے طبعی مزاج کے مطابق کافی حیل و حجت فرماتیں) کو بالآخر ایک ایک چھلا بھائی صاحب کے سپرد کر دینا ہوتا۔ پھر تانبے کے برتنوں کی نوبت آتی۔ سب کچھ فروخت کر دیا جاتا اور یہ روپیہ لے کر سرکار ابد قرارؒ امّاں جی صاحبہ، ثریا بی بی اور ممتاز بی بی کے ہمراہ ناگپور شریف کے لئے روانہ ہو جاتے ۔ ایسے ہی چار سفروں میں کفش برداری کا شرف مجھے بھی بخشا گیا اور دو مرتبہ تو میری والدہ صاحبہ مکرمہ و معظمہ اور میری بھانجی سیدہ تطہیر فاطمہ ذہینی یوسفی تاجی (جو میری آقا زادی ممتاز بی بی سے دو برس چھوٹی ہیں اور جنہیں سرکار والاؒ "اچھی بی بی" فرماتے تھے) بھی اس مقدس کنبے کی خدمت گزاری میں رہی ہیں۔

بھائی ممتاز رفیق کا کہنا ہے کہ ہم سب کا سفر خرچ اور جُملہ ضروریات کی کفالت کا بار بھی سرکارؒ ہی پر ہوتا ۔ ایک مرتبہ تو سفر، اجمیر القدس سے شروع ہوا تو محترمہ امّاں جی صاحبہ، ثریا بی بی، ممتاز بی بی کے علاوہ میں، میری والدہ صاحبہ میری بھانجی سیدہ (اچھی بی بی) شریک سفر تھے۔ ناگپور سے واپسی پر اُجّین میں دو دن قیام ہُوا ۔ وہاں سے آگرہ پہنچے تو ایک شبانہ روز قیام کے بعد فَرّخ آباد شریف پہنچے ۔ خانقاہِ مُجیبیّہ میں قیام ہوا۔ یہ ایک عظیم الشان خانقاہ ہے۔ یہاں سرکارؒ کے دادا پیر حضرت شاہ طالب حسین مجیبؔ فرخ آبادی اور حضرت شاہ مجیبؔ کے پیر و مرشد حضرت شاہ حسین بخش شاکرؔ قدس اللہ تعالیٰ سرہما الکریم آسودہ ہیں۔ زنان خانہ خانقاہ شریف کے بائیں جانب جنوب مغرب میں ہے۔ جانبِ شرق مردانہ مہمان خانے ہیں۔ اس خانقاہ شریف کے سجادہ نشین حضرت قبلہ پُھندن میاں صاحب علیہ الرحمۃ تھے، جو امّاں جی کے پیر و مرشد بھی تھے۔ سرکارؒ تو دوہرے رشتے سے اُن کا ادب فرماتے۔ مگر پھندن میاں صاحب کو سرکارؒ سے

محبت اور تعلقِ خصوصی تھا اُس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ سرکارؒ کے مُریدین سے آپ ایسی والہانہ محبت، شفقت اور "مامتا" سے پیش آتے تھے کہ اس محبت کا قیاس اپنے نانا اور دادا کی محبت و شفقت سے بھی نہیں کیا جا سکتا اور یہ میرے محسوسات ہی نہیں، میرے پیارے پیر بھائیوں میں جن حضرات کو بھی حاضریٔ فرخ آباد کی سعادت مرحمت ہوئی ہے۔ وہ شاید کچھ مجھ سے بھی زیادہ اُس پیار کی لذّت آج بھی محسوس کرتے ہونگے جو حضرت قبلہ پُھندن میاں شاہ صاحب، غلامانِ یوسف الاولیاء سے فرماتے تھے۔ مونس بھائی [کنور محمدؐ مونس علی خاںؒ] تو اب اِس دنیا میں نہیں، لیکن اصغر بھائی [کنور محمدؐ اصغر علی خان صاحب (علیگ)] بھائی سیّد ظہور الحسنین شاہ صاحب، بھائی شوکت علی خان صاحب اور برکت بھائی (برکت علی خان یُوسفی چھتاروی) الحمدللہ بقیدِ حیات ہیں اور میرے محسوسات کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔ اس خانقاہ میں ایک بہت بڑا کمرہ سرکار کے قیام کے لئے اور برابر میں ہی جانبِ جنوب سرکارؒ کے ہمرکاب خادم یا خدّام کے لئے مخصوص تھا۔ اس چھوٹے کمرے میں میں مقیم ہوتا۔ سرکارؒ کا سامان، دواؤں کا صندق، ٹوکری اور پاندان کے لوازمات کے علاوہ سرکارؒ کا حُقّہ میرے ساتھ ہوتا۔

میں پہلی بار جب یہاں مقیم ہوا تو دیوار پر ٹنگا ہوا ایک ساز دیکھا جس پر غلاف چڑھا ہوا تھا جسے دیکھ کر ستار یا تان پُورے کا گمان ہوتا تھا۔ ہم لوگ ظہر اور عصر کے مابین یہاں پہنچے تھے۔ کمروں میں قیام کے بعد سرکارؒ یکایک میرے کمرے میں تشریف لے آئے۔ فرمایا:۔ ارے ممتاز رفیق! تم نے یہ ستار دیکھا۔ یہ ہمارے لئے پھندن میاں صاحب نے رکھ چھوڑا ہے، اور ہاں، پھندن میاں صاحب بھی تو بہت اچھا ستار بجاتے ہیں۔ اتنا فرمایا۔ ایک نگاہ سب سامان پر ڈالی۔ مجھ سے فرمایا، جاؤ غسل کر لو، کپڑے بھی بدل لو۔ اور تشریف لے گئے۔ حضرت قبلہ پھندن میاں شاہ صاحب پُرتکلف زندگی بسر فرماتے تھے۔ دسترخوان رئیسانہ تھا۔ ناشتہ میں روغنی ٹکیوں، مختلف قسم کے کبابوں اور ربڑی جیسی گاڑھی کشمیری چائے جس میں بادام، پستے اور چرونجی پیس کر ملائے ہوتے تھے، اس قدر مرغن اور شاہانہ ناشتے کا اہتمام کہیں شاذ ہی ہوتا ہو، حضرت قبلہ پھندن میاں شاہ صاحب سرکارؒ سے تو اصرار فرماتے ہی جاتے تھے کہ مولانا! یہ تو لیجیے۔

لیکن سرکارؒ کے ہمراہی خادم پر الطاف و عطا کا وہ عالم ہوتا کہ بسا اوقات یہ ڈر ہوتا کہ کہیں پیٹ ہی نہ پھٹ جائے۔ اپنے سامنے کی کھائی ہوئی روغنی ٹکیاں کبھی ہمارے سامنے بڑھا رہے ہیں۔ کبھی ہماری طشتری میں ڈھیر سارے کباب ڈال دیئے۔

اس مرتبہ فرخ آباد شریف میں کم و بیش سترہ روز قیام رہا۔ وہاں سے ہمارے قافلے کو لیکر ہاتھرس تشریف لے گئے۔ ایک دن قیام فرما کر قنّوج پہنچے۔ پانچ روز یہاں قیام رہا۔ قنّوج کی نالیوں میں عطر بہتے میں نے دیکھا ہے۔ ایک دن بارش ہوئی تو ہم سب مَردوں کو لے کر سرکارؒ چلے۔ مجھ سے فرمایا، تم نے رائے پتھورا کا قلعہ دیکھا ہے؟ آج وہیں چل رہے ہیں۔ جہاں سرکارؒ ہمیں لے کر پہنچے وہاں زمین پر کوئی عمارت تو نہ تھی۔ زمین پر جھولے ہوئے دو ایک کھنڈر باقی تھے۔ لیکن حدِّ نظر تک جو لق و دق میدان سامنے تھا، اس سے پتہ چلتا تھا کہ یہاں محلات اور قلعہ ہوگا۔ بارش سے مٹّی دُھل گئی تھی۔ مجھے زمین پر بکھرے ہوئے اور مٹّی میں پیوست لاتعداد رنگ برنگے پتھر نظر آئے۔ میں نے چلتے چلتے اُنہیں چُننا شروع کیا تو ان میں فیروزے، عقیق، سنگ ستارہ سنگِ لرزاں، نیلم، پکھراج، موتی اور تامڑے کے اتنے پتھر ملے کہ ان کا وزن آدھ سیر سے کم نہ ہوگا۔ اس مقام سے ایک طرف کو جس کی سمت اور فاصلہ میں نہ سمجھ سکا تھا۔ سرکارؒ تشریف لے گئے۔ یہ ایک مزار تھا، فرمایا یہ حضرت حاجی شریف زندنیؒ ہیں۔ فاتحہ پڑھی۔ مجھ سے فرمایا طواف کر لو۔ میں نے مزار شریف کا طواف کر کے سرکارؒ کی قدمبوسی کی تو فرمایا، سُبحان اللہ کیسے کیسے پاگل ہیں۔

قنوج سے واپسی کے وقت میں نے وہ پتھر سرکارؒ کو پیش کئے۔ فرمایا:۔ ہاں وقت نہیں تھا۔ وہاں سے بہت اچھے اچھے دانے بھی مل جاتے ہیں۔ پھر وہ پتھر ٹوکری میں رکھ دینے کے لئے فرمایا۔ یہ پتھر اس تین ماہ کے سفر میں مختلف لوگوں کو سرکارؒ نے بانٹ دیئے۔ ان میں سے ایک نیلم، رحمت اللہ شاہ صاحب قوّال سکندر آبادی کو عطا فرمایا، جو سرکارؒ کے پسندیدہ قوّال اور سرکارؒ کے ذوقِ سماع کے مزاج شناس تھے۔ (الحمدللہ بقیدِ حیات ہیں، کراچی میں مقیم ہیں) دو فیروزے اور ایک موتی کوچہ میر عاشق والے خواجہ عطاء الرحمٰن صاحب دہلوی (مرحوم) کو عطا فرمائے اور فرمایا:۔

"مولانا عبدالسلام (نیازی دہلوی) کے لائق ان میں کوئی پتھر نہیں ہے۔ اچھا پھر سہی"۔

قنوج سے واپسی کے وقت سرکارؒ کو عطر کے نذرانے پیش ہوئے جن میں آٹھ آٹھ اور بارہ بارہ کنٹروں کے آٹھ بکس تھے۔ اُونٹ کے چمڑے کی کُپیّوں میں خس اور شمامۃ العنبر کوئی ڈیڑھ پاؤ کے قریب الگ تھا۔ ان عطروں میں اگر کا عطر تو سب سے ہی بیش قیمت تھا۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ ان عطریات میں سے اگر کے عطر کے علاوہ کبھی سرکارؒ نے کوئی عطر شوق فرمایا ہو۔ البتہ ان میں سے تھوڑا سا خس اور شمامۃ العنبر تو اماں جی کے حصے میں آیا، ورنہ باقی میں سے کچھ عطر نواب بہادر صاحب (بھائی عبدالسمیع خاں صاحب یُوسفی رئیسِ طالب نگر علیہ الرحمۃ) کو اور باقی تمام خواجہ غریب نوازؒ، حضور محبوب الٰہیؒ اور بابا صاحبؒ کے ہاں ناگپور میں کنٹر کے کنٹر چھڑک دیئے گئے۔

قنوج کے قیام میں سرکارؒ کے ادب و آداب کے طریقے ہی عجیب دیکھنے میں آئے۔ یہاں کے لوگ سرکار کے پیرو مرشد حضرت شاہ صوفی عبدالحکیم لکھنوی کامٹوی قدس سرہٗ کے رشتے سے، کچھ تو پیر بھائی تھے اور کچھ مُریدین تھے اور جو خانقاہی طور طریقے پیروں اور پیرزادگان کے لئے برتے جاتے ہیں، سرکارؒ کے ساتھ بھی برتے جاتے تھے۔ دستر خوان سرکارؒ کے پلنگ پر ہی بچھتا۔ کوئی ہم دستر خوان نہ ہوتا۔ بے شمار انواع و اقسام کے کھانے ہوتے۔ آفتابے سے سیلابچی میں سرکارؒ کے ہاتھ دُھلائے جاتے۔ محفل میں خواہ کوئی کتنا ہی بڑا صاحبِ مرتبہ آدمی ہوتا، وہ سرکارؒ کے طعام کے بعد عام دستر خوان پر کھانا۔ کھانے وہاں بھی سب یہی ہوتے تھے۔ سرکارؒ کے سامنے کا کھانا ہر شخص کو بطور تبرک پیش کیا جاتا۔ جسے کھانے کے بعد، لوگ انگلیاں اپنے منہ پر پھیرتے۔ لطف یہ ہے کہ اس وسیع دستر خوان پر سجائے ہوئے انواع و اقسام کے کھانوں میں سے سرکارؒ صرف ایک سالن شوق فرماتے اور وہ بھی وہ، جس کی قاب سرکارؒ سے قریب تر ہوتی، یا پھر سب کھانے کو ایک جگہ ملا دیتے۔

انتہا یہ ہے کہ سرکارؒ کے وُضو کا پانی بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ سارا پانی ایک بہت ہی چوڑی اور بڑی سیلابچی میں ہوتا اور اسے بڑی احتیاط سے کہیں لے جایا جاتا۔ (پھر پتہ نہیں اس کا کیا ہوتا تھا۔ افسوس میں نے کسی سے ادباً دریافت نہیں کیا۔)

قنوج سے روانہ ہو کر یہ قافلۂ شاہی علی گڑھ پہنچا۔ اسٹیشن پر حضرت قبلہ بھائی مولانا سید اختر علی شاہ صاحب قلندر یوسفی تاجی (نور اللہ مرقدہٗ) حضرت قبلہ بھائی مشتاق احمد صاحب یُوسفیؒ المعروف منشی بھیّا، بھائی بقاء اللہ شاہ صاحب یُوسفی، راحت بھائی (نوابزادہ راحت سعید خاں چھتاری، یُوسفی) اور مونس بھائیؒ پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ سرکارؒ اسٹیشن سے سیدھے طالب نگر روانہ ہوئے۔ مُنشی بھائی علیہ الرحمۃ اور راحت بھائی کے علاوہ باقی سارے استقبالی افراد بھی ہمرکاب ہو گئے۔ یہاں نواب بہادر صاحب کے ہاں ایک ہفتہ قیام کے بعد ہم سب کو ہمراہ لئے چھتاری کا قصد فرمایا۔ یہ اپریل یا مئی ۱۹۳۹ شمسی کی بات ہے۔ میں نے پہلی بار چھتاری کو دیکھا تھا۔ سرکارؒ نے ہم سب کے ساتھ، حضرت قبلہ بھائی خلیفہ خورشید احمد خاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ہاں قیام فرمایا تھا۔ یہ قیام کم و بیش ڈھائی ماہ جاری رہا۔

چھتاری میں ہمارے پیر بھائیوں میں جہاں اعلیٰ دُنیاوی منصبوں کے لوگ موجود تھے وہاں ان میں وہ لوگ بھی تھے جن کو ہندو سماج میں چوتھا درجہ دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں میں سے ایک ہمارے پیر بھائی اللہ دین تیلی تھے۔ انہوں نے آکر سرکارؒ سے عرض کیا کہ حضور کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ سرکارؒ نے فرمایا کہ "ہم تمہاری دعوت اس شرط پر قبول کرتے ہیں کہ صرف تیل کی روٹی اور کوئی ایک مگر تیل ہی کی ہانڈی ہو"۔ جمعہ کو دوپہر کے وقت یہ دعوت تھی۔ سرکاری قاعدہ یہ تھا کہ حاضر الوقت جتنے لوگ ہوتے، سرکارؒ کے ساتھ شریکِ دعوت ہوتے تھے۔ چنانچہ اُس وقت وہاں پر موجود میرے سارے پیر بھائی بھی اللہ دین بھائی کے ہاں پہنچے۔ اُن میں اکثریت ایسے حضرات کی تھی، جن کے لئے اُن ہندوانہ جھوٹی سماجی اقدار کی وجہ سے ایک تیلی کے گھر پر جانا باعثِ ننگ و عار تھا۔

ہر شخص نے سرکارؒ کے دستر خوان پر باجرے اور مکئی کی روٹیاں، جو تِل کے تیل میں نچڑ رہی تھیں، سرسوں کے ساگ سے مزے لے لیکر کھائیں۔ میٹھے کے طور پر گُلگلے اور باجرے کا مالیدہ تھا۔ سرکارؒ کبھی کسی بڑے سے بڑے اور لذیذ سے لذیذ کھانے کی بھی تعریف نہ فرماتے تھے اور نہ کسی بدمزہ شے سے اظہارِ ناپسندیدگی فرماتے تھے۔

لیکن بھائی اللہ دین کی دعوت کی تعریف دسترخوان پر بھی متعدد بار فرمائی اور بعد میں
بھی اس کا خصوصی ذکر فرمایا۔

اسی دورانِ قیام میں ایک دن نواب صاحب چھتاری کے ہاں سرکارؒ کی دعوت
ٹھہرائی تھی۔ مجھے اس قدر مختلف النوع بکثرت کھانوں کو ایک دسترخوان پر دیکھنے کا اتفاق
اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔ مُرغِ مُسلّم، مُسلّم بٹیر اور لوے، مرغابیوں کا قورمہ، قاز کا
قورمہ، پانچ قسم کے کباب، تین قسم کی بریانی، متنجن، ماش کی دال جس میں دو دو انگل
چڑھا ہوا گھی، نرگسی کوفتے، پشاوری شب دیگ، اور نہ جانے کیا کیا چار طرح کی روٹیاں
اچار، چٹنیوں، رائتے اور بورانی کی اقسام اور تعداد کا اندازہ کرنا مشکل۔ وسیع و عریض فرشی
دسترخوان پر یہ نعمت کدہ پہلے سے آراستہ تھا۔ سرکارؒ کے تشریف لاتے ہی کھانوں پر سے
سفید آب رواں کا ایک لمبا "خوان پوش" اُٹھا دیا گیا۔ زعفران، کیوڑے اور گرم مسالوں
کی خوشبوؤں سے پورا ہال مہک رہا تھا۔ سرکارؒ دسترخوان کے عرض پر صدر نشین تھے۔
اور یہ نشست اس طور پر رکھی گئی تھی کہ سرکارؒ جانبِ قبلہ ہوں۔ نواب حافظ محمد احمد
سعید خان صاحب والیٔ چھتاری سرکارؒ کے بائیں ہاتھ کو جنوبی صف میں سب سے پہلے
بیٹھے تھے۔ اور سرکارؒ کی تواضع میں بچھے جا رہے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سرکارؒ
کے ہمرکاب آج صرف سترہ آدمی تھے (ان میں سے خلیفہ خورشید احمد خان صاحب یوسفی
بھائی شوکت علی خان صاحب یوسفی، بھائی برکت علی خان صاحب یوسفی، بھائی
کالے خان صاحب یوسفی، ماسٹر فیاض علی خان صاحب یوسفی، رشید احمد خان صاحب یوسفی،
کے نام مجھے یاد ہیں) ان انواع و اقسام کی نعمتوں کے دسترخوان پر سرکارؒ نے صرف
ایک قاب سے اُرد کی دال اپنی پلیٹ میں لی اور آم کے آچار کا کچھ مسالا اور ایک قاش
قبول فرمائی۔ دسترخوان پر کم و بیش ستر افراد کا انتظام تھا۔ کھانے کے بعد یہ بھی
معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کھانا کھایا گیا ہے۔ ساری قابیں بھری رکھی تھیں۔ آخر میں
سرکارؒ نے فیرینی کی ایک سکوری شوق فرمائی اور دُعا فرمائی۔

سرکارؒ کے بستر میں ایک دری، ایک معمولی سی توشک، ایک چادر، ایک تکیہ،
ایک لحاف اور ایک عام سا کمبل ہوتا تھا۔ صندوق میں ٹھنڈے اور گرم ایک ایک یا دو دو

لمبے کُرتے (جنہیں جُبّہ کہہ لیجئے) دو صدریاں یا شلوکے، روئی کی ایک مرضئی، لٹھے کے ڈیڑھ
پاٹ والے ایک یا دو تہبند، باقی دوائیں، کتابیں، خطوط۔ شیر کی کھال کا ایک مصلّیٰ، وضو کے لئے
ایک لوٹا جو کبھی تو بھرت کا آفتابہ ہوتا، کبھی وہ صرف ٹین کا لوٹا رہ جاتا۔ لوگ بڑی ہی محبت و عقیدت
سے سرکارؒ کے لئے نئے کپڑے سلوا کر لاتے۔ نذر کرتے۔ سرکارؒ بہت خوشی کا اظہار
فرماتے اور جو شخص بھی خدمت پر مامور ہوتا اسے دیکر فرماتے،۔ ہمارے صندوق میں
رکھ دو۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ یہ ملبوسات استعمال سے پہلے ہی تقسیم ہو جاتے۔

غریب نوازؒ کے عُرس پر آنے والے ہمارے پیر بھائیوں میں اکثر حضرات کو واپسی کا
کرایہ سرکار دولتمدارؒ ہی عطا فرماتے تھے۔ ناگپور شریف یا اجمیر القدس یا طالب نگر وغیرہ سے
مجھے گھر ہو آنے کا حکم ملتا تو وہاں سے دہلی تک اور کبھی ریاست جے پور تک کے کرائے کے
علاوہ کم از کم ایک سو روپے مجھے عطا ہوتا اور حکم ہوتا "امّاں" (میری والدہ صاحبہ) کو
ہماری طرف سے پیش کر دینا، اس زرِ نقد کے علاوہ مجھے کئی ایک بار استعمال فرمائے ہوئے
اپنے جبّے اور شلوکے اور ململ کے پٹکے بھی مرحمت ہوئے۔ ناگپور شریف سے مجھے گھر ہو
آنے کا حکم ہوتا تو جس پھل کا موسم ہوتا (علی الخصوص سنگترے) اس کی پانچ چھ سو
سنگتروں کی ٹوکریاں میرے ہمراہ کر دی جاتیں۔ امّاں جی صاحبہ نور اللہ مرقدہا کو حکم ہوتا کہ
ممتاز رفیق کے ساتھ کے لئے قیمہ اور پراٹھے بنا دیجئے گا۔ اجمیر القدس سے میں بھیجا جاتا
تو دیگر تبرک کے علاوہ گزک، ریوڑیاں، بڑے بڑے الائچی دانے اور غریب نوازؒ کے ہاں
کا لنگر بھی ایک بہت بڑی سی چینی کی ہانڈی میں میرے ساتھ کیا جاتا۔

یہ ایک میرے ساتھ ہی خصوصیت نہ تھی، مونس بھیّا بھی جب علی گڑھ یا
غازی آباد بھیجے جاتے تو داد و دہش کا یہی حال اُن کے ساتھ بھی ہوتا تھا۔

———— ٥ ————

برکت علی خان صاحب یوسفی بیان کرتے ہیں کہ تاج الاولیاء تاج الملّت والدّین
شہنشاہِ ہفت اقلیم حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی اطلاع
چھتاری پہنچی، تو مجھے سخت صدمہ ہوا۔ میں اپنے ایک برادرِ طریقت شیخ جعفر علی صاحب
یوسفی کی دُکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ہمارے دو برادرانِ طریقت قاضی محمد عثمان صاحب

اور علی احمد صابر صاحب (احمد علی خاں بھائی) آج ہی ناگ پور شریف کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ شیخ جعفر علی صاحب نے فرمایا کہ دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ ناگپور شریف چلوں اور ہمارے سرکارؒ بھی وہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ اتنا سُننا تھا کہ ناگپور پہنچنے کی خواہش میرے دل میں اس قدر شدّت سے پیدا ہوئی کہ رات بھر نیند نہیں آئی۔ یہی سوچتا رہا کہ جاؤں تو کیونکر۔ گھر والوں سے کہوں تو میری نوعمری کی وجہ سے کوئی اجازت نہیں دے گا۔ (میری عمر ۱۹۲۵ میں صرف پندرہؔ سال تھی) صبح ہوتے ہوتے یہ ترکیب سُوجھی کہ گھر والوں سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے اور اپنی والدہ کے کیش بکس سے ناگپور شریف تک پہنچنے کے لئے پچاس روپے نکال لئے اور چمڑے کے ایک چھوٹے سوٹ کیس میں دوؔ یا تین جوڑی کپڑے رکھ کر اُسے وہیں ایک چھوٹی کوٹھری میں چھپا دیا۔ راستہ مجھے آتا نہ تھا۔ چھتاری سے تین میل کے فاصلے پر ایک ریلوے اسٹیشن اترولی نام کا تھا۔ ہمارے گھر کے تین دروازے تھے۔ میں ایک دروازے سے نکل کر جنگل میں چھپتا چھپاتا سِدھ پور جا پہنچا۔ وہاں سے سڑک پر پہنچ کر بستی کے باہر باہر چلتا ہُوا، ایسی جگہ پہنچا کہ ایک یکّہ اترولی جاتا نظر آیا۔ اُس میں بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن تک پہنچ گیا۔ ابھی گاڑی آنے میں پانچ گھنٹے باقی تھے۔ سوچا کہ اگر تلاش ہوئی تو کوئی نہ کوئی یہاں بھی پہنچ جائے گا۔ چناں چہ اِدھر اُدھر چُھپتا پھرا۔ ایک گھنٹے بعد مخالف سمت میں جانے والی ایک ٹرین آئی۔ معلوم ہوا کہ راج گھاٹ تک جا کر یہی ٹرین واپس آتی ہے اور علی گڑھ جاتی ہے۔ میں نے دسؔ یا بارہؔ آنے کا ٹکٹ خریدا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ راج گھاٹ پہنچا۔ ایک گھنٹے بعد یہی ٹرین واپس ہوئی۔ وقت کافی تھا۔ میں نے اسٹیشن پر ناشتہ کیا۔ اور وہاں سے علی گڈھ کا ٹکٹ پندرہ آنے کا لے کر ٹرین میں آ بیٹھا۔ رات ساڑھے آٹھ بجے یہ گاڑی علی گڈھ پہنچی۔ اب مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ناگپور کونسی گاڑی، کس وقت اور کس پلیٹ فارم سے جاتی ہے۔ یہ ساری معلومات بلا خوف و خطر پلیٹ فارم پر ہی حاصل کر لیں اور گیٹ کیپر کو ٹکٹ دیتے ہوئے اپنی معلومات کی تصدیق کے لئے ایک بار پھر پوچھا کہ ناگپور کو ٹرین کس وقت جائے گی؟۔ ٹکٹ کلکٹر نے مجھ سے کہا کہ میرے پاس ہی کھڑے رہیئے، ابھی بتائے دیتا ہوں۔ وہ مسافروں سے ٹکٹ وصول کرتا رہا۔ جب پلیٹ فارم

خالی ہو گیا تو اس نے کہا:۔ اے حضت! مجھے تو آپ کی تلاش تھی۔ گھر کہہ کر بھی نہیں آئے کہ کہاں جا رہے ہو۔ چھتاری سے آئے ہو نا؟۔ میں بالکل خاموش تھا۔ وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر ویٹنگ روم میں آ گئے اور ایک بیرے کو بلا کر کہا کہ دیکھو یہ صاجزادے تمہارے سپرد ہیں۔ میں تھوڑی دیر میں آ کر انہیں لے جاؤں گا۔ یہ کہیں جانے نہ پائیں اور انہیں چائے لا کر پلا دو!۔ اتنا کہہ کر وہ چلے گئے۔ میں سمجھا کہ یقیناً چھتاری سے بھائی صاحب (شوکت علی خاں) کے خُسر حاجی صاحب وغیرہ یہاں آئے ہوں گے اور ٹکٹ کلکٹر صاحب کو میرا حلیہ بتا گئے ہوں گے۔ یہ خیال آتے ہی خوف دامنگیر ہوا کہ یہ حضرت اُنہی کو بلانے گئے ہیں۔ بیرا میرے لئے چائے لایا اور پیالی دیکر کہیں چلا گیا۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور وہاں سے اُٹھ کر پلیٹ فارم سے باہر نکل گیا اور دل میں کہنے لگا کہ بابا صاحب میں آپ کے دربار میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ یہ مصیبتیں راستہ روک رہی ہیں — مجھے بچائیے۔ جیسے ہی ٹرین آئی، ناگپور شریف کا ٹکٹ لیا اور گاڑی حرکت میں آ گئی تو بھاگ کر چڑھ گیا۔

ناگپور کے اِتوارہ ریلوے اسٹیشن پر میں اُترا۔ باہر تانگے کھڑے تھے۔ تاج آباد شریف کا پتہ پوچھا تو ہر تانگہ والا چلنے کو تیار تھا۔ وہاں پہنچ کر میں نے اپنے سرکارؒ کے دولتکدے کا پتہ پوچھا تو لوگوں نے سامنے ہی ایک جھونپڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا:۔ "یہی تو ہے مَولانا صاحب کا جھونپڑا"۔ سرکارؒ کو پورا ناگپور "مَولانا" کہتا تھا۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ ہمارے پیر و مرشد، پُھونس کے ایک جھونپڑے میں رہتے ہوں گے۔ میں تو کسی عالی شان محل، یا کوٹھی یا شاندار حویلی کا تصور لئے ہوئے تھا۔ دل نہیں مانتا تھا کہ سرکارؒ کا دولت کدہ کوئی پھونس کا جھونپڑا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کئی حضرات سے پُوچھتا پھرا۔ مگر ہر ایک نے بڑی محبت سے اُسی جھونپڑے کی طرف اشارہ کیا۔

جھونپڑے کے پاس پہنچا تو سامنے ہی ایک کالے بُھجنگ نہایت فربہ اندام، ننگ دھڑنگ مست نظر آئے۔ خوف کی ایک لہر پورے جسم میں دَوڑ گئی۔ وہ بزرگ میری طرف "ٹو آیا ہے!، ٹو آیا ہے!" کہتے ہوئے بڑھے۔ میں خوف کے مارے اُلٹا چلتا ہوا ایک اور جھونپڑے سے جا لگا۔ وہ مست بزرگ میری طرف چڑھے چلے آ رہے تھے۔ اتنے میں اُن

کا ایک خادم جھونپڑے سے باہر نکلا اور بولا۔ "ہیں ہیں بابا مہمان ہے"۔ اتنا سُن کر وہ مستانے صاحب رُک گئے۔ اُنہی کے خادم نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کو کس کی تلاش ہے۔ میں نے اپنے سرکارؒ کا اسم گرامی لیا۔ انہوں نے کسی کو آواز دی۔ ایک جھونپڑے سے ایک لڑکا آیا۔ میں نے اس سے گفتگو شروع ہی کی تھی کہ چھتاری والے بھائی علی احمد صاحب آکر مجھ سے لپٹ گئے۔ وہ مجھ سے پہلے یہاں پہونچ چکے تھے اور خس پوش جھونپڑے میں مجھے لے گئے اندر حضرۃ قبلہ جدّن امّاں صاحبہ (سرکارؒ کی دوسری اہلیہ محترمہ اور بیگم آپا کی والدہ صاحبہ) موجود تھیں۔ سرکارؒ تشریف فرما نہ تھے۔ امّاں صاحبہ کی قدمبوسی کے بعد میں نے منہ ہاتھ دھویا امّاں صاحبہ نے ناشتہ کرایا۔ شام ہوتے ہی سرکارؒ تشریف لے آئے۔ میں قدم بوس ہوا۔ فرمایا:۔ "اچھا تم آگئے۔ مگر گھر کہہ کر بھی نہیں آئے۔ اچھا خیر!"۔ تیسرے دن بھائی صاحب کا عریضہ سرکارؒ کو موصول ہوا۔ جس میں بلا اطلاع میرے چلے جانے کا ذکر تھا۔ قبلۂ عالمؒ نے فرمایا:۔ "ہاں ہم نے چھتاری اطلاع دے دی ہے کہ برکت یہاں پہنچ گیا ہے"۔

میں چہلم شریف تک وہاں مقیم رہا۔ ایک جھونپڑا تھا جس میں سرکارؒ، امّاں صاحبہ اور ہم سب رہتے تھے۔ چارپائی کوئی نہیں تھی۔ سب زمین پر ہی اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے تھے۔ سرکارؒ کے اِسی جھونپڑے سے ملحق ایک خس پوش جھونپڑا اور تھا، جو بطور مسجد استعمال ہوتا تھا۔ تاج آباد شریف سے ایک فرلانگ کے قریب، لبِ راہ یہ چند جھونپڑے تھے اور جنگل میں اسی طرح یہ فلک مقام نفوس، یہاں استقامت پذیر تھے۔

بابا صاحب علیہ الرحمۃ کے دربار سے دونوں وقت کا لنگر تقسیم ہوتا تھا۔ ایک وقت نمک کا دلیہ اور دوسرے وقت میٹھا دلیہ یا دال چاول۔ یہاں آباد ہر ایک شخص کو بلا تخصیص یہی لنگر ملتا تھا۔ سرکارؒ کے ہاں بھی یہی لنگر آتا تھا۔ سرکار آقا و مولاؒ یہی لنگر تناول فرماتے۔ امّاں صاحبہ بھی، اور جسقدر سرکارؒ کے مہمان ہوتے ان کی بھی یہی غذا تھی۔ کبھی سرکارؒ امّاں صاحبہ کو دو چار روپے عطا فرما دیتے تو آٹا اور ارہر کی دال آجاتی اور یہ کھانا ہم سب کھا لیتے۔ سرکارؒ شہر تشریف لے جاتے تو دو دو تین تین دن بعد واپسی ہوتی۔ ایک دن رات کو دو بجے کے قریب سرکارؒ تشریف لائے۔ اُس وقت میں اور بھائی علی احمدؒ صابر صاحب مسجد میں ایک کواڑ بچھائے، اُس پر لیٹے سو

رہے تھے۔ اتفاق سے میری آنکھ کھُل گئی۔ سرکارؒ کی اقامت گاہ اور مسجد کے مابین پھونس کی صرف ایک ٹٹی حائل تھی۔ ذرا سے کھٹکے کی آواز بھی اِدھر سے اُدھر آتی جاتی تھی۔ سرکارؒ نے پاندان کھولا اور قبلہ امّاں صاحبہ سے پان طلب فرمایا۔ سرکارؒ چھالیہ کترتے رہے۔ امّاں صاحبہ نے فرمایا:۔ "مولانا! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں"۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ "جی! آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"۔ بھائی علی احمدؒ صابر صاحب بھی بیدار ہو چکے تھے اور ہم دونوں یہ گفتگو سُن رہے تھے۔ اماں صاحبہ نے فرمایا:۔ "دیکھئے بھوکے ننگے رہنا ہمارا تو نصیب ہے اور آپکا معمول یہ ہے کہ دو دو تین تین دن تک یہاں نہیں ہوتے قاضی عثمان اور علی احمد تو خیر بڑے ہیں، لیکن یہ برکت تو ابھی بچہ ہے۔ یہ اپنے گھر جا کر کیا کہے گا کہ ہم اپنے پیر صاحب کے یہاں گئے تو بھوکے پیاسے ہی رہے"۔ سرکارؒ نے برجستہ فرمایا:۔ "اچھا تو یہ برکت آپ کے خیال میں یہاں کھانے پینے کے واسطے آیا ہے؟۔ تو کیا آج لنگر سے دلیہ نہیں آیا تھا۔؟" امّاں صاحبہ نے فرمایا:۔ "ہاں آیا تھا"۔ سرکارؒ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا:۔ "سبحان اللہ تو کیا آپ کا توکل یہی ہے کہ اِس وقت پیٹ بھر کر کھا لیا اور دوسرے وقت کی فکر ہے"۔

حضرۃ قبلہ امّاں صاحبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا تو خاموش ہو گئیں، لیکن بھائی علی احمدؒ صاحب یُوسفی نے مجھے ٹھوکا۔ ہم دونوں وہاں سے دُور چلے گئے۔ بھائی علی احمد صاحب نے فرمایا:۔ "برکت! دیکھا یہ ہے توکل، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ توکل کے زبانی جمع خرچ والی تشریحات تو ہم بہت سُنا کرتے تھے۔ لیکن عملی توکل یہ ہے۔ دو میاں بیوی کی گفتگو سُنی؟۔ یہ کسی سے کہنے کی بات نہیں ہے۔ لیکن میاں! توکل یہی ہے"۔ حضرۃ قبلہ امّاں جی صاحبہ پر جذبی کیفیت کا غلبہ رہتا تھا۔ لیکن اس کا اظہار نہیں ہونے دیتیں، ہر حال میں خوش رہتی تھیں۔

بابا صاحبؒ کے چہلم کے بعد سرکارؒ نے فرمایا:۔ "ارے برکت! تمہاری والدہ تمہارے لئے بہت روتی ہیں۔ تم چھتاری چلے جاؤ"۔ وہیں ہمارے ایک برادرِ طریقت موجود تھے۔ ان کو حکم دیا، برکت کو زادِ راہ کے لئے پچاس روپے دے دینا۔ میں نے جب واپسی کی تیاری کر لی تو حکم ہوا:۔ "تمہاری گاڑی ۸½ بجے رات کو جاتی ہے۔ وقت سے پہلے اسٹیشن پہنچ جانا۔ بیڑی کا کاروبار کرنیوالے ایک سیٹھ صاحب کے ہاں سرکارؒ تشریف فرما تھے۔ روانگی کے وقت مجھ پر سخت گریہ طاری تھا۔ قدمبوس ہوا۔ سرکار نے فرمایا:۔ ہم اسٹیشن چلیں گے۔ تمہیں گاڑی میں بٹھا دیں گے۔ عرض کیا۔ نہیں حضور! میں خود چلا جاؤں گا۔ سرکار نے اصرار فرمایا۔ میں سرکارؒ کے قدموں سے لپٹ گیا اور عرض کیا

سرکارؒ تکلیف فرمائیں۔ سرکارؒ نے بیڑی کا ایک بنڈل اور ماچس کی ڈبیا اٹھا کر میری طرف پھینک دیئے اور ارشاد ہوا۔" بابا کی بیڑی پیتے اچھے رہتے۔"

دامنِ مصطفےٰؐ جس کے ہاتھوں میں ہو
اس کو روزِ جزا اور کیا چاہیئے!

بڑوں کی بڑی باتیں

حضرت سرکار غوث محمد بابا یوسف شاہ تاجی قدس سرہٗ اپنے ابتدائی زمانے میں ایک مرتبہ ناگپور سے اجمیر شریف آئے تو حضرت کلّو پاشا علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ کلّو پاشا صاحب قطبِ اجمیر تھے۔ سرکارؒ اُن کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنا جُبّہ شریف اُتار کر حضرت قبلہ وکعبہ سرکارِ والا تبارؒ کو پہنا دیا۔ سرکارؒ نے خود فرمایا کہ:

"جُبّہ پہننے کے بعد ہماری آنکھیں کُھل گئیں، کان کھل گئے، جانے کہاں کہاں کی آوازیں سُنائی دینے لگیں اور جانے کیسی کیسی صورتیں نظر آنے لگیں۔ زمان و مکان کے فاصلے سمٹ گئے۔ حاضر و غائب ایک ہوگیا۔ جذب و مستی کا غلبہ ہوا۔ تمام دن اسی کیفیت میں گزرا۔ دن رات محبوب منزل (درگاہِ معلّیٰ) اجمیر شریف میں مست و بیخود پڑے تھے کہ حضور تاج الاولیاءؒ تشریف لائے اور ہمیں اپنے ساتھ حوض پر لے گئے

وہاں حضورؒ نے وضو فرمایا، تمام اعضاءِ وضو، صاف و شفاف آئینے کی طرح تابناک ہوگئے۔ مجھے بھی وضو کا حکم دیا۔ میں نے وضو کیا۔ وہی کیفیت میری ہوگئی۔ اس کے بعد باباصاحبؒ نے فرمایا:" دیوانے نہیں ہوتے"۔ معاً ہمیں ہوش آگیا اور وہ بات جاتی رہی۔" ("تاج الاولیاء" صفحہ ۱۳۰)

مجذوب کا خلیفہ کیسا؟

غالباً ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء کا ذکر ہے۔ سرکارؒ جے پور تشریف لائے تھے اور میرجی کے باغ میں حضرت قبلہ مولوی سید انوارالرحمٰن بسمل جے پوری نوراللہ مرقدہٗ کے ہاں قیام فرما تھے۔ رات بھر محفل سماع گرم رہی۔ صبح نماز اور ناشتہ سے فارغ ہوکر سرکارؒ نے قبلہ مولوی صاحب علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ اب آپ بھی کچھ آرام کیجئے، ہم بھی آرام کرتے ہیں۔

یہ واقعہ پڑھنے سے قبل قارئین کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ مولوی سیّد انوارالرحمٰن صاحبؒ کون بزرگ ہیں۔ مولوی صاحب ایک متبحرّ عالم، محدث، نغز گو شاعر اور بہت اچھے انشا پرداز تھے۔ گفتگو بھی بڑی ہی مرصّع، مسجّع، مقفّیٰ اور عربی فارسی آمیز الفاظ میں فرماتے تھے۔ اُن کے جدِ امجد حضرت سید قربان علی شاہؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگ تھے۔ مولوی صاحب علیہ الرحمۃ کی تعلیم و تربیت بھی انہیں کی توجہ اور نگرانی میں ہوئی تھی۔ اس لئے نقشبندیہ مشرب آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ آپ سلسلۂ نیازیہ چشتیہ میں بیعت تھے اور آستانۂ نیازیہ بریلی شریف کے سجّادہ نشین حضرت عزیز میاں صاحب سے آپ کو سندِ خلافت ملی تھی۔ ریاست جے پور کے معتمد ترین افراد سے تھے۔ خاندانی وجاہت پشت پر تھی۔ مگر درویشانہ اخلاق و آداب سے آپ مالا مال تھے۔ خوش مزاجی، دوست نوازی، علم دوستی، خوش پوشی و خوش باشی اخلاقِ عالیہ کا حصّہ تھا۔ آپ کی دولت سرا میرجی کا باغ کہلاتی تھی جو صُلحائے اُمّت، علمائے دین، فقراء و امراء، حکماء و شعراء اور دیگر ماہرینِ علم و فن کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔

حضرت عالم پناہ قبلہ و کعبہ سرکارِ والا تبار یوسف الاولیاء علیہ الرحمۃ سے آپ کے خصوصی معاملات تھے۔ سرکارؒ کی آمد جے پور میں ہوتی تو میرجی کے باغ میں جانا ضرور ہوتا۔ اس مرتبہ تو سرکارؒ کا قیام ہی یہاں ہُوا تھا۔

سرکارؒ نے جب مولوی صاحبؒ کو آرام فرمانے کے لئے بھیج دیا تو اس کے بعد کے
حالات مولوی سید انوار الرحمٰن صاحب بسمل جے پوری نے حضرت مولوی محمدؐ
اسمٰعیل خان صاحب رزمی جے پوری اطال اللہ عمرہٗ اور
مولانا ذہین شاہ صاحب یوسفی تاجی جے پوری سے یوں بیان فرمائے:-

"میرے دل میں یہ خیال گذرا تھا کہ بابا تاج الدینؒ ایک مجذوب
قلندر تھے۔ مولوی عبدالکریم شاہ صاحب (سرکار بابا یوسف شاہ تاجی)
بھلا اُن کے خلیفہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ — میں اسی خیال میں تھا کہ
حضرت شاہ صاحب (سرکارؒ) نے آرام کرنے کو کہہ دیا۔ میں اپنے کمرے
میں جا کر لیٹا، چادر اوڑھی تھی کہ وُہی چادر بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی
صورت میں تبدیل ہو گئی۔ میں بوجھ سے دب گیا۔ بابا صاحب نے مجھ پر
اور دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا:-

'میرے بچے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟'

میری زبان بند تھی۔ دل ہی دل میں توبہ کرنے لگا کہ وہ چادر معاً
اپنی اصل صورت میں آ گئی۔ اب مجھے یہ خیال آیا کہ بھلا چادر بھی کہیں
بابا تاج الدینؒ بن سکتی ہے۔ یقیناً یہ میرا وہم تھا۔ ابھی میں نے اتنا
ہی سوچا تھا کہ میری وہی چادر دفعتاً پھر بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ بن
گئی اور وہ مجھے دبانے لگے۔ اس دفعہ مجھ کو اتنی زور سے بھینچا گیا کہ
زندگی کی امید منقطع ہو چکی تھی — میں نے پھر دل ہی دل میں توبہ کی
چادر پھر اصلی صورت میں آ گئی۔ اس دفعہ میں بغیر انتظار کئے فوراً اُٹھ
بیٹھا اور سب سے پہلا یہ کام کیا کہ وصیت نامہ لکھ کر گھر والوں کے حوالے کر دیا۔"

عِلمِ لَدُنّی

خود سرکار یوسف الاولیاءؒ نے بیان فرمایا، جسے صاحب
"تاج الاولیاء" نے بھی نقل کیا ہے کہ:-

ایک دن باباؒ نے ہمارے سر پر ہلکے سے ایک طمانچہ رسید کیا۔ اس کا
معاً یہ اثر ہوا کہ علوم و معارف کے چشمے دل و دماغ پر اُبلنے لگے۔ قرآن

کے اسرار و معارف خود بخود منکشف ہو گئے۔

سحابِ رحمت کی پرواز

شریعت، طریقت اور معرفت کا آفتاب نصف النہار بن چکنے کے بعد جب
حضرت قبلہ و کعبہ مولینا عبدالکریم شاہ صاحب المعروف غوث محمدؐ بابا یوسف شاہ
تاجی قدس سرہٗ کو نور پاشی کے لئے اذنِ سفر ملا، اُس کی داستان مجملاً اس طور پر مذکور
ہے کہ کوئی عقیدت مند حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی خدمتِ بابرکت میں باریاب
ہوا اور ناگرہ جوتی کا جوڑا بابا صاحب کو نذر کیا۔ بابا صاحبؒ نے اُسی وقت اُسے پائے مبارک
میں پہنا اور پھر اُسے اُتار کر سرکار یوسف الاولیاءؒ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اُسی ناگرہ
جوڑی کے لئے فرمایا:- "حضرت اِسے پھیلا کر دکھاتے"۔ سرکارؒ نے بابا صاحب سے
جوتے لے لئے اور اس حکم کا منشاء یہ سمجھا کہ بابا صاحب چاہتے ہیں کہ ہم گھوم پھر
کر سلسلۂ عالیہ کی توسیع کا کام کریں۔ یہیں سے یہ آفتابِ عالمتاب سرگرمِ
سفر ہوا اور ناگپور سے کاٹھیاواڑ، گجرات، جوناگڑھ، احمد آباد کو روانگی ہو گئی۔
جہاں آپؒ تشریف لے جاتے شہرت کے ڈنکے بجنے لگتے۔ خاندان کے خاندان
داخلِ سلسلہ ہو جاتے۔ گجرات کاٹھیاواڑ میں بابا کا ڈنکا بجا کر آپؒ اجمیر شریف
وارد ہوئے۔ حضرت قبلہ شاہ صوفی سید عبدالحکیم صاحب لکھنوی کا مثنویؒ کے
دیکھنے والے اور خود سرکار یوسف الاولیاءؒ کے مُرید قبلہ بھائی مستری محمد شفیع صاحب
یوسفی اور قبلہ بھائی عبدالغنی صاحب یوسفی موجود تھے۔ ان دونوں حضرات کا
تعلق علی گڑھ سے تھا۔ اجمیر شریف میں ریلوے لوکو کیرج شاپ میں ملازمت
کرتے تھے۔ اجمیر شریف میں ان لوگوں سے سرکارؒ کی ملاقات ہوئی۔ ان حضرات
نے سرکارؒ کو دعوت دی کہ علی گڑھ تشریف لے چلیں۔

دوسرا سفر اجمیر شریف سے شروع ہوا۔ ان حضرات کے ساتھ آپؒ علی گڑھ
وارد ہوئے۔ محلہ سلطانی سرائے میں قیام فرمایا اور صوبہ جات متحدہ ہند (یو-پی)
میں ورودِ مسعود کے بعد سب سے قبل جن خوش بخت بزرگوں کو سعادتِ بیعت

کا حصول ہوا۔ اُن میں سے چند سَابِقُونَ الْاَوَّلُوْن کے اسماءِ گرامی جو مجھے یاد ہیں۔ اس طور پر ہیں:-

- حضرت قبلہ مشتاق احمد صاحب یوسفی المعروف منشی باباؒ
- قبلہ بھائی عیوض علی صاحب یوسفی • قبلہ بھائی اسماعیل صاحب یوسفی
- قبلہ بھائی محمود علی صاحب یوسفی • قبلہ بھائی ممتاز علی صاحب یوسفی
- بھائی میر بنیاد علی صاحب یوسفی (عطر فروش) الحمدللہ بقیدِ حیات ہیں۔ کراچی میں موجود ہیں۔ (۱۵ ۱۰/۱۹۷۷)

سرکارؒ پر اُس زمانے میں جذبی کیفیات کا غلبہ رہتا تھا۔ پہلی بار ورودِ علیگڑھ ہوا۔ تو قریبًا بیس یوم قیام فرمارہے۔ پھر یہاں سے اجمیر شریف کو واپسی ہوئی چھ ماہ تک اطراف وجوانبِ اجمیر القدس میں فیض و برکات کا بارانِ رحمت فرماتے رہے۔

خیال ہے کہ کوئی چھ ماہ بعد سرکارؒ پھر علی گڑھ تشریف لائے۔ لاتعداد خاندان کے خاندان داخلِ سلسلہ ہوئے۔ کوئی دو ماہ تک قیام فرمایا۔ اس زمانے میں سرکارؒ نے غذا ترک فرمارکھی تھی۔ صرف چائے، پان اور بیڑی شوق فرماتے تھے۔

علی گڑھ میں حضرتؒ سے چھتاری والے عبدالحکیم بیعت ہوئے۔ اور سرکارؒ کو چھتاری تشریف لے چلنے کے لئے عرض کیا۔ چنانچہ یہی عبدالحکیم صاحب یوسفی اِس نعمتِ عظمیٰ کو چھتاری لانے کا سبب بنے۔ سرکارؒ نے انہی کے گھر پر قیام فرمایا۔ یہ ۱۹۲۳ء کا واقعہ ہے۔ میری عمر اُس وقت ۱۹ سال تھی اور برادرم برکت علی خان صاحب یوسفی ۱۳ برس کے تھے۔

تاج الاولیاء ناگپوریؒ کی سجّادگی

حضرت باباصاحب علیہ الرحمۃ نے جب پردہ فرمایا اور چھتاری اطلاع پہنچی تو میرے چھوٹے بھائی برکت علی خان یوسفی تاجی جن کی نوعمری کے دن تھے، اطلاع ملتے ہی تن تنہا ناگپور کے لئے روانہ ہوگئے۔

برکت علی خاں یُوسفی صاحب بتاتے ہیں کہ میرا قیام وہاں باباصاحبؒ کے عُرس جہلم تک رہا۔ عرس کے دن جوں جوں قریب آتے گئے تاج آباد شریف کے حضرات میں باباصاحبؒ کے سجادہ نشین صاحب کے انتخاب کا مسئلہ شدّت اختیار کرتا گیا۔ ناگپور کے حضرات کی خواہش یہی تھی کہ حضرت محمدؒ بابا یوسف شاہ تاجی کو باباصاحبؒ کا سجادہ نشین مقرر کردیا جائے۔ مگر سرکارؒ اس پر رضامند نہیں ہو رہے تھے۔ ناگپور اور تاج آباد شریف والوں کی نظر میں سرکارؒ کے علاوہ کوئی اور سماتا نہ تھا۔ بالآخر سب نے یہ لائحہ عمل طے کیا کہ عُرس کے دن پوری محفل میں حضرت کی دستار بندی کر کے شیرینی تقسیم کردی جائے۔ دوسری طرف کیفیت یہ تھی کہ جہلم میں ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ اور سرکارؒ کی طرف سے یہ سُن گن ہی نہیں لگ پاتی تھی کہ حضرت کس کی سجادگی کے حق میں ہیں؟ ناگپور اور تاج آباد شریف کے سربرآوردہ لوگوں نے جب زیادہ زور دیا تو سرکارؒ نے فرمایا: "ہمیں باباؒ نے لکھو منے کا حکم دیا ہے، یہاں کی سجادگی کے واسطے باباؒ کا جس کو حکم ہے اس کا اظہار ہو جائے گا۔" سرکارؒ کے بعض مُقرّب مُریدین نے بھی اصرار کیا کہ یہ منصب سرکارؒ کے علاوہ کون سنبھال سکتا ہے۔ تو سرکارؒ نے نہایت ہی شفقت سے سمجھایا کہ "بزرگوں کے دو سجّادے بھی ہوتے ہیں۔ اُن میں سے ایک کا جہاتِ ظاہری سے تعلق ہوتا ہے اور ایک کا جہتِ باطنی سے۔ روحانی اُمور کا سربراہ وُہی ہُوا کرتا ہے۔ باباؒ کا جو حکم ہوگا اُس کی تعمیل کی جائے گی۔"

عین جہلم کے دن، فاتحہ کے لئے عصر و مغرب کے مابین وقت کا تعیّن کیا گیا۔ سرکارؒ نے اُسی دن بھائی علی احمد صابر صاحب (احمد علی خاں بھائی) اور مجھ سے فرمایا کہ "دیکھو! تم دو روپے کے بتاشے اور ایک دستار لے آنا اور فاتحہ میں اس سامان کے ساتھ ہمارے قریب ہی بیٹھنا۔"

حکم کی ہم دونوں نے تعمیل کی اور سرکار دولت مدارؒ کی پُشت کی جانب مطلوبہ اشیاء لے کر بیٹھ گئے۔ بہت بڑا مجمع تھا۔ جیسے ہی فاتحہ خوانی شروع ہوئی، سرکارؒ نے ہم سے وُہ دستار لے لی اور بڑھ کر حضرت باباصاحب قدس سرہٗ کے

بھانجے سید عبدالجبار صاحب تاجی (المعروف بابو میاں) کو باندھ دی اور ساتھ ہی اُنہیں ڈور وپے کی نذر پیش کی۔

وہ تمام حضرات جو دستاریں ہمراہ لائے تھے کہ زبردستی مولانا صاحب کی (سرکارؒ کو ناگپور، تاج آباد، شکردرہ اور کامٹی شریف تک "مولانا صاحب" ہی کہا جاتا تھا) دستاربندی کردیں گے۔ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور سرکارؒ نے اِس رسم کی تکمیل یُوں فرمادی جیسے یہ سارا پروگرام پہلے سے طے شدہ ہو۔ چناں چہ تاحیات تاج آباد شریف میں سارا انتظام و انصرام سجادہ نشین حضرت بابو میاں صاحب کے ہاتھوں میں رہا۔ جبکہ سلسلۂ عالیہ کی ترویج و تبلیغ اور رُوحانی نظم و نسق کی باگ ڈور سرکار یوسف الاولیاء قدس سرہٗ کے دست مبارک میں رہی۔ حضرت تاج الاولیاء کے پرانے پرانے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ان میں بڑے بڑے صاحبان مقام حضرات بھی تھے۔ ہمہ خانہ آفتاب ۔ ان لوگوں میں سرکارؒ سب سے بعد میں آنے والے ایک فرد تھے۔ مگر فرد الافراد - یہی وجہ ہے کہ سلسلۂ عالیہ تاجیہ کے مؤسس، میرے سرکار آقا و مولیٰ یوسف الاولیاء علیہ الرحمۃ ہی ہیں اور یہ نظام انشاء اللہ تعالیٰ سرکارؒ کے وابستگانِ دامن سے جاری و ساری رہے گا۔

———— ० ————

مولانا رَزِمی جے پُوری کے مُشاہدات

مولانا محمدؐ اسمٰعیل خاں صاحب رَزِمی جے پوری اُن خوش بخت حضرات میں سے ہیں جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۷ء تک قریب قریب ہر دَور اور ہر رَنگ میں حضرت مولانا شاہ عبدالکریم المعروف بابا یوسف شاہ تاجی قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے —— اور اُنہیں یہ بھی اعزاز و افتخار حاصل ہے کہ سرکار یوسف الاولیاءؒ نے سبقاً سبقاً فصوص الحکم کا درس دیا اور اس کے سخت مقامات اُنہیں طے کرائے ہیں۔ تعلیماتِ تصوف اور نظریۂ وحدۃ الوجود پر ان کا علم درجۂ استناد رکھتا ہے چناں چہ مولانا رَزِمی صاحب ادام اللہ برکاتہٗ بیان فرماتے ہیں:-

"میرے لڑکپن کا زمانہ تھا۔ جے پور میں قادریہ رَزّاقیہ سلسلے کے ایک بزرگ تھے جن کا نام منشی وزیر محمدؐ (رحمۃ اللہ علیہ) تھا میں اُن کی خدمت میں فارسی پڑھنے جایا کرتا تھا۔ سب سے پہلے مولانا عبدالکریم صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر ان بزرگ کے حلقے میں سُنا اور یہیں پہلی مرتبہ اُن کی زیارت سے مشرف ہوا۔

ایک گندم گوں، قدآور، جوان، ہلکا ارغوانی عمامہ، اسی رنگ کی شیروانی، اُجلے لٹھے کا چُست چوڑی دار پاجامہ، آواز بلند اور گونج دار...."

———— ० ————

" یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا، شہر کی جامع مسجد میں ہر جمعہ کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس زمانے کا جے پور، آج کا جے پور نہ تھا۔ علماء و فضلاء کا بقیہ نقیہ جے پور میں باقی تھا۔ مولانا قبلہ علیہ الرحمۃ وعظ میں مثنوی شریف نہایت درد و گداز کے ساتھ پڑھتے۔ آواز اتنی پاٹ دار تھی کہ جامع مسجد سے مانک چوک میں سنائی دیتی تھی۔ ثقات کا طبقہ حضرت مولانا کے بیان کی تعریف کرتا تھا۔"

مولانا رزمیؔ جے پوری نے لکھا ہے کہ ۱۹۱۳ء، ۱۹۱۴ء سے پہلے سرکارؒ کا ذریعہ معاش یہ تھا کہ مغربی ممالک سے جو سیاح آتے تھے، آپ انہیں جے پور کی مصنوعات مہیا فرمایا کرتے تھے۔ مولانا رزمیؔ کا بیان ہے کہ :-

"اِس کے بعد کا زمانہ وہ ہے کہ میرے بزرگوں میں سے ایک سیّد واجد علی صاحبؒ جے پور ریزیڈینسی میں ریزیڈینٹ کے موٹر گیراج کے انچارج تھے۔ چونکہ حضرت مولوی صاحب قبلہ اور سید واجد علی صاحبؒ کا سلسلۂ طریقت ایک ہی تھا اور مولاناؒ اسی رشتے سے سیّد واجد علی صاحبؒ کو اپنا "چچا پیر" فرمایا کرتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں میں آخری دَم تک نہایت اخلاص اور بے تکلّف یارانہ رہا۔"

"حضرت مولوی عبدالکریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیّد واجد علی صاحبؒ کے ساتھ اکثر دو دو، تین تین ماہ قیام فرماتے تھے، مَیں معلوم نہیں کیوں ان کے آس پاس چکر کاٹتا رہتا تھا اور اکثر دودھ اور چائے کی فراہمی کی خدمت میرے حصّہ میں آتی تھی۔ یہ میرے سامنے مولوی عبدالکریم صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کی زندگی کے دو دَور ہوئے۔"

"تیسرا دَور" وہ تھا جب مولانا چند سال جے پور سے باہر رہ کر سیّد واجد علی صاحبؒ سے ملے۔ اور موصوف نے مولینا قبلہ علیہ الرحمۃ کو اپنے ہاں روک لیا۔ ہمارا مکان ریزیڈینسی میں تھا جو ماجی کا باغ کہلاتا تھا۔ اب مولانا کا رنگ یہ تھا کہ اونٹ کے چمڑے کے برابر موٹے نمدے کی ایک کفنی زیب تن تھی۔ سر اور پاؤں ہر قسم کی پوشش سے مبّرا تھے۔ ماجی کے باغ سے شہر جے پور کا فاصلہ قریب تین میل ہے۔ مولاناؒ اکثر اپنے احباب سے ملنے شہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ گرمی کا موسم ہوتا تھا۔ جے پور کی گرمی ؟ - خدا کی پناہ۔ چیل انڈا چھوڑتی ہوتی تھی اور مولینا قبلہؒ سر و پا برہنہ، تارکول کی سڑک پر سفر کرتے نظر آتے تھے۔ اُن کا اُس وقت کا چلنے کا وقار اور رفتار کا اطمینان دیکھ کر لوگوں کو

پسینہ آجاتا تھا۔ اس زمانے کے دو تذکرے سُننے کے قابل ہیں:-

میں حضرت قبلہ مولانا وزیر محمدؒ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بغرضِ تعلیم حاضر ہوتا تھا۔ مجھ جیسے اور طلبہ بھی تھے۔ اُستاذیٔ محترم علیہ الرحمۃ کے ہاں دو بزرگ مہمان آئے جو حضرت غریب نواز اجمیریؒ کے عرس سے واپس ہو رہے تھے اور بالاخانے پر مقیم تھے۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے اُستاذِ معظم کے ایماء پر چائے تیار کی۔ مگر کچھ معمول سے زائد۔ تھوڑی دیر بعد مولوی عبدالکریم صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور منشی صاحب قبلہؒ سے ملاقات کے بعد بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ اور قریب قریب آدھ گھنٹے بعد مع دونوں بزرگوں کے تشریف لائے۔ ان میں ایک بزرگ حافظ ساجد اللہ صاحب پانی پتی تھے جو فنِ قرأت کے مُسلّم استاد اور فنِ نقّاشی (یعنی تعویذات) کے حیرت انگیز ماہر تھے۔ دوسرے بزرگ، اُستاذی شفیقی حضرت قبلہ مولانا مولوی عبدالسلام صاحب آزاد نیازی دہلوی متع اللہ العارفین بفیوض مکارمہٗ تھے۔ ہم طلبہ نے ان بزرگوں کے سامنے چائے پیش کی۔ اب ذرا چائے کا انداز بھی سُن لیجئے۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جو آسمانِ علم و عرفان کے آفتاب نصف النہار تھیں۔ تام چینی کی اوسط درجہ کی پیالی، ہلکی پتّی کی چائے۔ ایک ایک پیالی میں چار چار بتاشے، بجائے شکر کے۔ دودھ نہیں ہوتا تھا۔

مولانا عبدالکریم صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں میں ایسے معلوم ہوتے تھے کہ سمجھنا دشوار تھا کہ ان میں سے کس بزرگ کے مولاناؒ سے تعلقات کم ہیں اور کس سے زیادہ، اور واقعہ یہ ہے کہ اِس امر ہی کا امتیاز مشکل تھا کہ ان میں سے کون، کس سے کس قدر علاقہ رکھتا ہے۔ مجھے تو ہر حالت میں مساوات ہی نظر آئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں حضرت قبلہ و کعبہ مولوی عبدالسلام نیازی دہلوی کی زیارت سے مشرف ہوا۔
دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت قبلہ منشی وزیر محمد رحمۃ اللہ علیہ سال بھر

میں دوعرس کیا کرتے تھے۔ ایک مولوی سید محمود شاہ قدس اسرارہٗ کا جو
منشی صاحب قبلہؒ کے دادا شیخ تھے۔ دوسرا سید جمال الدین شاہؒ کا
جو جنابِ ممدوح کے شیخ تھے۔ اس عرس شریف کا یہ حال ہوتا تھا کہ
مدار کے دائیں اور بائیں جانب، صفِ اول میں مشائخ کرام کے سوا
کوئی شخص بیٹھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا، خواہ کوئی ریاست کا اعلیٰ عہدیدار
ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ ذی علم فضلاء اس سے مستثنیٰ تھے۔ مولانا عبدالکریم
رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوست سید واجد علی صاحب کے ساتھ بزم میں تشریف
فرما تھے۔ میں ادباً ان دونوں بزرگوں کے پیچھے حاضر تھا۔ اتنے میں قوالوں
کی ایک چوکی بدلی گئی اور نئے قوالوں نے بیٹھتے ہی نغمہ شروع کر دیا۔
جبکہ نغمے کا سماں چھایا ہوا تھا اور لوگ اس میں منہمک و محو تھے۔ مولوی
عبدالکریم صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ نے سید واجد علی صاحبؒ سے چپکے سے
کان میں کہا: "سنتے ہو قوال کیا کہہ رہے ہیں؟" واجد علی صاحبؒ
نے کہا، "کہہ رہے ہیں اَللّٰہ ھُوْ اَللّٰہ ھُوْ۔" مولوی صاحب قبلہؒ
نے کہا: "جی نہیں۔ یہ کہہ رہے ہیں اللہ ہوں اللہ ہوں۔"

اس کے بعد مولوی عبدالکریم صاحبؒ پر جو دور آیا وہ اُن تمام زمانوں سے مختلف
ہے۔ مولانا قبلہؒ جے پور سے باہر تشریف لے گئے اور کئی سال بعد واپس ہوئے۔ یہ رنگ بدلا
ہوا تھا۔ اب مولوی عبدالکریم صاحب بابا عبدالکریمؒ تھے اور مسندِ ارشاد
آپ کا مقام۔ مسترشدین و معتقدین کا ایک جمِ غفیر گرد وپیش موجود تھا۔ لوگوں کی آسانی
کے لئے اب آپ ریذیڈینسی (یعنی) ماجی کا باغ میں قیام نہ فرماتے تھے بلکہ "ایڈورڈ
میموریل ہال" (جسے یادگار بھی کہا جاتا تھا) یا "مبارک محل" میں سید واجد علی صاحبؒ
کے ساتھ ٹھہرتے تھے۔ کیونکہ سید واجد علی صاحب علیہ الرحمۃ اب ریاست کے موٹر
گیراج کے سپرنٹنڈنٹ ہوگئے تھے اور اگر احیاناً، بابا صاحب ایڈورڈ میموریل ہال
ہی میں ٹھہر جاتے تو سید واجد علی صاحب اور اپنے دوسرے احباب سے ملنے ان کے

گھروں پر ضرور تشریف لے جاتے تھے۔ بابا صاحب کے احباب میں منشی لیاقت
حسین صاحب، مولوی محمود اللہ مرحوم (امام مسجدِ جامع، جے پور) مولوی سید انوار الرحمٰن
بسملؒ، مولانا عبدالوحیدؒ خاص تھے۔ مگر منشی وزیر محمدؒ صاحب قبلہؒ کی حیات تک
بابا صاحب کا تعلق اُن سے خاص تھا۔ بابا صاحب، حضرت مولانا ضیاء الدین علیہ الرحمۃ
کے مزار کی حاضری کے پابند تھے۔ جب آپ جے پور تشریف لاتے تو میں کوشش کرتا
تھا کہ زیادہ سے زیادہ دیر تک حاضرِ خدمت رہوں۔

۱۹۳۴ یا ۱۹۳۵ء کا ایک اہم واقعہ

مولانا محمد طاسین فاروقی صاحب
مولانا ذہین شاہ کے (والد کا انتقال
۱۹۳۰ء میں کسی وقت ہو چکا تھا) والد کی جدائی نے اُن کے قلب میں ایک گداز اور
سوزش پیدا کر دی تھی۔ ذہین صاحب نے مجھے ایک خط لکھا اور مشورہ طلب کیا کہ میں
اپنی تسکینِ خاطر کے لئے کس سے بیعت ہو جاؤں؟ مَیں نے تین نام ذہین صاحب
کی خدمت میں پیش کئے۔ جن میں ایک حضرت بابا عبدالکریم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تھا۔
(چنانچہ) جذبِ ازلی اور مناسبتِ قدسی نے اسی طرف رجوع کر دیا اور ذہین صاحب
نے بابا صاحب قبلہ سے بیعت کر لی۔

ہمہ دم بیدار

حضرت بسملؔ علیہ الرحمۃ (مولوی سید انوار الرحمٰن صاحب)
کا زمانہ موصوف کی حیات میں فقراء و عرفاء کا مرکز رہا۔
ہندوستان کی اکثر مشہور خانقاہوں کے سجادہ نشین اور سلسلۂ طریقت کی بلند پایہ
ہستیاں یہاں (میرجی کا باغ) جمع ہو جاتی تھیں۔ بابا عبدالکریم شاہ قبلہ کا یہ حال
تھا کہ مغرب کے وقت تشریف لے آتے تھے۔ مولوی عبدالسلام صاحب نیازی (دہلی
سے آکر) بسملؔ صاحب کے دولت کدے پر مقیم ہوتے۔ بسملؔ صاحب تو میزبان تھے ہی۔
میں بھی مغرب سے پہلے حاضر ہو جاتا۔ جاڑوں کی راتیں۔ برقی چولھے پر سبز چائے رکھ دی گئی
ہر آدھ گھنٹے بعد ایک دَور چلا۔ عشاء سے بیٹھے تو فجر سے فارغ ہو کر ناشتہ کیا۔ بابا
صاحب اُدھر رخصت ہوئے۔ اُدھر بسملؔ صاحب زنانے میں گئے۔ مولوی عبدالسلام
صاحب قبلہ نے اپنا حجرہ بند کیا اور میں نے بھی سائیکل اُٹھائی اور سیدھا مدرسہ کا رُخ کیا۔

اور — شام کو پھر وہی صحبت۔ دو دو تین تین مہینے کی راتیں اِسی نہج پر گذر جاتیں۔

لطیفہ

ایک مرتبہ جناب بسملؔ نے اپنے شیخ حضرت عزیز میاں شاہ صاحب قبلہ (بریلوی) سے شکایت کی کہ میرے پیٹ پر چربی زیادہ آگئی ہے۔ اب چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت قبلہ موصوف نے ارشاد فرمایا، چربی گھٹنے کا نسخہ نہایت سہل ہے۔ بسمل صاحب نے نہایت اشتیاق سے عرض کیا،۔ حضور ارشاد فرمائیں تو میں مہیا کروں۔ جناب ممدوح نے ایک نہایت لطیف تبسم سے فرمایا، یہ نسخہ بہت اچھا ہے اور اجزاء بھی زیادہ نہیں ہیں۔ بسمل صاحب کا شوق اب اور زیادہ بیقرار نظر آنے لگا۔ التماس کی ؛ حضور حکم دیں فوراً مہیا کروں گا۔ عزیز میاں صاحب قبلہ نے فرمایا، ایک عدد مولوی عبدالکریم صاحب اور ایک عدد مولوی عبدالسلام صاحب۔ دونوں کو ایک جگہ جمع کیجئے اور تمام رات اُن کے ساتھ رہیئے۔ انشاءاللہ تعالیٰ چھ مہینے میں پیٹ اعتدال پر آجائے گا۔

جے پور میں ایک عجیب و غریب بزرگ تھے۔ جن کا نامِ نامی مولانا عبدالوحید تھا اُن کے ہاں غروب آفتاب کے بعد سحر ہوتی تھی۔ بابا صاحب قبلہ سے تعلقات تھے اکثر بابا صاحب اِن بزرگ کے ہاں تشریف لے جاتے تو رات کے بارہ بجے بعد۔ اِدھر مولانا عبدالوحید صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کا حال یہ تھا کہ رات ڈھلے ہی نہایت پُرتکلف دعوت کا اہتمام کرتے تھے اور سماع نفع میں۔

کم خوری

جے پور میں ایک بہت مشہور سوداگر تھے ایس۔ ایم۔ اسلام اُن کی بیگم صاحبہ حضرت بابا صاحب کے ہاتھ پر داخلِ سلسلہ ہوئیں۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ اہلِ ذوق حضرات، اسلام صاحب کے مکان پر جمع ہوجاتے تھے۔ کیونکہ بابا صاحب اس زمانے میں اسلام صاحب کے ہاں ہی مقیم تھے۔ میں اسکول سے اُٹھ کر سیدھا بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوجاتا۔ مغرب کا وقت ہوا۔ روزہ افطار کیا نماز سے فارغ ہوئے۔ فوراً دسترخوان بچھا دیا گیا۔ بھوک کے مارے لوگوں کی حالت خراب ہے۔ ابھی ایک نوالہ ہی حلق سے نیچے اُترنے پایا تھا کہ بابا صاحب دسترخوان سے

اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: "بس کھا چکتے"۔ حضرت کی اس آواز کے ساتھ ہر فرد بشر نہایت اطمینان اور قلبی انشراح سے اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ سحری کو بھی یہی حال ہوتا تھا۔ اور ہر دوسرے تیسرے دن یہ واقعہ پیش آجاتا تھا۔ لوگ اس سے بے حد خوش اور مطمئن تھے۔

عادات و اخلاق

میں اِس احساس سے سخت ایذا محسوس کر رہا ہوں کہ کہ نہ تو میرے بیان میں کہیں کشف و کرامات کا ذکر ہے اور نہ غیر معمولی مُعاملات ہیں۔ جن کی عام نگاہیں جُویا رہتی ہیں۔ جو چیز میرے نزدیک اہم ہے، افسوس ہے کہ اس کو اہم سمجھنے والے بزرگ بہت ہی کم ہوں گے۔ یہ مسئلہ فقر و سلوک کے لئے ماتم کا مقام ہے۔

میرے نزدیک بابا صاحب قبلہ کے تمام رویہ میں اُن کا اخلاق نہایت نمایاں تھا اور صحیح معنوں میں درویشانہ اخلاق کے مالک تھے۔ میرے خیالات کا اثر، یہ سطور لکھتے وقت جتنا مجھ پر پڑ رہا ہے، افسوس ہے کہ میرے قارئین اِس سے لذت یاب نہیں ہوسکتے حسنِ اخلاق یا درویشانہ اخلاق کا لفظ کلمہ ہے کہ اِس کو بمشکل آج کلمہ کہا جاسکتا ہے ورنہ یہ عملاً ایک مہمل لفظ ہے۔ میں نے اس شفیق بزرگ کا کردار دیکھا ہے۔ میرا حافظہ بابا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کردار کے متعلق جب اپنی امانت ادا کرتا ہے تو مجھ پر مسرت اور حیرت کے مِلے جُلے جذبات چھا جاتے ہیں۔

ع ذوقِ ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی

غیبت ممکن نہیں تھی

ایک حیرت انگیز عمل میں نے بابا صاحبؒ کی صحبتوں میں ان گنت بار دیکھا ہے کہ اِدھر کسی نے کسی کی غیبت کی تمہید شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ لفظوں میں اپنا مفہوم شامل کرنے کی ابتداء کی اور بابا صاحبؒ نے نہایت سنجیدہ مگر بے حد دل آویز پیرایہ میں گفتگو کا رُخ بدلا۔ میں اس ایک خُلق ہی کو تمام ولایت سمجھتا ہوں۔

مجذوب سے بیعت اور اجرائے سلسلہ کیسا؟

سلسلۂ فقر، درحقیقت مُنہ کا نوالہ نہیں۔ یہ ایک روحانی نظامِ ارتقاء ہے

جیسے مراتبِ عینیت کی منازل طے ہوتی ہیں، اسی لئے اس کی تصدیق یا تردید کے لئے ظاہری قیاس کام نہیں دے سکتا۔

بہت سے بزرگوں کو میں نے یہ کہتے سنا ہے کہ "حضرت بابا تاج الدینؒ ناگپوری قدس سرہٗ مجذوب تھے۔ اُن سے بیعت اور اجرائے سلسلہ کا دعویٰ سمجھ میں نہیں آتا" میرا اپنا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ جذب بھی ایک مقام ہے۔ اِس مقام کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔ کچھ علامات ہیں اور کچھ ضرورتیں ہیں۔ اس کو سالکین کے معیار اور قیاس پر جانچنا اور مقامِ جذب کے تقاضوں میں اعتراض کرنا، یہ میں نہیں سمجھتا کہ فقر سے وقوف کے لئے کس حد تک قابلِ تسلیم ہیں۔ جب عالمِ جذب کی گفتگو کے الفاظ و اشارات ہی عالمِ سلوک سے جداگانہ ہیں، تو اُس کا سلسلۂ بیعت اور اجرائے سلسلہ کا طریقہ، سالکین سے مشابہ تلاش کرنا، ایک نئے سلسلے کے اختراع کرنے کے مترادف ہے۔ وما علی الرسول الا البلاغ

~ بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

(ماہنامہ تاج، کراچی۔ جولائی ۱۹۵۷ء)

برزخِ امام حُسینؑ علیہ السّلام

عشرۂ محرم میں جہاں ذکرِ شہادت کی محفلوں میں شرکت فرماتے وہاں خود بھی ذکرِ شہادت فرماتے، وہیں مزامیر کے ساتھ قوالی بھی بکثرت سماعت فرماتے اور قوالوں سے حضرت شاہ نیازؔ بے نیاز بریلوی قدس سرہٗ کی منقبت:۔

اے دل بگیر دامنِ سُلطانِ اولیا
یعنی حُسینؑ ابنِ علیؑ جانِ اولیا

بکثرت پڑھواتے۔

۱۹۲۵ جو تاج الاولیاء حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سنِ وصال (۲۶ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۴ھ) ہے۔ اِس سال ماہِ محرم شروع ہوا تو سرکارِ والا تبارؒ چھتاری ہی میں رونق افروز تھے۔ اس زمانے میں عشرۂ محرم تک، ہمارے سلسلے میں روزانہ گلدستۂ پنجتن پڑھا جاتا، فاتحہ اور تقسیم تبرک روزانہ کا معمول تھا۔ اِن ایام میں سرکارؒ سبز لباس زیب تن فرماتے۔ کھانا پینا ترک فرما دیتے۔ اہلِ سلسلہ بھی تقلیداً سبز کرتے پہنتے اور بہت سے پیر بھائی اور پیر بہنیں روزے رکھتے تھے۔

ریاست پِنڈرَاوَل، ریاست چھتاری سے تین میل کے فاصلے پر تھی۔ وہاں کے رئیسِ اعظم رَاجہ اکبر علی خاں صاحب تھے، جو فرقۂ اثنا عشری سے تعلق رکھتے تھے۔ پنڈرَاوَل میں بڑی دھوم سے عزاداری ہوتی تھی۔ لکھنؤ سے بڑے بڑے مجتہدین مجالس پڑھنے کے لئے آتے تھے۔

راجہ صاحب کے علم میں جب آیا کہ چھتاری میں جو درویش آتے ہیں اُنہیں اہلِ بیت علیہم السّلام سے بیحد محبت ہے اور ذکرِ پنجتن منجملۂ عبادات ہوتا ہے اور اُن کی مجالس پڑھنے کی شہر بشہر شہرت ہے۔ اِس سال (۱۹۲۵ء) جو محرم آیا تو سرکارؒ نے

کثرت سے قدمبوسیاں ہو رہی تھیں کہ قدم اُٹھانا دشوار تھا۔ بدقت تمام سرکارؒ قیام گاہ تک تشریف لا سکے۔ تمام مجمع یہاں سمٹ آیا اور تمام شب سرکارؒ کو گھیرے رہا۔ آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ صبح ہوئی تو سرکارؒ کربلا تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ دیر بیٹھے اور اٹھے تو پیدل ہی چھتاری کی طرف اس طرح چل پڑے کہ چند قدم چلتے اور زمین پر لیٹ جاتے مٹھیوں میں ریت بھرتے اور اپنے سر پر ڈال لیتے۔ سرکارؒ پر کیفیتِ گریہ طاری تھی۔ گھنٹوں گزر گئے مگر آنسو تھمنے کو نہ آتے تھے۔

ہم سب لوگ حیران تھے کہ اِس سال گریہ کی شدّت کا کیا سبب ہے؟ دوسرے ہی دن سرکارؒ دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ دہلی پہنچ کر درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ سے سرکارؒ نے خط تحریر فرمایا، جس میں تحریر تھا کہ حضور باباصاحب عنقریب جسدِ ظاہری سے جُدا ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ۲۶ محرم الحرام کو حضور باباصاحبؒ کے وصال کی اطلاع پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔

اہلِ بیت اطہارؑ کے ناموس کا تحفظ

علی گڑھ میں ایک رئیس کے بنگلے پر کوئی ایسے "پیرصاحب" تشریف لائے جن کی عبادت و ریاضت کا بڑا شہرہ تھا اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی میں اُن کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور اُن کے زہد و وَرَع کی مختلف داستانوں کے ساتھ ہی ایک شہرت یہ بھی تھی کہ پیرصاحب کسی کسی وقت تخلیہ کرا کے پنج تنؑ کے ساتھ بڑے عمدہ عمدہ کھانے تناول فرماتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس کی شہرت جتنی بھی ہوتی، کم تھی۔ اُدھر اِن پیرصاحب کے میزبان اور معتقد رئیس کا حال بھی یہ تھا کہ انواع و اقسام کے کھانے روزانہ پکوا کر پیرصاحب کی خدمت میں پیش کراتے اور خوش ہوتے کہ اُن کے نذرانے اس طور پر پنجتن پاک سے شرفِ قبولیت پا رہے ہیں — پیر کی شہرت کو سہارا دینے کے لئے، یہ شب و روز کافی تھے۔ اور پنجتنؑ کا ہم نوالہ و ہم پیالہ ہونا، کوئی ایسی عام بات بھی نہ تھی کہ مذہبی الذہن لوگ اِس بزرگ کی طرف کھنچے نہ چلے آتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کافی تعداد اُن کے مُریدوں کی ہوگئی۔

اتفاق دیکھئے کہ اُسی زمانے میں سرکار والا تبار قدس سرہٗ علی گڑھ تشریف لے آئے

حاضرین میں سے کسی صاحب نے اُن پیرصاحب کا ذکر چھیڑ دیا اور ان کے زہد و ورع، تقویٰ و طہارت، پابندیٔ صوم و صلوٰۃ کا حال سُنایا۔ پھر بتایا کہ وہ بزرگ اکثر اوقات کا کھانا حضرات پنجتن پاکؑ کے ساتھ کھاتے ہیں۔ وہ صاحب یہیں تک کہہ پائے تھے کہ سرکارؒ کا رُوئے مبارک غصّے سے تمتما اٹھا، اور آپ نے برہمی کے لہجے میں ارشاد فرمایا:۔ "وہ شخص سخت گستاخ اور بے ادب ہے۔ وہ اہلِ بیت اطہارؑ کی اس طرح بے حرمتی کرتا ہے"۔ پھر اُسی ایک سانس میں فرمایا — "آلِ عباؑ کے تو گھوڑوں کے راستے سے اُڑنے والی گرد بھی اگر کسی انسان کو لگ جائے تو اُس کے ہوش سلامت نہیں رہ سکتے"۔ اِس کے بعد بڑے جلال سے ارشاد ہُوا :۔ "اچھا، ایسے گستاخ کو شہر بدر کر کے سزائے قیدِ سخت کے احکام جاری کئے جاتے ہیں"۔

اُس مجلس میں جو لوگ حاضر تھے اُن میں سے بہت سے حضرات ابھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ بقیدِ حیات ہیں اور اس امر کے گواہ ہیں کہ سرکارِ والا یوسف الاولیاء علیہ الرحمۃ کے لبہائے مبارک سے یہ کلمات ادا ہوتے ہی، شہر علی گڑھ میں یہ اطلاع مشہور ہوگئی کہ وہ مکّار جعلی پیر اپنے کسی معتقد کی جوان لڑکی کو اغوا کر کے فرار ہوگیا تھا، روپوش ہونے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا ہے اور پولیس ریمانڈ پر ہے۔ چند روز بعد اُس کو سزائے قیدِ سخت ہوگئی تھی۔

ایّامِ شہادت کی کیفیات

اہلِ بیت اطہار علیہما السّلام سے جو والہانہ محبت میرے آقا و مولا سرکار یوسف الاولیاءؒ کو حاصل تھی، اس کی کسی عشرِ عشیر کیفیت کا اندازہ بھی، ہم اہلِ ظاہر کو نہیں ہو سکتا۔ تمام معمولات، عشرۂ محرم میں یکسر تبدیل ہو جاتے تھے۔ سرکارؒ پر کیفیاتِ سیّد الابرارؑ کا ورود یکم محرم الحرام سے ۱۰ محرم الحرام تک اِس شدّت سے ہوتا کہ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا گویا واقعاتِ کربلا سے، ہم سب گزر رہے ہیں۔ زمان و مکان کا بُعد، قربِ حال میں بدلتے ہم نے خود دیکھا ہے۔

عشرۂ محرم میں حضرت ترکِ خور و نوش فرما دیتے۔ سبز جُبّہ زیبِ تن فرما لیتے۔ روزانہ بعد نمازِ مغرب گلدستۂ پنجتن کا وِرد ہوتا۔ تمام اہلِ سلسلہ اور دیگر حاضر الوقت

لوگ بلا قید مذہب و ملت گلدستہ شریف میں شرکت کرتے (گلدستۂ پنجتن آئندہ صفحات پر شریکِ اشاعت ہے) گلدستۂ پنجتن کا وِرد کم از کم ہر پنجشنبہ کو سلسلۂ عالیہ یوسفیہ تاجیہ کے متوسلین کے لئے منجملۂ عبادات ہے ۔ یہ گلدستہ شریف :۔

بندۂ پروردگارم اُمتِ احمد نبیؐ
دوستدارِ چارؓ یارم، تابعِ اولادِ علیؑ

سے شروع ہو کر جب اس قطعہ پر پہنچتا ہے :۔

میرے مولیٰ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے واسطے
اسمِ اعظم اور اَللّٰهُ الصَّمَدُ کے واسطے
اپنی ماںؑ کے، باپؑ کے، بھائیؑ کے، جدؐ کے واسطے
یا حُسین ابنِ علیؑ ہو مجھ کو مدد کے واسطے

اِس قطعے کے بعد عام دنوں میں گلدستہ شریف میں جو مناقب پڑھے جاتے ہیں، محرم شریف میں اُن کے بجائے، مندرج ذیل مناقب، سرکارِ والا تبارؒ پڑھتے تھے ۔ اور یہی سلسلے کا آج تک معمول ہے :۔

اے ابنِ علیؑ نامِ تو حُسینؑ — اے از تو عرب را زینت و زَین
اے فاطمہؑ را تو نُورالعین — لختِ جگرِ زھراؑ مدد دے

ـــــ ۰ ـــــ

اے نامِ تو نامِ علی و ولی — اے واقفِ رازِ خفی و جلی
ہم نامِ خدائے لم یزلی — اے حضرتِ شیرِ خداؑ مدد دے

ـــــ ۰ ـــــ

سلامی اشکِ غم صاف و منور ایسے ہوتے ہیں
نہ موتی ایسے ہوتے ہیں، نہ گوہر ایسے ہوتے ہیں
نواسے جب نظر آئے تو حضرتؐ نے یہ فرمایا،
جہازِ اُمتِ عاصی کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

ـــــ ۰ ـــــ

وہ سلام لکھئے حُسینؑ پر کہ بہشت جس کا صلہ ملے
یہ طلب تو اپنی طرف سے ہے پہ اُدھر سے دیکھئے کیا ملے
جو درِ حسینؑ پہ ہو مکیں وہ ضرور پہنچے علیؑ تلک
جو علیؑ ملیں تو نبیؐ ملیں، جو نبیؐ ملیں تو خُدا ملے

ـــــ ۰ ـــــ

اے دل بگیر دامنِ سُلطانِ اولیاء — یعنی حُسینؑ ابنِ علیؑ جانِ اولیاء
چوں صاحبِ مقامِ نبیؐ و علیؑ است او — ہم فخرِ انبیاء شد و ہم شانِ اولیاء
آئینۂ جمالِ الٰہی است صُورتش — زاں رُو شد است قبلۂ ایمانِ اولیاء
ذوقِ فنا بجامِ شہادت از و رسید — شوقِ دگر بہ مستیٔ عرفانِ اولیاء

دارد نیاز حشرِ خود امید با حُسینؑ
با اولیا ست حشرِ محبانِ اولیاء

پھر جب ایصالِ ثواب فرماتے تو بھی اکثر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی سے شروع فرما کر شہدائے کربلا تک ہی پہنچتے اور دعا شروع فرما دیتے ۔

گلدستۂ پنجتن سے فراغت کے بعد پوری محفل میں شیرینی تقسیم کی جاتی ۔ اور پھر مجالسِ عزا میں شرکت کے لئے روانہ ہو جاتے، جو شہروں اور قصبوں میں جگہ جگہ برپا ہوتی تھیں ۔ ان مجالس میں روزانہ سرکارؒ کا بیان ہوتا ۔ آپ کے مواعظ اور ذکرِ الشہادتین کا شہرہ پورے مُلک میں تھا ۔ عشرۂ محرم سے قبل ہی سرکارؒ کو دعوت نامے ملنا شروع ہو جاتے تھے ۔ خوش بخت ہیں وہ نفوس، جنہیں سرکارؒ کی تقاریر اور آپ کی تلاوت سُننے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ جس آواز اور لحن سے دلِ مُردہ جی اُٹھتے ہوں، وہ آواز اور لحن سرکارؒ نے پائی تھی ۔ عام سامعین کا یہ تجربہ، مشاہدہ اور عقیدہ تھا کہ حضرت مولانا عبدالکریم شاہ صاحب (المعروف حضرت غوث بابا محمدؐ یوسف شاہ تاجی) جس محفل میں ذکرِ شہادت فرماتے ہیں، وہاں سید الشہداء اور خاتونِ جنت علیہما السّلام کا وُرود ہوتا ہے ۔ ہر سمت مناظرِ کربلا پیشِ نظر ہوتے ہیں اور قلب میں شوقِ شہادت موجیں مارنے لگتا ہے ۔

عشرۂ محرم میں جب سرکارؒ کا قیام ناگپور شریف میں ہوتا تو مجالس کی محافل سے آپ کو فرصت ملنا دشوار ہو جاتا۔ بھائی سید رفیق عزیزی بیان کرتے ہیں کہ :

اجمیر القدس میں قیام ہوتا تو درگاہِ معلّیٰ میں روزانہ منعقد ہونے والی مجالس میں آپ شرکت فرماتے۔ سات محرم کو سرکارؒ کی اہلیۂ محترمہ سرکار اماں جی صاحبہ اور شاہزادیوں اور شاہزادے اور سرکارؒ کے ہاں مقیم مریدین کے کپڑے سبز رنگے جاتے۔ قلاوے تیار ہوتے، اور گلدستۂ پنجتن کے بعد، سب عورت، مرد، بچے ہرے کُرتے، ہرے دوپٹے پہن لیتے، گلے میں قلاوے پہنا دیئے جاتے۔ اس اہتمام میں حضرت قبلہ بھائی مُنیر خان صاحبؒ کا شوق و شغف لائقِ دید ہوتا تھا۔ شبِ عاشور سے سرکارؒ برہنہ پا ہو جاتے۔ اور شبِ عاشور کو تعزیوں اور بُراقوں کے جلوس میں برہنہ پا شرکت فرماتے۔ کبھی عاشورۂ محرم میں آگرہ میں قیام ہوتا تو شبِ عاشور کو گلاب خانے، میوہ کٹرہ، گلی حکیماں، چڑی مار ٹولہ اور نائی کی منڈی میں تعزیوں کے جلوس میں اسی برہنہ پائی سے شرکت ہوتی۔ میوہ کٹرہ دراصل پورا کا پورا خیمۂ سادات ہی ہے، وہاں حضرت سید نظام الدین شاہ صاحب دستگیرؒ اکبر آبادیؒ اور حضرت قبلہ مولینا سیّد محمدؐ علی شاہ صاحب میکشؒ اکبر آبادی، سرکار والا تبارؒ کے محبّانِ خاص میں تھے، شبِ عاشور کے اِس گشت میں بقیدِ برہنہ پائی سرکارؒ کے ہمرکاب و ہمنوا و ہم خیال ہوتے۔ دسؔ محرم کو دن کے ۳ بجے تک سرکارؒ قطعی فاقہ فرماتے۔ کبھی تو پان تک شوق نہ فرماتے۔ آگرہ میں گلاب خانے کے پھولوں والے تعزیہ پر اور اجمیر القدس میں درگاہ معلّیٰ کے قریب ایک پتلی سی گلی میں جہاں ایک بُراق نُما تعزیہ رکھا ہوتا، اُن دونوں مقامات پر جا کر سرکارؒ فاتحہ و ایصال فرماتے، دونوں مقامات پر ان تعزیوں کو ہاتھ لگا کر چُومتے۔ ہمراہیوں کو قدمبوسی کا حکم ہوتا ان دونوں مقامات کے لئے سرکارؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں سید الشہداء حضرت امام حُسین علیہ السّلام تشریف فرما تھے۔

ان مقامات کی حاضری کے بعد سرکارؒ کی کیفیات اس قدر متغیر ہو جاتی تھیں کہ دیکھے سے خوف و خشیت کا غلبہ ہوتا تھا۔ دم مارنے کی تاب نہ ہوتی تھی۔ جذب و جلال کا وہ عالم ہوتا کہ اُس کے بیان سے قاصر ہوں۔ بھائی سید رفیق عزیزی یوسفی نے مزید بتایا کہ: حضرت یوسف الاولیاءؒ کے ذکر الشہادتین میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے

والوں نے میرے اس مُشاہدے کی تصدیق کی ہے کہ سرکارؒ کا سراپائے مبارک، اُنہی بزرگ کی شکل و شباہت میں رُونما ہو جاتا جن کے اوصافِ حمیدہ آپؒ بیان فرماتے ہوتے۔ برزخ کا ایسا تیز رفتار ظہور اِس عاجز راقم الحروف نے تو آج تک دیکھا نہ سُنا۔

اہلِ بیت اطہارؑ سے اس خصوصی لگاؤ کی ایک ہلکی جھلک سرکارؒ کی تصنیف، وہ گلدستۂ پنجتن ہے، جو سرکار کے غلاموں کے لئے وظیفۂ اسمِ اعظم ہے۔ ہر جمعرات کو گلدستہ شریف اور عاشورۂ محرم کی مجالس اور فاتحاؤں کے خصوصی اہتمام کے علاوہ ہر سال ۲۱ رمضان المبارک کو شہادتِ جنابِ مولیٰ علی علیہ السّلام کی فاتحہ بھی مثالی اور منفرد اہتمام اور معمولات سے ہوتی تھی اور بحمد للہ یہ سُنّت اہلِ سلسلہ میں جاری ہے۔

سرکارؒ کے دستِ گرفتہ غلاموں میں بہت کافی تعداد اہلِ تشیع حضرات کی بھی ہے اور الحمد للہ، یہ فیضانِ سلسلۂ عالیہ یُوسفیہ تاجیہ جاری ہے۔ چناں چہ حضرت مولانا ذہین شاہ صاحب اور بھائی سید ظہور الحسنین شاہ صاحب اور خود میرے متوسّلین میں کافی خوش بخت اہلِ تشیع اور دیگر مسالک کے افراد شریک ہیں۔ کیونکہ شہرِ علمؑ میں داخلے کی غرض سے باب العلمؑ تک پہنچنے کے لئے کسی مردِ راہ داں کی جستجو نے اُنہیں قطب نُما کا کام دیا ہے۔

مذہبِ عشق از ہمہ دیں ہا جُدا است
عاشقاں را مذہب و ملّت خدا است (مولائے رومؒ)

مصحفِ رُوئے تو مارا ہست قرآنے دگر
عاشقاں را دین دیگر ہست ایمانے دگر (حافظؒ)

——— o ———

"تاج الاولیاءؒ" (طبع ثانی) کے صفحہ ۳۴۶ پر "منصبِ ولایت" کے عنوان سے درج ہے کہ ۲۱ رمضان المبارک کہ جو مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا یومِ وصال ہے، حضرت تاج الاولیاءؒ ناگپوری علیہ الرحمۃ نے اپنا جُبّۂ مبارک، اپنے جسمِ مبارک سے اتار کر، میرے آقا و مولا حضرت سرکار بابا محمدؐ یوسف شاہ تاجی (قدس سرہٗ) کو پہنایا۔ آپ کے سر پر خود اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا اور ایک کُرسی پر

بٹھا کر فرمایا:۔

یہ میرا بیٹا ہے

غریب نواز ہے

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ ۲۱ رمضان المبارک کو سرکارؒ پر ایک خاص کیفیت کا ورود ہوتا تھا اور بہ نفس نفیس مع جملہ مُریدین و معتقدین اکیسویں شریف کی فاتحہ کا خصوصی اہتمام فرماتے اور وہ دولت جو سرکار والا تبارؒ کو حضرت بابا صاحبؒ نے عطا فرمائی تھی، اُس دن حاضرین کو ارزانی فرماتے تھے۔ اس کا لطف وُہی لوگ جانتے ہیں جن کو خوش نصیبی سے ایسے مواقع نصیب ہوئے جو بیان میں نہیں آسکتے۔

جمالِ شخص نہ زلف است و عارض و خط و خال

ہزار نکتہ دریں کاروبارِ دلداری است

برزخ غوث الاعظمؒ

ایک مرتبہ چھتاری کے مقامی علماء کے اصرار پر سرکارؒ جمعہ کی نماز پڑھانے اور وعظ فرمانے کے لئے جامع مسجد تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد فضیلتِ صلوٰۃ پر ایسی جامع و مانع تقریر فرمائی کہ لاتعداد سامعین دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ کچھ حضرات نے جو سلسلۂ قادریہ سے متوسل تھے اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے، بچشم نم بتایا کہ منبر پر حضرتؒ کی بجائے سَیّدنا غَوث الاَعظَمؒ ایک عبائے زرّیں، زیبِ تن فرمائے جلوہ آرا تھے۔

اِدھر سامعین ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے، اُدھر سرکارؒ نے اپنا بیان، یکایک ختم فرمادیا اور منبر سے اُتر کر مسجد سے باہر نکل کر، جائے قیام کی جانب قدم بڑھائے ہی تھے کہ مسجد کے باہر جو طلبہ جمع تھے اُنہوں نے سرکارؒ کو اپنے حلقے میں لے لیا اور اسی مقام پر صلوٰۃ و سلام شروع کر دیا۔

اُس وقت کی کیفیات اور رقّتِ قلب کا عالم، جو عام مجمع پر طاری تھے۔ باید و شاید۔ پوری کائنات، تجلّیوں میں نہائی ہوئی نظر آرہی تھی۔ ذہن و خیال، فہم و فکر ایک نقطہ، عشق کے مرکز پر محو و مجتمع محسوس ہو رہے تھے۔ صلوٰۃ و سلام کے بعد طلبۂ اور عوام الناس حضرتؒ کی قدمبوسی کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں دیوانہ وار ٹوٹ پڑے۔ سرکارؒ عجیب البیلے پن اور شاہانہ اندازِ بے نیازی سے اپنی جگہ کھڑے رہے اور جب ہر شخص حصولِ سعادت سے مالا مال ہو لیا تو چل پڑے۔

قیام گاہ پر پہنچے تو موقع پاتے ہی میں نے عرض کیا کہ حضور تو آج کُھلّم کُھلّا غوث پاکؓ کی صورت میں لوگوں کو نظر آئے ہیں۔ سرکارؒ مُتبسّم ہوئے اور فرمایا:۔ ”ہاں، آج ہم ہٹ ہی گئے تھے، تاکہ حضور غوث پاک اپنا بیان خود ہی فرمادیں۔ اور ایسا ہو گیا۔“

مرتبۂ غوثیت

۱۹۴۰ کی بات ہے۔ رجب المرجب کا مہینہ تھا۔ خواجۂ خواجگان حضور غریب نوازؒ کا عرس مبارک ختم ہو چکا تھا۔ زمانۂ عرس میں سرکارؒ کا قیام اجمیر القدس ہی میں رہتا تھا۔ اطراف و اکنافِ ہند کے بہت سارے بزرگانِ طریقت و مشائخ عظام آپؒ کے ہاں مقیم ہوتے تھے۔ سرکارؒ کے بہت سارے مُریدینِ باتمکین بھی ان دنوں وہاں حاضر رہتے تھے۔

چھٹی شریف کی محفل سرکارؒ کے ہاں، انوکھی چھب اور نرالی کیفیات کی ہوتی تھی۔ عرس شریف ختم ہو چکا تھا، دیگر زائرین رخصت ہو چکے تھے، مگر اہلِ سلسلہ کو ابھی اجازتِ سفر نہیں ملی تھی۔ ایک روز بالاخانے سے علی الصبح حسبِ معمول سرکارؒ نمازِ فجر کے لئے تشریف لائے تو آقا و مولیٰ کے رُوئے مبارک پر ایک انوکھی شگفتگی کے انوار ہویدا تھے۔ فرطِ مسرت سے چہرہ جیسے تمتما اُٹھتا ہے، یہ کیفیت اُس انبساط و ابتہاج سے ہزار چند تھی۔ رُعبِ جمال سے پہلی نظر کے بعد، دوسری نظر اُٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ہم سب قدمبوس ہوئے۔ فجر کی سُنّتیں ادا فرمانے کے بعد امامت فرمائی۔

سرکارؒ کو تلاوتِ کلامِ مجید فرماتے ہوئے، جن خوش بختوں نے سُنا ہے، اُن سے پُوچھیے۔ یُوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ آیات، عرشِ الٰہی سے اپنی قرارت و تجوید کے ساتھ نازل ہو رہی ہیں۔ قرآن و صاحبِ قرآن، ایک نغمۂ سرمدی کی صورت میں سماعتوں پر رحمت کی بارش فرماتے اور قلب و رُوح میں پیوست ہوتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ لیکن آج سوز و گداز کا بحرِ زخار ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ مقتدیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ گریۂ پیہم تھا کہ تھمنے کو نہیں آتا تھا۔ سرکارؒ نے سلام پھیرا۔ حسبِ معمولِ شرق رُو، پوری شاہانہ عظمت و جلالت سے دو زانو بیٹھ گئے۔ مُصلّے پر، آفتابِ جمال کے طلوع کا منظر ہمارے سامنے تھا ــــ دُعا فرمائی۔ ہم لوگ پھر قدم بوس ہوئے۔

اسی اثناء میں حضور خواجہ غریب نوازؒ کے دیوان صاحب جو ایک سِن رسیدہ بزرگ تھے، تشریف لے آئے۔ (یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر گمانِ غالب یہی ہے کہ وہ بزرگ دیوان صاحب ہی تھے) یہ بزرگ بڑے صاحبِ بصیرت اور صاحبِ کشف تھے۔ بزرگی کے انوار چہرے پر نظر آتے تھے۔ انہوں نے آتے ہی فرمایا:۔ مَرتبۂ غوثیت پر فائز ہونے کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ سرکارؒ نے تبسّم فرمایا اور ارشاد ہُوا:۔ "آپ کو بھی مبارک ہو"۔ اُن بزرگ نے اجازت طلب کی کہ اس واقعہ کا اعلان ملکی اخبارات کو بھیج دیا جائے؟"۔ سرکارؒ نے ہنس کر فرمایا:۔ "ہمیں اشتہاری پیر تو نہ بنایئے اخبارات کو خبر دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔ مگر وہ بزرگ مُصر ہوئے اور فرمایا:۔ "حضرت! ہر چند کہ فقراء کو سِرِّ مدارج، پوشیدہ رکھنے ہی کی ہدایت ہے مگر ایک حکم یہ بھی تو ہے کہ جو نعمتِ کبریٰ، بارگاہِ الٰہی سے تفویض ہو اُس کا اعلان کیا جائے۔ آپ بزرگانِ سلف کی ایک سُنّت کو کیوں ترک کرنا چاہتے ہیں؟ یہ تو بطور تحدیثِ نعمت ہوگا!۔ سرکار یوسف الاولیاء قدس سرہٗ نے سکوت فرمایا۔ پھر ارشاد ہُوا:۔ "اچھا تو آپ ہندوستان کے تمام سجادہ نشین حضرات کو مطلع فرما دیں۔ بس اتنا کافی ہے"۔

اس کے بعد وہ بزرگ تشریف لے گئے۔ سرکارؒ نے کچھ دیر بعد مُسکراتے ہوئے فرمایا، "ہماری تو خواہش نہیں تھی۔ مگر حضور بابا صاحبؒ کی یہی مرضی ہے تو سر آنکھوں پر"۔ اتنی دیر میں دسترخوان بچھ گیا۔ سرکارؒ نے ہم سب کے ساتھ بہت خوش خوش،

ناشتہ فرمایا۔ اسی دوران میں اجمیر شریف میں ہنوز مقیم بہت سے اشیاخ و اصفیاء اور درگاہ شریف کے بہت سے صاجزادگان مبارکباد پیش کرنے کے لئے تشریف لاتے رہے۔ مردان خانہ کھچا کھچ بھر گیا۔ جشن کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ مردانِ خُدا کی یہ بھیڑ ابھی چھٹی نہیں تھی کہ ضلع علی گڑھ سے بھائی سیّد ظہور الحسنین شاہ صاحب طاہر یوسفی تاجی کا بَرقیہ پہنچا، جس میں سرکارؒ کے "مرتبۂ غوثیت" پر مبارکباد پیش کی گئی تھی۔ ٹیلی گرام ملاحظہ فرمانے کے بعد سرکارؒ نے نہایت پُرکیف اور وجد آفریں انداز میں فرمایا: یہ دیوانے بھی بڑے رَازداں ہوتے ہیں"۔ پھر بڑے بھولے پن سے فرمایا:۔ "یہ اس کو آج ہی شب کے واقعہ کا انکشاف کیسے ہوگیا؟"۔

ہم لوگوں نے دیکھا ہے کہ اس واقعے کے بعد ہندوستان بھر کی خانقاہوں اور سلاسلِ تصوف میں سرکارؒ کی غوثیت کا شہرہ ہوگیا۔

بَرزخِ غریب نوازؒ

چھتاری ہی میں ایک مرتبہ سرکار والا تبارؒ غریب خانے پر میلاد شریف کے فضائل بیان فرما رہے تھے کہ دفعتاً چہرۂ مُبارک پر تغییر کے آثار پیدا ہوئے اور یکا یک سراپائے مبارک ہی تبدیل ہوگیا۔ سرکارؒ نے باواز بلند فرمایا کہ "حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کی زیارت جس نے نہ کی ہو، اس وقت کر لے!"۔

سامعین کی نظریں حضرتؒ پر لگ گئیں۔ ہر شخص زور زور سے دُرود شریف پڑھنے لگا۔ بہت سے حاضرین چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ یہ کیفیات طاری ہی تھیں کہ ایکا ایکی سرکارؒ تخت سے اُٹھے اور جائے قیام کو روانہ ہوگئے۔ مجمع بے حال تھا جنہیں حواس پر قابو تھا وہ سرکارؒ کے پیچھے اشک ریز دوڑے چلے آ رہے تھے۔

کُلاہِ محبُوبی

حضرت نظام الدین اولیاء، محبوبِ الٰہی، سلطان جی اور آپ کے محبوب ترین خلیفہ حضرت امیر خسرو رحمہما اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین کے اعراس کو بڑی اور چھوٹی سترھویں شریف کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ بڑی سترھویں میں شرکت کے لئے سرکار والا تبار دہلی تشریف لے گئے۔ ہم چند غلام بھی ہمرکاب تھے۔ درگاہ میں سرکار نے قیام فرمایا تھا ——— سترھویں شریف ختم ہوئی، اگلی صبح، فجر کے وقت سرکار کی قیام گاہ پر درگاہ شریف کے عمائدِ خدام میں سے چند بزرگ، درگاہ کی مسجد کے پیش امام صاحب اور سلسلۂ نظامیہ کے بعض اہم خلفاء حضرات تشریف لائے۔ ان بزرگوں کے ساتھ بہت ہی دیرینہ ایک بوسیدہ کتاب کا نسخہ تھا۔ جس میں حضور محبوبِ الٰہی کے تبرکات کی ایک فہرست تھی۔ ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرتِ محبوبِ الٰہی کے تبرکات میں ایک کلاہِ مبارک بھی محفوظ چلی آ رہی ہے۔ تبرکات کی یادداشت والی کتاب میں یہ ہدایت درج فرمائی گئی ہے کہ فلاں سال میں، فلاں نام اور فلاں سلسلہ کے ایک بزرگ آئیں گے۔ یہ کلاہ اُن کو پہنائی جائے۔ چنانچہ شب کو بشارت بھی دی گئی ہے کہ وہ بزرگ اس سال شریکِ عرس ہیں۔ اب ہم تلاش کرتے کرتے آپ تک حاضر ہو پائے ہیں۔ اپنی امانت وصول فرما کر ہمیں اِس بار سے آزاد فرمائیے۔ سرکار نے بیساختہ فرمایا: "اور تلاش کیجیے!"۔ ان میں سے کئی بزرگوں نے بیک زبان کہا۔ حضرت ہم بھی کسی واضح اشارے پر ہی حاضر ہوئے ہیں۔ اور آپ کو بھی کیا کچھ معلوم نہیں!۔

سرکار اور بھی سنجیدہ ہو گئے۔ آپ نے اُن حضرات کی تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:-

"اچھا تو ہم آستانۂ عالیہ پر پہنچتے ہیں۔ یہ تقریب حضرت کے دربار میں ہی ادا ہونا مناسب ہوگی"۔ یہ بزرگ حضرات تشریف لے گئے اور وہ کلاہِ مبارک حضور محبوبِ الٰہی کے مزارِ اقدس پر سرہانے کی طرف تعویذ کے اوپر رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد ہی سرکار مزارِ اقدس پر حاضر ہوئے اور تعویذ پر سے وہ کلاہِ مبارک اُٹھا کر زیبِ فرق فرمائی۔ حضورِ محبوبِ الٰہی کی قدمبوسی فرمائی اور اُلٹے قدموں باہر تشریف لائے۔ دالان اور صحنِ درگاہ میں صدہا زائرین اور عشاق، سرکار کے دیدار کے لئے جمع ہو چکے تھے۔ پے بہ پے قدمبوسیاں شروع ہو گئیں۔ پھر وہیں حضورِ محبوبِ الٰہی

کے مواجہ شریف میں محفلِ سماع شروع ہو گئی قوالوں نے شروع میں حضرتِ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی مبارک باد —— ع   بر تو ایں محفلِ شاہانہ مبارک باشد

پیش کی۔ جو تھا، بھولا نہ سما رہا تھا۔ وہاں جو مشائخ و صوفیاء موجود تھے۔ اُن میں علاوہ دیگر بزرگوں کے حضرت قبلہ مولینا عبدالسلام نیازی دہلوی، حضرت مولینا عبدالقادر نیازی، حضرت میر محمدؐ علی وارثی، حضرت مولینا محمد ایوب پانی پتی اور پیر جی عبدالرشید پانی پتی جیسے جلیل القدر اشیاخ بھی موجود تھے۔ جن سے سرکار قبلۂ عالم یوسف الاولیاء قدس سرہٗ کا روحانی تعلق اور دوستانہ مراسم تھے۔ حضرت مولانا عبدالسلام نیازی دہلوی علیہ الرحمۃ بار بار بلند آواز سے فرما رہے تھے:-

"اے سُبحان اللہ! قربانت شوم، حق بحق دار رسید"۔

پھر قبلہ مولینا عبدالقادر نیازی نے فرمایا:-

"بے شک آپ کا یہی مقام ہے کہ تاجِ محبوبی سے نوازے گئے"۔

برزخِ مخدوم صابر کلیری

یہ سن ۱۹۲۷ کا ذکر ہے۔ سرکار قدس سرہٗ چھتاری میں قیام فرما تھے۔ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ ایک دن سرکار نے یکایک فرمایا:- "ہم صابر صاحب کے عرس کے لئے کلیر شریف کا قصد رکھتے ہیں"۔ اس ارشاد کے ساتھ چھتاری کے بیس بائیس ہم مریدین بھی ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن ہم میں سے دس یا بارہ افراد ایسے بھی تھے جن کے پاس زادِ راہ کے لئے کچھ نہ تھا۔ چھتاری تک ریلوے لائن نہیں ہے۔ ریل گاڑی میں جانے کے لئے رلائے پور کے ریلوے اسٹیشن جانا پڑتا تھا، جو ہمارے یہاں سے سات آٹھ میل کی مسافت پر تھا۔ سب لوگ تو سرکار کے ہمرکاب اسٹیشن آ گئے، لیکن وہ ۱۰، ۱۲ پیر بھائی نہ آ سکے۔ اسٹیشن پہنچتے ہی فرمایا کہ کلیر شریف چلنے والے باقی لوگ کہاں ہیں؟ ہم نے اُن کی مجبوری کا حال بیان کیا۔ سرکار کے چہرۂ اقدس پر ملال کے آثار نمودار ہوئے۔ لیکن گاڑی آنے سے قبل ہی ہم لوگوں نے دیکھا

کہ وہ سب چلے آرہے ہیں۔ سرکارؒ نے ان حضرات کو دیکھا اور اُن سے مخاطب ہوکر ارشاد ہوا: "کلیر شریف چلو گے؟"۔ وہ لوگ گردنیں جُھکائے، دست بستہ خاموش کھڑے رہے۔ اتنے میں گاڑی آگئی۔ حضرت کا سامان ہم لوگوں نے فرسٹ کلاس میں رکھوایا اور خود تیسرے درجہ کی بوگی میں جا بیٹھے۔ گاڑی رینگنے لگی۔ پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے ہمارے وہ دس بارہ پیر بھائی سرکارؒ کے کُوپے والی کھڑکی کے ساتھ پلیٹ فارم پر تیز تیز چلنے لگے۔ یکایک سرکارؒ نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر فرمایا:۔ "ساری دُنیا میں ہماری گاڑی چلتی ہے۔ سب اندر آجاؤ"۔ حکم کی دیر تھی۔ وہ تشنگانِ شوق آن کی آن میں سرکارؒ کے کوپے میں حاضر ہوگئے۔

گاڑی جب رُڑکی ریلوے اسٹیشن پر پہنچی، تو کلیر شریف جانے کے لئے ہم لوگ گاڑی سے اُتر آئے اور سامان لے کر گیٹ کی طرف چلے۔ ایک ایک آدمی ٹکٹ دیتا جاتا اور باہر نکل جاتا۔ پھر سرکارؒ گیٹ سے گزرے۔ لیکن وہ ۱۰، ۱۲ حضرات گیٹ پر ہی رُکے کھڑے رہے۔ سرکارؒ دروازے سے چند قدم چل کر یکایک پلٹے اور گیٹ کیپروں کی طرف مُنہ کرکے فرمایا:۔ "اِن کو آنے دو"۔ اس حکم کے ساتھ ہی تیرہ، چودہ گیٹ کیپرز ایک طرف کو سرک گئے اور وہ سب حضرات بلا تکلف باہر آگئے۔

سیّدنا مخدوم علی احمد صابر کلیری قدس سرہٗ کی درگاہ سے ایک فرلانگ پر جنگل میں سرکار والا تبارؒ کے لئے ایک خیمہ حضرت پیر جی محبت علی شاہ صاحب قادری باغ والوںؒ نے نصب کرا رکھا تھا۔ ہم لوگ کلیر شریف پہنچے تو سرکارؒ از خود اُسی خیمے پر جا پہنچے۔ سب غلام بھی وہیں مقیم ہوئے۔ کلیہ شریف پہنچتے ہی سرکارؒ پر شدید کیفیت کا غلبہ ہوا۔ حتیٰ کہ چار شبانہ روز اِسی خیمے میں بسر ہو گئے۔ درگاہ تک ہم لوگ کیسے جاتے۔ ہمہ وقت خدمتِ بابرکت میں حاضر تھے۔ جس دن عرس مُبارک ختم ہوگیا اور زائرین کی واپسی شروع ہوگئی تو ہم لوگوں نے رات کے دو بجے، موقع پاکر عرض کیا کہ حضور! عرس ختم ہوگیا ہے۔ مگر ہم لوگ ہنوز درگاہ پر حاضر نہیں ہو سکے۔

ارشاد ہوا:۔ "آپ جا سکتے ہیں"۔

عرض کیا:۔ حضور تشریف لے چلیں تو یہ ممکن ہے، ورنہ ہم اکیلے تو ہرگز نہیں جائیں گے۔

ہم لوگ اپنے جہلِ علمی کی وجہ سے اصرار کرنے لگے کہ درگاہ شریف تشریف لے چلیں۔ سرکارؒ ہماری دل داری کی خاطر چلنے کو تیار ہوگئے۔ ہم سب ابھی درگاہ شریف کے دروازے میں داخل ہی ہوئے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ دروازے سے صابر صاحبؒ کے گنبد تک ہزارہا افراد کا اجتماع ہے۔ جانے اور آنے والوں میں دھکم پیل جاری ہے۔ گنبد شریف تک پہنچنا تو کجا، ایک قدم بڑھانا بھی قریب قریب ناممکن العمل ہے۔ سرکارؒ وہیں جم کر کھڑے ہوگئے اور مجھ سے فرمایا:۔ "گلاب کے پھول لے کر ہماری طرف سے صابر صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر آؤ"۔

قریب ہی مجھے گلاب کے پھول مل گئے۔ لیکن تردُد یہ ہوا کہ میں دھان پان سا آدمی، اتنے بڑے مجمع میں سے گزر کر آخر دربارِ صابرؒ میں کیونکر پہنچ پاؤں گا۔ اِدھر مجھے یہ خدشہ ہوا اور میری آنکھیں جھپکیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت صابر پاکؒ کے پائنتی کھڑا ہوں۔ میں نے فوراً ہی وہ پھول پیش کئے، اور دوسری بار آنکھ جھپکی تو میں پھر اپنے سرکارؒ کے قریب وہیں کھڑا تھا، جہاں سے صابر پاکؒ کے دربار تک جا پہنچا تھا۔ میں از خود رفتہ ہوگیا اور سرکارؒ کے قدموں میں ادائے شکر کے لئے گر پڑا۔ میرا قدمبوس ہونا تھا کہ ہزاروں زائرین سرکارؒ کی قدم بوسی اور دست بوسی کے لئے جھپٹ پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ چادر جو سرکارؒ اوڑھے ہوئے تھے، تار تار ہوگئی۔ سرکارؒ پر سخت جلالی کیفیت تھی اور زائرین بیک زبان پُکار رہے تھے:۔ "صابر پیا یہی تو ہیں"۔ "آگئے صابر پاک"۔

سرکارؒ از حد تیز رفتاری سے درگاہِ عالیہ کے دروازے سے باہر تشریف لے آئے۔ مجمع نے چاروں طرف سے راستہ گھیر لیا۔ پروانہ وار یہ زائرین ٹوٹے پڑتے تھے۔ اس انبوہِ کثیر کے باوجود سرکارؒ اُسی تیزی سے چلتے ہوئے ایک بہت اونچے مقام پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے فرمایا:۔ "جن کی قدمبوسی تم کر رہے ہو وہ روضۂ مبارک کو لوٹ گئے ہیں"۔

ارشاد فرمایا ہی تھا کہ اس انبوہِ کثیر میں کائی سی پھٹ گئی اور ہزاروں لوگ واپس درگاہ شریف کی طرف دوڑنے لگے۔ سرکارؒ وہاں سے تیز قدم ایک قریبی جنگل میں جا پہنچے ہم لوگوں کی سخت سرزنش فرمائی اور ارشاد ہوا:۔ "جب تم ہمارے اور صابر صاحبؒ کے معاملات سے آگاہ نہیں ہو تو ہمارے معاملات میں دخل کیوں دیتے ہو۔ اب دیکھا کیا حال ہوا ہے؟"۔

الغرض پانچ چھ گھنٹے تک جلالی کیفیات کا ظہور ہوتا رہا۔ سرکارؒ کی جانب نگاہ اٹھانے کی بھی سکت کسی میں نہ تھی۔ آپؒ اسی حالت میں بالکل خاموش جنگل میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔

یار کو ہم نے جا بجا دیکھا
کہیں ظاہر کہیں چھپا دیکھا

ندیا دِھیرے بہو!

مجھے ٹھیک طرح تو یاد نہیں ہے، لیکن قیاس یہی ہے کہ یہ واقعہ ۱۹۲۴ کا ہے۔ چھتاری میں حضورؒ فروکش تھے۔ ایک دن بُنّیر شریف جانے کا قصد فرمایا۔ چھتاری اور بُنیر شریف کے مابین کالی ندی ہے۔ یہ برسات کا موسم تھا۔ ندی میں طغیانی تھی۔ سرکارؒ کا معمول تھا کہ روزانہ جنگل کو تشریف لے جاتے اور اکثر چھ چھ سات سات برس کے بچے، سرکارؒ کے آگے "منہ کے باجے" (ماؤتھ آرگن) بجاتے ہوئے اُچھلتے کودتے چلتے رہتے تھے۔ یہ بچے جدھر جدھر جاتے، سرکارؒ اُسی اُسی راستے چلتے رہتے اور ان بچوں کو "ہمارے بِگلر" فرماتے۔

بچے اس دن بھی آگے آگے اپنے "بِگل" بجاتے چل رہے تھے۔ ہمراہ قوّال بھی تھے۔ ڈیڑھ میل کے بعد کالی ندی آگئی۔ بہت کٹیلا پانی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ سرکارؒ کو ندی کی طرف بڑھتے دیکھا، تو ندی کے کنارے کھڑے ہوئے بہت سے دیہاتیوں نے پکار کر کہا:۔ "میاں صاحب! ہاتھی ڈوباؤ پانی ہے۔ کئی آدمی صبح سے اس میں بہہ چکے ہیں"۔

سرکارؒ پہلا قدم ندی میں رکھ چکے تھے۔ یہ سُنا تو ٹھٹک گئے اور قوالوں کیطرف

دیکھ کر فرمایا:۔

"ارے تم بزرگوں کے مزاروں پر حاضر ہوتے رہتے ہو۔ تم نے اِن بزرگوں سے کوئی ایسا گانا نہیں سیکھا جو دریا پار کراتا ہو"۔

ایک قوال بہت حاضر دماغ اور معاملہ فہم تھا۔ فوراً ہی بولا:۔ "حضور گانا سب ہی طرح کا سیکھا ہے۔ مگر تاثیر بخشنا تو آپ کا کام ہے"۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ "اچھا! تو وہ کتاب پڑھو، سیّاں اُتریں گے پار ندیا دِھیرے بہو"۔۔۔ قوالوں نے یہ ٹھمری شروع کر دی اور سرکارؒ نے ندی میں قدم بڑھاتے ہوئے فرمایا:۔ "سب ہمارے ساتھ پار کر لو"۔۔۔

بچے، نوجوان، جوان، اَدھیڑ سب ہی اِس قافلے میں تھے۔ سب نے آن کی آن میں کالی ندی پار کر لی۔ لیکن کمال یہ تھا کہ بچے اور بڑے کسی کے بھی گھٹنوں سے اوپر پانی نہیں پہنچا تھا۔

درگاہ شریف پہنچ کر لوگوں نے عرض کیا کہ سرکارؒ نے آج زبردست کرامت ظاہر فرمائی ہے۔ سرکارؒ نے فوراً ہی فرمایا۔ "اِس میں ہمارا کچھ نہیں ہے، یہ تو صاحبِ مزار کا تصرّف ہے"۔

سُورج لَوٹ آیا

محرم الحرام کا مہینہ تھا۔ قبلۂ عالم سرکار یوسف الاولیاء قدس سرہٗ، چھتاری کے گرد و نواح کا دَورہ ختم فرما کر حضرت بابا تاج الدین ناگپوری علیہ الرحمۃ کے عرس مبارک کے انتظام و انصرام کے لئے ناگپور شریف کو روانہ ہو رہے تھے۔ ہم سب لوگ مُصِر تھے کہ اس مرتبہ سرکارؒ یہ عرس مبارک علی گڈھ، چھتاری، طالب نگر میں آراستہ فرمالیں، لیکن سرکارؒ کے ہمراہی احباب کا اصرار تھا کہ حضرت، ناگپور شریف ہی تشریف لے چلیں۔ سرکارؒ نے روانگی کا اعلان فرما دیا۔ علی گڈھ ریلوے اسٹیشن پر جب ریل گاڑی میں سوار ہو گئے تو ہم میں سے ہر ایک ہی بقدرِ محبت، مضطرب اور بیتاب تھا۔ گریہ وزاری کی کیفیت تھی۔ لیکن مجھ پر سرکارؒ کی جُدائی کا اثر اتنا تھا کہ سخت وحشت ہو گئی تھی۔ علی گڈھ سے چھتاری واپس آنے کے بجائے میں اپنے حلقۂ تحصیل وصول میں موضع "پِلکھونا" جا پہنچا۔ سخت ملول اور اُداس تھا۔ مقامی لوگ میری دل بستگی کرتے رہے۔ مگر حال یہ تھا کہ ۔۔۔۔

ع۔ اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

دل تھا کہ ہاتھوں سے نکلا جاتا تھا۔ تمام رات کروٹیں بدلتے گزری۔ صبح ہوتے ہی مجھ سے متعلق کام کرنے والے مزارعے وغیرہ اپنی اپنی عرضیاں لے کر آگئے۔ دوپہر ہوگئی۔ جُھلسا دینے والی لُو چل رہی تھی۔ جس بنگلے میں میرا قیام تھا، اُس کے دروازوں کھڑکیوں پر خَس کی ٹٹیاں چڑھا دی گئیں۔ دوپہر کو آرام کے خیال سے لیٹا تھا کہ پہریدار سپاہی نے آکر بتایا کہ **جوھری روغن گر** آپ کے پاس حاضر ہونا چاہتا ہے۔ بُلوالیا۔ جوہری نے آکر بتایا کہ میں تو آپ کو اپنے گھر تک لے چلنے کے لئے آیا ہوں۔ رات کو میری بہن شہزادی بیگم نے ایک ایسا خواب دیکھا ہے جس سے وہ پاگل ہوگئی ہے۔ تمام گھر اور محلّے والے پریشان ہیں۔ سب نے عرض کی ہے کہ "آپ آجاویں"۔۔۔

جوہری کی پریشانی دیکھ کر میں فوراً ہی اس کے ساتھ چلنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ جوہری کے گھر پر بستی کی عورتیں اور مرد بکثرت جمع تھے۔ میں نہ جانے کیوں، سیدھا اُس کے گھر میں گھُستا چلا گیا۔ دیکھا کہ جوہری کی بہن کڑھائی میں گھی چڑھائے پوریاں تل تل کر ڈھیر لگا رہی ہے۔ یہ گیارہ بارہ برس کی کنواری بچی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک جنونی ایسی کیفیت نظر آرہی تھی۔ بال بکھرے ہوئے، آنکھیں خونِ کبوتر۔ میں نے اس سے مُخاطب ہوکر پُوچھا:۔ کیوں بہن کیا حال ہے؟۔ شہزادی بیگم نے ایک لمحہ مجھے غور سے دیکھا اور پورے ہوش وحواس سے بولی کہ میں بہت دنوں سے روزے رکھتی ہوں کل بھی میرا روزہ تھا۔ رات کو سحری کے لئے میں نے کھیر پکا کر تھالی میں جما دی تھی اور ابھی جاگ ہی رہی تھی کہ آپ کے میاں صاحب گھر میں آگئے۔ اور اُن کا پاؤں، میری کھیر کی تھالی میں پڑ گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگے:۔ شہزادی! ایسی جگہ کھیر کی تھال رکھ دیتی ہے کہ ہمارا پیر جل گیا۔

میں لیٹے سے بیٹھی ہوگئی۔ آپ کے میاں صاحب وہاں بیٹھ گئے تھے جہاں میری آٹا پیسنے کی چکی رکھی ہے۔ پھر مجھے پاس بُلا کر اپنا مُرید بنایا اور میرے بھائی کا نام بھی جوہری سے بدل کر ظہور الحق رکھ دیا۔ پھر بولے کہ ہم کل آئیں گے تو تجھے شجرہ دیں گے اور دوپہر کا کھانا بھی تیرے ہاتھ کا پکایا ہُوا کھائیں گے۔ کھیر پوری تیار کر لینا۔۔۔ پھر، وہ

غائب ہوگئے۔ میں نے اپنی ماں کو جگا کر سارا قصّہ سُنایا۔ مگر اُسے یقین ہی نہیں آتا۔ میں نے اُسے یقین دلانے کے لئے تھال کی کھیر میں میاں صاحب کے پاؤں کا نشان بھی دکھایا۔ بھیّا کو بھی دِکھایا، دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا ہے۔ مگر کوئی مانتا ہی نہیں۔ ان لوگوں نے وہ تھالی کئی بار رگڑ رگڑ کر دھوئی ہے۔ مگر وہ نشان تھالی میں سے نہیں جاتا ہے۔ مجھے اُس نے وہ تھالی دکھائی۔ واقعی سرکارؒ کے قدم مُبارک کا نشان صاف نظر آرہا تھا۔

مگر میں بھی کیا کرتا۔ اس لئے کہ میں تو ایک دن پہلے سرکارؒ کو خود ناگپور شریف کی ٹرین میں سوار کرا چکا تھا اور میرے ہی سامنے سرکارؒ تشریف لے گئے تھے۔ میں نے لڑکی کو ہر چند سمجھایا۔ سرکارؒ کے ناگپور شریف چلے جانے کا واقعہ سُنایا۔ اُس کو بتایا کہ بھلا سرکارؒ آج کیسے آسکتے ہیں تیرے پاس۔ تُو اتنی پوریاں نہ تَل۔ ہاں یہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ حضورؒ ۳، ۴ ماہ بعد جب واپس تشریف لائیں گے تو تیرے گھر پر اُنہیں ضرور لاؤں گا۔ مگر، شہزادی بیگم تھی کہ مانتی ہی نہیں تھی، اور برابر کہے جاتی تھی کہ واہ، کیا میاں صاحب جھوٹ بول سکتے ہیں۔ اُنہوں نے مجھ سے آج ہی آنے کو کہا ہے۔

میں سوچتا رہا کہ شہزادی آخر سرکارؒ کو کیسے پہچان سکتی ہے۔ اس نے انہیں دیکھا ہی کب ہے؟۔

پھر مجھے یاد آیا کہ کوئی چھ ماہ قبل سرکارؒ چھتاری سے طالب نگر، نواب بہادر صاحب کے ہاتھی پر تشریف لے جا رہے تھے۔ پیچھے میں بھی بیٹھا تھا اور وہ ہاتھی جب یہاں پہونچ سے گزرا تھا تو موضع کی مستورات چھتوں پر جمع ہوگئی تھیں۔ شہزادی بھی ان میں شریک ہوگی۔ چنانچہ جب میں نے اس سے کہا کہ تُو میرے میاں صاحب کو کیا جانے، تُو نے ان کو دیکھا ہی کب ہے جو یہ قصّہ سنا رہی ہے۔ تو، میرے یہ کہنے پر شہزادی نے بلا تردّد بتایا کہ واہ میاں صاحب کے ساتھ اُس دن آپ بھی تو بیٹھے تھے۔ جب یہاں سے ہاتھی گزرا تھا۔ پھر وہ سرکارؒ کا حُلیۂ مُبارک بتانے لگی۔ میں لاجواب ہونے کے باوجود بھی اُسے سمجھاتا رہا کہ پکوان تیار نہ کر۔ مگر وہ کہتی تھی کہ "بس وُہ تو اب آتے ہی ہوں گے"۔ اس کی کیفیت فرو نہ ہونا تھی، نہ ہوئی۔ ناچار مجھے اپنی قیام گاہ پر لوٹ آنا پڑا اور میرے ساتھ گاؤں کے چند دیگر افراد بھی آگئے۔ ہم سب کو ابھی یہاں

پہنچے ہوئے ۱۵۔۲۰ منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ جنگل کی سمت سے غبار اُٹھتا ہُوا نظر آیا۔ اور کچھ لوگوں کو اس غبار میں ایک رتھ بھی نظر آیا۔ (رتھ میں دو بیل جوڑے جاتے تھے اُس کی چھت تین چھوٹے بڑے بُرجوں جیسی ہوتی تھی اور اس پر لمبے پردوں کا غلاف چڑھا ہوتا تھا کہ جب چاہیں پردے گرادیں۔ یہ سواری بادشاہوں، نوابوں، راجوں کی سواری میں ہی بالعموم کام آتی تھی) یہ غبار ہمارے قریب آتا جارہا تھا۔ حتیٰ کہ رتھ صاف نظر آنے لگا۔ رتھ نواب بہادر صاحب طالب نگر کی خاص سواری کا تھا۔ خیال گزرا کہ اس سخت گرمی اور لُو کی تپش میں نواب بہادر صاحب کہاں آنکلے۔ یکایک جیسے دل پر القا ہوا ہو۔ "سرکارؒ تشریف لے آئے"۔ یہ خیال آنا تھا کہ میں دیوانہ وار اُٹھ کر رتھ کی طرف بھاگا۔ میرے عقب میں دوسرے لوگ بھی دوڑے۔ رتھ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ تنِ تنہا میرے سرکارؒ رتھ میں بیٹھے ہیں۔ خوشی، حیرانی، بیتابی، شیفتگی کا ایک ہجوم تھا جو مجھے چھایا چاہتا تھا۔ میں رتھ کے پہیوں کے پاس ہی تپتی زمین پر سجدہ ریز ہوگیا۔ سرکارِ والاؒ مسکرائے اور ارشاد ہُوا:- "کسی کی یاد نے ناگپور کا آدھا راستہ طے ہوجانے کے باوجود بھی ہمیں واپس بُلالیا"۔

سرکارؒ بنگلے میں تشریف لائے۔ لُو سخت تھی۔ خس کی ٹٹیوں پر تازہ پانی چھڑکا جانے لگا۔ جیسے دیکھئے حیران بھی تھا اور پھُولا بھی نہ سمارہا تھا۔ میں جلدی سے باہر آیا کہ مُرغیاں ذبح کراکے کھانا تیار کراؤں، کہ سامنے وُہی جوھری روغن گر آ کھڑا ہوا اور مجھ سے نظر ملتے ہی بولا:- خزانچی صاحب! میری بہن کا خواب سچا ہوگیا۔ کھانا تیار ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ جاؤ میاں صاحب کو بُلا لاؤ ـــ میں نے جوہری سے کہا کہ اتنی سخت گرمی ہے۔ لُو چل رہی ہے۔ میں یہیں کھانا تیار کرارہا ہوں۔ تم بھی کھانا یہیں لے آؤ۔ میں ابھی جوھری سے اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اندر سے سرکارؒ کی آوازِ مبارک آئی:- "شوکت"

بھاگ کر حاضر ہوا۔ فرمایا:- "ہمارے پیچھے پیچھے بہت کھانا آرہا ہے۔ نواب بہادر صاحب بھی آرہے ہیں۔ کھانا تیار نہ کرانا"۔

عرض کیا:- ایک جگہ اور بھی کھانا تیار ہوچکا ہے۔ میں وہاں سے کھانا منگوالوں؟

ارشاد ہوا:- ہم وہی کھانا کھانے کے لئے تو واپس آئے ہیں۔ اُس کے گھر چلو۔ کھائیں گے۔ اتنا فرمایا اور سرکارؒ کھڑے ہوتے ہی، بغیر راستہ بتائے، از خود جوھری کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے، ٹھیک اُسی کے گھر پر پہنچے اور اندر گھُسے چلے گئے۔ پھر عین اُسی مقام پر جاکر بیٹھ گئے، جہاں چکّی کے پاس سرکارؒ کو بیٹھے ہوئے اُس بچّی شہزادی نے دیکھا تھا۔ اسی اثناء میں نواب بہادر عبدالسمیع خان صاحب یُوسفی تاجی (رئیسِ طالب نگر) حاضر ہوگئے۔

سرکارؒ نے شربت طلب فرمایا۔ شربت پیش کیا گیا۔ اس میں سے ایک گھونٹ لیا اور شہزادی کو بُلا کر شربت کا گلاس دے دیا۔ لڑکی نے شربت پی لیا۔ داخلِ سلسلہ ہوگئی۔ سرکارِ والاؒ نے اپنی جیب سے گلدستہ شریف (شجرۂ عالیہ) نکال کر شہزادی کو عطا فرمایا۔ اس کے بعد اُس کے بھائی جوہری کو داخلِ سلسلہ فرمایا اور اُسی وقت اس کا نام ظہور الحق تجویز فرمادیا۔ پھر اُس لڑکی کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا:- "شہزادی بیٹی کا کھانا ہم کھائیں گے"۔ پھر ارشاد ہوا:- "ہمارے ساتھ جتنا کھانا ہے، گاؤں والوں میں تقسیم کردیا جائے"۔ حکم کی فوری تعمیل ہوئی۔ نواب بہادر صاحب اور ہم سب نے سرکارؒ کے دستر خوان پر، بہن شہزادی یُوسفیہ تاجیہ کی تیار کردہ کشفی کھیر پوری، شکم سیر ہوکر کھائی۔ کھانے کے بعد سرکارؒ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ شہزادی پر اس قدر شدید گریہ طاری ہوا کہ وہ بے ہوش ہوگئی۔ سرکارؒ نے ٹھنڈا پانی منگا کر تھوڑا نوش فرمایا اور باقی پانی اُسے پلوایا تو بچّی کی کیفیت رفع ہوگئی۔

بنگلے پر واپسی ہوئی۔ شام کو روانگی ہوگئی اور چھتاری، طالب نگر، علی گڑھ وغیرہ میں یک جائی عُرس آراستہ کئے جانے کا حکم بھیج دیا گیا۔ یہ عرس مبارک نرالی ہی دُھوم دھام اور شان و شوکت کا ہوا تھا۔

ظہور الحق یُوسفی اور عزیزہ شہزادی یوسفیہ کے گھر پر کھانے کے بعد ہی میں نے شہزادی کی کھیر والی تھالی میں نقشِ قدم، چکّی کے پاس نشست اور جوہری کا نام ظہور الحق رکھ دینے کے بارے میں شہزادی کے کشف کی سرگزشت عرض کی۔ سرکارؒ نے میری طرف جلال کے ساتھ دیکھا اور فرمایا:- "آیا ہوگا کوئی۔ پڑ گیا ہوگا کسی کا نقشِ قدم۔ اِس ذکر سے

آخر آپ کا منشاء کیا ہے۔ ہمیں کوئی ایڈورٹائز مینٹ نہیں کرنا۔" میں اپنی اِس بے ادبی پر سخت نادم تھا۔

سرکارؒ تشریف لے گئے۔ ہم لوگ بھی ہمرکاب واپس ہوئے۔ یہاں شہزادی بہن کی تھالی میں سرکارؒ کے قدم مُبارک کے نشان کا شُہرہ دُور دور پھیل گیا۔ اور تھالی کی زیارت کے لئے صدہا مُسلمان اور ہندو آتے رہے۔ بہن شہزادی پر جذب کا غلبہ ہوگیا۔ کشف بہت بڑھ گیا تھا۔ روزانہ دونوں وقت اس کا یہ معمول تھا کہ کھانا اُس وقت تک نہ کھاتی جب تک، یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ سرکارؒ طعام تناول فرما چکے ہیں اور یہ معمول ایسی حالت میں بھی جاری تھا کہ پلہونہ سے سرکارؒ دو دو سو، چار چار سو بلکہ نوساڑھے نوسو میل کے فاصلے پر مُقیم ہوتے۔

کم و بیش ایک سال بعد سرکارؒ کا گزر پلہونہ میں ہوا۔ یہاں کے مُریدین اور دیگر حاضرین نے عرض کیا کہ حضور! آپ خواہ کہیں بھی ہوں، شہزادی روزانہ اُس وقت تک کھانا نہیں کھاتی جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ حضور کھانا تناول فرما چکے ہیں۔ شہزادی کے کشف کی یہ تعریف، اُس کی موجودگی میں سُنائی گئی تھی۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ "یہ تو کوئی تعریف کی بات نہیں ہوئی۔ رُوئے زمین پر گھوڑوں کا بادشاہ گھوڑا ہی ہوتا ہے۔ جب تک وہ علی الصبح اپنے راتب میں مُنہ نہیں ڈالتا، کوئی گھوڑا اپنے راتب میں مُنہ نہیں ڈالتا۔ تو جب یہ کمال جانوروں میں ہے تو ایک انسان سے یہ آداب ظاہر ہو جائیں تو کونسا کمال ہو گیا۔ اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟"

گفتم دعائے دولتِ او وردِ حافظ است
گفت ایں دعا ملائکِ ہفت آسماں کنند

شہزادی کے والدین نے اُس کے جذب و جنون کے دیگر واقعات عرض کئے۔ حضرتؒ نے حکم دیا:۔ "اس کی شادی کردو!" چنانچہ شادی کر دی گئی اور جس گاؤں میں وہ بیاہ کر گئی، وہاں بھی اُس کی بزرگی کا سکّہ چلتا رہا ؎

تا مرا عشقِ تو تعلیمِ سخن گفتن کرد
خلق را وردِ زباں مدحت و تحسینِ منست

سرکارؒ حرمین الشریفین میں

تاج المحبّین والمحبوبین، فخر العشّاق والموحّدین، مظہرِ کلِ اوّلین و آخرین، سیّدنا، سندنا، غوثنا، غیاثنا، مولانا و مرشدنا حضرت غوث السیّد محمّد بابا یوسف شاہ تاجی قدس سرہٗ العزیز نے تین حج فرمائے۔ پہلا ۱۹۳۰ء میں، دوسرا ۱۹۳۵ء میں، تیسرا ۱۹۴۵/۴۴ء میں۔

مدینہ منوّرہ سے طلبی

۱۹۳۰ء میں رمضان المبارک کی پہلی تراویح سرکارؒ نے موضع آدون (ریاست چھتاری۔ یو، پی) میں پڑھائی تھیں۔ یکم رمضان المبارک کو آپ علی گڑھ تشریف لے گئے۔ چندنیاں کوٹھی میں قیام فرمایا، یہیں دوسری تراویح پڑھائیں۔ تراویح سے فارغ ہوکر سرکار والا تبارؒ نے نواب بہادر عبدالسمیع خان صاحب یُوسفی (رئیس طالب نگر) سے فرمایا:۔ ہمارا قصد مدینہ شریف، حاضری کا ہے۔ ۳ر رمضان کو ہم روانہ ہو رہے ہیں۔

سرکارؒ کے پاس سے جانے کے بعد نواب بہادر صاحب نے اپنے مہتمم ریاست کو طلب فرما کر حکم دیا کہ صبح ہمیں سات ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ فوری انتظام کرو۔ مہتمم ریاست نے عرض کیا کہ میں نے کل ہی مبلغ تیس ہزار روپے مال گزاری کے جمع کرا دیئے ہیں۔ اس وقت خزانے میں ایک سو روپے کے قریب باقی بچا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ اس جواب سے نواب بہادر صاحب پر کیا گزری ہوگی۔ نواب بہادر صاحب نے اپنے چند رازدار برادران طریقت سے مشورہ کیا۔ ہم لوگوں کی سمجھ میں کوئی تدبیر نہیں آئی۔ آخرکار سب کی رائے یہ ہوئی کہ صبح سرکارؒ سے سارے حالات عرض کر کے گزارش کی جائے کہ حضور اس سال ارادہ ترک فرمادیں۔ صبح ۲ر رمضان

المبارک تھی۔ ہم سب نے اب سوچنا شروع کیا کہ کون شخص، کن الفاظ میں سرکارؒ سے التواءِ سفر کی درخواست کرے؟

ابھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پائے تھے کہ ایک اجنبی شخص ہندوانہ لباس میں ملبوس ہمارے کمرے میں آیا اور کہا کہ میں حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ مجھے وہاں فوراً پیش کرا دیجئے۔ ہم لوگوں نے اس کی اجنبیت کو دیکھتے ہوئے، اُس سے کہا کہ آپ بیٹھ جائیے! یوُں بے دھڑک سرکارؒ کے پاس حاضری نہیں ہوسکتی۔ حضرت ابھی آرام فرما رہے ہیں۔ یہ گفتگو بہت دھیمے لہجے میں سرکارؒ کی فرودگاہ سے فاصلے پر ہو رہی تھی کہ سرکارؒ کی آواز آئی:۔

"اِس شخص کو ہمارے پاس آنے دو"۔ آواز کی طرف وہ اجنبی صاحب لپکے۔ ہم لوگ بھی لپک کر سرکارؒ کے روبرو حاضر ہو گئے۔ اجنبی صاحب جاتے ہی سرکارؒ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ سرکارؒ نے تبسم فرمایا اور بڑی شفقت بھری نظروں سے اُنہیں دیکھتے ہوئے فرمایا:۔ "ارے تُو یہاں تک پہونچا کس طرح؟" اجنبی صاحب نے عرض کیا کہ حضور! صُبح چار بجے جون پور سے چلا تھا۔ ریل سے آیا ہوں۔ آپ نے خواب میں فرمایا تھا کہ ہم حج کو جا رہے ہیں۔ تُو طالب نگر پہنچ جا۔! بس یہ حکم ملتے ہی چل پڑا۔ سرکارؒ بہت ہنسے۔ اسی اثناء میں اُن اجنبی صاحب نے نوٹوں کی موٹی موٹی گڈیاں نکال کر سرکارؒ کو نہایت ادب سے پیش کیں اور عرض کیا کہ حضور! یہ میری آٹھ دس سال پُرانی آرزو تھی کہ آپ جب کبھی حج کے لئے جانا چاہیں تو اس غلام کی اکلِ حلال کی کمائی سے سفر فرمائیں۔ آج میری آرزو برآئی ہے۔

سرکارؒ نے نواب بہادر صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:۔ "میاں! سفرِ حج کے ضروری اخراجات کیلئے کتنی رقم ہونا چاہیئے؟ نواب بہادر صاحب نے عرض کیا، سرکار کم سے کم چھ ہزار روپے درکار ہوں گے۔ اتنا سنتے ہی سرکارؒ نے اُن اجنبی صاحب سے فرمایا:۔ اس میں سے صرف چھ ہزار روپے ہمارے لئے نکال دو۔ باقی چار ہزار روپے واپس لے جاؤ۔ میں حیران تھا کہ رات دن میں روپیہ گنتا ہوں۔ لیکن ان گڈیوں کو دیکھ کر میں نہیں بتا سکتا تھا کہ یہ کس قدر

روپیہ ہوگا۔ لیکن سرکارؒ یہ کیونکر فرما رہے ہیں؟۔ اجنبی صاحب سرکار کے قدموں پر لوٹنے لگے، وہ زار و قطار رو رہے تھے اور التجا کر رہے تھے کہ یہ سارے پیسے قبول فرما لیں۔ مگر سرکارؒ نے باقی رقم قبول نہیں فرمائی۔ بالآخر انہیں چھ ہزار روپے گن کر الگ کرنا پڑے۔ باقی رقم واقعی چار ہزار تھی۔ انہوں نے جیب میں رکھ لی اور گریہ جاری رہا۔

اسی وقت سرکارؒ نے حکم دیا کہ سب لوگ تیار ہو جائیں اور دِلّی تک ہمارے ساتھ چلیں۔ تھوڑی ہی دیر میں کاریں، بنگلے میں سرکارؒ کے کمرے کے سامنے لگا دی گئیں۔ سرکارؒ موٹر کار میں جلوہ افروز ہو گئے تو ہم سب بھی دوڑ دوڑ کر سوار ہونے لگے کہ یکایک ایک اجنبی دہقانی آیا اور سرکارؒ کی کار کے سامنے ہاتھ لمبے کر کے کھڑا ہو گیا۔ پھر دونوں ہاتھ جوڑے سرکارؒ کی طرف پہنچا اور ڈھیر سارے نوٹوں کی گڈیاں سرکارؒ کے قدموں میں ڈال کر، دست بستہ گڑگڑا کر بولا:۔ "حضور! میری مدتوں کی تمنّا تھی کہ آپ جب بھی حج کا قصد فرمائیں تو میری اس حلال کمائی کو بطورِ سفر خرچ قبول فرما لیں۔ میری دیرینہ تمنّا اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی ہے۔ رات خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لے جا رہے ہیں۔ پس میں اُسی وقت یہ رقم لے کر ریلوے اسٹیشن پہونچا اور اس قدر طویل سفر حضور ہی کے کرم سے بروقت پورا ہو گیا۔ حضرت نے اپنا مخصوص قہقہہ بلند فرمایا۔ کار سے اُتر آئے اور فرمایا:۔

"یک نہ شُد دو شُد"۔ "بابا کے بھی عجب عجب انداز ہیں، سبحان اللہ"۔ پھر وہ ساری رقم جو پائیدان پر پڑی تھی سرکارؒ نے خود اٹھائی اور اِن نَو وارد اجنبی دہقانی صاحب کو مرحمت فرماتے ہوئے فرمایا:۔ اگر تُو پہلے آجاتا تو ہم اس رقم سے سفر کر لیتے۔ اب یہ رقم تم اپنے پاس رکھو۔ یہ ہمارے پاس ہی تو ہے۔ ان صاحب کی حالت غیر ہوئے جا رہی تھی۔ روتے روتے اور قدموں میں لوٹتے لوٹتے بے سُدھ ہوا چاہتے تھے۔ ملتجی تھے کہ یہ رقم تو حضور قبول فرما ہی لیں۔ سرکارؒ نے ان دہقانی صاحب کے سر پر ہاتھ رکھا، اُٹھنے کا حکم دیا اور فرمایا اچھا تو ہم آئندہ جب حج کو جائیں گے تو وعدہ کرتے ہیں تمہاری تمنا پوری کر دیں گے۔ اب تم ہمارے حکم سے یہ رقم لے جاؤ اور بینک میں اپنے نام سے جمع کرا دو۔ اس کے بعد سرکارؒ کا یہ مبارک قافلہ

علی گڈھ ریلوے اسٹیشن کے لئے روانہ ہوگیا۔ (بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دونوں اجنبی حضرات جونپور کے باشندے، ہمارے پیر بھائی تھے اور خود بھی دونوں چھوٹے بڑے سگے بھائی تھے، اور تمباکو خوردنی و کشیدنی کا کاروبار کرتے تھے)

دہلی جنکشن ریلوے اسٹیشن پر سب سے زیادہ حیران کن منظر یہ پیش آیا کہ جب گاڑی ٹھیری تو سرکارؒ کے ڈبّے کے سامنے پلیٹ فارم پر حضرت مولانا عبدالسلام نیازی دہلوی اور خواجہ عطاء الرحمٰن صاحب دہلوی، پھولوں کے گجرے ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے اُن سے ذرا پیچھے حضرت مولانا محمد علی وارثی اور حضرت مولانا ایوب صاحب پانی پتی رحمہا اللہ تعالیٰ بھی گلاب کی موٹی موٹی مالائیں اور گجرے لئے موجود تھے۔

سرکارؒ اپنے احباب کو دیکھ کر اتنے مسرور ہوئے کہ کیفیتِ انبساط چشم و ابرو، چہرے بشرے سے ہویدا تھی۔ ان میں سے ہر ایک بزرگ کہتے تھے کہ ہمارے ہاں قیام فرمائیے کیونکہ بمبئی جانے والی ٹرین اب کل ہی ملے گی۔

سرکار نے دہلی سینٹرل ہوٹل میں قیام فرمایا اور اپنے احباب علماء و مشائخ کو بھی وہیں لے گئے اور رات کے لئے دعوتِ طعام بھی دے دی۔ ہوٹل ہی میں محفلِ سماع آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ تمام شب یہ محفل آراستہ رہی۔ دہلی کی مشہور کئی مغنیاؤں نے بھی قوالی میں حصہ لیا۔ یہ محفلِ سماع بزم قدسیاں معلوم ہوتی تھی۔ علی الصبح سماع ختم ہوا۔ نمازِ فجر شروع وقت میں ادا کی گئی اور قافلۂ روحانیاں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہٗ کی درگاہ شریف پر جا پہنچا۔ سارے قوال بھی ہمرکاب تھے۔ درگاہ شریف میں پہنچتے ہی محفلِ سماع آراستہ کردی گئی۔ دن کا ایک بج گیا۔ حضرت سید ضامن علی نظامی نے کہ سرکارؒ کے وکیلِ دربار تھے۔ فرمایا کہ حضرت! بمبئی کی گاڑی ڈیڑھ بجے روانہ ہوجائے گی۔ اب ایک بجا ہے۔ دہلی جنکشن اسٹیشن تک پہنچنے میں دو بج جائیں گے۔ کل کیلئے ارادہ ملتوی فرمادیجئے۔ کچھ اور پیرزادگان نے بھی تائید کی۔ سرکارؒ نے متبسم ہوکر فرمایا:۔ سب لوگ گاڑی کا انتظار کرتے ہیں، مگر گاڑی بھی تو کبھی کبھی کسی کا انتظار کرلیتی ہوگی؟ ۔ اتنا فرما کر ایک دم کھڑے ہوگئے اور فرمایا:۔

"اے چلو چلو، اسٹیشن پر نہ جانے کون کون ہمارا انتظار کررہا ہے"۔

درگاہ شریف کے باہر باؤلی کی طرف بسیں کھڑی تھیں۔ سب سوار ہوگئے۔ اسٹیشن پہنچے تو دو بج رہے تھے۔

سرکارؒ کے ساتھ آنے والے صوفیاء و مشائخ اور درگاہ شریف کے پیرزادگان نے خوش ہوکر کہا کہ حضرت! ہماری آرزو برآئی۔ آج ہماری طرف سے دعوتِ سماع و طعام قبول فرمائیے۔ اندر اسٹیشن میں چلنے کی ضرورت اب کیا ہے۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ ہم اپنا ارادہ بدلا نہیں کرتے۔ بمبئی تو آج ہی جانا ہے۔ سب خاموش ہوگئے۔ کئی آدمی دوڑ کر ریلوے کے دفترِ معلومات پر پہنچے۔ معلوم ہوا کہ آج گاڑی کے لیٹ ہونے کا وقفہ بڑھتا ہی چلا جارہا ہے۔

ادھر تو لوگوں کی یہ دوڑ دھوپ جاری تھی، اُدھر سرکارؒ نہایت بے نیازانہ شان سے الوداع کہنے والوں سے پھولوں کی مالائیں اور گجرے پہن رہے تھے اور بالکل خاموش، نظریں نیچے جھکائے سروقامت کھڑے مسکرا رہے تھے۔ خواجہ عطاء الرحمٰن صاحب دہلوی نے حیرانی سے کہا:۔ حضرت! گاڑی آج خوب لیٹ ہوتی۔ یہ بھی آپ کی کرامت ہے۔ ابھی معلوم ہوا ہے کہ گاڑی پانچ منٹ بعد پلیٹ فارم پر پہنچ رہی ہے۔

گاڑی آگئی تو سرکارؒ نے سب سے رخصت ہونا شروع فرمایا۔ سامنے ہی جو بوگی کھڑی تھی اس میں محترمہ اماں جی صاحبہ اور سرکارؒ کی بڑی صاحبزادی صاحبہ شاہزادی بیگم (المعروف بیگم بی بی) اور اماں جی صاحبہ کی نومولود بچی ثریا بیگم کو بٹھا دیا گیا۔ ان خواتین کو حج پر سرکارؒ کے ہمرکاب رہنا تھا۔ سرکارؒ نے دُعا فرمائی۔ سب کو اپنے اپنے گھروں کو جانے کا حکم دیا۔ گاڑی روانہ ہوئی تو سرکارؒ دُور تک کھڑکی سے گردن نکالے اپنا رومال ہلاتے رہے۔

روانگی سے ذرا پہلے حکم دیا:

علی گڈھ، خورجہ، بلند شہر، اترولی، چھتاری، طالب نگر وغیرہ میں الگ الگ، باباؒ کا عرس کرنے کی بجائے اس مرتبہ مشترکہ طور پر طالب نگر باغ میں عرس کیا جائے۔

۲۶۔ محرم کو عرس شریف کے دن ہم بھی مدینۂ شریف سے پہنچ جائیں گے۔

رمضان المبارک سے محرم الحرام تک سرکارِ والا علیہ الرحمۃ حرمین الشریفین میں رہے۔

۲۴ محرم الحرام سے حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس، سرکارؒ کے حکم کے مطابق تاج باغ (طالب نگر) میں منعقد ہوا۔ زائرین کے جھالے کے جھالے آرہے تھے اور مقیم ہوتے چلے جارہے تھے۔ اجمیر شریف اور دہلی سے بھی صاحبزادگان تشریف لے آئے۔ اس نواح میں اتنا بڑا عرس کبھی نہیں ہوا تھا۔ پانچ روز تک یہ جشنِ عرس منایا جاتا رہا۔ کہیں قرآن خوانی ہورہی ہے۔ کہیں محفلِ میلاد سجی ہوئی ہے۔ کہیں درود شریف کا ورد ہورہا ہے۔ کہیں قوالیاں ہورہی ہیں۔ ۲۶۔ محرم باباصاحبؒ کا یومِ وصال ہے۔ یکایک بغیر کسی سُن گن اور اطلاع کے عین ۲۶ محرم کو سرکارؒ مدینہ شریف سے چل کر طالب نگر کے باغ میں ایسے وقت پہنچ گئے کہ محفل سماع گرم تھی۔ سرکار تشریف لائے تو خوشی کا جو عالم تھا اسے تحریر میں لانے کو لفظ نہیں ملتے۔ رقصِ طاؤس جن لوگوں نے دیکھا ہے، وہی کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کا رُواں رُواں خوشی سے ناچ رہا تھا۔ لوگوں کی چال ڈھال میں اُٹھنے بیٹھنے میں مستی پیدا ہوگئی تھی۔ سرکارؒ تشریف لائے اور یکایک محفل میں چپ چاپ صدر نشین ہوگئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابتداء سے ہی یہیں تشریف فرما ہیں۔ بلا امتیاز مذہب وملت زائرین شریکِ عرس تھے۔ انوار و تجلیات کی جھما جھم بارش ہورہی تھی۔

---o---

سرکارؒ کے حالاتِ حج اور حرمین الشریفین میں طویل قیام کی تفصیلات افسوس ہے کہ دستیاب نہ ہوسکیں۔ واپسی پر آپ کے ہمراہ ایک عرب بزرگ تھے جن کا نامِ نامی شیخ علی کابلی مدنی تھا۔ یہ نسل در نسل سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے کلید بردار تھے اور سرکارؒ سے وہیں بیعت ہونے کے بعد ہمرکاب تھے۔ لیکن وہ عربی کے علاوہ کوئی زبان بولتے اور سمجھتے نہیں تھے۔ لہٰذا ان سے ہم لوگ کوئی استفادہ نہ کرسکے۔ بس سرکارؒ سے ان کی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ سرکارؒ سے براہ راست کوائفِ حج معلوم کرسکنے کی جرات بھی ہم لوگ نہیں کرسکتے تھے۔ سرکارؒ کی

بڑی صاحبزادی بیگم بی بی صاحبہ الحمدللہ حیات ہیں۔ کراچی میں مقیم ہیں۔ ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ انہیں کچھ یاد نہیں رہا۔ صاحبزادی صاحبہ کے بڑے صاحبزادے کے انتقال نے ان کا حافظہ کو بری طرح متاثر کیا ہے۔

دوسرا حج ۱۹۳۵ میں

سرکارؒ دوسرے حج پر روانہ ہوئے تو آپ کے ہمراہ اماں جی صاحبہ، بڑی صاحبزادی محترمہ شاہزادی بیگم (بیگم بی بی) محترمہ ثریا بیگم (۵ سال) محترمہ ممتاز بیگم (۶ ماہ) کے علاوہ والیٔ طالب نگر نواب بہادر عبدالسمیع خان یوسفی، نواب صاحب کی بیگم صاحبہ، نواب صاحب کی صاحبزادی ناجرہ خاتون (مجو بی بی) لیفٹیننٹ محمد رضا خان، مینڈو والے نواب مشتاق صاحب، ان کی بیگم صاحبہ، نواب بہادر صاحب کے دو مرد ملازم رحیما اور بدلو اور دو خادمائیں بھی تھیں۔

سرکارؒ نے بڑی اماں جی صاحبہ (زوجۂ اول) کی دوسری صاحبزادی زیتون آپا کی شادی خانہ آبادی اسی سال اجمیر شریف کے ایک سیدزادے عبدالقدوس صاحب (جو آجکل پاکستان میں سکونت پذیر ہیں) سے فرمادی تھی اور اس فرض سے سبکدوش ہوتے ہی سفرِ حج کا قصد ظاہر فرمادیا تھا۔ سرکارؒ کے ہمراہی لیفٹیننٹ رضا کا جہاز ہی میں وصال ہوگیا اور تکفین و تجہیز کے بعد انہیں بحرِ عرب کی آغوش میں دے دیا گیا۔ کراچی سے بنبر شریف کے سجادہ نشین ساجد میاں صاحب بھی سرکارؒ کے رفیق سفر بن گئے تھے۔ اس حج کے کوائف ہم لوگوں کو حضرت ساجد میاں کی زبانی ہی معلوم ہوسکے۔ چناں چہ انہوں نے بتایا کہ :۔

ہم لوگ حضرت کے ساتھ جب جدّہ پر جہاز سے اترے تو آپ کے استقبال کے لئے بکثرت لوگ موجود تھے۔ منجملہ دیگر حضرات، ان لوگوں میں کلید بردار روضۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت شیخ علی کابلی مدنی پیش پیش تھے۔ یہی بزرگ ہمارے قافلے کو ایک مکان میں لے گئے اور ہماری مدارات فرمائی۔ سرکارؒ کے تو قدموں میں بچھے جاتے تھے۔ پھر ہمارا قافلہ مکہ معظمہ پہنچا۔ سرکارؒ نے مکہ شریف میں کرائے پر مکان لینے کی بجائے، ایک قریبی کھلے مقام پر اپنا خیمہ نصب

کرایا اور حضرت شیخ علی کابلی مدنی یوسفی تاجی سے فرمایا کہ کل پنجشنبہ کی فاتحہ یہیں ہوگی۔ آپ مکۂ مکرمہ کے تمام سادات کو ہماری طرف سے دعوتِ طعام دے آئیں۔ شیخ علی مدنی حیران ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! مکہ میں خاندانِ سادات کے بہت زیادہ لوگ ہیں۔ سرکارؒ نے فرمایا: "تو کیا ہوا۔ کیا یہ برکت والا اللہ کا گھر کچھ چھوٹا ہے؟"۔ شیخ علی مدنی چلے گئے۔ شام کو حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت کوئی ڈھائی ہزار نفوس ایسے ہیں جو صحیح النسل ساداتِ کبار سے ہیں۔ سب کو مدعو کر آیا ہوں۔ وقت کم ہے۔ تبرک کے اہتمام کا حکم دیجئے۔ کیا کھانا پکوایا جائے اور اس کی مقدار کس قدر ہو؟۔ سرکارؒ نے فرمایا کہ سوا من چاول کی بریانی کی ایک دیگ پکوالو۔ شیخ علی کابلی مدنی یوسفی صاحب اور ہم تمام ہمراہیوں کو اندیشہ ہوا کہ ایک ایک لقمہ بھی اگر تقسیم کیا گیا تو ایک دیگ میں سب لوگوں کو حصہ نہ مل سکے گا۔ مگر ادباً کہہ کچھ نہ سکے۔ اگلے دن پنجشنبہ تھا۔ سوا من چاول کی بریانی تیار کرائی گئی اور ما بین عصر و مغرب سرکارؒ کو مطلع کر دیا گیا کہ کھانا تیار ہے۔

سرکارؒ نے حکم دیا کہ بڑے بڑے خوان منگوالو جن میں دس دس بارہ بارہ آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر کھا سکیں۔ اب تو ہماری حیرانی اور پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ یہ کھانا دو ڈھائی ہزار افراد تو کجا دو ڈھائی سو افراد کیلئے بھی پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن شیخ علی سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے نہایت ادب سے عرض کیا: "یا شیخ اتنی بڑی تعداد، اس قدر کم کھانے سے کیونکر سیر ہو سکے گی؟"۔ سرکارؒ نے بلا کراہت و ناگواری کے فرمایا: "جس طرح ہم کہتے ہیں، کئے جاؤ۔ کیا یہ مکۂ مکرمہ برکت والا گھر نہیں ہے"۔

آسماں خوان، زمیں خوان، زمانہ مہماں
صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا، تیرا (اعلیٰ حضرت بریلویؒ)

بڑے بڑے خوان (تھال) منگوائے گئے۔ بعد مغرب گلدستہ شریف بالجہر پڑھا گیا۔ صلوٰۃ وسلام اور ایصالِ ثواب کے بعد سرکارؒ اٹھ کر سیدھے دیگ کے پاس

پہنچے۔ اپنے رومال سے دیگ کا منہ ڈھانپ دیا اور مدنی صاحب کو حکم دیا کہ دیگ کھول کر نہ دیکھی جائے۔ کسی بھی قاب سے بریانی نکال کر خوانوں کو بھرتے رہو اور کھلاتے رہو۔ چنانچہ اسی جنگل میں جہاں سرکارؒ کا خیمۂ مبارک نصب تھا، یہ حضرات سادات تشریف لاتے رہے اور اسی طرح دس دس بارہ بارہ حضرات ایک ایک خوان میں کھانا کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ دو سوا دو ہزار حضرات شکم سیر ہوگئے اور ہنوز نصف دیگ باقی تھی۔ حضرت علی مدنی نے یہ حال آکر بیان کیا۔ حکم ہوا کہ بچا ہوا سارا کھانا ساداتِ مکہ کے گھروں پر جاکر تقسیم کیا جائے۔ یہ صرف سادات ہی کا حصہ ہے دوسرے اس کے مستحق نہیں۔

اگلے روز اس واقعہ کی شہرت دور دور تک جا پہنچی۔ تا آنکہ سلطان حجاز ملک ابن سعود تک یہ خبر پہنچ گئی کہ دیارِ ہند سے کوئی شیخ طریقت آئے ہوتے ہیں اور انہوں نے جو دعوتِ سادات کی تھی وہ صرف ایک دیگ سے کی تھی جس میں سے نصف دیگ باقی رہی جسے بعد میں سادات ہی میں تقسیم کرایا گیا۔ سلطان ابنِ سعود، سرکارؒ کے پاس تشریف لائے اور اس کرامت کا ذکر حیرانی سے کیا۔ سرکارؒ نے نہایت عجز و انکسار سے فرمایا: "یہ برکت والا گھر ہے۔ مکان کے مکین کی یہ کرامت عام ہے۔ اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں"۔

سلطان نے آپ کو شاہی مہمان ہونے کی دعوت دی۔ سرکارؒ نے فرمایا: "ہم آپ ہی کے تو مہمان ہیں"۔ سلطان اس بلاغتِ کلام سے محظوظ ہوتے اور اور ان کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ انہوں نے سرکارؒ کو ایک عشائیہ قبول کرنے کی دعوت دی جسے آپؒ نے قبول فرمالیا۔ رخصت ہوتے وقت سلطان نے عرض کیا کہ یہاں کوئی دقت ہو تو فرمائیے۔ سرکارؒ نے فرمایا: ہم پان کھاتے ہیں۔ سنا ہے یہاں مشکل سے ملتے ہیں۔ سلطان ابنِ سعود نے اسی وقت حکم دے دیا کہ ہندوستان سے بکثرت پان منگواتے جاتے رہیں۔ چنانچہ حضرت کی خدمت میں روزانہ تازہ پان پہنچتے رہے۔ حرم شریف میں ایک نمازِ جمعہ کی امامت بھی سرکارؒ نے فرمائی۔ خطبے میں ہزارہا سامعین زار و قطار رو رہے تھے۔ نماز کے بعد عرب علماء باری باری

آپکے پاس آکر درخواست کرتے رہے کہ آپ اور بھی کچھ اوقات میں امامت فرمادیں۔ حضرت معذرت خواہ ہوئے۔ فرمایا: "ہمیں نماز پڑھانے سے زیادہ پڑھنے کا شوق ہے۔

حج کے بعد سرکارؒ مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے۔ وہاں بھی ساداتِ مدینہ کی دعوتِ طعام فرمائی۔ بعینہٖ اُسی کرامت کا ظہور مدینۂ طیبہ میں بھی ہوا۔ سلطانِ ابن سعود بھی مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ سرکارؒ کے پاس آئے اور عرض کیا، میرے لائق کوئی خدمت؟ سرکارؒ نے بڑے انکسار سے شاہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:- ہم چاہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں جب تک دل چاہے قیام کریں۔ قیام پہ پابندی نہ ہو۔ سلطان نے اسی وقت حکم دے دیا کہ شیخ کے قیام پر کوئی حد نہیں ہے۔ چنانچہ سرکارؒ والا تبار محرم الحرام تک وہیں مقیم رہے۔ مسجدِ نبوی میں کئی بار امامت فرمائی۔ واپسی سے دو دن پہلے وہیں کے خدام میں سے ایک بزرگ تشریف لائے۔ سرکارؒ سے مخاطب ہوئے کہ آپ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مہمانِ خصوصی ہیں۔ آپ کے ہمراہ کوئی صاحب ساجد نامی ہیں۔ مجھے بشارت ہوئی ہے کہ حضور اکرمؐ کی یادگاروں میں سے ایک تلوار اُن کو عطا کردوں۔ سرکارؒ نے ساجد میاں علیہ الرحمۃ کی طرف اشارہ کرکے تعارف کرایا۔ پھر ساجد میاں کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر فرمایا چلو مسجدِ نبوی ہی میں چلو۔ وہیں سے وہ تلوار لے لو۔ وہاں سے سرکار اٹھ کر چلے۔ ہم سب پیچھے پیچھے تھے۔ تلوار عطا ہوئی۔ (یہ تلوار درگاہ حضرت بہار الدین شاہؒ میں بمقام بنّیر شریف خانقاہ قادریہ حضرت ساجد میاں صاحبؒ کے پاس موجود تھی۔ لیکن تلوار کے اس عطیہ کی تعبیر ہم لوگ نہیں سمجھ پائے تھے۔)

۱۹۴۷ میں ملک تقسیم ہوا تو ساجد میاں صاحب علیہ الرحمۃ وہیں مقیم رہے۔ ہر سال گیارھویں شریف سے قبل پاکستان تشریف لاتے تھے۔ واپسی پر گیارھویں شریف، بنّیر میں کرتے تھے۔ کراچی آتے تو آتے ہی سرکار یوسف الاولیاءؒ کے مزارِ اقدس خانقاہِ عالیہ تاجیہ گٹر باغیچہ پر حاضر ہوتے۔

معلوم ہوا ہے کہ کچھ برس گزرے کہ انہیں خانقاہِ قادریہ کے اُسی حجرے

میں جہاں وہ رہتے تھے۔ ہندوؤں نے دستی ہتھیاروں سے شہید کردیا۔ اب وہ تلوار کہاں ہے؟ یہ اطلاع نہیں مل سکی ہے۔

تیسرا حج ۴۴/۱۹۴۵ء میں

سرکارؒ تیسرے حج پر بالکل تنہا تشریف لے گئے تھے۔ یہ ۱۹۴۴-۱۹۴۵ء کا زمانہ ہے۔ سرکارؒ کافی بیمار بھی تھے اور بہت لاغر ہو گئے تھے۔ مریدین کو اصرار تھا کہ سرکار کچھ صحت درست ہو لینے دیں۔ یا پھر کچھ خدام کو شرفِ معیت بخش دیا جائے۔ لیکن کسی کی نہ چلی۔ فرمایا ہم بالکل تندرست ہیں۔ ہم اکیلے کب ہیں۔ اس سفر کے حالات کا ہم لوگوں میں سے کسی کو کوئی علم نہ ہو سکا۔

ان کے بھید وہی وہ جانیں
دوجا کون، جو جانے

یوسفِ خوبی کا وُرُودِ اجمیر

۱۷ر اگست ۱۹۲۵ شمسی، یعنی ۲۶ محرم الحرام ۱۳۴۴ ہجری دوشنبہ، سات بجے شام تاج الاولیاء حضرت سید محمدؒ بابا تاج الدین ناگپوری نے دنیا سے پردہ فرمالیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

باباصاحبؒ کی فاتحہ چہلم اور تاج آباد شریف کی درگاہ کمیٹی کا جملہ انتظام و انصرام فرمانے کے بعد سرکار یوسف الاولیاء قدس سرہٗ ناگپور شریف سے مراجعت فرمائے اجمیر القدس ہوئے۔ یہ بات جہاں تک میرا خیال ہے اوائل نومبر ۱۹۲۵ کی ہے۔ سرکار والا تبارؒ نے اپنے نام لیواؤں کو مطلع فرما دیا تھا کہ اب ہماری مرکزی قیام گاہ، اجمیر شریف ہی ہوگی۔ چنانچہ جس روز سرکارِ عالیؒ کو ناگپور شریف سے اجمیر شریف پہنچنا تھا، ہم بہت سے پیر بھائی (جن میں بھائی خلیفہ خورشید احمد خانصاحب یوسفیؒ، بھائی مشتاق احمد صاحب (منشی بھیا یوسفیؒ) فیاض علی خان صاحب یوسفیؒ (ماسٹر فیاض) علی احمد خان صاحب یوسفیؒ (آجکل گھوٹکی سندھ میں مقیم ہیں بھی شامل تھے) پہلے سے اجمیر شریف پہنچ گئے تھے اور پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ ریل گاڑی سے مسافر اُتر اُتر کر باہر جانے لگے۔ ہم لوگ ایک ایک بوگی ڈھونڈھ آئے مگر سرکارؒ کسی کو نظر نہ آئے۔ وجہ یہ تھی کہ اِس مرتبہ سرکارؒ کا حلیہ شریف ہی جداگانہ تھا چاروں ابروصاف، گیروے رنگ کا کرتا ٹخنوں تک، ننگے سر، ننگے پاؤں۔ ہم لوگ بھلا کب پہچان سکتے تھے۔ سرکارؒ پلیٹ فارم پر اُترے۔ ہم لوگوں کے درمیان سے مسکراتے ہوئے باہر تشریف لے گئے اور باہر ایک تانگہ میں سوار ہونے کے بعد ہم لوگوں کو نام بنام آوازیں دیں ہم سب بھاگ کر تانگے میں پہنچے اور قدمبوس ہوئے۔ وہاں سے یہ قافلہ بھائی محمد شفیع صاحب (شفیع بابو) کے ہاں پہنچا۔ تھوڑی دیر یہاں بیٹھ کر سرکارؒ نے فرمایا کہ ہم درگاہ شریف جاتے ہیں۔ سرکارؒ کے ہم سب غلام بھی ہمرکاب تھے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ میں حاضری کے بعد، درگاہ کے جنوب مغرب کی طرف جھالرے کے اوپر، حدودِ درگاہ میں واقع ایک حجرہ میں آکر تشریف فرما ہوگئے۔ اس حجرے کے قابض و متصرف حضرت سید رفیع میاں صاحب

نیازی تھے۔ یہ بزرگ اجمیر شریف کے صاحبزادگان سے ہیں۔ اِس وقت وہ اپنے مہمان کچھ زائرین کو دربار غریب نوازؒ میں زیارت کے لئے لے کر گئے ہوئے تھے۔ وہ واپس آئے تو اپنے حجرے میں ایک ایسے درویش کو بیٹھے دیکھا جس سے وہ ناواقف بھی تھے اور یہ کہ مہمان ناخواندہ بھی تھے، لطف یہ کہ معتقدین کا ایک ہجوم ہمراہ۔ سرکارؒ کو دیکھتے ہی رفیع میاں چیں بہ جبیں ہوئے اور بولے:۔ شاہ صاحب اگر آپ غریب نواز میں حاضری کے لئے یہاں آکر بیٹھ گئے ہیں تو چلئے میں آپ کو سلام کرالاتا ہوں ورنہ میرا حجرہ فوراً خالی کردیجئے۔ میرے یہاں مقیم زائرین کو تکلیف ہوگی۔ سرکارؒ نے فرمایا: اِس جگہ کا نام کیا ہے؟۔ رفیع میاں نے کہا کہ یہ میرا حجرہ ہے۔ اسے محبوب منزل کہتے ہیں۔ سرکارؒ نے برجستہ ارشاد فرمایا "تب تو یہ محبوب منزل ہماری ہی قیام گاہ ہے"۔ رفیع میاں نے برہمی آمیز استہزائیہ لہجے میں کہا:۔ "یہاں آپ کی شاہ صاحبی نہیں چلے گی"۔ پھر کڑک کر بولے:۔ "کھڑے ہوجایئے!"۔ سرکارؒ نے اُسی تحمل اور سادگی سے فرمایا: "حضرت ہم جہاں کہیں بیٹھ جاتے ہیں پھر وہاں سے اُٹھا نہیں کرتے"۔ رفیع میاں صاحب کا تو گویا اب غصّے سے حال خراب تھا۔ طیش میں بھرے ہوئے بولے:۔ اچھا تو ابھی پولیس کو بلوا کر آپ کو اُٹھوائے دیتا ہوں۔ سرکارؒ نے بڑی نرمی اور متواضع لہجے میں فرمایا:۔ "ایسی زیادتی مہمانوں کے ساتھ تو روا نہیں۔ حضرت! پولیس کو نہ بلائیں۔ اگر پولیس آگئی تو ہمیں اُٹھائے گی اور ہمارے نیچے جو فرشی دری بچھی ہے اسے اُٹھائے گی اور پھر دری کے نیچے چٹائی بچھی ہے اُسے اُٹھائے گی۔ اس کے نیچے جو پکّی اینٹوں کا فرش ہے اسے اُکھاڑے گی۔ پھر اس کے نیچے ایک تہہ خانہ برآمد ہوگا۔ پولیس تہہ خانے میں جاکر بغیر لائسنس والے ہتھیار نکال لائے گی اور پھر ہم سب کو گرفتار کرکے لے جائے گی"۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت سید رفیع میاں صاحب حواس باختہ ہوگئے۔ وہ تحریکِ خلافت کا زمانہ تھا۔ ہندوستان میں فرنگیوں کے خلاف تحریک پورے زوروں پر تھی۔ اجمیر شریف میں کرفیو لگا ہوا تھا۔ ایک چاقو بھی کوئی اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اسی وجہ سے محبوب منزل کے نیچے پوشیدہ تہ خانے میں بغیر لائسنس کے ہتھیار چھپا دیئے گئے تھے اور اس بات کا علم رفیع میاں صاحب کے علاوہ کسی کو نہ تھا۔ یہ ہتھیار جب تہہ خانے میں اُتارے جارہے

تھے، تو ایک تلوار بھول چوک سے اِسی حجرے میں موجود کتابوں کی الماری میں کتابوں کے پیچھے پڑی رہ گئی تھی۔ سرکار یوسف الاولیاؒ نے پھر فرمایا:۔ "اور ہاں، سُنئے پولیس آئے اور اس سے پیشتر کہ یہ مدفون ہتھیار برآمد کرے، آپ اس سامنے والی الماری کو کھول کر میری تلوار میرے ہاتھ میں دے دیں تاکہ میں پولیس سے مقابلہ تو کر سکوں۔"

سیّد محمدؐ رفیع صاحب نیازی پر سرکارؒ کے اِس کشف سے اتنی ہیبت چھاگئی تھی کہ فوراً ہی کتابوں والی الماری کا قفل کھولا، الماری کو کتابوں سے جلدی جلدی خالی کیا تو دیکھا کہ ایک تلوار، چمڑا مُنڈھے ہوئے نیام میں رکھی ہوئی ہے۔ رفیع میاں صاحب نے جھپٹ کر وہ تلوار اٹھائی اور سرکارؒ کے دستِ مُبارک میں دے دی۔ سرکارؒ نے تلوار بے نیام فرمائی اور اُس کی جھنکار کا اشارہ فرماتے ہوئے پھر نیام پہنا دیا اور رفیع میاں کے ہاتھ میں دے دی اور ساتھ ہی فرمایا:۔ "اچھا حضرت ہم جاتے ہیں"۔ سرکارؒ کے ایک دَم اُٹھ کھڑے ہونے سے رفیع میاں سخت خوف زدہ ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید شاہ صاحب پولیس کو مطلع کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ چنان چہ نہایت ہی عاجزی سے بولے:۔ حضور! اب کہاں جاتے ہیں۔ یہ محبوب منزل تو اب آپ ہی کی ہے۔ یہیں مقیم رہیں۔ سرکارؒ نے فرمایا: "ہم جب بھی اجمیر شریف میں مقیم ہوا کریں گے تو یہیں قیام کریں گے۔ مگر اب تو ہمیں دوسری جگہ جانا ہے۔"

چناں چہ ۱۹۲۵ سے ۱۹۴۷ تک تقریبًا ۲۲ سال کی طویل مُدّت، حضرتؒ کا قیام اسی محبوب منزل میں ہوتا رہا۔ حضرت رفیع میاں صاحب کو سرکارؒ سے قلبی تعلق ہو گیا۔ سرکارؒ نے دربار حضرت خواجۂ اجمیریؒ کے لئے اپنا اور تمام اہلِ سلسلہ کا وکیل درباران کو مقرر فرما دیا۔ حضرت رفیع میاں صاحب کے بال بچے کراچی میں فروکش ہیں۔ وہ اجمیر شریف سے جب کراچی آتے تھے تو سرکار یوسف الاولیاؒ کے مزارِ اقدس خانقاہِ عالیہ تاجیہ پر برابر حاضر ہوتے رہتے اور درگاہ شریف کے معمولاتِ پنجشنبہ میں حسبِ معمول شرکت فرماتے تھے۔ قبلہ کا وصال تین چار برس ہوئے اجمیر شریف میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

چاہِ یُوسف

حضرت سبھائی سید ظہور الحسن یوسفی تاجی ایڈوکیٹ نے بیان فرمایا کہ میں غالبا ۱۹۳۲ء میں عرسِ مبارک حضرت تاج الاولیاء ناگپور شریف موجود تھا۔ عرس کے موقع پر ہزارہا مخلوق کا مجمع تھا۔ درگاہ شریف پر پانی ملنا دشوار تھا لوگ پیاس سے پریشان تھے، چونکہ حضرت قبلہ یہاں کی انتظامی کمیٹی کے صدر تھے۔ بہت سے مجمع نے حضرت کو گھیر لیا کہ حضرت پانی کا انتظام فرمائیں جس قدر پانی ٹرکوں وغیرہ سے جگہ بہ جگہ لاکر مہیا و دستیاب کیا جا رہا ہے قطعی ناکافی ہے۔ حضرت نے گھبرا کر فرمایا کہ ظہور الحسن جہاں میں کھڑا ہوں یہاں سے زمین کھود ڈالو میں نے فوراً پھاوڑا منگا کر کھُدائی شروع کی، ابھی سوا گز کے قریب کھودنے پایا تھا کہ پانی اُبلنے لگا اور اتنا پانی جاری ہوا کہ تمام مجمع سیراب ہوتا رہا۔ چنانچہ آج بھی یہی چشمہ چاہِ یُوسف کے نام سے مشہور ہے۔ یہ واقعہ تعجب خیز اس لئے بھی ہے کہ ناگپور میں کہیں اور کسی جگہ پانی ۲۰/۲۲ گز کا کنواں کھودنے پر نکلتا ہے۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُرِ بے بہا دیئے ہیں

عطائے سندِ محبُوبیت

سال ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ سرکار یدالاتیار کہ کا ٹھیاواڑ جوناگڑھ کے دورے سے فارغ ہو کر علی گڑھ تشریف لائے ہوئے تھے ہم خدامان سے بھائی خورشید احمد یوسفی تاجی اور علی احمد صابر یوسفی اور میں خود بھی چھتاری سے چل کر علی گڑھ حضور کی زیارت اور چھتاری لانے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے، جمعہ کا دن تھا۔ حضور سلطانی سرائے کے متصل منشی بھائی مشتاق احمد صاحب یوسفی کے ہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔ جُوں ہی ہم لوگ پہنچے کہ حضورِ انور منشی بھائی کے مکان سے نکل سڑک پر ہمارا انتظار فرما رہے تھے اور فرماتے جا رہے ہیں کہ شوکت، خورشید احمد۔ علی احمد چھتاری سے چل کر ہمارے پاس آنے کو پہنچے ہیں۔ پس ہم ان کو بھی اپنے ہمراہ لے کر علی گڈھ کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھیں گے۔

چنانچہ ہمارے پہنچتے ہی حضور معہ ہمارے اور علی گڑھ کے مریدوں کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ جامع مسجد پہنچے۔ حضور نے جوں ہی مسجد میں قدم رکھا تمام نمازیوں میں شور برپا ہو گیا اور اللہ اکبر کے نعرے لگنے لگے۔ اور ساتھ ہی اعلان کر دیا گیا، حضرت بابا مولانا عبدالکریم صاحب سجادہ نشین ناگپور جمعہ کی نماز کے بعد وعظ فرمائیں گے۔

چنانچہ حضور نے لبِ کشائیاں فرمانا شروع کیا۔ اور جبکہ حقیقتِ محمدی کی شرح و حقائق بیان فرما رہے تھے، سامعین دیکھ رہے تھے اور حیرت میں تھے کہ حضور کا لباس بار بار زرنگار ہوتا رہا۔ اور اسی طرح شکل و شباہت بھی تبدیل و متغیر ہوتی رہی تمام مسجد میں انوارِ الٰہی کی بارش کا سماں نظر آرہا تھا اور سامعین کے قلوب اس قدر سرشار و محو جمال و متحیر تھے کہ چیخوں و گریہ و زاری کی ایک صدا مسجد میں گونج رہی تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ حضرت غوث مبارک اس محفل میں تشریف فرما ہیں اور کوئی باآواز بلند کہتا کہ حضور نبی کریم بہ نفسِ نفیس موجود ہیں۔ غرضیکہ گھنٹہ سوا گھنٹہ یہی کہرام برپا رہا۔ بالآخر صلوٰۃ سلام کے ساتھ یہ محفل مبارک ختم ہوئی حضور ابھی ممبر سے نیچے اُترے ہی تھے کہ سینکڑوں آدمی دوڑ پڑے اور قدم بوسی و دست بوسی سے حضور کو مسجد سے باہر آنا دوبھر ہوگیا۔ الغرض کہ جب حضور پُر نور اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے تب میں نے دبی دبی زبان سے عرض کیا کہ حضور آج تو حضور کی شکل مبارک میں زیارت کرنے والوں نے کبھی غوث پاک کو اور کبھی سرکارِ دو عالم کو دیکھا۔

حضور نے بے نیازانہ انداز میں فرمایا کہ ہم تو آج درمیان سے ہٹ ہی گئے وہ خود ہی اپنا بیان آپ فرماتے رہے اللہ اکبر حضور نے اپنے مراتب کو اس قدر مخفی فرماتے ہوئے ادب کو ملحوظ خاطر فرمایا لب بند اور دل میں وہ جلوے بھرے ہوتے۔

اللہ رے جگر ترے آگاہ راز کا

غرضیکہ تیسرے پہر کو حضور پر جذبی کیفیات کا غلبہ اس درجہ طاری ہوا کہ آپ بڑی تیز رفتاری سے جنگل کی جانب روانہ ہوئے۔ عقب میں ہم خدام بھی ہمراہ تھے راہ میں میرے دل میں خیال آیا کہ حضور خود جملہ مراتب ولائیت کے منتہی و مالک ہیں مگر مجھے بھی کوئی مقام و مرتبہ عطا فرمایا یا نہیں کس طرح اس کی تصدیق ہو۔ حضور چلتے چلتے رُکے اور زمین سے ایک بیڑی کے بنڈل کے لیبل کا چھپا ہوا سرخ رنگ کا کاغذ جس پر محبوب انور کمپنی شائع تھا میری طرف بڑھ کر مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ لے یہ تیرے مرتبے کی سند ہے۔ میں تو مبہوت ہوا

بے مانگے ہوئے ملتے ساغر کو نہیں دیکھا
بابا سا سخی داتا ہم نے تو نہیں دیکھا

شوکت یوسفی

ایک مرتبہ ۱۹۳۰ء میں موضع ادون جو نواب صاحب چھتاری کی اسٹیٹ میں واقع ہے میری عرض معروض پر تشریف لے گئے چونکہ وہاں کے باشندگان باوجود راجپوت مسلمان ہونے کے جملہ

رسومات اہلِ ہنود ادا کرتے رہتے تھے اور دوران ماکیلا اس گاؤں میں مسلمانوں کی آبادی بلحاظ دیگر ملحق شدہ مواضعات کے بکثرت ہے۔ چنانچہ حضرت پیر و مرشد معہ نواب بہادر عبد السمیع خاں تخلص یوسفی تاجی اور محترمہ اماں جی صاحبہ قبلہ اور دیگر دس بارہ مریدوں کے ہمراہ رونق افروز ہوئے۔

میں نے تمام لوگوں کو پہلے سے مطلع کر رکھا تھا کہ میرے مرشد تشریف لا رہے ہیں تم لوگ زیادہ سے زیادہ وقت اُن کی زیارت و حاضر باشی میں دینا۔ اور اُن سے بعیت ہو کر ان کے احکامات کی پابندی میں صوم و صلوٰۃ پر قائم رہنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت کے تشریف لانے پر اس گاؤں کے جملہ باشندگان نے بڑے پُر زور طریقے پر حضرت کا استقبال کیا۔ اور حضرت کا قیام میری قیام گاہ جو گڑھی کے نام سے مشہور تھی ہوا۔ اس گاؤں میں مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ اور ایک مسجد تھی لیکن اس میں کسی وقت بھی دو تین نمازیوں سے زیادہ کی تعداد نہ ہوتی تھی جس سے مجھے تکلیف پہونچتی تھی ہر چند کہ متواتر واعظ علماء علی گڑھ سے پہونچ پہونچ کر وعظ و نصیحت کرتے رہتے تھے مگر ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور پشت ہا پشت سے یہ لوگ اہلِ ہنود کی ہی رسومات کو اپناتے چلے جاتے تھے۔

پس میں نے حضور سے عرض کی کہ حضور اس گاؤں کے جملہ باشندگان مرتد ہوتے چلے جارہے ہیں۔ حضور کی نگاہ کرم سے اسلام کی طرف لوٹ سکتے ہیں پس حضرت نے ایسا کرم فرمایا کہ اس بستی کے بیشتر لوگ ہدایت یافتہ ہوگئے اور میں نے جس وقت ان لوگوں سے کہا کہ حضرت سے بیعت حاصل کر لو تو ان سب جہال طبقے کے لوگوں نے کہا کہ ہمارے گاؤں میں ایک بیوہ عورت کی گذر اوقات صرف بھینس کا دودھ بیچکر ہوتی ہے۔ اب کی مرتبہ بھینس کے تھنوں میں دودھ نہیں اُتر رہا ہے بھینس کا بچہ بھی بھوکا رہتا اور قریب المرگ ہے۔ اگر حضرت کی دعا سے بھینس دودھ دینے لگے تو ہم سب مرید ہو جائیں گے۔

میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اس گاؤں کے لوگ بیعت ہونے کے لئے یہ شرط رکھتے ہیں کہ حضرت نے تبسم فرمایا اور کہا کہ سب کو ہمارے سامنے بلاؤ۔ چنانچہ تمام مجمع کو حضور کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت نے میرے ایک سپاہی نیاز علی خاں نامی کو حکم دیا کہ جاؤ بھینس کے کان میں کہدو کہ بابا حکم دیتے ہیں کہ دودھ دے ڈال۔ لہٰذا نیاز علی خاں نے تمام مجمع کو ساتھ لیجا کر بھینس کے کان میں کہا کہ بابا حکم دیتے ہیں کہ دودھ دے ڈال پس فی الفور بھینس کے تھنوں سے دودھ

کے دھارے جاری ہو گئے۔ اور دو بالٹی دودھ ہو گیا جس کی کھیر پکا کر اس عورت نے بابا کی فاتحہ کرائی
اور پورا مجمع حضرت سے بیعت ہو گیا، دوسرے دن صبح کی نماز وا ذان مسجد میں خود جا کر دی اور پہلی
رکعت صورۃ مزمل کی تلاوت فرمائی، حیرت تھی کہ بلا کسی تاکید و ترغیب کے سینکڑوں افراد نماز میں
آ آ کر شامل ہوئے اور ادھر حضور قرأت پڑھ رہے تھے ادھر تمام لوگوں پر رقت طاری تھی نماز کے بعد
سب نے عرض کیا آج کی نماز حضرت کے ساتھ پڑھنے سے جو لطف حاصل ہوا ہے وہ بیان سے باہر
ہے اور اب ہم سب نماز پڑھا کریں گے، چنانچہ بعد میں تمام گاؤں نمازی بن گیا۔ اس کے بعد حضرت
وہاں سے روانہ ہوئے تو کچھ لوگ مرید ہونے کے لئے آ گئے حضرت نے مجھے حکم فرمایا کہ اب تم ان لوگوں سے
بیعت لے لو۔ اور آئندہ بھی بیعت لیتے رہو، میں حیران ہوا اور عرض کیا کہ حضور میں اس کام کا اہل نہیں
ہوں۔ فرمایا ہم نے اہل بنا دیا اور اپنے سامنے سب کو بیعت کرا دیا۔

عطائے خلعتِ خلافت

غالباً ۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے کہ حضور پُرنور مرشدی و مولائی کا حکم نامہ اجمیر شریف سے ہم خدامان کے نام صادر ہوا کہ تم اہل سلسلہ تبھاری اجمیر شریف خواجہ غریب نواز کے عرس مبارک میں شرکت کرنے کیلئے حاضر
ہو۔ چنانچہ میں بھائی خورشید احمد خاں علی احمد صابر یوسفی۔ عبد المجید خاں. قاضی عثمان وغیرہ وغیرہ
اجمیر شریف پہنچے حضور کے دولت کدے پر پہنچ کر زیارت سے مشرف ہوئے بعد فاتحہ و سلام
مزار شریف حضرت خواجہ غریب نوازؒ حضرت حسبِ معمول محبوب منزل میں آرام فرما ہوئے۔ مغرب
کا وقت ہوا ہم لوگ بھی حضرت کی امامت میں پڑھنے کیلئے وضو کیلئے حوض سامنے ہی بنا ہوا ہے.
وضو کرنے جا بیٹھے کہ اُسی حوض پر ایک بزرگ جن کی عمر ۸۰/۸۵ سال کی ہو گی برابر میں بیٹھے ہوے
وضو کر رہے تھے ہمیں دیکھ کر بڑبڑانے لگے کہ ایسے بزرگ کے مزار پر قوالیاں ہونا حرام ہیں۔ عالمگیر کا زمانہ
نہ ہوا کہ ایسے قوالوں اور سامعین کے دُرّے لگوائے جاتے۔ اس کے علاوہ بھی حاضرین عرس کے لئے
سخت الفاظ فرمائے۔ بھائی خورشید احمد خان کو ان کی اس طرز نصیحت پر نہ رہا گیا اور ان سے دریافت
فرمایا کہ حضرت آپ کہاں کے رہنے والے ہیں، انہوں نے بڑے سخت لہجہ میں فرمایا کہ جی میں ناگپور کا رہنے
والا ہوں۔
تب تو بھائی صاحب نے برجستہ کہا کہ ناگپور شریف کے ہو کر آپ ایسے عقائد رکھتے ہیں جہاں
کہ حضرت بابا تاج الدینؒ کے دربار میں دن رات قوالی ہوتی رہی ہے

اور حضور بابا صاحب خود سماع سنتے تھے، وہ بابا کا نام سنتے ہی چراغ پا ہو گئے اور بہت ڈانٹ
کر کہا کیا گستاخی سے نام لیتے ہو۔ اور کس کی مثال دے رہے ہو۔ جس کا نام لیتے وقت وضو واجب
ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ کہتے ہوئے وہ بے حد برہم ہونے لگے چونکہ حضرت نماز پڑھانے کو مصلّۂ
امامت پر پہونچ چکے تھے۔ ہم دوڑ کر جماعت میں مل کر کھڑے ہوئے کہ حضرت نے ہماری طرف
منہ پھیر کر فرمایا جو صاحب بحث مباحثہ کر رہے تھے ان سے جا کر کہو کہ یہیں جماعت میں شامل
ہو کر نماز پڑھیں، ہم نے حضرت کے حکم سے انھیں مطلع کیا اور وہ جماعت میں شامل ہو گئے۔ بعد
ادائے نماز حضرت نے انھیں کو آواز دیکر اپنے قریب بلا کر پوچھا کہ حضرت امسال خواجہ صاحب کے
عرس کے موقع پر کوئی طوائف بھی گانا سنانے والی آئی ہوئی ہے۔ انہوں نے بے ساختہ عرض کیا کہ اگر حضرت
سنیں تو کل شب ہی کی ٹرین سے ناگپور کی فلاں طوائف جو صرف بابا صاحب رضی اللہ عنہ کو گانا سنایا
کرتی تھی آئی ہوئی ہے۔ میں اس کو ابھی لے کر آتا ہوں اور گانا سنوانے کا انتظام کرتا ہوں۔ یہ
کہہ کر تیزی سے چلے گئے۔ ہم عجیب حیرت میں تھے کہ یکایک سید رفیع جن کے حجرے میں حضور مقیم
ہوتے تھے جو درگاہ شریف میں محبوب منزل کے نام سے موسوم ہے۔ اور انھیں کی وساطت
سے بہت سے لوگ زیارت مزار خواجہ غریب نوازؒ کے ہاں حاضری دیتے تھے۔ ہمیں علیحدہ لیجا کر
کہنے لگے کیا حضرت محبوب منزل میں بیٹھ کر طوائف کا گانا سنیں گے۔ آپ حضرت سے عرض کیجئے
کہ امسال درگاہ کے اندر طوائف کا گانا سننا تو درکنار طوائف منہ پر بلا نقاب ڈالے داخل درگاہ
نہیں ہو سکتی اور خلاف ورزی کرنے پر اس طوائف کو ایک ماہ کی قید اور تین سو روپے جرمانے تک
کی سزا دی جا سکتی ہے۔ ہم نے فوراً کہا کہ آپ خود ہی حضرت سے عرض کریں۔ ہماری کس طرح جرأت
ہو سکتی ہے۔ بس فوراً ہی سید رفیع میاں صاحب حضرت کے سامنے گئے اور کہا کہ حضرت امسال طوائف
کا گانا درگاہ شریف میں قطعی ممنوع اور جرم ہے۔ حضرت نے فرمایا یہ کس کا حکم ہے۔ انہوں نے
جواب دیا کہ اجمیر شریف کے مجسٹریٹ اور سجادہ نشین درگاہ کے دستخطی پوسٹر تمام شہر میں لگے
ہوئے ہیں۔
حضرت نے جلالی کیفیت میں ڈوبے ہوئے لہجے میں فرمایا۔ یہاں کسی کی نہیں چلتی۔
خواجہ غریب نواز فرما رہے ہیں کہ ہمیں اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرنا ہے پس ہم ضرور طوائف کا گانا یہیں
پر ہی سنیں گے تم لائٹ کا انتظام کرو میاں صاحب۔ سید رفیع میاں نے دبی دبی زبان میں کہا کہ حضرت لائٹ تو ہمارے

مجروں کو صرف خواجہ غریب نواز کی چھٹی تاریخ قل شریف تک دی جاتی ہے اور پھر کاٹ دی جاتی ہے۔

سرکار نے حجرے کے بلبوں کی طرف دیکھا بلب از خود روشن ہوگئے اور تاریک کمرہ روشن ہوگیا۔ تمام لوگ حیرت میں آگئے حضرت ہنسے اور فرمایا کہ غریب نواز ہمیں گانا سنوائیں تو لائٹ کی کیا مجال کہ سرتابی کرے۔ غرض کہ اسی اثنا میں وہ مولانا صاحب بھی جو گانا سنانے کو حرام کا فتویٰ دے رہے تھے آموجود ہوئے۔ اور ان کے ہمراہ بابا صاحب کے دربار کی طوائف بھی معہ سازندوں کے موجود تھی، چونکہ حضرت ہمیشہ طوائفوں کی جانب اماں کر کے مخاطب ہوا کرتے تھے۔ جیسے ہی طوائف نے قدمبوسی کی، حضرت نے فرمایا کہ اماں غریب نواز کو گانا نہیں سنایا، طوائف نے کہا شاہ صاحب حضرت بابا صاحب کی ہی زندگی پر گانا سنایا اب ان کے پردہ فرمانے کے بعد عہد کر چکی ہوں کہ اب کسی بزرگ کو گانا نہ سناؤں گی۔

حضرت نے فرمایا کہ اماں اگر حضور بابا صاحب خود ہی تم سے گانا سننے کی فرمائش کریں تو سناؤ گی ابھی یہ جملہ حضرت نے فرمایا ہی تھا کہ طوائف کی نظر از خود حضرت کے چہرے مبارک پڑی کہ اس طوائف کی چیخیں نکلنے لگیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اپنے سازندوں کو بلا کر کہا ساز بجاؤ آج میرے سامنے بابا پھر موجود ہیں بس گانا شروع ہوا کہ ہزاروں آدمیوں کا جمگھٹ طوائف کا گانا سننے کو آن موجود ہوا۔ اور پوری درگاہ کے لوگوں کا رجحان حضرت کا چہرہ تکتا۔ اور غریب نواز، غریب نواز کی صدائیں بلند ہوئیں۔

شب کے دس بجے سے اس سماع کی ابتداء ہوئی اور صبح کی نماز کے وقت تک سماع رہا۔ تمام ہجوم پر سکتے کا عالم طاری رہا۔ طوائف نے ابتداء اس مصرع سے کی کہ

تاج الدین مشکل کشا دونوں جہان سروری
فیض بخش گنج عالم کاملوں کے رہبری

تعجب انگیز یہ امر تھا کہ ابتداء سماع سے صبح تک حضور پر رقت طاری رہی اور آنکھ کا آنسو بند نہ ہوا اور اسی طرح طوائف کے آنکھ کے آنسو صبح تک جاری رہے ہمارا اپنا ذاتی خیال تو اس تمام شب کی گریہ وزاری کا بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ یہ وہ طوائف ہے جس نے حضور بابا کو بارہا گانا سنایا ہے۔ اس لئے حضور کو غلبہ گریہ رہا اور طوائف نے تمام شب سرکار کے روپ میں بابا کو دیکھا اور اس سے زیادہ حضور ہی بہتر جان سکتے تھے۔ میں اس محفل میں آدمیوں کی کثرتِ اجتماع کی وجہ سے

حضور سے بہت فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اور میرے ساتھ ایک اور مولانا نوجوان العمر بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی سماع سننے میں مشغول تھے مگر بار بار مجھ سے کہہ دیتے کہ طوائف کا گانا سننا تو حرام ہے میں برابر کہتا رہا کہ مت سنیے اٹھ جائیے مگر وہ تکرار کرتے رہے کہ مسئلے کا جواب یہ تو نہیں کہ اٹھ جائیے۔

میں اس سماع کی محفل میں اپنے آپے میں خود نہ تھا، کیسا سوال اور کیسا جواب مولانا کے بار بار سوال پر بحد غصے میں پیچ و تاب میں مبتلا تھا اور بالآخر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت نے صد سالہ کافروں کو ولی بنایا ہے۔ اس مولوی پر بھی کوئی خاص توجہ ہو جائے کہ اس کا انکار اقرار کی صورت میں تبدیل ہو جائے۔

تو تو جس خاک کو چاہے وہ بنے بندۂ پاک
میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ہو جائے

اس طرف مجھے یہ خیال ہوا ادھر سرکار نے بجائے اگالدان میں پیک اگلنے کے چائے کے کپ میں اپنے منہ کے پان کی پیک ڈالی اور ہماری جانب اشارہ کیا میں جلد حضرت کی طرف لپکا کہ شاید یہ پیک بھرا چائے کا کپ حضور مجھے عطا فرمائیں تاکہ میں اسے پی لوں اور میری واردات و کیفیات قلبی و روحانی میں یکدم جولانی پیدا ہو جائے، مگر میں جیسے ہی حضور کے قریب ہاتھ بڑھا کر چائے کا کپ لینے پہنچا تو حضرت نے فرمایا۔ تم نہیں تمہارے پاس جو مولانا ہیں انھیں بھیجو۔

میں نے واپس ہو کر ان مولانا سے کہا حضرت صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔ مولانا فوراً آ گئے حضرت کو سلام عرض کیا۔ حضرت نے چائے کا پیک بھرا کپ اُن کو دے دیا جس سے مجھے بحد صدمہ پہنچا کہ اس کا تو میں مستحق تھا۔ بس مولانا اس کپ سے پیک پھینکنے کے لئے جیسے ہی روانہ ہوئے تھے میں بھی پیچھے دوڑا ہوا پہنچا تو مولانا بجائے پیک زمین پر پھینکنے کے کھڑے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ میں نے کہا کس سوچ میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے شاہ صاحب نے یہ کپ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ کہیں محفوظ کر دو۔ میں سوچ میں ہوں کہ پیک کو پھینکنے کو تو نہیں کہا۔ محفوظ کرنے کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ کیا کروں، میں نے کہا مجھے دیجئے، انہوں نے کہا کہ تم کیا کرو گے۔ میں نے کہا پی جاؤں گا۔ اور پیٹ میں محفوظ کر لوں گا۔ مولانا نے کہا کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں اور یہ کہہ کر کپ کی تمام پیک پی لی۔ پیک کا پینا تھا کہ ان کی چیخیں نکلنے لگیں۔ سارے کپڑے اپنے پھاڑ ڈالے

اور محفل میں ایک کہرام مچا ڈالا۔ حضرت نے کہا کہ ان کو رسیوں سے باندھ کر ہمارے گھر کے حجرے میں بٹھا آؤ پس کئی ہمارے پیر بھائی ان کو لے گئے۔

وہ اس طرف گئے مجھے اس طرف قلبی اضطراب شروع ہو گیا کہ میں اس پیک بھری پیالی کو پینے کا زیادہ مستحق تھا۔ حضرت نے میری حق تلفی فرمائی۔ ہر چند کہ میں حضرت کی نشست سے دور ۱۰/۲۰ قدم پر بیٹھا تھا کہ یکایک حضرت نے اپنے جسم مبارک سے بڑی تیزی کے ساتھ اپنا جبہ شریف اُتارا اور مجھ کو اپنے دستِ مبارک سے پہنا کر فرمایا مبارک ہو۔

تعجب انگیز امر یہ تھا کہ نہ تو حضرت ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آئے اور نہ ہی مجھ کو طلب فرما کر اور اپنے پاس بلا کر یہ عمل ظہور میں آیا پس آج تک حیرت ہے کہ حضرت کے دست مبارک اس وقت کس طرح اتنے لانبے ہو گئے کہ نہ سرکار ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آئے اور نہ ہی مجھ کو طلب فرمایا۔ پس اس واقعہ پر مجھے بھائی خورشید احمد خاں اور بھائی عبدالمجید و بھائی محمد شفیع احمد صاحب نے بجد پیار فرمایا اور مجھے مبارکباد خرقۂ خلافت دیں۔

آسیبی اثرات زائل

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور انور کا قیام چھتاری میں تھا۔ دوپہر کے وقت کھانا تناول فرما کر خربوزے کھا رہے تھے کہ یکایک دو آدمی ایک آسیب زدہ عورت کو لیکر سامنے آن کھڑے ہوئے یہ عورت چھتاری سے ۵ میل دور قصبہ پھاسو کی ایک شریف خاندان کی رہنے والی تھی اور عرصے ایک سال سے ایک خبیث آسیب کی حراست میں مبتلا تھی۔ جوں ہی حضرت کے روبرو پیش ہوئی آپ نے اس کے خاوند سے حال دریافت فرمایا۔ انہوں نے اس عورت کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور اس کے سر کے تمام بال کھڑے ہوئے تھے آنکھیں سُرخ ڈراؤنی اور اپنے تمام بدن کو نوچ نوچ خون جاری تھا۔ حضرت نے اس کے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ عاملوں اور حکما کو نہیں دکھلایا انہوں نے کہا کہ حضرت دُور دُور تک جہاں جس عامل کا نام سنا لیکر جا چکے ہیں اور بڑے بڑے مزاروں پر لے گئے مگر کوئی فرق نہیں آتا۔ پس یہ سن کر حضرت نے اپنے سامنے سے خربوزوں کے چھلکے اس آسیب زدہ عورت کے سامنے پھینک کر فرمایا کھا جا' اس عورت کا منہ اونٹنی کا سا ہو گیا' اور گردن دراز ہو گئی اپنی لمبی زبان سے خربوزے کے تمام چھلکے ایک ہی نوالے میں ہڑپ کر گئی۔ ہم لوگوں پر اس کی اس حرکت سے بڑی دہشت طاری ہو گئی، مگر چھلکے کھا لینے کے باوجود کوئی فرق اس کی حالت میں نہیں پڑا۔ پھر حضرت نے اپنے پان کا اگال اپنے

منہ سے نکال کر اس کے خاوند وغیرہ کو دیا کہ اسے زبردستی کھلاؤ۔ مگر اس نے اپنی بتیسی بند کر لی۔ اور کسی طرح بھی اس پان کے اُگال کو نہیں کھا رہی تھی' حضرت پر جلالی کیفیت طاری ہوئی اور اٹھ کر ایک گالی دے کر عورت کو لات ماری' اس نے فوراً وہ اگال پان کا کھا لیا' پان کا کھانا تھا کہ تمام سر کے بال گر گئے اور وہ ہوش میں آ گئی اپنا دوپٹہ وغیرہ اوڑھ لیا۔ حضرت نے فرمایا' لاتوں کا دیو باتوں سے نہیں جاتا۔ اب یہ ہمیشہ کو ٹھیک ہو گئی' گھر لے جاؤ، چنانچہ ہمیشہ کو صحت یاب ہوئی۔

(۲)

ان دنوں علی گڑھ میں حضرت کا قیام سلطانی سرائے میں تھا۔ ہاتھرس سے ایک صاحب آئے۔ اور کہا کہ میری بیوی پر دو سال سے آسیبی اثر ہے۔ طرح طرح کی واردات بیوی پر طاری ہوتی رہتی ہیں۔ ہر قسم کے میوے اور دیگر عجائبات آن کی آن میں منگا کر دیتی رہی ہے بعض وقت قرآن کی آیتیں اور بعض وقت فحش کلامی کرتی ہے ہم بجد پریشان ہیں۔ حضرت کا بڑا کرم ہوگا کہ میرے ہمراہ ہاتھرس چلیں۔ مگر گرمی کا زمانہ تھا حضرت کے دوست احباب نے اس شخص سے کہا کہ تو وہاں لے جانے کو حضرت کو مجبور کیوں کرتا ہے یہ کام تو حضرت یہاں سے بھی کر سکتے ہیں۔

پس حضرت نے اس شخص سے فرمایا کہ ہاں تو جا کر اُس آسیب سے ہمارا نام لے کر سلام کہدے اور کہنا کہ یہاں سے چلے جاؤ' لہٰذا وہ شخص چلا گیا اور دوسرے دن پھر آ گیا کہ حضرت میں نے آپ کا سلام اور حکم سُنا دیا۔ مگر وہ آسیبی اثر بیوی کے سر سے نہیں گیا۔ تب حضرت نے فرمایا کہ اب کی مرتبہ پھر جاؤ اور کہنا کہ حرام زادے خبیث تیری خیر اسی میں ہے کہ فوراً اس عورت کا پیچھا چھوڑ دے ورنہ میں خود آ کر تجھے جلا کر خاک کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ وہ گیا اور یہی الفاظ کہے وہ فی الفور اس عورت کو چھوڑ کر چیخ مار کر بھاگ گیا کہ اب کبھی نہیں آؤں گا' اب کبھی نہ آؤں گا۔ اور یہ عورت ہمیشہ کو اچھی ہو گئی۔ اور اس قسم کے صدہا واقعات ہیں۔

مکان و زمان کے فاصلے طے

غالباً سال ۱۹۲۴ء کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ حضور انور کا قیام چھتاری میں تھا اور پوری پوری رات شب بیداری کا معمول تھا' ہم اہل سلسلہ چھتاری شب و روز حضور کی خدمت میں ذرا بھی جدا رہنا گوارا نہ کرتے تھے' ایک روز حضرت نے خلافِ معمول مجھے حکم فرمایا کہ کئی روز سے متواتر جاگ رہے ہو۔ آج گھر جا کر آرام کرو چنانچہ حکم پاتے ہی میں گھر جا کر اپنے

میں سوگیا، شب کو تین بجے کے قریب دیکھتا کیا ہوں کہ میرے کمرے میں میری آرام گاہ کے قریب حضور رونق افروز ہیں —— اور فرماتے ہیں کہ بس اتنا آرام تو کافی ہے میں اور میری بیوی عجب حیرت میں دست بستہ کھڑے ہوگئے کہ حضرت تین کمروں کے کواڑ جو اندر سے بند تھے کس طرح طے کرکے ہمارے کمرے میں آگئے جبکہ اس کمرے کی بھی زنجیریں اندر سے بند تھیں۔

حضرت نے ہمارے خطرے کو محسوس فرماتے ہوئے کہا کہ ہمارے آنے جانے میں کوئی دیوار یا بند کواڑ حائل نہیں ہوتے اچھا پان پاندان سے لگاکر کھلاؤ، میں نے اپنے آپکو اس قابل نہ سمجھا کہ اپنے ہاتھوں سے فوراً پان لگاکر کھلاؤں۔ مگر حضرت نے پھر فی الفور حکم فرمایا کہ ارے سن نہیں رہا فوراً پان لگا۔ اس لہجے سے میرے تمام جسم میں لرزہ طاری ہوگیا اور اضطراری کیفیت میں فوراً پان الامر فوق الادب کے تحت بنایا مگر جرات نہ ہوتی تھی کہ آپ نے فوراً میرے ہاتھ سے پان لیا اور لے کر چل دیئے اور بار بار پڑھتے جا رہے تھے کہ

آپ کرم سے پاک جسے اپنے تو کرے
وہ کیوں نہ پڑھے نماز بے وضو کئے!

نیز فرمایا۔ مومن نجس نہیں ہوتا۔

تُو تو جس خاک کو چاہے وہ نبے بندے پاک
میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ہو جاتے

موضع بھلونہ اسٹیٹ چھتاری میں واقع ہے۔ ایک مرتبہ میرے جائے قیام پر سرکار والا رونق افروز تھے، ایک مشہور شاعر وہاں سرکار کی شانِ مبارک میں قصیدہ لکھ کر لائے اور پیش کیا۔ حضرت نے اس قصیدے کے شروع کے ایک مصرعے کے پڑھنے کے بعد اُس قصیدے کو پھاڑ کر انگیٹھی میں ڈال دیا اور فرمایا کہ جھوٹی مدح سرائی کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔ اسوقت بھورے خاں ضیلدار جو میری اردلی میں رہتے تھے اور سلسلے میں مرید تھے۔ حضرت سے عرض کیا کہ حضور تمام سلسلے بھر میں بھائی شوکت علی صاحب آپ سے بہت محبّت کرتے ہیں۔ حضرت میری طرف مخاطب ہوکر فرمانے لگے کہ ہاں اس کا گوشت مجھے چیل کوّوں کو کھلوانا ہے، سرکار کا یہ جملہ فرماتے ہی میری کیفیات میں تغیّر پیدا ہوگیا کہ خدا خیر کرے میرے ساتھ آئندہ کیا پیش آتا ہے۔

فی الفور حضرت نے فرمایا کہ میرا کام تو تو ہی کرے گا۔ اس وقت یہ بات ہی سمجھ میں نہ آئی سوچ بچار میں ہی رہتا مگر کچھ عرصے بعد جب حضرت نے موضع ادوں کے باشندگان میں یہ اعلان فرمایا کہ ہمارے عقب میں جو لوگ سلسلے میں بیعت ہونا چاہیں وہ ہمارے شوکت سے بیعت ہوتے رہیں۔ میں قدمبوس ہوا اور دست بستہ عرض کی کہ میں ہرگز اس کا اہل نہیں ہوں۔ فرمایا ہم اہل بنانا بھی جانتے ہیں۔

کافر صدساله مومن شود

سال ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے کہ حضرت قبلہ وکعبہ مرشدی مولائی چھتاری میں رونق افروز تھے اور اس نواح کے اہل ہنود بھی اکثر حضرت سے بیعت ومعتقد تھے ایک روز رام پرشاد شرما نامی ہمارا ایک پیر بھائی حضرت کی خدمت میں ہاتھرس سے چل کر چھتاری آیا اور قدمبوس ہوکر چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ حضرت نے رونے کی وجہ دریافت فرمائی اس نے کہا حضور میری برادری والوں نے مجھے سخت پریشان کر رکھا ہے اور اب تو طرح طرح کی ایذا دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تمہارے کمرے میں جو حضرت باباکی شبیہہ لگی ہے اور تم اس کی پوجا پاٹ کرتے ہو اسے ہٹادو۔ کیونکہ یہ ایک مسلمان کی شبیہہ ہے اور بجائے اسکے تم اپنے ہاں کے اوتاروں میں سے کسی کا بھی فوٹو لگاکر پوجو ورنہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے اور بابا کی شان میں توہین آمیز جملے بھی کہتے ہیں جو میرے لئے ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔

یہ سُن کر حضرت نے بڑے جلالی لہجے میں فرمایا کہ اچھا ہم ہاتھرس فتح کریں گے۔ تم واپس جاؤ ہم پنجشنبہ کو مع اپنی پلٹن کے سولجروں کے پہونچیں گے، چنانچہ یہ شخص قدمبوس ہوکر چلا گیا۔ ہم لوگوں میں ہل چل مچ گئی کہ ہاتھرس شہر کی بستی کے لوگ بڑے متعصب اور مسلمانوں کے کھلے دشمن ہیں۔ حضرت نے اس بستی میں پہونچنے کا قصد کیونکر فرمایا اور کونسی پلٹن کے سولجر ہمراہ لے جائیں گے۔ غرض کہ ہم پیر بھائیوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں مگر سرکار کے روبرو تفصیل وبیان کی کسی کو جرات نہ تھی تا آنکہ پنجشنبہ کا دن آہی گیا۔ اور صبح کی چائے اور ناشتے سے فارغ ہونیکے بعد حضرت نے فرمایا کہ ارے ہمیں تو آج ہاتھرس جانا ہے اور چند سولجرس بھی ہمراہ چلیں گے۔ یہ سن کر ہم سب دم بخود تھے کہ نہ معلوم کس کس کی موت سر پر کھیلے گی۔ پس سرکار نے فرمایا کہ شوکت۔ مشتاق احمد سعید اللہ۔ عبدالمجید ہمارے ہمراہ چلیں گے۔ اچھا تانگہ منگاؤ۔ سرکار کے اس قطعی حکم کے بعد ہمارے حواس معطل ہوگئے۔ چاروناچار تیار ہوئے۔ بقول گر نقد جاں طلب کرے وہ شوخ دلربا بازی نہ دیجیو ہارا ہے یار دیکھنا۔ غرض کہ ہم لوگ اپنے گھروں تک ہاتھرس اسطرح جانے کی اجازت تک کے لیے

نہ گئے اور چار و ناچار حضرت کے ہمراہ تانگے میں سوار ہو کر روانہ ہوئے مگر ہماری حالت راستے بھر یہ رہی کہ کاٹو تو جسم میں خون کا قطرہ نہیں چنانچہ علی گڑھ پہنچے اور وہاں سے ریل میں سوار ہو کر مغرب تک ہاتھرس پہونچے، کیونکہ حضرت کی ہمیشہ سے عادت میں داخل تھا اور یہ ایک کھلی کرامت تھی کہ جس شہر و قصبہ میں تشریف لے جاتے اس مرید سے اس کے محلے یا گھر کا پتہ دریافت نہ فرماتے اور از خود کسی بھی اجنبی کے مکان پر جا پہنچتے۔ چنانچہ اس وقت بھی حسبِ معمول اسٹیشن سے اتر کر پیدل رام پرشاد کے مکان پر جا پہنچے اور مکان پر دستک دی۔ رام پرشاد اپنے مکان سے نکلا، حضرت کی قدم بوسی کی اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حضور کس طرح بلا پتہ بتائے ہوئے میرے گھر تک پہنچے۔ رام پرشاد نے حضرت کے قیام کے لئے ایک بڑا ہال نما کمرہ سجا رکھا تھا، حضور نے مسہری پر بیٹھتے ہی فرمایا۔ رام پرشاد اپنی بستی میں اعلان کرا دو کہ ہمارے گرو آ گئے ہیں، تم لوگوں کو جو میرے بابا کے سلسلے میں مرید ہونے پر اعتراض ہوں مغرب کے بعد حاضر ہو کر سوال جواب کر لیں اور تم بھی پنجشنبہ کی فاتحہ کے لئے کافی تعداد میں شرینی تقسیم کرنے کا انتظام کر دو۔ پس رام پرشاد حکم کی تعمیل میں مصروف ہو اُٹھا، بعد مغرب پنجشنبہ کی فاتحہ شروع ہوئی اور سینکڑوں اہلِ ہنود کا اجتماع ہوا اور ہمارے ارد گرد جمع ہو گیا۔ گلدستہ شریف پڑھنے کے بعد حضرت صلوٰۃ و سلام کے لئے حسبِ معمول کھڑے ہوئے تو تمام حاضرین بھی دست بستہ سلام میں مودبانہ کھڑے رہے اور بعدِ اختتام فاتحہ حضرت نے جلیبیوں کے تھال جو تقسیم تبرک کیلئے تیار کرائے تھے طلب فرمائے۔ اور خود اپنے دستِ مبارک سے ایک ایک ہندو کو بلا کر تقسیم شروع کر دی۔ یہ سماع دیکھنے کے قابل تھا کہ جس مذہب کے لوگ مسلمان کا ہاتھ لگ جانے سے کوئی چیز بھی کھانے سے پرہیز کرتے ہوں وہ سب حضرت کے رُوبرو ہاتھ پھیلائے بڑھتے جاتے، اور وہ حضرت کے ہاتھ کی دی ہوئی جلیبیاں اس طرح کھا رہے تھے کہ نہ معلوم زندگی میں ایسی نعمت نصیب نہ ہوئی ہو۔ غرض کہ بعد تقسیم تبرک حضرت نے حکم دیا کہ ابھی کوئی جائے نہیں، سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں اور ہم سے سوال و جواب کریں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سب جلسہ بیٹھ گیا اور حضرت نے از خود اس گروہ کا جو سب سے بڑا پنڈت تھا اس کو اپنے قریب بلا کر وحدانیت و رسالت پر گفتگو شروع فرمائی، دورانِ گفتگو پنڈت جی نے توحیدِ ذاتِ الٰہی کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ بلاشک اسلام کے اندر بھی واحد ہستیاں گزری

ہیں اور ہمارے مذہب میں بھی ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں مگر اب اس زمانے میں ایسے مواحد اسلام میں نہیں پائے جاتے البتہ ہمارے مذہب میں موجود ہیں۔ سرکار کو اس جملے سے ناگواری ہوئی اور فرمایا کہ نہیں پنڈت جی ایسا نہیں ہے آپ کے مذہب میں تو اب صرف رسم و رواج پرست ہیں مگر ہمارے مذہب میں ابھی بھی بکثرت ہستیاں خدا پرست ہوتی رہتی ہیں جو نہ صرف خدا کا دیدار کرتی ہیں بلکہ مخلوقِ خدا کو بھی خدا کی ذات کا مشاہدہ کرا دیتی ہیں۔ پنڈت جی نے ایک مضحکہ خیز قہقہہ لگایا اور کہا کہ یہاں تو آپ مذہبی پارٹ لیجئے۔ مذہبِ اسلام میں تو آج تک ایک ہستی بھی ایسی موجود نہیں۔ جو خدا کو دکھا سکے۔ اس پہ اصرار بڑھ گیا اور بالآخر پنڈت جی نے بڑے غصے میں کہا کہ شاہ جی آپ کا بھی فقط دعویٰ ہی دعویٰ ہے کہ خدا کو دکھا دینے والے آج بھی اسلام میں موجود ہیں اور اگر ہیں تو کیا آپ بھی ان میں سے ایک ہیں اور اگر ہیں تو خدا کو دکھلائیے۔ سرکار نے فرمایا بیشک ہم خدا کو دیکھتے دکھاتے ہیں، مگر کوئی دیکھنے والا ہی نہیں ملتا پنڈت جی نے ہنس کر کہا ایک دیکھنے والا تو آپکے سامنے موجود ہے۔

بس سرکار کو جلال آ گیا اور فرمایا کہ اچھا ہماری طرف دیکھ (ہوشیار) بس اتنا ہی فرمایا تھا کہ سرکار کی آنکھوں سے بجلی کی سی شعاعیں نکل کر پنڈت جی کے جسم پہ پڑیں جس سے پنڈت جی کے جسم میں آگ سی لگ گئی اور تمام جسم پہ آبلے پڑ گئے پنڈت جی فی الفور پاگل ہو گئے، چیخیں نکل رہی تھیں اور بیتاب ہو کر زمین پر لوٹ رہے تھے۔ تمام مجمع محوِ حیرت تھا اور شور بپا تھا کہ شاہ جی بس اب ان پر رحم کیجئے۔ تا آنکہ اُن پنڈت جی کے صاحبزادے اور بیوی بچوں نے جب بجد گریہ و زاری کی۔ تب حضرت نے فرمایا کہ اچھا تم ان کی زندگی چاہتے ہو یا موت۔ انہوں نے رو کر کہا کہ ہم ان کی زندگی چاہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تو تمہیں ہمارے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی۔ انہوں نے منظور کیا۔ اور حضرت تمام مجمع کے ساتھ جنگل کی جانب روانہ ہوئے اور بستی سے دو تین فرلانگ دور ایک ٹیلے پر چڑھ گئے وہاں ایک درخت کے نیچے رام پرشاد کو تا حکم ثانی بیٹھنے کا حکم دیا اور کھانا قطعی بند کرنے کا حکم فرمایا کہ تا حکم ثانی صرف چار پر گذارا کرنا ہے۔ اور پھر حضرت اس کو درخت کے نیچے بٹھا کر واپس ہو گئے۔ بستی کے تمام لوگ خوف زدہ تھے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر اپنی مشکلات پیش کر رہے تھے تا آنکہ حضرت نے بڑی شفقت سے ان کی تسکین و تشفی فرمائی اور اس کے بعد حضرت اسٹیشن پہنچے۔ تمام مجمع ہمراہ تھا اور حضور کو روکتے اور پھر آنے کی دعوت دیتا رہا مگر

حضور گاڑی میں سوار ہوکر علی گڑھ تشریف لے آئے اور وہاں سے ناگپور شریف گئے کچھ دن کے بعد حضرت نے منشی بھائی کو تحریر فرمایا کہ ہانسی جاکر رام پرشاد کا نام **عبدالحق** رکھدو اور کچھ اوراشغال بھی تعلیم فرمائے مختصر کہ عرصے دو سال تک رام پرشاد شربالے آب و دانہ اسی درخت کے سائے میں بیٹھے اور اب ان کی دعاہیں یہ تاثیر پیدا ہوچکی تھی کہ ہانسی شہر کے باشندے اُن سے اپنی حاجت روائی کرتے تھے بعد دو سال حکم آیا کہ اب عبدالحق کو گھر جانے کی اجازت دی جاتی ہے اور کھانا بھی کھولا جاتا ہے' اللہ اللہ کرے اور کرائے

چنانچہ گھر پر آنے کے بعد ان کی کشف وکرامات کی دھوم دھام ہوئی اور چند دن بعد **انتقال ہوا۔**

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مرے بابانے تقدیریں بدل دیں۔

کہ تقدیروں کی تحریریں بدل دیں۔

الحمدوللّٰہ کہ عرصۂ دراز کی جدوجہد تفکر و سرگردانی کے بعد میں اب اس نتیجے پر پہنچا کہ حضرت قبلہ وکعبہ مُرشدی ومولائی کے جُملہ حالات کشف وکرامات مہیا کرتے کرتے عمر تمام ہو جائیگی تب بھی ضرب المثل سمندر سے ایک قطرہ دستیاب ہوسکے گا کیونکہ آپ کی عمرِ حیاتِ **ظاہری** کے حالات معاملات کشف وکرامات ہی اس قدر ہیں کہ انھیں یکجائی کرکے قلمبند کرنا سمندر کو کوزے میں بھرنا ہے۔

نہ انی معجزاتِ انبیاء جس کی کرامت ہوں

بھلا اوصاف اُسکے کیونکر قلمبند وکتابت ہوں

پس بہ معذوری مجبوری جس قدر واقعات میرے موجودہ پیر بھائیوں سے اور میرے چشم دید حالات میں دستیاب ہوسکے کتاب ہذا یوسف الاولیاء میں درج کیے جاتے ہیں تاکہ اہلِ سلسلہ اور دیگر عقیدت مندان دورِ حاضرہ کے ایک اولیاء اللہ کے تعرفات سے مستفید ہوسکیں علاوہ ازیں حضرت کے پردہ فرمالینے کے بعد سے اب تک کے واقعات تصرفات کرامات جو غائبانہ ظہور پذیر و رونما ہو رہے ہیں ان پر میرے سلسلے کے خلفاء ومریدین علیحدہ ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں کہ جن حالات کا مطالعہ کرینگے اور ناظرین پر واضح ہوگا کہ اولیاء اللہ سے تصرفات

کرامات کا ظہور اُن کے وصال کے بعد کس قدر اجگر اور بے شمار ہوتا ہے کہ عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں **الحمدللّٰہ** کہ سلسلۂ ہٰذا اپنی روحانی نسبت اُولیسیہ میں شب وروز ترقی پذیر وفیض رساں جاری و ساری ہے اور تاقیامت جاری رہے گا۔

چمن کہ تاقیامت گُل او بہار بادہ

تصرّف

حضور مرشدی ومولائی حضرت غوث محمد بابا یوسف شاہ جی قدس سرہ العزیز کے وصال کے بعد آپ کے تصرفات کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ ان تمام واقعات و حالات کو اہل سلسلہ سے جمع کرکے انشاءاللہ تعالیٰ ایک اور کتاب مرتب کروں گا۔ زیر مطالعہ اس تذکرے میں ان تفصیلات کو پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے البتہ ۱۹۶۹ء کا ایک واقعہ بیان کرتا چلوں۔

مجھے پنجاب سے آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ پھر خطوط آنے لگے کہ آپ جلد تشریف لائیں یہاں بہت سے لوگ آپ کے منتظر ہیں' رمضان المبارک کی آمد آمد تھی' سوچا عیدالفطر کے بعد جاؤں گا کہ عزیزم فیاض ہاشمی کا خط آیا کہ آپ کا جلد پہنچنا ضروری ہے میں نے انھیں لکھدیا کہ ۱۶ رمضان المبارک کو پہنچ رہا ہوں ۱۴ رمضان المبارک تک انتظام سفر خرچ وغیرہ نہ ہوسکا میں بار بار اپنے فرزندوں سے سفر خرچ طلب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سوچتے سوچتے دماغ ماؤف ہوگیا۔ میں نے پنجاب جانے کا ارادہ ترک کردیا اور بذریعہ تار **اطلاع** کردی کہ میں نہیں آسکتا۔

اسی رات کو سحری وغیرہ کھائی وضو کیا نماز میں وقت تھا تکیہ کا سہارا لے لیا غنودگی طاری ہوگئی کیا دیکھتا ہوں کہ لاہور میں ہوں اور بے حد پریشان ہوں کہ قیام کہاں کروں، اتنے میں حضرت مولانا عبدالقادر نیازی رح جو حضرت پیر و مرشد کے دوست تھے" نے گلے لگایا اور فرمایا کہ پریشان نہ ہو' تمہارے حضرت نے تمہارے قیام کا انتظام پہلے ہی کرد یہ فرماکر وہ غائب ہوگئے۔ میں پھر تن تنہا وحشت کے عالم میں ایک ویران مکان میں جاؤ

جب میں مونج کے بانوں کی ایک چارپائی کے سوا کچھ نہیں تھا، میں چارپائی پر بیٹھا ہی تھا کہ چھ مستورات نہائیت خوبرو نورانی صورت لئے میرے ارد گرد بیٹھ گئیں ان میں سے ایک کے سر پر حلیم کا دیگچہ بھی تھا۔ انہوں نے حلیم سے میری تواضع کی میں نے سوچا میں تو شکم سیر ہوں پھر حلیم کیسے قبول کروں؟ اگر انکار کردوں تو یہ نہائیت بد اخلاقی ہوگی۔ ان سے کہہ کر کہ میں باھر سے ابھی آیا باہر نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت پیرومرشد چار گھوڑوں کی بگھی میں پچھلی نشست پر رونق افروز ہیں سامنے والی نشست پر صاحبزادے آفتاب کریم عرف کلو بادشاہ صاحب متمکن ہیں۔ میں نے سرکارؒ کی قدم بوسی کی سرکارؒ نے مجھے اپنے بائیں طرف بٹھا کر فرمایا، ہمارا تو اب یہیں دور دورہ ہو رہا ہے۔ لائل پور، لاہور لائل پور لاہور، لائل پور لاہور، مگر تمہارا بڑا انتظار کرنا پڑا۔"

میں نے عرض کیا۔ "حضور میں تو حاضر ہو گیا مگر میری ڈبیہ میں پان بڑے کچے ہیں۔

سرکار نے فرمایا۔ "مگر ہمارے منہ میں تو پختہ پان ہے۔ اسے ہمارے منہ سے نکالو!" اتنا فرمانا تھا کہ حضرت کے دہن مبارک میں سے اپنے ہاتھ سے میں نے پان نکالا۔ اور اپنے منہ میں رکھ لیا اور گاڑی کے کوچوان سے کہا کہ گاڑی سیدھی لائل پور کی سڑک پر ڈال دو"۔

خواب یہیں تک دیکھ پایا تھا کہ میری اہلیہ نے مجھے جگاتے ہوئے کہا کہ نماز پڑھنے کی بجائے آپ لیٹ کیوں گئے اور یہ تکئے اور کرتے پر پان کی پیک کیسی ہے کیا روزہ نہیں رکھیں گے؟ میں نے دیکھا میرا تکیہ اور کرتا پان سے تر تھا اور میرے منہ میں بھی پان تھا جس کی خوشبو سے میرا دماغ معطر ہو رہا تھا۔ میں نے اپنی اہلیہ کو اپنا خواب سنایا اور کہا کہ مجھے فوراً پنجاب جانا ہے تیاری کی اور اسی روز روانہ ہو گیا۔

میرا قیام میرے ایک مُرید عزیزم اصغر علی یوسفی تاجی منیجر انشورنس کمپنی کے بنگلہ پر تھا۔ منگل کے دن مجھے خیال آیا کہ میرے پاس جو مریض جھاڑ پھونک کے لئے آتے ہیں انھیں سرکار کا عطا کردہ منگل والا تعویذ دینا چاہیئے۔ میں اسی وقت اپنے ایک اور مرید عزیزم میجر نعیم الدین یوسفی تاجی کے بنگلہ پر پہنچا اور وہاں بیٹھ کر تعویذ لکھنا اور بانٹنا شروع کر دیا۔ میرے ایک مرید احسان علی یوسفی تاجی چینی شاہ جو نوڈ انسپکٹر ہیں بڑی جلدی میں آئے اور کہنے لگے میرے ساتھ چلئے میرے بیوی بچے بعیت کے متمنی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میری

اہلیہ کو میری مُریدی سے سخت اختلاف تھا حتیٰ کہ میں نے حضرت بابا صاحب اور سرکار بابا یوسف شاہ تاجی کی شبیہ مبارک اپنے گھر میں آویزاں کی تھیں تو میری اہلیہ نے اسے بُت پرستی قرار دیکر بڑی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا لیکن آج ابھی ابھی یہ واقعہ پیش آیا کہ سرکار یوسف الاولیاءؒ میرے مکان کے بالاخانے پر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ "لو یہ منگل کا تعویذ ہے" اسے پانی میں گھول کر مکان کی سب دیواروں پر چھڑک دو بلائیں دور ہو جاتی ہیں اور تو نے فلاں موقع پر داتا گنج بخش کی نیاز مانی تھی اسے پورا نہیں کیا۔ اتنا فرمایا اور اپنی جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر عطا کیا۔ جاتے جاتے فرما گئے میرا نام غوث محمد یوسف شاہ ہے۔

میں چینی شاہ کے ساتھ ہولیا۔ واقعی ان کی اہلیہ کو متعجب پایا تمام اہل خانہ کو داخل سلسلہ کیا۔

جانشین اولیاء

۱

مولانا محمد شفیع قریشی یوسفی تاجی (نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ) علی گڑھ (صوبہ جات متحدہ ہند) کے محلہ سلطانی سرائے کے باشندے تھے۔ علومِ دینی کے ساتھ ہی مشین سازی کا کام سیکھا اور اس میں مہارت حاصل کی۔ درویشوں اور علماءِ دین کی صحبتوں کا ذوق فطری تھا۔ کسی نہ کسی طرح کامٹی شریف (صوبہ جات متوسط ہند) پہنچے جو ناگپور شریف کے قریب واقع ہے اور حضرت شاہ صوفی عبدالحکیم لکھنوی کامٹوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ یہ واقعہ شاید ۱۹۱۶ کا ہے۔ حضرت شاہ صوفی سید عبدالحکیم رح کے وصال کے بعد بھائی شفیع صاحب نے علی گڈھ کو خیرباد کہا اور اجمیر شریف کی سکونت اختیار کرلی۔ ریلوے لوکو کیرج شاپ میں بحیثیت میکانک ملازم ہوگئے اور ہیڈ میکانک کے عہدے کو پہنچے۔

حضرت مولانا عبدالکریم شاہ صاحب (المعروف حضرت غوث محمد بابا یوسف شاہ تاجی رح) سے وہ، صرف اپنے ایک پیر بھائی کی حیثیت ہی سے واقف تھے۔ سرکار رح کو آپ کے پیرومرشد حضرت قبلہ صوفی عبدالحکیم صاحب (علیہ الرحمۃ) نے باباصاحب رح کے ہاں ناگپور شریف بھیج دیا تھا۔ باباصاحب رح کے ہاں سے سرکار رح جب اجمیر شریف تشریف لائے تو شفیع بابو (مولانا محمد شفیع قریشی یوسفی) آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ اس ملاقات کے بعد ایسی گرویدگی پیدا ہوئی کہ ملازمت سے واپسی پر سارا وقت سرکار رح کی خدمت میں صرف ہوتا۔

کافی دنوں بعد ایک روز سرکار ابد قرار رح نے ان سے فرمایا کہ ہم سلسلۂ عالیہ ناجیہ قادریہ چشتیہ صابریہ میں تمہیں اپنا خلیفۂ مجاز بنانا چاہتے ہیں۔ بھائی شفیع صاحب نے بتایا کہ میں یہ بات سُن کر خاموش ہوگیا۔ لیکن کچھ دن بعد حضرت نے مکرر فرمایا کہ ہماری خلافت قبول کرو!۔ برادر بزرگ محمد شفیع قریشی صاحب نے بتایا کہ میں تو حضرت کو صرف اپنا پیر بھائی جانتا اور سمجھتا تھا، اس لئے میں نے بلاتکلف کہہ دیا

میں کیسے سمجھوں کہ آپ جملہ سلاسل کی خلافت دینے کے مجاز بھی ہیں؟۔ سرکار رح نے میرا اعتراض سنا اور بہت ہی عام اور سادہ طریقے سے فرمایا کہ" اِس کا انکشاف خود ہی ہوجائیگا"۔ میں نے بلاتکلف کہا کہ میں خواب یا مکاشفے کی بات نہیں مانوں گا۔ سرکار رح نے مجھے بغور دیکھا اور ارشاد ہوا:۔ "اچھا؟ تو پھر کس طرح ماننا چاہتے ہو؟"۔ میں نے عرض کیا کہ جن جن سلسلوں کی خلافت آپ کو حاصل ہے، وہ تمام بزرگ اس امر کی تصدیق، جاگتی آنکھوں مجھے کردیں تو مان لوں گا۔

اتنا سنا تو سرکار رح کا چہرۂ اقدس تمتما اُٹھا اور میری طرف دیکھ کر فرمایا:۔ "ایسا ہے! اچھا تو دوسرے کمرے میں تنہا ہوکر بیٹھو اور دیکھ لو"۔ میں دوسرے کمرے میں چلا گیا اور جیسے ہی وہاں جاکر بیٹھا کہ حجابات اُٹھنے لگے، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک وسیع وعریض سبزہ زار ہے اور اس میں حضرت غوث الاعظم رض تشریف فرما ہیں۔ ایک طرف حضرت خواجہ غریب نواز رح تشریف رکھتے ہیں، تو ایک طرف حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی رح جلوہ افروز ہیں۔ ایک طرف حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح، ایک طرف حضرت بابا فرید گنج شکر رح، ایک طرف حضرت محبوب الٰہی سلطان جی رح، ایک طرف حضرت مخدوم صابر کلیری رح، ایک طرف حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رح، ایک طرف حضرت شاہ طالب حسین مجیب فرخ آبادی رح تشریف فرما ہیں۔ لیکن ہمارے سرکار (حضرت مولانا عبدالکریم شاہ صاحب تاجی رح) کھڑے ہیں۔ میں نے ان تمام بزرگانِ دین کی قدمبوسی کی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ حضرت کھڑے کیوں ہیں؟ وہیں موجود ایک بزرگ سے میں نے رازدارانہ انداز میں دریافت کیا کہ یہ حضرت مولانا صاحب کیوں کھڑے ہیں؟ —— اِن بزرگ نے فرمایا کہ" یہ سارے بزرگ اپنے اپنے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ اور یہ بزرگ جو کھڑے ہیں (سرکار یوسف الاولیاء) اِن کو، ان تمام بزرگانِ دین نے مل کر اپنا جانشین بنا کر کھڑا کیا ہے۔ اب ان تمام اولیاء اللہ کی جانب سے خلق اللہ کی رہنمائی کے لئے یہی مامور ہیں"۔

بھائی محمد شفیع صاحب یُوسفی تاجی نے بتایا کہ یہ منظر دیکھ کر اور یہ بات سُن کر میں بے ہوش ہوگیا اور دو دن تک وہیں بے ہوش پڑا رہا۔ دو دن کے بعد سرکار رح تشریف لائے۔ میری پیشانی کو بوسہ دیا۔ اس بوسے کی تاثیر یہ تھی کہ میں ہوش میں آگیا۔ ہوش میں آتے ہی سرکار رح کے قدموں سے لپٹ گیا۔ پھر آپ رح کے ہمراہ نہایت مؤدب چلتا ہوا آپ کی جائے قیام پر آیا۔ قدم پکڑ کر اپنی

گستاخی کی معافی چاہی اور عرض کیا کہ میں آپ کو اپنا صرف پیر بھائی ہی سمجھتا تھا۔ آج تمام حجابات آپ کے صدقے میں رفع ہوئے ہیں۔ مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ پھر جو مزاج چاہے بنا دیجئے۔ سرکارؒ یہ سُن کر خوش ہوئے۔ مجھے بیعت فرمایا اور خلیفہ مجاز مقرر فرما دیا۔

———●———

تقسیمِ ہند کے بعد سرکارؒ جب اجمیر شریف سے کراچی تشریف لے آئے۔ شفیع بھائی بھی کراچی تشریف لے آئے۔ سرکارؒ کے مزارِ اقدس (خانقاہِ عالیہ تاجیہ، میوہ شاہ) کے قریب آصف کالونی میں رہائش اختیار فرمالی تھی۔ بڑے صاحبِ کشف تھے۔ لیکن نام نمود اور نمائش سے اجتناب فرمایا۔ مجاہدات اور ریاضتوں نے انہیں لاغر اندام بنا دیا تھا۔ بالآخر ۱۹۷۵ء میں اس جہانِ فانی سے مُلکِ جاودانی کو کوچ فرمایا۔ (نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ)

میں نے ایک مرتبہ عرض کیا تھا کہ اب ہمارے سب سے پُرانے پیر بھائیوں میں آپ ہی باقی رہ گئے ہیں۔ میں سرکارؒ کے سوانح مرتب کر رہا ہوں۔ آپ کو جو کچھ معلوم ہے مجھے لکھوا دیجئے۔ ہنس کر فرمایا: اس زمانے کے لوگ اور حضرتؒ کے حالات ؟ میاں! میں اگر چشم دید واقعات ہی بیان کروں تو تمہیں ایک زمانہ میری صحبت کے لئے درکار ہوگا۔ اور چونکہ فی زمانہ لوگوں کے عقائد خراب ہوچکے ہیں۔ اس لئے وہ ان حالات کو سُن کر یقین نہیں کریں گے اور اگر کسی نے تمسخر کیا تو معرضِ احتساب میں مبتلا ہو کر رہ جائے گا۔ پھر مجھ سے فرماتے کہ تم بھی سرکارؒ کے سوانح میں خوارق پر زور نہ دینا یہ تاریکی کا دَور ہے۔

———(۲)———

شاہ مُنیر خان صاحب یوسفی تاجی نور اللہ مرقدہٗ ضلع میرٹھ کے ایک موضع بہادر گڑھ کے رہنے والے تھے۔ اصلی پٹھان تھے۔ حضرت قبلہ شاہ صوفی سید عبدالحکیم لکھنوی کاملوی قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ سرکارؒ سے بحیثیت پیر بھائی محبت کرتے تھے۔ حضرت شاہ صوفی عبدالحکیم علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد انہوں نے سرکارؒ کے پاس حاضر رہنا شروع کر دیا اور بالآخر بیعت ہو گئے۔ اور اسی وقت سے اپنے اہل و عیال کو خیرباد کہہ دیا۔ دُنیا سے منہ پھیر لیا۔ ان کی دنیا اب صرف ذاتِ شیخ رہ گئی تھی۔ سلاسلِ طریقت کی تاریخ میں ایسے مُریدین کی بڑی تعداد ہے۔ لیکن دَورِ حاضر میں فنائیت کی ایسی مثال خال خال ہی ہو

تو ہو۔ اُن کے گھر سے جو خط آتے بغیر پڑھے سرکارؒ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ چنانچہ اُن کے اکثر خطوط کے جواب سرکارِ والا از خود ہی تحریر فرما دیا کرتے تھے۔ بھائی صاحب قبلہ نے بیعت ہونے کے وقت سے آخری دم تک اپنے متعلقین کو کوئی خط نہیں لکھا۔ اور نہ کسی دوسرے سے لکھوایا۔ آخری دم تک سرکارؒ کی خدمت میں رہے اور ہندوستان سے پاکستان آجانے کے بعد جب سرکارؒ نے کراچی میں پردہ فرمایا تو اس کے بعد بھی یہ چوکھٹ نہ چھوڑی۔ سرکارؒ کے اہل و عیال کی خدمت انجام دیتے رہے اور انہیں میں اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد ۱۹۵۶ء میں کر دی۔

اجمیر شریف میں سرکارؒ کے ہمہ دم خدمت گزار، مہمانوں کے میزبان اور گھر کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ انتہائی نفس کُش اور جفاکش انسان تھے۔ مجاہدات اور ریاضت نے اُن کا مزاج بھی مجاہدانہ بنا دیا تھا۔ اپنے جسمانی تقاضوں کو یکسر بھلا دیا تھا۔ سرکارؒ کے شاہزادے اور شاہزادیوں کو ماں بن کر اس طرح پالا کہ شاید و باید۔ کشف بہت بڑھا ہوا تھا۔ اکثر خاموش رہتے تھے۔ جذبی کیفیات کا غلبہ رہتا۔ اہلِ سلسلہ کی تربیت اور مراحلِ سلوک طے کرانے میں مددگار رہتے تھے۔ اپنے پیر بھائیوں سے بہت اِخلاص رکھتے تھے۔ ذرا سی فروگزاشت پر ایک نگرانِ حال کی طرح سخت تنبیہ فرماتے۔ اُن کے مراتب و مدارجِ ولایت مخفی رہے۔ سرکارؒ نے ازحد نوازا۔ سرکارؒ کے وصال میں چند لمحے باقی تھے۔ اِنہیں حضور نے اشارے سے قریب بُلایا اور مُصافحہ کیا۔ مصافحہ کے ساتھ ہی حضرت قبلہ بھائی صاحب نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ اسی وقت سرکارؒ واصل بحق ہو گئے۔ قدس اللہ سرہ الکریم ما

سرکارؒ کے پردہ فرمالینے کے بعد کئی برس زندہ رہے۔ اور ۸۔ محرم الحرام، پنجشنبہ کو رات ۹ بجے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ خانقاہِ عالیہ تاجیہ میں سرکارؒ کے روضۂ اقدس کے جانبِ شرق، بیگم صاحبہ نواب جونا گڈھ کی قبر کے برابر مدفون ہیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہ یہاں بھی سرکارؒ کا قرب انہیں میسّر ہے۔

اُن کے وصال کی اطلاع ہم لوگوں کو درگاہ شریف میں اُس وقت پہنچی جب پنجشنبہ کی فاتحہ ہو رہی تھی۔ تمام اہلِ سلسلہ درگاہ شریف سے محترمہ امّاں جی صاحبہ علیہ الرحمۃ کی قیام گاہ

پر پہنچے۔ بھائی کا سر مبارک اماں جی صاحبہؒ کی چوکھٹ پر رکھا تھا۔ مکان کے نیچے محلے میں
میلاد شریف ہو رہا تھا اور میلاد خواں جس شعر کی متواتر تکرار کر رہے تھے یہ تھا ؎

گر، وقتِ اجل، سر تری چوکھٹ پہ رکھا ہو
جتنی ہو قضا، ایک ہی سجدے میں ادا ہو

فرمایا کرتے تھے کہ میاں جس نے امامِ وقت کو نہ دیکھا ہو، وہ حضرتؒ کی زیارت کرلے
آج نظامِ عالم کے لئے صاحبِ نظم، حضرت ہی ہیں اور عہدِ حاضر میں آپ ہی سرگروہِ اولیاء ہیں

(۳)

حضرت شاہ مشتاق احمد یوسفی تاجی، منشی بابا کے نام سے علی گڑھ میں مشہور تھے۔
سلسلے میں منشی بھیّا کہلاتے جاتے تھے۔ علی گڑھ شہر کے محلہ سلطانی سرائے کے طبقۂ معززین
سے تھے۔ ہم اہل چھپاری سے بہت پہلے ۱۹۲۱ میں سرکارؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔
بیعت ہوتے ہی جذب و مستی کا غلبہ ہوگیا اور اس میں اس درجہ شدت پیدا ہوئی کہ اپنے گھر کا
سامان نذر آتش کردیا۔ آپ کے اعزہ واقربا نے فیصلہ کیا کہ انہیں پاگل خانہ میں داخل کرادیا جائے۔
سرکارؒ کو یہ اطلاع دی گئی تو حکم ہوا کہ انہیں حضور بابا صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی
خدمت میں ناگپور شریف بھیج دیا جائے — سرکارؒ کے حکم کی فوری تعمیل کی گئی۔ چنانچہ وہ بابا صاحبؒ
کے دربار میں پہنچا دیئے گئے۔ بیان فرماتے تھے کہ مجھے اپنی مستی اور بابا صاحبؒ کی خدمت میں
حاضری کے دنوں کی کوئی بات یاد نہیں۔ اُن دنوں کا حال تو سرکارؒ ہی جانیں، یا پھر وہ لوگ
جنھوں نے مجھے بابا صاحبؒ کے ہاں دیکھا ہوگا۔

اہل ناگپور شریف سے معلوم ہوا کہ جن دنوں سرکارؒ، حضرت بابا صاحب قدس سرہٗ کے
پاس تشریف لے جاتے تھے، اُس زمانے میں منشی بھیّاؒ کا معمول یہ تھا کہ رات کے آخری پہر
سے ان تمام راستوں کو جھاڑتے پھرتے، جن راستوں سے سرکارؒ یوسف الاولیاءؒ کو گزرنا
ہوتا — ہمہ وقت وہاں رہنے والوں نے بتایا کہ حضور بابا صاحبؒ اس خاردار جنگل میں روزانہ
کوسوں پھرتے تھے۔ اور اسی جنگل میں سرکار یوسف الاولیاء قدس سرہٗ بھی اسی طرح برہنہ پا
پھرتے رہتے۔ عینی گواہوں نے بیان کیا کہ منشی بابا کے کشف کا یہ حال ہوگیا تھا کہ انہیں
پہلے سے یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ میرے سرکار آج کن کن راہوں سے گزریں گے۔

محترمہ و معظمہ حضرت جدّن اماں صاحبہ اُن دنوں حیات تھیں۔ منشی بھیّا لوگوں
کے کپڑے سیتے تھے اور جو آمدنی ہوتی اُسے محترمہ اماں جی صاحبہ کی روزمرہ ضروریات کی خریداری
پر صرف کردیتے تھے۔ پھر جب انہوں نے جذب سے سلوک کی طرف رجوع کیا تو سرکارؒ نے
ناگپور شریف سے علی گڑھ واپسی کا حکم دیا۔ خلافت عطا فرمائی (منشی بھیّا سرکارؒ کے پہلے
خلیفہ تھے) علی گڑھ اور اس کے اطراف وجوانب میں اُن کے بکثرت مُرید تھے سلسلے میں
اُن کی فضیلت ومرتبت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ سرکارؒ اپنے اکثر غلاموں کو منشی بھیّا
کی تربیت میں دے دیتے۔ چنانچہ ہم لوگ بھی اکثر انکے پاس جاکر مقیم ہوتے اور اُٹھتے بیٹھتے ان کی
تعلیم جاری رہتی۔ عارف تھے۔ علی گڑھ میں صدہا گھریلو اور تجارتی اور سماجی متنازعہ امور میں
ان کو ثالث اور حکَم منتخب کرلیا جاتا اور ان کے فیصلوں کو اس لئے آخری حیثیت حاصل
ہوتی کہ عدل وانصاف سے سرِ مُو فرق نہیں فرماتے تھے۔ اُن کا علم اور اُن کا عمل تعلیماتِ تصوّف
پر استوار تھے۔ فرماتے: "ارے میاں! ہمارے سرکارؒ کے مراتب کا حال تم لوگوں کو اگر معلوم ہوجائے
تو سجدا دیوانے ہوجاؤ۔"

تمام پیر بھائیوں پر شفیق تھے۔ کسی خدمت سے دریغ نہیں فرماتے تھے۔ تصورِ شیخ
اور پاسِ انفاس کی تاکید فرماتے تھے۔ سرکارؒ کا برزخ اُن پر طاری تھا۔ اکثر فرماتے کہ ۶ رجب
کو غریب نوازؒ نے دنیا سے پردہ فرمایا تھا۔ میں بھی اسی تاریخ کو روانہ ہوجاؤں گا۔ چنانچہ
یہی ہوا کہ ۱۹۴۰ میں اسی تاریخ کو آپ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔ علی گڑھ میں آپ کا مزار
مبارک ہے۔ آپ کے صاحبزادے منشی نظیر احمد یوسفی تاجی اپنی والدہ اور اہل وعیال کے
ساتھ کراچی آگئے تھے۔ جیکب لائنز کی ایک جھونپڑی میں رہتے تھے۔ کراچی میں واصل بحق
ہوئے۔ سرکارؒ کی درگاہِ عالیہ کے بالکل قریب جانبِ غرب مدفون ہیں۔ بڑے مہذب،
با اخلاق اور ہنس مکھ انسان تھے۔ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اہلِ سلسلہ سے ٹوٹ کر محبت
کرنا ان کا ورثہ تھا۔ جب تک حیات رہے، معمولاتِ سلسلہ میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔
ہر سال علی گڑھ کی طرح کراچی میں بھی اپنے والد بزرگ حضرت قبلہ منشی بھیّاؒ کا عرس
کراتے تھے۔ اُن کے اہل وعیال کراچی ہی میں سکونت پذیر ہیں۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(۴)

سیّد بنیاد علی صاحب یوسفی تاجی ہمارے بہت پُرانے پیر بھائی ہیں۔ کراچی میں مع اہل وعیال واعزّہ واقربا سکونت پزیر ہیں۔ علی گڈھ کے محلّہ سلطانی سرائے کے قدیم باشندے تھے۔ عطر سازی اور چشمہ سازی اُن کا خاندانی پیشہ ہے۔ بڑے کشادہ دست اور عالی حوصلہ انسان ہیں۔ محبت اور خدمت ان کا شعار ہے۔ صبر وشکر کے عادی، متحمّل مزاج ہیں۔ معمولاتِ سلسلہ میں شریک رہتے ہیں۔ اہلِ چھتاری سے پہلے جو لوگ داخلِ سلسلہ ہوئے، ان کی یادگار ہیں۔ بھائی سیّد بنیاد علی صاحب نے بیان کیا:۔

ہمارے محلہ سلطانی سرائے کے مستری محمدؐ شفیع صاحب یوسفی تاجی اور ٹھیکیدار عبدالغنی صاحب علی گڈھ سے اجمیر شریف چلے گئے تھے۔ پہلے بھائی شفیع صاحب سرکارؒ کی غلامی میں آئے۔ پھر ۱۹۲۰ میں عبدالغنی صاحب ٹھیکیدار سرکارؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کا ایک کارخانہ تھا جس میں تالے بنتے تھے۔ اِن دونوں حضرات کا ہم لوگوں پر احسان ہے کہ ۱۹۲۱ میں بھائی صاحب اور ٹھیکیدار عبدالغنی صاحب سرکارؒ کو علی گڈھ لائے۔ محلہ سلطانی سرائے میں عبدالغنی صاحب یوسفی تاجی کا ایک بالاخانہ تھا۔ یہیں سرکارؒ نے قیام فرمایا تھا اور چندنیاں کوٹھی کے قیام سے قبل ہمیشہ اسی بالاخانے پر سرکارؒ مقیم ہوتے۔ یہی وہ مکان ہے جس کا نام سرکارؒ نے تاج منزل رکھا تھا۔ میر صاحب (بھائی بنیاد علی) نے بتایا کہ ۱۹۲۱ میں سرکارؒ سے جو لوگ پہلے ہی دن بیعت ہوئے، اُن میں سے جتنے نام مجھے اس وقت یاد ہیں، عرض کرتا ہوں:۔ (۱) منشی مشتاق احمدؐ صاحبؒ (منشی بھیّا) (۲) منشی نظیر احمد صاحب ابن منشی بھیّاؒ (مع جملہ اہلِ خاندان) (۳) شفیع بابو کے بھائی محمدؐ اسماعیل صاحب (مع جملہ اہل خاندان) (۴) میرے والد سیّد عیوض علی صاحب عطر فروش (مع جملہ متعلقین) (۵) میرے چچا سیّد امتیاز علی صاحب عطر فروش (۶) میرے دوسرے چچا سیدمحمود علی صاحب عطر فروش (۷) میں خود (سید بنیاد علی صاحب) (۸) محمدؐ اسماعیل صاحب چابی ساز (۹) حاجی محمود صاحب پینٹر (۱۰) مدار دروازہ کے اشتیاق احمد (نواب پتلی والے) (بہت لوگ تھے۔ مجھے نام یاد نہیں رہے ہیں) ان لوگوں میں علی گڈھ کے قریشی برادری کے بعض مقتدر لوگ بھی تھے۔ کراچی کے مشہور خوش نویس عبدالرشید رستم قلم کے تایا بھی ان

خوش بختوں میں شامل تھے۔ ان کا سب خاندان ہجرت کر کے پاکستان آگیا۔ کراچی کی ایک نوآبادی کورنگی کالونی میں مقیم تھے، وہیں مدفون ہیں۔ اُن کے ایک صاحبزادے محمدؐ یاسین قریشی ہیں، جو حضرت مولانا ذہین شاہ صاحب قبلہ کے ہاتھ پہ بیعت ہوئے ہیں۔ داخلِ سلسلہ ہوتے ہی اُن پر جذب کا غلبہ ہُوا۔ آستانہ عالیہ خانقاہ یوسفیہ تاجیہ کی خدمت پر مامور کر دیئے گئے تھے (آجکل ذہین شاہ صاحب کی کسی جائیداد پر محافظ کی خدمت پر مامور ہیں) ان کے والد کا نام محمدؐ ابراہیم قریشی یوسفی تھا۔

سلطانی سرائے کی تاج منزل پر ہر جمعرات کو گلدستہ شریف ہوتا تھا۔ اس فاتحہ کا جو اہتمام اور احترام ہوتا تھا، مجھے یہ نظارہ دوسری جگہ دیکھنے میں نہ آیا۔ نمازِ جمعہ جیسی تیاریاں پہلے سے ہوتی تھیں۔ فاتحہ سے قبل لوگ غسل کرتے، نئے کپڑے پہنتے، خوشبوئیں لگاتے، بہت خوبصورت فرش بچھتا۔ فاتحہ کے لئے پاک صاف مٹھائی آتی۔ (دودھ کی کوئی بھی مٹھائی) ہر شخص نماز میں بیٹھنے کے طور پر دوزانو گردن جھکائے بیٹھا نہایت یکسو ہوکر گلدستہ شریف پڑھتا۔ گلدستہ شریف شروع ہوجانے کے بعد آنیوالے ایک دوسرے کو پھلانگ کر سامنے نہیں آتے تھے۔ جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے اور جس طرح نماز میں کوئی کام نہیں کرتے، نہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں، بالکل یہی آداب گلدستہ شریف کے ہیں، جو ہم لوگوں کا معمول تھے۔ اس زمانے میں سرکارؒ سفید کرتہ، سفید تہبند، سفید شلوکا، سفید پٹکا استعمال فرماتے تھے۔ ہر جمعرات کو سرکارؒ حجامت بنواتے۔ غسل فرماتے۔ بہترین عطر شوق فرماتے۔ اس زمانے میں ہم نے سرکارؒ کو ہمیشہ برہنہ پا وبرہنہ سر دیکھا۔ کبھی کبھی جوتا بھی پہن لیتے تھے۔ بھائی میر صاحب نے بتایا کہ ۱۹۲۶ تک تاج منزل پر ہی حضورؒ قیام فرما ہوتے تھے۔ کوئی شخص سرکارؒ کو دعوتِ طعام پیش کرتا تو بلا اکراہ وبخندہ پیشانی قبول فرما لیتے۔ — جاتے وقت جتنے حاضرینِ محفل ہوتے سب سرکارؒ کے ساتھ ہوتے۔ ہم لوگوں نے یہ نظارے ہر روز دیکھے ہیں کہ دعوت کرنے والا آٹھ دس آدمیوں کا کھانا تیار کراتا۔ جب کہ سرکارؒ کے ہمرکاب لوگوں کی تعداد متعین ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ تیس چالیس افراد کی تعداد تو معمولی بات تھی۔ بعض اوقات دس آدمیوں کا کھانا، پچاس پچپن لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور کھانا بچ رہنا تو روز کی بات تھی۔ گلدستہ شریف کے لئے جس قدر شیرینی

آتی سب اسی وقت تقسیم ہو جاتی اور ہر شخص وہیں وہ تبرک کھا لیتا۔ کوئی چیز بچائی
نہیں جاتی تھی۔ بعض اوقات ایک ایک شخص کے حصہ میں پاؤ پاؤ بھر شیرینی آتی۔ میر صاحب
نے بتایا کہ حضرت مولینا سید اختر علی شاہ صاحب ۱۹۲۶ میں داخلِ سلسلہ ہوتے تو بڑی
سرگرمی پیدا ہو گئی تھی۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں (میر صاحب) شیخ سکندر قرانی دودھ والے کی دکان پر
بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھا تو سرکارؒ اور پیرانِ طریقت پر، نے اعتراضات کرنے اور ہفوات بکنے
لگا کہ مجھے طیش آگیا اور میں اُسے پکڑ کر کھینچتا ہوا تاج منزل پر لے گیا اور اس سے
کہا کہ یہ ساری باتیں جو مجھ سے کہہ رہا تھا۔ یہی باتیں سرکارؒ کے سامنے دُہرانا، ورنہ آج تیری
خیر نہیں ہے۔ سرکارؒ تشریف فرما تھے۔ محفل میں کافی مریدین موجود تھے۔ لیکن اُس وقت
سرکارؒ نے میری طرف رخ ہی نہ فرمایا۔ میں اُس شخص کو لئے کھڑا تھا وہ شخص بھی ساکت
و صامت کھڑا رہا۔ اُس کی نظریں سرکارؒ پر لگی ہوئی تھیں۔ میرا غصّے سے بُرا حال تھا۔ مگر
سرکارؒ ہماری طرف دیکھ ہی نہ رہے تھے۔ میں اُس شخص کو پکڑے کھڑا رہا۔ بہت دیر
بعد ہماری طرف دیکھا اور یکایک مجھ سے فرمایا:۔

"اسے ایک پیسے کے بتاشے لاکر اسے شربت پلا دے"

میں دوڑا ہوا گیا۔ ایک پیسے کے ڈھیر سارے بتاشے لایا۔ فوراً شربت بنا۔ سرکارؒ
کو شربت کا گلاس پیش کیا۔ سرکارؒ نے تھوڑا سا شربت پیا اور گلاس اُس معترض کو دیدیا۔
اُس نے کھڑے کھڑے وہ شربت پیا اور سرکارؒ کے قدموں میں گر گیا۔ روتے روتے بے حال
ہو گیا۔ جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو سب پیر بھائیوں نے اس سے معانقہ کیا۔ اور اسے
مبارکباد دی کہ سرکارؒ نے اُسے اپنی غلامی میں قبول فرما لیا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ بتایا کہ سرکارؒ علی گڑھ سے اجمیر شریف کے لئے روانہ ہوئے تو میں نے
پلیٹ فارم پر عرض کیا کہ میں بھی سرکارؒ کے ساتھ چلوں گا۔ فوراً ارشاد ہوا:۔ "میں تو تیرے
ہی ساتھ رہتا ہوں" ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ سرکارؒ مجھے کوئی وظیفہ پڑھنے کو
بتا دیجئے۔ فرمایا۔ "یا بابا، پڑھا کرو"۔ بتاتے ہیں کہ عطر فروشی کے شغل میں پورے
ہندوستان کی سیاحی کا خوب موقع ملا۔ چنانچہ ۱۹۲۳ میں اپنے چھوٹے بھائی

سید محمد علی کے ہمراہ میں ناگپور حاضر ہوا۔ سنگترہ منڈی کے پاس میونسپلٹی کی سرائے میں
قیام کیا۔ اگلے دن ہم راجہ کے محل پر شکردرہ شریف گئے تاکہ حضور بابا صاحب (تاج الاولیاءؒ)
کو عطر پیش کر سکیں۔ تمنا یہ تھی کہ ناگپور میں ہزار پانچ سو کا عطر بک جائے۔ بابا صاحبؒ کے دربار
میں پہنچے تو وہاں ۴۰ - ۵۰ لوگ موجود تھے۔ ایک پہلوان بابا صاحب کے محافظ تھے۔ محافظ نے
ہم سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ہم دونوں بابا صاحب کے دربار میں پہنچے اور میں نے عطر کا ایک
کنٹر کھول کر بابا صاحب کے پورے جسم پر چھڑک دیا۔ بابا صاحب نے فرمایا:۔
"عطر عطر" میں نے عرض کیا۔ جی ہاں بابا! ۔ فرمایا:۔ "باباکے بچے اچھے رہتے ہے"۔
ہم لوگ ایک ہفتہ ناگ پور میں مقیم رہے اور ایک ہزار روپے کا عطر فروخت ہو گیا۔ میر صاحب نے
بتایا کہ والئ سوات شاہ جہان خان اجمیر شریف میں سرکارؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ میر صاحب خود
بہت خوش آواز ہیں۔ موسیقی کے فن سے واقف ہیں۔ سماع کے شائق ہیں۔ کہتے ہیں کہ صدہا
اچھی آوازیں سُننے کا اتفاق ہوا ہے۔ بڑے بڑے گانے والوں کو سُنا ہے۔ لیکن جو رس، کھنک اور
لے سرکارؒ کے لحن میں تھی، وہ سوائے سرکارؒ کے کہیں سُننے میں نہ آئی۔ سرکارؒ کی صحبت سے
اُٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اور جتنی دیر آپ کے پاس رہتے، دنیا، دل و دماغ سے محو
رہتی تھی۔ خدا ہی خدا ہر طرف نظر آتا تھا۔

۵

شاہ علی احمد خاں یوسفی تاجی، ریاست چھتاری کے باشندے اور نواب صاحب
کے عزیزوں سے ہیں۔ بچپن ہی سے میرے ساتھی اور ہم سبق تھے۔ جب میں سرکارؒ کی
غلامی میں آگیا تو مجھ سے سخت نالاں رہنے لگے۔ کہتے تھے کہ تمہارا پیر، توشریعت کے
قطعی خلاف ہے۔ میں اُن سے بحث کرتا اور کہتا کہ تم چند ساعت تو حضرتؒ کی خدمت
میں گزارو۔ خود دیکھ لو گے کہ کتنے زبردست عالم باعمل ہیں۔ کاملینِ حاضریں اپنا ثانی
نہیں رکھتے۔ وہ کیونکر خلافِ شریعت ہو سکتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہی خدا یاد آتا ہے۔ جن
کی محفل میں خدا و رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے سوا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ ان کے
فیضِ صحبت سے لوگ صفِ اولیاء میں شامل ہو رہے ہیں ؎

بناتے ہیں لاکھوں وَلی ایک دم میں   خدا سے یہ قدرت وہ پائے ہوئے ہیں

مگر وہ میری کوئی بات ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن اسی قسم کی بحث وتکرار میں ہماری ہاتھا پائی ہو گئی۔ میرے بہت چوٹیں آئیں۔ میری اس حالت پر انہیں خود ہی شاید رحم آگیا اور مجھ سے خوشامدانہ طور پر کہا کہ اچھا چلو تمہارے حضرت کے پاس چلتا ہوں۔ لیکن یہ سمجھ لو کہ مُرید نہیں ہوں گا۔ میں نے یہ شرط منظور کر لی۔ وہیں سے ہم دونوں چل پڑے۔ سرکارؒ کے حضور پہنچے۔ میں نے تو سرکارؒ کی قدمبوسی کی، لیکن بھائی علی احمدؒ خاں صرف سلام کر کے دُور جا بیٹھے۔ سرکارؒ نے مجھ سے فرمایا کہ "اِن صاحب کا کیا نام ہے اور کون ہیں؟" عرض کیا کہ حضور ان کا نام احمدؒ علی خاں ہے اور میرے دوست ہیں۔

ارشاد ہُوا :- پھر تو یہ ہمارے بھی دوست ہوئے۔ مگر ہم تو انہیں علی احمدؒ کہتے ہیں سرکارؒ کے یہ کلماتِ اقدس سُننا تھے کہ بھائی علی احمدؒ کو ایک جوش سا آیا۔ ایکدم کھڑے ہوئے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہ کوئی گستاخانہ کلمات کہیں گے یا بھاگ کھڑے ہوں گے۔ لیکن وہ اُٹھے، دوڑے اور سرکارؒ کے قدموں میں آ، گرے۔ اور۔ کہنے لگے، میاں صاحب میرے سارے قصور، میری ساری گستاخیاں معاف فرما دیجئے اور غلامی میں قبول کر لیجئے۔ حضرتؒ مُسکرائے۔ میری جانب دیکھ کر فرمایا :- شربت بنا لاؤ۔ میں فوراً ہی گیا اور شربت تیار کر لایا۔ سرکارؒ نے اُس میں سے کچھ نوش فرمایا اور پھر وہ گلاس بھائی علی احمدؒ خاں کی طرف بڑھا دیا۔ وہ پی گئے۔ اس حصولِ بیعت پر مجھے بہت مسرت تھی۔ مگر وہ بیعت ہوتے ہی دُور جا کر سرنگوں بیٹھ گئے اور اسی عالمِ استغراق میں صبح ۹ بجے سے شام ۵ بجے تک رہے۔ شام کے وقت سرکارؒ کا معمول جنگل جانے کا تھا۔ چنانچہ ہم سب کے ساتھ وہ بھی گئے۔ راستے میں اُن پر جذبی کیفیت طاری ہوئی۔ اپنا جوتہ، ٹوپی، کوٹ اتار کر جنگل میں پھینک دیئے۔ مستی جاری رہی۔ واپسی ہوئی تو سرکارؒ کے ساتھ سب دسترخوان پر حاضر تھے۔ مگر حکم ہوا :- علی احمدؒ آج کھانا نہیں کھائیں گے۔ سرکارؒ لیٹے تو انہوں نے پاچاپی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ ہم لوگ روزانہ کے معمول کے مطابق رات بھر سرکارؒ کی خدمت میں حاضر رہے صبح ناشتے کے بعد سرکارؒ ناگ پور شریف جانے کو تیار ہوئے۔ ہم لوگوں نے رخصت کیا۔

ہوتا یہ تھا کہ جب بھی حضور مہینے بیس۲۰ دن ہم میں قیام فرماتے تو سرکارؒ کے جاتے

وقت ایک کُہرام بپا ہُوا کرتا تھا۔ اس روز بھی یہی عالم تھا۔ بھائی علی احمدؒ خاں یوسفی تاجی زمین پر تڑپ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اب میں زندہ کیسے رہ سکوں گا۔ کیسے دل کو سمجھاؤں گا۔ سرکارؒ سب کو تڑپتا چھوڑ کر علی گڈھ کیلئے روانہ ہو گئے۔

مجھے اپنے گھر پہنچے ابھی آدھا گھنٹہ بھی نہ ہُوا ہو گا کہ بھائی علی احمدؒ آ گئے۔ گریہ طاری تھا۔ روتے جاتے تھے اور کہہ رہے تھے کہ شوکت خدا کے لئے مجھے حضرت کے پاس علی گڈھ لے چلو۔ میری حالت بھی غیر ہی تھی۔ اُن کے کہتے ہی چل پڑا۔ وہاں سے ہم دونوں بھائی خورشید احمدؒ خان صاحب یوسفی کے گھر آئے اور ان سے عرض کیا کہ ہم دونوں علی گڈھ جا رہے ہیں۔ وہ بولے :- کیا تم کو کشف ہو گیا ہے کہ میرے پاس آئے ہو۔ میں تو خود علی گڈھ جا رہا ہوں۔ ملازم تانگہ لینے گیا ہے۔

اب کی میری بیتابی بھی حد سے سوا تھی۔ آتشِ فراق ہڈیوں کو جلائے ڈال رہی تھی علی گڈھ پہنچ کر ہم قدمبوس ہوئے تو سرکارؒ نے قہقہہ لگایا۔ پیر بھائیوں نے بتایا کہ تھوڑی دیر پہلے سرکارؒ نے فرمایا تھا کہ تم تینوں پنجشنبہ کی فاتحہ میں شرکت کیلئے آ رہے ہو۔ ان دنوں سرکارؒ کا قیام سرائے سلطانی میں ہوتا تھا۔ وہاں ہمارے پیر بھائی بکثرت تھے۔ فاتحہ شروع ہوئی۔ علی گڈھ کے صدہا مریدین حاضر تھے۔ ہماری پیر بہن علی گڈھ کی چند گانے والی طوائفیں بھی شریکِ فاتحہ تھیں۔ فاتحہ ختم ہوئی اور تبرک تقسیم ہو چکا تو سرکارؒ نے ایک مُغنیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا :- "اماں اپنی کتاب سُناؤ" فوراً سازندے حاضر ہوئے اور ان خاتون نے حضرت جامیؒ کی نعت شروع کر دی۔ مجمع بہت تھا۔ مجھے اور بھائی علی احمدؒ کو دُور ایک جگہ بیٹھنے کو مل سکی تھی۔ سماع جاری تھا کہ اِن حضرت نے میرے کان میں کہا کہ طوائف کا گانا سُننا تو شرعاً جائز نہیں ہے۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟۔ معًا سرکارؒ نے بھائی علی احمدؒ کی طرف دیکھا۔ دیکھنا تھا کہ انہوں نے چیخ ماری اور کئی فٹ اُچھل کر زمین پر گرے اور اس قدر بے خود ہوئے کہ کپڑے تار تار کر دیئے۔ آنکھ، ناک اور مُنہ سے پانی جاری ہو گیا۔ چار چار آدمی اُنہیں سنبھال رہے تھے مگر قابو میں نہیں آتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام جسم پر سرخ سرخ چکتے پڑ گئے۔ سرکارؒ نے حکم دیا " اسے رسّی سے باندھ دو! اور کمرے میں بند کر دو" میں سخت پریشان تھا کہ یہ ٹھیک نہ ہوئے تو

میں چھتاری جا کر ان کے والدین اور بال بچوں کو کیا جواب دوں گا۔ الغرض اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ مگر ان کا وہی حال تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر سرکارؒ علی گڈھ سے ناگ پور روانہ ہوئے اور اُن کیلئے حکم دیا کہ علی احمدؒ کو کئی آدمی رسیوں میں جکڑے ہوئے ہمارے ساتھ ساتھ لے کر اسٹیشن تک چلتے رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پلیٹ فارم پر گاڑی موجود تھی۔ سرکارؒ اپنی بوگی میں سوار ہوئے۔ میں قدمبوس ہو کر رونے لگا اور عرض پرداز ہوا کہ اب بھائی علی احمدؒ کا حشر کیا ہو گا۔ چھتاری تو یہاں سے سولہ میل پر ہے۔ یہ راستہ کیونکر ان سے طے کرایا جا سکے گا؟۔

بھائی علی احمدؒ کی اس کیفیت کے ساتھ ہی ان کی زبان بھی گنگ ہو گئی تھی۔ مستی و بے خودی بے حد تھی۔ مگر منہ سے آواز بالکل نہیں نکلتی تھی۔ سرکارِ اقدسؒ نے فرمایا:۔ جس کمرے میں ہم ٹھیرتے ہیں، وہیں انہیں رکھا جائے۔ کھانا تا حکم ثانی بند۔ ان کی دراز زبان ابھی مقفّل ہی رہے گی۔ انہیں تانگہ میں سوار کرا کے ہوشیاری سے لے جاؤ۔ اس وقت ریلوے اسٹیشن ماسٹر بھی دست بستہ حاضر تھے۔ انہیں حکم دیا:۔ "ارے پانی لا۔" وہ دوڑے اور پانی لا حاضر کیا۔ آپ نے اس میں سے تھوڑا پیا اور باقی پانی بھائی علی احمدؒ کو پلا دینے کا حکم دیا۔ پانی پینے ہی شدّتِ کیفیت میں افاقہ ہوا۔ بدن کا نوچنا اور اچھل کود کم ہو گئی۔

گاڑی روانہ ہو گئی تو ہم لوگ با احتیاط انہیں چھتاری لے آئے۔ یہاں انہیں دیکھنے کو صدہا تماشائی جمع ہو گئے۔ انہیں سرکارؒ کے کمرے میں لے جا کر بٹھا دیا گیا اور تین ماہ تک ہم سارے پیر بھائیوں کو ان کی سخت نگرانی کرنا پڑی۔ ان کی دیوانگی بدستور قائم تھی۔ تین ماہ بعد سرکارؒ کا والا نامہ صادر ہوا۔ حکم تھا:۔ "علی احمدؒ کو اب گھر پہنچا دیا جائے۔ کھانے کی بھی اجازت ہے۔" خط سنتے ہی اُن کی زبان کھل گئی۔ لیکن جذبی کیفیات کا غلبہ رہا۔ اسی حالت میں پیادہ پا سرکارؒ کی زیارت کے لئے چل پڑتے۔ چاہے یہ مسافت سیکڑوں میل ہی کیوں نہ ہوتی۔ گھر بار اور دیگر دنیاوی امور سے قطعی لاتعلق ہو گئے۔ پندرہ سولہ برس تک یہی حال رہا۔

ایک مرتبہ انہوں نے یہ کہکر تین ماشے سنکھیا کھا لیا کہ سرکارؒ نے میرا نام تو علی احمدؒ صابر

رکھ دیا، لیکن اُس مرتبے پر فائز ہی نہیں کیا۔ اس لئے اب زندہ رہنا بیکار ہے ــ اُن کی زہر خورانی کی اطلاع سے چھتاری میں کہرام بپا ہو گیا۔ ان کی حالت غیر ہونے لگی۔ حکیم، ڈاکٹر سب دوا دارو کر رہے تھے، مگر حالت قابو سے باہر تھی۔ جسم نیلا پڑنے لگا تھا۔ نبظیں ساقط ہو گئی تھیں۔ بھائی خورشید احمد خاں گھبرائے ہوئے سرکارؒ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ روتے جاتے تھے اور ان کا حال عرض کرتے جاتے تھے۔ سرکارؒ فوراً اُٹھے اور بھائی علی احمدؒ صابر کے گھر تشریف لے آئے۔ یہاں ایک اژدہام تھا۔ اور اُن کے مرجانے پر رونا پیٹنا پڑا ہوا تھا۔ جہاں ان کی نعش پلنگ پر تھی سرکارؒ وہیں آ پہنچے اور اُن کے مُنہ پر پڑی ہوئی چادر سرکا دی۔ ہم لوگوں نے دیکھا کہ اُن کا چہرہ دیکھتے ہی سرکارؒ کے روئے اقدس پر ایک تغیّر رونما ہُوا۔ اور آپ فوراً واپس ہونے لگے۔ میں سرکارؒ کے قدموں سے لپٹ گیا اور رو کر عرض کیا کہ حضور اُس کی لغزش اور قصور معاف فرما کر جان بخشی فرما دیں۔ سرکارؒ نے کچھ نہ سُنا اور اس ہنگامے سے باہر تشریف لے گئے۔ راستے میں، پھر میں آپ کے قدموں میں لوٹ گیا اور میرے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔ رک گئے۔ ارشاد ہوا:۔ "اچھا اب تو اُس کی گستاخی معاف کر دی اور جان واپس کر دی۔ آئندہ اگر ایسی حرکت ہوئی تو نہیں بخشا جائے گا۔

اتنا سننا تھا کہ میرے اطمینان اور مسرت کی انتہا نہ رہی۔ میں اُلٹے قدموں وہیں واپس آیا۔ سب لوگ مجھے اس قدر خوش دیکھ کر پوچھنے لگے کہ کیا ہوا؟۔ میں نے اُونچی آواز میں کہا کہ حضرت نے ان کی جاں بخشی فرما دی ہے۔ فوراً ہی ہم کئی آدمی ان کے پلنگ کے پاس پہنچے۔ دیکھا کہ ان کے جسم میں حرکت شروع ہو رہی ہے۔ نبض دیکھی تو وہ بھی رفتہ رفتہ چلنے لگی تھی۔ میں نے آواز دی:۔ کیوں بھائی! کیا حال ہے؟۔ انہوں نے آنکھ کھول کر مجھے دیکھا۔ اُسی وقت انہیں استفراغ ہوا۔ ایک بڑی قے آئی اور سارا زہر اُس میں خارج ہو گیا۔ چند گھنٹوں میں وہ اس لائق ہو گئے کہ اپنے پانوؤں سے چل کر سرکارؒ کے پاس حاضر ہو گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی طلب بھی پوری کر دی گئی ہے۔

تقسیم ملک کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آئے اور آجکل گھوٹکی، صوبہ سندھ میں مقیم ہیں اور خلق اللہ کو فیض پہنچا رہے ہیں۔

(۶)

قاضی عثمان علی شاہ صاحب یوسفی تاجی، چھتاری کے قدیم باشندے تھے۔ کئی پشت سے ریاست کی طرف سے قضاۃ آپ کے پاس تھی۔ ۱۹۲۳ ہی میں چھتاری کی ہماری پہلی کھیپ میں داخلِ سلسلہ ہوئے۔ وحدۃ الوجود کا اتنا غلبہ ہوا کہ توحیدِ وجودی بیان کرتے کرتے خود کو خدا بتلانے لگے تھے۔ علماء نے کفر کے فتوے صادر کر دیئے۔ لیکن اُن کے جوش وجذبے کی راہیں یہ فتوے بھی نہ روک سکے بلکہ مستی اور بڑھ گئی اور یہ مصرع وردِ زبان رہنے لگا۔

ع کافر نہ شدی لذتِ ایماں چہ شناسی

ایک دن ڈاڑھی، مونچھ، ابرو سب صاف کرا دیئے۔ اِس واقعہ سے چھتاری کے سب لوگ ہی اُن پر نفرین کرنے لگے۔

سرکارؒ جب چھتاری تشریف لائے تو علماءِ چھتاری، قاضی عثمان صاحب کو پکڑ کر آپؒ کے پاس لائے اور شکایت کی کہ انہوں نے بے دینی پھیلا دی ہے۔ اب ان سے نکاح خوانی بھی نہیں کرائی جا سکتی۔ سرکارؒ نے قاضی صاحب کی جانب دیکھا اور فرمایا:۔ "اس حال کے لوگ تو جنگل میں رہتے ہیں۔ انہیں بستی سے نکال دیا جائے۔ اور فلاں جنگل میں، فلاں مقام پر بٹھا دیا جائے۔ تا حکمِ ثانی ان کا کھانا بھی بند کیا جاتا ہے"۔

قاضی عثمان علی صاحب اِس مجاہدۂ سخت میں ثابت قدم رہے۔ ڈھائی برس تک کھانا بالکل نہیں کھایا۔ چائے پر گزارا رہا۔ سوتے بھی نہیں تھے۔ ہمہ وقت گردن جھکائے خاموش بیٹھے رہتے۔ جذب کا غلبہ ہو گیا تھا۔ ڈھائی سال بعد سرکارؒ نے انہیں اپنے بال بچوں میں آ کر رہنے کا حکم دیا ۔۔۔ واپسی پر انہوں نے ٹخنوں تک لمبا کرتا پہن لیا۔ موٹے موٹے دانوں کی ایک تسبیح جس کا وزن دو سیر سے کم نہیں ہوگا، گلے میں ڈال لی۔ ایک چھتری ہر وقت سر پر لگائے رہتے۔ ایک بوتل ساتھ ہوتی جس میں پانی بھرا ہوتا۔ گاؤں گاؤں پھرتے اور توحیدِ وجودی پر تقاریر کرتے۔ ہندوؤں نے ان کی خدمت شروع کر دی اور بڑے پیمانے پر فیضیاب ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ بکثرت ہندو اُن سے بیعت ہونا شروع ہو گئے۔ ہم لوگوں نے انہیں بارہا روکا کہ بغیر اجازت یہ کام کیوں شروع کر دیا۔ مگر وہ کہاں سُنتے تھے۔

کافی دِنوں بعد سرکارؒ پھر چھتاری تشریف لائے تو ہم سب نے مل کر سرکارؒ سے اُن کی

شکایت کی کہ قاضی صاحب نے گاؤں گاؤں پھر کر بیعت لینا شروع کر دی ہے۔ ہزاروں ہندو ان کے مرید ہو چکے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اس سے سلسلے کی بڑی بدنامی ہوگی۔

سرکارؒ نے یہ سب کچھ سن تو لیا، مگر بالکل خاموش رہے اور چہرۂ مبارک سے بھی کچھ مترشح نہ ہو سکا کہ آپ نے کیا تاثر قبول فرمایا۔ اتنے میں قاضی عثمان علی صاحب بھی اسی حلیہ میں سرکارؒ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہو گئے۔ ہم لوگ بہت خوش ہو رہے تھے کہ آج قاضی جی کا نشہ ہرن ہو جائے گا۔ سرکارؒ نے انہیں دیکھا، تبسم فرمایا۔ ارشاد ہوا:۔ "ہم نے سُنا ہے کہ اب تم لوگوں سے بیعت لے رہے ہو؟ بیعت لیتے وقت کیا لیتے ہو؟" ۔۔۔

انہوں نے نہایت ہی ادب سے عرض کیا کہ حضور! صرف پانچ آنے لیتا ہوں۔

سرکارؒ نے فرمایا:۔ "سستا مرید کر رہے ہو۔ اچھا اب سوا روپے فی مرید لیا کرو ۔۔۔ اور ۔ آج سے ہم نے تمہیں" دیہاتی پیر" مقرر کیا۔ انہوں نے لپک کر قدمبوسی کی ۔۔۔ ہم لوگوں کا ندامت سے بُرا حال تھا۔ اُس روز کے بعد سے اُن کی طرف رجوعِ خلائق بہت بڑھ گیا تھا اور اُن کی دُعا میں وہ تاثیر پیدا ہو گئی تھی کہ جس سے جو کہہ دیا، پُورا ہو گیا۔ اُن کے مُریدین (ہندو) سرکارؒ کے لئے کہا کرتے تھے کہ شری بھگوان بابا کے روپ میں دھرتی پر اُتر آئے ہیں!۔

(۷)

نام تو اُن کا کنور محمد اصغر علی خاں تھا لیکن چھتاری میں کلے خاں کے نام سے مشہور تھے اور چھتاری میں سب سے پہلے جو ہم لوگ سرکارؒ کی غلامی میں آئے تھے۔ ان میں یہ بھی شامل تھے۔ نواب صاحب چھتاری کے قرابت داروں سے تھے۔ زمیندار پیشہ تھے۔ سرکارؒ سے بہت محبت کرتے تھے۔ بابا صاحبؒ کی زیارت کے مشتاق رہتے تھے اور اپنی اس طلب کا ذکر جب انہوں نے سرکارؒ سے کیا تو حضور بابا صاحبؒ کے وصال کو شاید ایک سال بیت چکا تھا۔

ایک مرتبہ، جن دنوں سرکارؒ چھتاری میں رونق افروز تھے، رات کے ۲ بجے، یہ ابھی جاگ ہی رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ اُن کے کبوتروں کی کابک کے پاس حضور بابا صاحبؒ بیٹھے ہیں۔ انہوں نے دوڑ کر اپنی اہلیہ کو جگایا اور جلدی جلدی بابا صاحب

کے قریب لے آئے۔ دونوں نے ہی بابا صاحب کی قدمبوسی کی۔ دونوں میاں بیوی کا بیان تھا کہ جاگتی آنکھوں یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ بابا صاحبؒ نے اُن سے پوچھا:۔ "صوبہ دار میجر! خورجہ میں لوگ مُرید کم کیوں ہیں"۔ انہوں نے عرض کیا:۔ "حضرت! ہمارے پیر و مرشد پہلی بار خورجہ تشریف لے گئے اور قیام بھی صرف ایک شب ہی رہا۔ اگر کچھ زیادہ قیام فرماتے تو سلسلے میں بکثرت لوگ آجاتے"۔ اُن کا کہنا ہے کہ اتنا سُن کر بابا صاحب ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ یہ دونوں میاں بیوی اُسی وقت نہایت بدحواسی کے عالم میں اپنے گھر سے چل پڑے۔ اور سرکارؒ کی جائے قیام پر حاضر ہوئے۔ سب جاگے ہوئے تھے۔ جیسے ہی کالے خان صاحب قدمبوس ہوئے۔ سرکارؒ نے متبسم ہو کر فرمایا:۔ "کیوں کالے خاں! آج تو تم نے بابا صاحب کو گھر بُلا ہی لیا"۔ انہوں نے پورا واقعہ عرض کیا۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ "تمہاری بڑی خوش نصیبی ہے کہ حضور بابا صاحب نے تمہیں بیداری میں زیارت کا شرف بخشا اور "صوبیدار میجر" کے لقب سے نوازا۔ آج سے ہم بھی تمہیں اسی منصب پر فائز کرتے ہیں۔ پھر فرمایا:۔ حضور بابا صاحب جب بھی دنیا کی کسی فوجی مہم میں شرکت فرمائیں گے۔ تم بابا صاحبؒ کے ساتھ ہی ہوگے"۔

بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ سرکار انہیں "صوبیدار میجر" ہی فرمایا کرتے تھے۔ ہندو مسلمان سب ہی انہیں مانتے تھے۔ ۱۹۵۰ میں بمقام چھتاری کچھ عرصہ علیل رہ کر دنیا سے کوچ کیا۔

۸

چھتاری کے ہمارے پیر بھائیوں میں ایک صاحب **ماسٹر فیاض** کہلاتے تھے۔ یہ بھائی کالے خانصاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ کنور محمد فیاض علی خاں نام تھا۔ ہم سب کے ساتھ چھتاری والی سرکارؒ کی "جبری بھرتی" میں شریک خوش بختوں میں یہ بھی شامل تھے۔ سرکارؒ سے بیعت ہونے سے پہلے یہ حضرت مولانا شیرازی نقشبندیؒ کے مُرید تھے۔ سرکارؒ نے اُنہیں جو اشغال و وظائف عطا فرمائے، پورے اہتمام سے ان کی تکمیل میں مصروف رہتے تھے۔ چھتاری میں پنجشنبہ کی فاتحہ کا اہتمام اُنہیں کے سپرد تھا۔ تمام محافل کے مہتمم اعلیٰ سرکارؒ کے حکم سے مقرر ہوئے تھے۔ تمام پیر بھائیوں کو

گلدستہ شریف ازبر کراتے تھے۔ سرکارؒ نے انہیں **ماسٹر** کا خطاب مرحمت فرمایا تھا، جو اُن کے نام کا جُزو بن گیا تھا۔ وحدۃ الوجدان کا مسلک تھا۔ اکثر جذبی کیفیات طاری رہتیں اس حالت میں اسرارِ توحید ان کی زبان پر جاری ہوجاتے تھے۔ اِن رموز و حقائق کے نہ سمجھنے والے مُلّا مزاج لوگ اِن حقائق کو سُن کر اُن سے متنفر ہوجاتے۔ مگر اہلِ ظاہر کی طعن و تشنیع کو اہلِ حال کب خاطر میں لاتے ہیں۔ صاف گو دلیر انسان تھے۔ ان کا سارا خاندان داخلِ سلسلہ ہُوا۔ سرکارؒ اُن پر شفیق رہے۔ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے تو ذوق و شوق میں اضافہ ہوگیا۔ فریضۂ حج ادا کر کے آئے تو کچھ عرصہ علیل رہ کر راہیٔ ملکِ بقا ہوگئے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ۔

۹

سرکار یُوسف الاولیاءؒ جب شروع میں چھتاری تشریف لائے تھے تو آپؒ کے پاس بالکل شروع میں جو لوگ حاضر ہوئے اُن میں سے ایک صاحب حافظ سیّد صدیق علی صاحب بھی تھے۔ انہوں نے اپنے گھر پر ہی ایک مدرسہ کھول رکھا تھا جہاں قرآن کریم کے علاوہ اُردو اور فارسی خود پڑھاتے تھے۔ میلاد خوانی کا از حد شوق تھا۔ دُور دُور تک اُن کی میلاد خوانی کی شہرت تھی۔ مُنہ پھٹ اور بے لگام طبیعت رکھتے تھے۔ حضرت میاں محمدؐ شبیر پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ کے مُرید تھے۔ سرکارؒ جب چھتاری پہلی بار تشریف لائے اور بھائی عبدالحکیم یوسفی کے ہاں قیام فرما تھے، تو یہ سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علیک سلیک کے بعد سرکارؒ نے فرمایا:۔ "نعت سُناؤ!"۔ انہیں معلوم ہوچکا تھا کہ حضرت خوش الحان و خوش گلو ہونے کے علاوہ میلاد خوانی اور نعت خوانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ بھی تو نعت خوانی کرتے ہیں پہلے آپ پڑھیئے۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ "ہاں ہم پڑھتے ہیں"۔ اور یہ فرمانے کے بعد نہایت دلکش و دلدوز بلند آواز میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کی مشہور نعت:

واہ کیا جُود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سُنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

پڑھی۔ حافظ سید صدیق علی صاحب بیان کیا کرتے تھے کہ حضرتؒ کی خوش الحانی اور آواز

کی تاثیر سے مجھ پر "مغلوبیت" کی کیفیت طاری ہو گئی تھی، مگر اپنے ہمنواؤں کے ساتھ نعت خوانی کی۔ سرکارؒ خوش ہوئے۔ فرمایا۔ "ہم تمہارا مقصود بھی دیں گے؟"

حافظ صاحب کہتے تھے کہ میں حضرتؒ کے اس جُملے کا مطلب تو نہیں سمجھ سکا لیکن حال میرا یہ ہوا کہ اپنے ہمنواؤں کے ہمراہ روزانہ رات کے وقت حاضر ہوتا اور حضرتؒ کو نعتیں سُناتا۔

حافظ صاحب کا بیان تھا کہ میں ہندوستان کے بہت سے بڑے سے بڑے بزرگوں کی صحبت میں رہ چکا تھا۔ اور اب تک بہت سے بزرگوں سے ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ لیکن سرکارؒ کے اخلاقِ عالیہ، نسبتِ محبت اور دیگر محامد و محاسن میں نے کہیں نہیں پائے۔ مجھے سرکارؒ کا ثانی کسی بات میں دیکھنے کو نہ ملا۔ اولیائے سلف کے جو کمالات، کتبِ تاریخ اور کتبِ تصوّف میں خود پڑھے ہیں، وہ تمام اوصاف آپؒ میں مجھے بہوش و حواس نظر آئے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں چونکہ حضرتِ میاں محمد شیر صاحب پیلی بھیتیؒ کا دست گرفتہ تھا، اس لئے سوچتا تھا کہ مُرید تو میں ہو چکا ہوں۔ مُرید ایک ہی کا ہُوا جاتا ہے۔ اِس لئے ویسے ہی اِن سے فیضان حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ مگر ایک روز جبکہ حضرت قبلہ وکعبہ یوسف الاولیاء علیہ الرحمۃ میرے غریب خانے پر میلاد خوانی فرما رہے تھے کہ مجھ پر ایسی کیفیت وارد ہوئی کہ چیخیں نکلنے لگیں۔ حتیٰ کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ یہ کیفیت جب کچھ فرو ہوئی تو میں بے اختیارانہ آپ کے قدموں میں جا پڑا اور زار و قطار روتا رہا اور پھر یہ درخواست کی کہ حضورؒ مجھے غلامی میں قبول فرمالیں۔ سرکارؒ نے کرم فرمایا اور مجھے اُسی وقت بیعت فرما لیا۔ پھر تو میرا یہ حال ہوا کہ ہمہ وقت سرکارؒ کا دھیان رہنے لگا۔

ہم اہلِ چھتاری اور دیگر مقامات کے واقفِ حال برادرانِ طریقت نے دیکھا ہے کہ سرکارؒ جب چھتاری سے باہر ہوتے تو حافظ صاحب آتشِ فراق سے مجبور ہو کر سرکارؒ کے پاس چل پڑتے۔ ایک مرتبہ چھتاری سے ناگ پور شریف سرکارؒ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے اور بہت دنوں مقیم رہے۔ کہتے تھے کہ ناگپور میں سرکارؒ نے مجھے خلافت بخشی تھی۔

چھتاری سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر ایک موضع نارَوْ تھا۔ وہاں اُن کے

مُریدین بہت تھے۔ دیگر مقامات پر بھی مُریدوں کی تعداد خاصی تھی اور جب وہ پاکستان تشریف لے آئے تو کراچی پہنچنے کے بعد ۱۹۵۲ میں سرکارؒ کی درگاہ کی چوکھٹ پر پڑے رہتے تھے۔ داخلِ سلسلہ ہونے کے بعد سُکر و مستی کا ان پر غلبہ رہا۔ دنیا طلبی کا ذوق ختم ہو گیا۔ شریعتِ ظاہری کے اتباع کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ لیکن سلوک میں ہوتے تو بیشتر آداب پورے کرتے۔

سرکارؒ کی درگاہ پر جب خانقاہِ تاجیہ کی تعمیرات کا سلسلہ شروع ہوا تو کورنگی کالونی میں جا کر مقیم ہو گئے تھے۔ سیاہ لباس پہنتے تھے۔ کورنگی وغیرہ میں کافی لوگوں سے بیعت لی۔ سالانہ دونوں اعراس حسب مقدرت خاصی دُھوم سے کراتے تھے۔

زیادہ تر جو اشعار وردِ زبان رہتے ان میں سے جو مجھے یاد ہیں، یہاں پیش کرتا ہوں:۔

بمژگانِ سیہ کردی ہزاراں رخنہ در دینم
بیا کز چشمِ بیمارت ہزاراں درد برچینم
فتنہ تنہا ز جمالِ تو نہ برجاں شدنی است
نانہ بدخوئے تو صد رخنہ بایماں شدنی است

سرمد در دیں عجب شکستے کردی • ایماں بفدائے چشم مستے کردی

کبھی کبھی مستی میں فرماتے:۔ سرکارؒ کو دیکھ کر میری آنکھیں خراب ہو گئیں۔ انہیں دیکھا تو خدا، رسولؐ کے دیدار کی تمنا نہ رہی

کیا جب سے قبلہ ترے نقشِ پا کو خدائی تو کیا میں نے چھوڑا خدا کو

کراچی میں بمقام کورنگی ۱۹۷۵ میں راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ وہیں مدفون ہیں۔

(۱۰)

چھتاری میں چھبّا نامی ایک زرگر تھا۔ حضرت قبلہ خلیفہ خورشید احمد خان صاحب یوسفی کے ہاں زیورات وہی بناتا تھا۔ ایک مرتبہ سرکارؒ چھتاری میں رونق افروز تھے خلیفہ جی کے ہاں قیام تھا اسی دوران میں ایک دن چھبّا زرگر آیا۔ زنان خانہ کی ڈیوڑھی تک پہنچا۔ راستے میں سرکارؒ کی قیام گاہ تھی، نظر پڑی تو ٹھٹھک گیا۔ کسی سے پوچھا کہ یہ مہاتما کون ہیں؟ کسی نے اُسے بتا دیا کہ بابا یوسف شاہ صاحب ہیں۔ ناگپور والے

باباتاج الدین کے خلیفہ۔ پھر چھبّا نے دیکھا کہ چھتاری کے سارے معززین اِن مہاتما کے قدموں میں بیٹھے ہیں۔ وہ سب چھوڑ چھاڑ سرکارؒ کی طرف بڑھا۔ دُور ہی سے برہنہ پا ہوگیا۔ جھک کر سلام کیا اور سرکارؒ کے پاؤں چھوئے۔

سرکارؒ ہر نووارد سے اُس کا نام کئی کئی بار دریافت فرمایا کرتے تھے۔ اس زرگر سے بھی نام دریافت فرمایا۔ اُس نے اپنا نام "چھبّا" بتایا۔ سرکارؒ نے دریافت فرمایا:۔ "کیا کام کرتے ہو؟" اس نے عرض کیا۔ "سرکار، سُنار کا کام کرتا ہوں۔" سرکارؒ نے فرمایا:۔ "سونے اور چاندی کو پہلے آگ میں تپاتے ہو؟ چھبّا نے عرض کیا:۔ "جی سرکارؒ!"۔ حضورؒ نے فرمایا:۔ "اُس کا مَیل مٹی سب صاف کر دیتے ہو؟ اس نے بڑے ادب سے کہا:۔ جی سرکارؒ! بالکل صاف کر دیتا ہوں"۔ آپؒ نے فرمایا:۔ پھر اُس سونے کو جس شکل میں چاہے تبدیل کر دیتے ہو؟ ـــ وہ خاموش ہُوا ـــ سرکارؒ نے فرمایا:۔ مگر وہ زیور جو بناتے ہو اُس کا نام بھی تو کوئی ہوتا ہوگا؟۔ کیا اس سونے کا نام بدل جاتا ہے؟ ـــ چھبّا زرگر بولا:۔ "سرکار سونا تو سونا ہی رہتا ہے۔ جو چیز بنتی ہے اس کا نام بدل جاتا ہے"

سرکارؒ نے فرمایا:۔ "ہم بھی تو یہی کام کرتے ہیں۔ ہمارا تمہارا ایک ہی کام ہے۔ تم تو ہماری ہی برادری کے آدمی ہو"۔ چھبّا ہنسنے لگا۔ سرکارؒ نے فرمایا: "جاؤ کام کرو" وہ دُکان پر آیا تو جی نہ لگا۔ بے چینی ہونے لگی، ہر لحظہ دل یہی چاہنے لگا کہ چلو انہیں مہاتما کے پاس چلو۔ دکان بند کرکے گھر چلا گیا۔ مگر وہاں بھی وہی حال رہا۔ شام ہوئی تو وہ سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور رات دو بجے تک پاؤں دباتا رہا۔ سرکارؒ نے فرمایا۔ بس کرو۔ جاؤ آرام کرلو۔ چھبّا کہتا تھا کہ میں وہاں سے آیا تو رات بھر نیند ہی نہیں آئی۔ بس یہی پچھتاوا تھا کہ آخر میں وہاں سے واپس کیوں آگیا۔ نہ جانے کیسے وہ رات گزاری۔ صبح ہوئی تو اپنے چھوٹے بھائی سے کہا کہ تم دکان کھول لینا۔ میں دکان پر نہیں آؤں گا۔ یہ کہہ کر پھر حاضرِ دربار ہوگیا اور سرکار سے عرض کیا کہ مجھے اپنا مُرید بنا لیجئے۔ سرکارؒ نے فرمایا تُو تو ہمارا مُرید ہی ہے۔ مگر اس نے ہاتھ جوڑ کر ازحد عجز و انکسار سے عرض کیا کہ سرکار جیسے دوسروں کو مرید کرتے ہیں مجھے بھی اُسی طرح مُرید کر لیجئے۔ سرکارؒ نے شربت طلب فرمایا۔ پہلے تھوڑا سا خود نوش

فرمایا۔ پھر گلاس چھبّا کو دے دیا۔ اس نے کھڑے ہو کر نہایت ہی ادب سے وہ شربت پیا۔ پھر قدمبوسی کی۔ رات دن سرکارؒ کی خدمت میں حاضر رہنے لگا۔ اپنے اہل و عیال کو بھی سرکارؒ سے بیعت کرایا۔ ہر جمعرات کو بالاہتمام ہم لوگوں کے ساتھ گلدستہ شریف پڑھتا۔ اُردو اُسے نہیں آتی تھی۔ اُس نے شجرہ شریف اور گلدستہ شریف خود اپنے ہاتھ سے ہندی میں لکھا اور ایک ایک لفظ کا صحیح تلفظ کیسا تھ ازبر حفظ کرلیا۔ پھر یہ معمول بنا لیا کہ اپنی اہلیہ اور اپنے بچوں کے ساتھ روزانہ پورا شجرہ مبارکہ اور گلدستہ شریف مع صلوٰۃ وسلام پڑھا کرتا تھا۔ ہم چھتاری کے پیر بھائی اس کے ہاں جاتے تو وہ درودِ تاج کے ساتھ گلدستۂ پنجتن ہمیں پڑھ کر سناتا۔

رفتہ رفتہ اس نے اپنے اس ورد میں اپنی برادری کے افراد کو بھی بُلانا شروع کر دیا۔ سب کو گلدستہ شریف یاد کرانے لگا۔

سرکارؒ دوبارہ جب تشریف لائے تو حاضر ہوا اور گزارش کی کہ سرکارؒ گھر پر گلدستہ شریف اور فاتحہ کے بعد دعوتِ طعام قبول فرمالیں۔ سرکارؒ بہت خوش ہوئے۔ دعوت قبول فرمالی۔ ہم سب کو ہمراہ لیا۔ فاتحہ ہوئی۔ عجیب اور نرالی کیفیات کا ورود ہو رہا تھا۔ اس نے گھیر پوری اور ترکاریوں، رائتیوں وغیرہ کے علاوہ چائے بھی پورے اہتمام سے بنوائی تھی۔ اُن کی برادری کے کافی لوگ اس فاتحہ اور دعوتِ طعام میں شریک تھے۔ سرکارؒ جب کھانا تناول فرما چکے تو آپؒ کی پلیٹ میں جو پس خوردہ تھا، اسے چھبّا نے ہمارے ہی نہیں، اپنی ساری برادری کے سامنے نہ صرف یہ کہ کھایا، بلکہ بطور پرشاد (تبرک) اپنی برادری والوں کو بھی دیا۔ اس امر پر وہ لوگ سخت معترض ہوئے کہ یہ تو مسلمانوں کی جھوٹن چاٹنے لگا ہے۔ اس کا ایمان بھشٹ (ناپاک) ہوگیا۔ مگر بھائی چھبّا یوسفی تاجی نے تو وہ بے چینی پی لی تھی کہ وہ اِن فتاویٰ کفر" کو کب خاطر میں لاسکتا تھا۔ اس نے سارے ہندوؤں سے بحث مباحثے شروع کر دیئے۔ لیکن اس کی برادری نے اسے برادری سے خارج کر دیا۔ اُس نے چھتاری سے قصبہ ڈبائی ضلع بلندشہر کو ہجرت کی۔ بال بچوں کو ہمراہ لے گیا۔ ڈبائی میں بھائی چھبّا یوسفی نے جو گھر لیا تھا اس کے ایک کمرے میں باباصاحبؒ

کا فوٹو آویزاں کیا اور اُسے بابا صاحبؒ کا دربارِ خاص بنادیا۔ ہر جمعرات کو اسی دربار میں گلدستہ شریف پوسے اہتمام سے پڑھا جاتا تھا۔ ہندو مسلمان سب کو اس میں شریک کیا جاتا۔ محفل سماع آراستہ کی جاتی۔ سرکارؒ کا اِن اطراف میں گزر ہوتا تو بھائی چھبّا یوسفی تاجی ہندوؤں اور عیسائیوں کے علاوہ مسلمانوں کو بھی بیعت کے لئے ہمراہ لاتے تھے۔

سرکار قدس سرہ العزیز کسی کے مذہب وملت میں دخل نہیں دیتے تھے۔ نہ کسی مخصوص مسلک یا طور طریقے کے اپنانے کی تلقین ہی فرماتے۔ حضرت تاج الاولیاءؒ کے ہاں کا معمول بھی یہی تھا۔ ہر مذہب وملت اور ہر رنگ ونسل کے لوگ وہاں ایک کنبے کے افراد نظر آتے تھے۔ وہاں بابا صاحب کو اوتار مانا جاتا تھا۔ تو یہاں سرکارؒ کا وہی رُوپ تھا۔ ہر ایک کے منہ پر ایک ہی لفظ تھا یابابا، یابابا!

رہِ عشق میں تیرا ہندو ہے مومن
ہیں مومن ترے اولیاء میرے بابا (سرکار والاؒ)

— ۱۱ —

سَن کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ مگر مجھے یہی یاد ہے کہ ۱۹۲۶ میں علی گڈھ کے ایک محترم خاندان کے چشم وچراغ مولانا سیّد اختر علی شاہ صاحب نے سرکارؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ مولانا، علی گڈھ کے مشہور وکیل مولوی سید بہادر علی صاحبؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے اور ۱۸۹۴ میں علی گڈھ کے محلہ پَدرُون گنج میں تولد ہوئے تھے۔ حضرت سر سیدؒ کے زمانے میں مولوی بہادر علی صاحبؒ ایم۔اے۔او۔کالج کے ٹرسٹی تھے۔ الٰہ آباد یونیورسٹی سے ایم۔اے "فرسٹ پوزیشن" میں کیا تھا۔ پوری یونیورسٹی میں "ٹاپ" کیا تھا۔ ہندو قوم نے اپنی اس یونیورسٹی سے مسلمان طلبہ کی نمایاں کامیابی تقریباً ممنوع بنا رکھی تھی، لیکن مولوی سید بہادر علی کو اتنا بڑا اعزاز مل جانا، حیران کن واقعہ تھا۔ پھر انہوں نے وہیں سے ایل۔ایل۔بی کے امتحان میں بھی اسی آن بان سے فرسٹ پوزیشن حاصل کی تو تہلکہ مچ گیا۔ ملکہ وکٹوریا نے جلسۂ تقسیم اسناد (کانووکیشن) کے موقع پر انہیں سونے کے بھاری بھاری دو تمغے دیئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے علی گڈھ میں وکالت شروع کردی اور

سرسید کی تحریک میں سرگرم حصّہ لینا شروع کر دیا۔ ایم۔اے۔او۔کالج کے پہلے ریکٹر (RECTOR) بنائے گئے اور جب اِس کالج نے جامعہ کی حیثیت حاصل کرلی اور قانون کی تعلیم بھی شروع کی گئی تو قانون کے پروفیسر مقرر کر دیئے گئے۔ اسی زمانے میں علی برادران (مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہرؔ) نے اُن سے قانون پڑھا۔ یہ دونوں بھائی عالمی علیگ برادری کے مشہور سپوتوں میں سے تھے۔ اُس زمانے میں یونی ورسٹی کی جانب سے بحیثیت اُستادِ قانون اُن کی ماہانہ تنخواہ ساڑھے تین سو روپے مقرر کی گئی تھی۔ مگر مولوی صاحب نے یہ تنخواہ کبھی وصول نہیں کی۔ ہرماہ ٹرسٹ کے حساب میں یہ تنخواہ جمع ہوجاتی تھی۔ وکالت کی آمدنی سے وہ اپنی اور اپنے کنبے کی کفالت فرماتے تھے۔

اُن کے معاصرین میں ضلع علی گڈھ، ضلع بلند شہر کے بیشتر نوابین اور رؤسا شامل تھے۔ اُن میں خاص طور پر نوابزادہ آفتاب احمد خاں اور نواب سر مزمل اللہ خان شامل ہیں، جن کے نام سے مسلم یونی ورسٹی میں آج تک "آفتاب ہاسٹل" اور "مزمل ہاسٹل" موجود ہیں۔ ان اضلاع کے رئیسوں اور کالج کے بہت سے ٹرسٹیوں سے مولوی نے متعدد درسگاہوں کے قیام کے لئے چندے جمع کیے۔ لوگوں نے جی کھول کر چندے دیئے۔ اس رقم کو مولوی بہادر علی صاحب نے "قومی فنڈ" کا نام دیا اور اس سے علی گڈھ کے محلہ قاضی پاڑا میں مفت تعلیم کا ایک اسکول، مسلم طلبہ کیلئے قائم کیا۔ اس کے بعد موضع کَھیر ضلع علی گڈھ میں اور پھر شہر ہاتھرس میں اسی نوعیت کے دو اسکول کھول دیئے۔ اسی فنڈ سے ضلع علی گڈھ میں وبائی امراض کی ادویہ مفت تقسیم کی جاتی تھیں۔

اُن کے دولت کدے پر علماءِ دین کا اجتماع رہتا تھا۔ ان میں سے بعض اکابر سے مولوی صاحب تفسیر، حدیث اور فقہ کا باقاعدہ درس لیتے تھے۔ علومِ متداولہ کے مولوی صاحب خود ماہر تھے۔ ایم۔اے۔او کالج کے ایک ہائی اسکول کے وہ صدر مدرس بھی رہے تھے۔

۱۹۰۳ میں علی گڈھ میں وبا پھیلی اور اس قدر اموات روزانہ ہونے لگیں کہ لوگوں

میں بھگدڑ پڑ گئی۔ مولوی صاحب نے اعلان کرایا کہ وبا پھیلنے سے قبل احتیاطی تدبیر کے طور پر کہیں اور چلا جانا جائز ہے۔ لیکن جب وبا پھیل جائے تو اس سے بچ کر بھاگنا ناجائز ہے۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۳ کو اسی مرض کا حملہ اُن پر ہُوا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے چُٹ پُٹ ہو کر رہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ وصال کے وقت علی گڈھ کے اِس بطلِ جلیل کی عمر صرف ۳۲ سال تھی۔ پسماندگان میں ایک بیوہ خاتون، دو لڑکوں، دو لڑکیوں اور علومِ مختلفہ کی ایک لائبریری کے علاوہ کچھ نہیں۔ اولاد میں سب سے بڑے صاحبزادے مولانا سید اختر علی شاہ صاحب تھے جن کی عمر اُس وقت صرف نو سال تھی۔

مولوی صاحب کے انتقال پر علی گڈھ میں کُہرام پڑ گیا۔ اُدھر ایم۔ اے۔ او کالج میں صفِ ماتم بچھ گئی اور اِس گھرانے کی دنیا بھی تاریک ہو گئی۔ وُہ دَور آجکل جیسا نہیں تھا۔ لوگ اپنے محسنوں اور اہلِ علم سے مُنہ دیکھے کی محبت نہیں کرتے تھے۔ چناں چہ مولوی صاحب کے ایک رئیس دوست نے فوراً ہی ایک مکان خریدا اور اسے "مولوی بہادر علی فیملی دقف" قرار دے کر مستقل رہائش کے لئے مولانا اختر علی شاہ صاحب کی والدہ کے سپرد کر دیا اور پانچ افراد کے اس کنبے کی کفالت، کالج نے اپنے ذمّے لی۔ ساتھ ہی کالج کے ٹرسٹیوں نے مولانا اختر علی شاہ صاحب کو ظہور وارڈ (حصّۂ اطفال) میں داخل کرا دیا اور کالجئیٹ اسکول کی تیسری جماعت میں داخلہ دلا دیا۔ تعلیم اور بورڈنگ کے اخراجات کے علاوہ، ٹرسٹی حضرات، مولانا کو جیب خرچ بھی دیا کرتے تھے۔ ایک طرف تو یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف مولانا اختر علی شاہ صاحب کا گریہ تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا اور ہر دَم "اباجی کہاں گئے" کے الفاظ وردِ زبان رہتے تھے۔ ہر ہفتے شنبہ کی شام کو وہ اپنے ہاسٹل سے اپنی والدۂ مکرمہ کے پاس شہر آجاتے اور پیر کو پھر واپس ہاسٹل چلے جاتے۔ یہاں بھی راتوں کو یکایک بیدار ہو کر رونے لگتے اور زبان پر وہی کلمات "اباجی کہاں گئے؟" ہوتے۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ ایک بے چاری بیوہ ماں، جس کے سات بچوں میں سے ہم صرف چار باقی تھے، اُن میں سب سے بڑا میں ہی تھا اور وہ بھی دیوانہ۔ ہر وقت باپ کو یاد کرنے اور یاد دلاتا رہنے والا۔ والدہ کو میرا سنبھالنا مشکل تر ہو چکا تھا۔ ایسی ہی ایک رات کو میں سوتے سوتے زار و قطار رو رو کر وہی کلمات

ادا کرنے لگا۔ خدا کی شان اُسی وقت میرے ایک پیر بھائی مرحوم اخلاق احمدؒ آگئے۔ دروازے پر آواز دی۔ وہ میرے بچپن کے ساتھی اور ہم جماعت تھے۔ والدہ کو آزردہ خاطر دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ حال پوچھا۔ والدہ صاحبہ نے میری کیفیت بیان کی۔ بھائی اخلاق نے کہا کہ یہاں ایک بزرگ ہیں۔ میں اُن کے پاس بھائی اختر کو لے جاؤں گا۔ اُن دنوں علی گڈھ کالج کی یُونی فارم تُرکی ٹوپی، سیاہ ٹرکش کوٹ اور پتلون تھی۔ میں بھائی اخلاق کے ساتھ اگلے دن ہی کالج یُونی فارم میں جامع مسجد کے عقب میں ایک بزرگ کے پاس پہنچا۔ یہ گوشہ نشین بزرگ حضرت میاں محب اللہ شاہ مُراد آبادی علیہ الرحمۃ تھے۔ وہ اپنے کسی کام میں اُس وقت مصروف تھے۔ ہمیں آتا دیکھا تو سلام میں سبقت فرمائی اور فوراً ہی کھانے کی کوئی چیز لا کر ہمارے سامنے رکھ دی اور بھائی اخلاق سے فرمایا:۔ اختر میاں کو ہر اتوار کو لے آیا کریں۔ ان کی والدہ سے کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ انہیں تسلی دے دیگا۔ مولانا بتاتے تھے کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اور وہ کالج میں جب چاہے میرے پاس تشریف لے آتے۔ حتیٰ کہ ان کی شفقت مجھ پر اس قدر بڑھی کہ ناواقف لاتعداد لوگ مجھے اُن کا ہی فرزند سمجھنے لگے۔ "اباجی کہاں گئے؟" کی دُھن میں بھی افاقہ ہوتا گیا۔ وہ مجھے کبھی کبھی اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ جی میاں شرف الدینؒ کے پاس مراد آباد بھی لے جاتے رہے۔ اب میرا حال یہ تھا کہ درسی کتب سے زیادہ قرآن کریم کی تلاوت، نعت اور غزل خوانی میں دل لگنے لگا۔ طبیعت میں توحش ہوتا تو قرآن کریم کی تلاوت سے سکون ہو جاتا۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت محب اللہ شاہ صاحبؒ اور حضرت شاہ جی میاںؒ کی چشمِ کرم ہی تھی کہ میں میٹرک پاس کر گیا ورنہ میں کہاں اور درسی کتب کہاں۔ پھر دو برس تک میں ایف۔ اے میں رہا۔ لیکن فائنل میں فیل ہو گیا۔ اور یہ ہونا ہی تھا، بغیر پڑھائی کے امتحان میں کامیابی تا کجا۔ کالج کے ٹرسٹیوں نے حضرت قبلہ والد صاحب کی خدمات کے صلے یا اعتراف کے طور پر یہ طے کیا کہ اختر کو بیرسٹری کے لئے ولایت بھیج دیا جائے۔ میرے گارجیئن، صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحبؒ نے ٹرسٹیوں کے اس فیصلے سے مجھے آگاہ فرمایا تو میں نے فوراً ہی کہہ دیا کہ میں لندن نہیں جاؤں گا۔ صاحبزادہ صاحب حیران رہ گئے اور

برہم ہو کر فرمایا کہ تم بالکل مُلّا ہو گئے ہو۔ بس اُس روز کے بعد میں نے اس شفیقِ مکرم
کے پاس جانا بھی چھوڑ دیا۔ تحریکِ خلافت کا اُن دنوں زور تھا۔ مولانا شوکت علی اور
مولانا محمد علی جوہر ۱۹۲۱ میں جیل سے رہا ہوئے تو اپنی مادرِ درسگاہ علی گڈھ بھی تشریف
لائے۔ اُن کے استقبالی جلسوں میں، میں نے تلاوت اور نظم خوانی شروع کر دی۔
(مولانا کی آواز نہایت دلکش، بلند اور باٹ دار تھی۔ شوکت) علی برادران نے دو تین
جلسوں میں میری تلاوت اور نظم خوانی سن کر یہ فیصلہ کیا کہ تحریکِ خلافت کے ہر جلسے
میں اختر بھائی کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے بھی اپنا شریکِ سفر بنا لیا۔
میری شادی بھی کر دی گئی تھی۔ اب جو انہوں نے بحیثیت سکریٹری مجھے سفر کا
شریک کیا تو اُن کی شفقت و محبت کا مجھے اندازہ ہوا۔ وہ میرے تمام اخراجات
برداشت کرنے کے علاوہ میری والدہ صاحبہ اور میری اہلیہ کے خرچ کے لئے کافی
رقوم بھیجتے تھے۔ سال مجھے یاد نہیں۔ مؤتمر اسلامی کا اجلاس، حجازِ مقدس
میں تھا۔ علی برادران، شعیب قریشی صاحب (سابق وزیرِ خزانہ پاکستان) کے ہمراہ مجھے
بھی ساتھ لے گئے۔ حج نصیب ہوا۔ والیٔ حجاز شاہ سعود نے ہمارے وفد کو شاہی
مہمان بنایا اور جب ہم لوگ مدینۂ منورہ پہنچے تو خود شاہ سعود نے ہمیں روضۂ اطہر کے
اندر حاضری کی سعادت سے مشرف ہونے کا موقع دیا۔ اس سفر سے قبل مولانا محمد علی
جوہر علیہ الرحمۃ اور ان کے ساتھیوں کو فرنگی حکومت نے گرفتار کیا تو میں بھی بنارس
جیل میں ان کے ساتھ محبوس تھا۔ کراچی کے خالق دینا ہال میں مولانا محمد علی پر جو مشہورِ زمانہ
مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اُس میں بھی، میں شریک تھا۔ سعودی عرب میں دو مرتبہ مجھے
مولانا کے رفیقِ سفر ہونے کا موقعہ ملا۔ آخری بار جب ہم سفرِ حجاز مقدس سے لوٹ
رہے تھے تو بحری جہاز میں، میں نے بھائی محمد علی جوہر سے عرض کیا کہ "بس اب تو
عُرسوں اور قوالیوں کا دور دورہ رہے گا۔" عجیب وقت تھا کہ اپنے مستقبل کے متعلق
مجھ ایسے دیوانے کے منہ سے وُہی الفاظ ادا ہوتے، جو میرا مقدر بنا دیئے گئے تھے۔

مولانا سید اختر علی شاہ صاحب کا مکان محلہ بنی اسرائیل میں میرے خُسر کے
مکان سے ملحق تھا۔ میں ان کا ذکر سنتا رہتا تھا۔ وہ حضرت میاں محب اللہ شاہ صاحب

مرادآبادیؒ کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں بھائی
اختر علی شاہ صاحب کے ہزارہا مُریدین تھے۔ علی گڈھ، مرادآباد، دہلی، اجمیر شریف،
کلیر شریف، حوالاپور، ناگپور شریف، نینی تال، مسوری، ہردُوار، بنارس، بمبئی، کلکتہ
وغیرہ تو ان مقامات میں سے چند ہیں جہاں ان کے مریدین اور معتقدین میں عیسائی،
پارسی اور خاص طور پر ہندو بھی شامل ہیں۔ میاں محب اللہ شاہ مرادآبادیؒ کے وصال
کے بعد، بھائی اختر علی شاہ صاحب ان کے سجادہ نشین کی حیثیت سے علی گڈھ میں
اُن کا عُرس منعقد کیا کرتے تھے۔ اور مرادآباد جا کر اپنے دادا پیر حضرت شاہ جی میاں
شرف الدینؒ کا عُرس بھی بالالتزام اپنی صدارت میں منعقد کرتے تھے۔

علی گڈھ کے دورانِ قیام اپنی سسرال میں، رات کو بھائی اختر علی شاہ صاحب
کے حلقۂ ذکر کی آوازیں میں سُنا کرتا تھا۔ ان کے ہاں روزانہ ذکرِ جلی کا حلقہ ہوتا تھا۔
ایک مرتبہ ان کے ہاں حلقہ ہو رہا تھا۔ رات کے گیارہ کا عمل ہوگا۔ حلقۂ ذکر سُن کر
مجھے شوق ہوا کہ میں بھی وہاں جاؤں اور مولانا سے نعتیں سُنوں۔ پھر نہ جانے کیا جی میں
آئی کہ میں درمیانی دیوار پر چڑھ کر مولانا کے گھر میں کود گیا اور جہاں مولانا اور ان کے
مریدین و معتقدین ذکرِ جلی میں مشغول تھے، جا پہنچا۔ اور بلند آواز سے تمام لوگوں سے
مخاطب ہوا کہ "کیا تمہارا خدا کھو گیا ہے جو اتنی زور زور سے پکار رہے ہو!"۔ مولانا نے
ذکر بند کر دیا اور دوزانو ہو کر بڑے بھولے پن اور عجز کے ساتھ مجھ سے فرمایا:۔

'اچھا تو پھر کس طرح سے اس کو یاد کیا جائے؟'

اب خیال آتا ہے تو اپنے اُس زمانے کی باتوں پر ہنسی آتی ہے اور ندامت بھی
ہوتی ہے۔ میں بولا:۔" یاد تو اس کی کی جاتی ہے جو غائب ہوتا ہے۔ جو ذات موجود ہو
اور نظر آتی ہو اس کا ذکر کیسا؟ مولانا صاحب یہ سب رسمی اور رواجی پیری مریدی ہے
خدا طلبی دیگر کام ہے۔ آپ کو خدا کی طلب ہے تو میرے پیر و مرشد سے، جو دورِ حاضر
کے حقیقی رہنما ہیں، بیعت ہو جایئے۔ مولانا نے بصد اشتیاق مجھ سے فرمایا کہ ضرور
ضرور مجھے وہاں لے چلئے۔ کیا نام ہے؟ کونسا سلسلہ ہے؟ کہاں چلنا ہوگا؟
میں نے سب کچھ بتایا۔ اور کہا کہ حضرت آجکل ناگ پور شریف میں ہیں۔ محرم کے مہینے

میں چھتاری تشریف لائیں گے تو مطلع کروں گا۔ مولانا نے سب مریدین کو رخصت فرما دیا اور رات بھر مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ صبح میں نے اُن کے ساتھ ہی ناشتہ کیا اور اُن سے رخصت ہو کر چھتاری آگیا۔ دن گزرتے گئے۔ تا آنکہ سرکار تشریف لے آئے اور ۲۶ محرم الحرام کو حضور بابا صاحب قدس سرہٗ کے عرس کا اعلان فرما دیا۔

اس اعلان کے وقت مجھے مولانا اختر علی شاہ صاحب سے اپنا وعدہ یاد آیا۔ میں نے اُنہیں اُسی وقت خط لکھا۔ مولانا نے میرا پوسٹ کارڈ اب تک سنبھال کر رکھ چھوڑا تھا اور سب کو دکھایا کرتے تھے۔ میں نے اُس خط میں یہ الفاظ لکھے تھے:۔

۲۶ محرم کو شہنشاہِ ہفت اقلیم کا عُرس سالانہ چھتاری میں منعقد ہو رہا ہے اور خوش قسمتی سے حضرت قبلہ و کعبہ مُرشد و مولائے من بھی تشریف فرما ہیں۔ پس آپ اس عرس شریف میں شرکت فرمائیں اور اگر آپ نے آنے میں ذرا بھی تساہل کیا تو ہمارے ساتھ وہ قوت بھی موجود ہے کہ آپ کو جبراً اور کشاں کشاں لا کر چھوڑے گی۔ یہاں آنے پر آپ کا مقدر تبدیل کر دیا جائے گا۔

غرض کہ میں اپنے جُنوں میں مولانا کی شان کے خلاف بے تکلفی کے ساتھ لکھ گیا۔ ۲۶ محرم کو عرس شریف کی محفل میں بہت بڑا اجتماع تھا۔ سرکارؒ میلاد خوانی فرما رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مولانا سامنے کی جانب سے بہت تیز تیز چلے آ رہے ہیں۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور سرکارؒ نے مولانا کی طرف دیکھ کر بغیر کسی تذکرہ و تعارف کے از خود (میلاد خوانی کے مابین ہی) میری طرف دیکھ کر فرمایا:۔ یہی ہیں مولانا اختر علی صاحب؟ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کے اسی ایک جملہ پر میرے اوسان جاتے رہے۔ میں نے دیکھا کہ مولانا بیساختہ سرکارؒ کے قدموں پر سر رکھ کر لوٹنے لگے۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر میں نے جلدی سے شربت تیار کیا اور سرکارؒ کو پیش کر دیا۔ میلاد خوانی کے دوران ہی میں حضور نے شربت نوش فرمایا اور باقی شربت کا گلاس مولانا کی طرف بڑھا دیا۔ مولانا سرو قد کھڑے ہو گئے۔ گلاس لیا۔ سر پر رکھا اور منہ سے لگا لیا۔ یکایک سرکارؒ نے فرمایا:۔ "مُبارک ہو"

کیا بتاؤں اُس وقت میری مسرت و شادمانی کا عالم کیا تھا۔ میلاد شریف ختم ہوتے ہی مولانا پر شدید جذبی کیفیت طاری ہو گئی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر انتہائی تیز رفتاری سے بازار گئے۔ مجھے زور سے پکڑے رکھا۔ سر منڈوا دیا، اپنا عمامہ اور جوتے ایک غریب راہگیر کو عنایت فرما دیئے اور وہاں سے بڑھ کر ڈاکخانے پہنچے اور مولانا شوکت علی مولانا محمد علی کو تار کے ذریعے اپنی سکریٹری شپ سے استعفےٰ بھیج دیا۔ پھر باہر نکلے اور نہایت بلند آواز اور انتہائی خوش الحانی کے ساتھ یہ اشعار پڑھنے اور رقص کرنے لگے۔

عاشقاں را دین دیگر ہست ایمان دگر	مصحفِ روئے تو مارا ہست قرآن دگر
رخصت اے تقویٰ کہ یار آمد بسامان دگر	لغزشِ مستانہ در رفتار جام مے بکف

———•———

اپنے اس واقعہ بیعت کے متعلق خود مولانا اختر علی شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پیرو مرشد حضرت میاں محب اللہ شاہ مراد آبادی علیہ الرحمتہ کے وصال کے بعد مجھے بڑی بیقراری اور وحشت رہنے لگی تھی۔ اسی عالم میں ایک دن میں علی گڈھ میں تکیہ حضرت شاہ جمالؒ کے قبرستان میں اُستاد صاحبؒ کے مزار شریف پر ذکرِ جلی میں مصروف تھا کہ مجھ پر شدید گریہ طاری ہوا اور میں روتے روتے بیہوش ہو گیا۔ اسی عالم میں کیا دیکھا ہوں کہ ایک عالی شان دربار لگا ہوا ہے۔ کچھ بزرگ بیٹھے ہیں۔ انہیں میں سے ایک بزرگ زرنگار تاج پہنے مسند نشین ہیں۔ اچانک میرے پیر و مرشد میاں محب اللہ شاہ مراد آبادی علیہ الرحمۃ (جن کا سلسلہ حضرت شاہ صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی سندھیؒ سے جا ملتا ہے۔) مجھے ساتھ لئے داخلِ دربار ہوئے اور میرا ہاتھ مسند نشین بزرگ کے ہاتھ میں دے کر ارشاد فرمایا:۔ "اختر! تمہیں میں نے آج سے اِن بزرگ کے سپرد کیا۔ بس اب تمہاری تربیت اور نگرانی یہی بزرگ فرمائیں گے"۔ مولانا کا بیان تھا کہ اتنا منظر دیکھ کر میری آنکھ کھل گئی اور عجیب سا سکون محسوس ہوا۔ گریہ کی کیفیت یکسر ختم ہو گئی۔ سیدھا گھر آیا تو شوکت بھائیؔ کا خط ملا۔ لکھا تھا چھتاری آجاؤ۔ میں چھتاری پہنچا تو حضرت یوسف الاولیاء بابا شاہ مولانا عبدالکریم تاجی قدس سرہٗ میلاد خوانی فرما رہے تھے۔ زیارت کرتے ہی دل پکارا:۔ "ارے اختر! یہی تو وہ بزرگ ہیں

جن کے سپرد تجھے خواب میں کیا گیا تھا۔ اُدھر سرکار یوسف الاولیاؒ نے بھی مجھے نظر بھر کر دیکھا اور کسی کے متعارف کرائے بغیر فرمایا:۔ " آخاہ، تو آپ ہی مولانا اختر علی شاہ ہیں"۔ یہ ارشاد ہونا تھا کہ مجھے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔

ع قربانِ یک نگاہے تو عمرِ درازِ ما

میں نے دیکھا ہے کہ اُس دن سے ۱۹۷۱ء میں یکایک روپوشی تک ان پر بیشتر جذبی کیفیات کا غلبہ رہا۔ سرکارؒ کی دست گرفتگی کے بعد بیوی، بچوں اور گھر بار کو سپردِ خدا کردیا تھا اور ۱۹۷۱ میں روپوشی کے وقت تک یہ استغنےٰ جاری رہا۔ بھائی سید اختر علی شاہ صاحب قلندر یوسفی تاجی کے حالات، ان کی کیفیات اور قریب قریب نصف صدی تک ایسی مثالی استقامت کی نظیر، ہمیں اس نصف صدی میں نظر نہیں آتی۔ جب تک اُن کا قیام ہندوستان میں رہا، سرکارؒ کی زیارت کیلئے وہ علی گڈھ سے پیادہ پا کبھی اجمیر شریف اور کبھی ناگپور کو چل پڑتے۔ خطرناک جنگلوں، پہاڑیوں اور ندی نالوں میں متواتر سفر، اس پر طرفہ فقروفاقہ۔ یہی استقامت مولاناؒ کی زندہ کرامت تھی، جو سلسلۂ عالیہ یوسفیہ کا ایک روشن باب ہے۔ پاکستان آگئے تو پاسپورٹ لے کر ناگ پور شریف گئے۔ باباؒ کے میخانے میں پہنچ کر ویزے اور واپسی کی معینہ تاریخ کا ہوش، مولانا ایسے میخوار کو کہاں رہتا۔ حکومت نے گرفتار کرکے جیل بھیج دیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جیل جانا باباصاحبؒ کی سنّت ہے۔ اس سنت کی تکمیل کی سعادت میرے حصتے میں بھی آئی جو ادا ہوئی اور انشاءاللہ ہوتی رہے گی۔

ناخوش آں وقتے کہ بر زندہ دلاں بے عشق رفت
ضائع آں روزے کہ برمستاں بہشیاری گزشت

۱۹۵۰ میں علی گڈھ سے اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کرکے کراچی آگئے تھے۔ سرکارؒ کی درگاہ پر ہی مقیم رہتے تھے۔ ان کے صاحبزادے عزیزم سید گوہر علی صاحب سلمۂ اپنی والدہ اور بھانجوں بھانجیوں کے ساتھ آگرہ تاج کالونی میں مقیم ہے۔ مولانا

کو درگاہ شریف کا وکیل دربار مقرر کیا گیا۔ مولانا نے فنائے تامّہ اور عجز و انکسار کا حق ادا کردیا۔ پاکستان کی تمام زندگی سخت عُسرت و تنگ دستی میں بسر کی۔ اُن کے ہزارہا مریدین ہیں۔ مگر سب غریب۔ کبھی کسی مرید سے کوئی خدمت نہیں لی۔ مولانا ذہین شاہ صاحب نے اپنی بڑی بچی عزیزہ سلمہا کو مولانا سید اختر علی شاہ کے فرزندِ ارجمند گوہر میاں کے نکاح میں دیا، جو اَب ماشاءاللہ عیال دار اور آسودہ حال ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مولانا کی قدر کسی نے نہ جانی۔ باباصاحبؒ کے دربار ناگ پور شریف میں بھی اُن کے مُریدین بہت کافی تعداد میں رہتے ہیں۔ یہ تمام مرد اور خواتین یو۔ پی اور سی۔ پی وغیرہ کے ہیں۔ لیکن دربار کی تمام خدمات انہی افراد کو حاصل ہیں۔

ڈاکٹر محمود صاحب علیہ الرحمۃ (ڈاکٹر ایم۔ ایم۔ احمدؒ صدر شعبۂ فلسفہ کراچی یونی ورسٹی) سے مولانا کی دوستی علی گڑھ کے زمانۂ طالب علمی سے ہی تھی۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف علیہ الرحمۃ کے درس میں مولانا سید امیر الدین قدوائیؒ ڈاکٹر ایم۔ ایم۔ احمدؒ اور ڈاکٹر برہان احمدؒ فاروقی بالالتزام شرکت فرماتے تھے۔ بھائی اختر علی شاہ صاحب بھی شریکِ درس ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے اُن کی قربت اُس وقت دوگونہ ہوگئی جب ڈاکٹر صاحب بھی سرکارؒ کی پلٹن میں بھرتی ہوگئے اور یوسفی تاجی ہونے کے اعزاز سے سرفراز ہوتے۔

مولانا سید اختر علی شاہ صاحب کو سرکارؒ نے اپنی خلافت عطا فرمائی۔

۔ مجھ سے خصوصی محبت

فرماتے تھے۔ آٹھ آٹھ دس دس میل پیادہ پا چل کر ایک ایک پیر بھائی کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ کبھی خالی ہاتھ نہیں آتے تھے۔ بچوں کے لئے پھل اور مٹھائیاں ساتھ ہوتی تھیں۔ وضعداری اُن کا حصتہ تھی۔ جذبی کیفیت کا غلبہ رہتا تھا۔ ملامتی ذوق تھا۔ اپنے مرتبے کو چُھپانا اُن کے علوئے مراتب کی دلیل ہے۔

نظریۂ پاکستان اور اس مملکت کے قیام کے خلاف جس دور میں کوئی سربراہ ملک کوئی اقدام کرتا، تو مولانا، جذبی کیفیت میں پبلک مقامات پر پہنچ کر علی الاعلان اس کی مذمت میں دُھواں دھار تقریریں کرنے لگتے تھے۔

۔بڑے بڑے مشائخ اور پیرانِ طریقت کو پاس سے دیکھا۔ لیکن جو بات سرکار یوسف الاولیاءؒ میں دیکھی، اس کی مثال بھی کہیں نظر نہیں آتی۔ اُسوۂ مُحمّدٌ رّسُولُ اللہ کا سراپا تھے سرکارؒ۔

۵

مثنوی شریف ایسی خوش الحانی سے پڑھتے کہ سُننے والے محو و مستغرق ہو جاتے تھے۔ حافظؒ، جامیؒ، سعدیؒ، خسروؒ، شاہ مجیبؒ، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، سرکار یُوسف الاولیاء (والدؒ)، مولانا محمد علی جوہرؒ، غالبؔ اور مولانا ذہین شاہ کے صدہا اشعار اور غزلیں اُنہیں ازبر تھیں۔ قصیدہ بُردہ شریف، قصیدہ غوثیہ اُن کی نوکِ زبان پر تھے۔ مجھ سے اور میرے اہل خاندان سے اُن کی محبت و شفقت کا حال کیا بیان کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ میرے کنبے ہی کے ایک بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی آل و اولاد میں برکت وسعادت عطا فرمائے۔ اُن کی اہلیۂ محترمہ بھی ہماری پیر بہن تھیں۔ بڑی صابر و شاکر اور صاحبِ استغناء و استقامت خاتون تھیں۔ کراچی میں ۱۹۶۹ء واصلِ حق ہوئیں۔ درگاہ شریف کے قریب مدفون ہیں۔

۱۲

عبدالمجید خاں، چھتاری کے ایک معمولی اُردو خواندہ معمار پیشہ، بڑے جھگڑالو آدمی تھے۔ مزاج جو تھے آسمان پر رہتا۔ سب لوگ اُن سے بیزار تھے۔ محلّے میں ہمارے گھر کے پاس ہی رہتے تھے۔ شادی کی تھی مگر بُری خصلتوں کی وجہ سے بیوی کو چھوڑ رکھا تھا۔ احکامِ الٰہی کی کھلی خلاف ورزیاں کرتے اور ان حالات پر قائم رہنے پر مُصر رہتے تھے۔ شاید کوئی گناہِ کبیرہ ہو جو وہ نہ کماتے ہوں۔ ایک ہندو نیچ ذات کی کھٹیک عورت کو گھر میں ڈال رکھا تھا، اور گھر بھی اِن کا کہاں تھا، اسی کا گھر تھا۔ اسی کے گھر پڑے ہوئے تھے۔ اس عورت کا شوہر مرگیا تھا۔ جس سے ایک لڑکا گنگا سہائے بھی ماں کے ساتھ تھا۔ اِس ہندو عورت کو بھی وہ ستایا کرتے تھے۔ لوگوں نے بہت سمجھایا کہ:- حرام کاری چھوڑ دو۔ عورت کو مسلمان کر کے، اپنے نکاح میں لے آؤ۔ اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کرو۔ مگر عبدالمجید اس روش پر شرمندہ ہونے کی بجائے، سمجھانے والے کو مغلظات سنانے لگتے۔ فوجداری پر آمادہ ہوتے۔ ڈھٹائی دیکھئے کہ اپنے گھر کے

باہر چبوترے پر بڑے کلّے ٹھلّے سے بیٹھے رہتے تھے۔

ایک دن کا ذکر ہے، سرکار یُوسف الاولیاء علیہ الرحمۃ غریب خانے پر تشریف لائے عبدالمجید خاں نے بھی سرکارؒ کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا سامنا ہوا تو پوچھا کہ یہ میاں صاحب کون تھے جو ابھی آپ کے گھر آئے تھے؟۔ پھر سرکارؒ سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔

ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ خلیفہ خورشید احمد خان صاحب یوسفی تاجی مرحوم و مغفور کے گھر پر عبدالمجید خاں موجود ہیں۔ سرکارؒ یہیں قیام فرما تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے عبدالمجید خاں کا یہ حال ہُوا کہ سرکارؒ کی قیام گاہ سے سرکنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ سرکارؒ نے اپنی غلامی میں ان کو قبول فرما لیا تھا۔ سرکارؒ کا دامن تھامتے ہی اُس عورت سے دست کش ہو گئے۔ اعزّہ و اقربا کو خیرباد کہہ دیا۔ سرکارؒ نے ہمارے کھیتوں اور باغ کے اُس پار ایک جنگل میں ان کو بٹھا دیا۔ کھانا بند فرما دیا۔ صرف چائے پی سکتے تھے۔ ایک کمبل کے علاوہ کوئی شے پاس نہ تھی۔ کچھ ہی عرصے میں کمبل شاہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ شب بیداری اور عبادت گزاری کے سوا کوئی کام نہ رہا۔ سرکارؒ جب تشریف لاتے تو اُن کے پاس جنگل میں تشریف لے جاتے۔ اُن کی ایسی کایا کلپ ہوئی کہ صاحبِ کشف بنا دیئے گئے ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

۱۳

برادرم برکت علی خاں صاحب یوسفی نے بیان کیا کہ چھتاری سے کوئی دو میل دُور کالی ندی ہے۔ اسی مقام پر ندی سے ایک نہر نکالی گئی تھی، جسے روک کر انجنوں کے ذریعے اوپر نہر میں پانی پھینکا جاتا تھا۔ دراصل یہ ایک ہیڈ ورکس تھا۔ کسی نے سرکارؒ سے عرض کیا کہ جنگل میں سیر کے لئے ایک خوبصورت مقام ہے۔ سرکارؒ نے فرمایا،۔ ہاں؟ تو ہم ضرور چلیں گے"۔

اس ہیڈ ورکس کے انچارج ایک بنگالی ہندو لَلِت مُوہن خاں تھے۔ میری اُن سے دوستی تھی۔ اُن کے ماتحت ایک مستری بھی تھے جن کا نام روشن خان تھا۔

ایک دن معلوم ہوا کہ سرکارؒ ہیڈ ورکس پر تشریف لے جائیں گے۔ یہ خبر پاتے ہی میں اپنی بائیسکل سے ہیڈ ورکس پہنچ گیا۔ لَلِت موہن خاں علی گڈھ گئے ہوئے تھے۔ ہیڈ ورکس

بند تھا۔ روشن خان موجود تھے۔ میں نے اُنہیں بتایا کہ آج شام کو ہمارے پیر صاحب
یہاں سیر کو تشریف لا رہے ہیں۔ ککلت موہن تو ہیں نہیں۔ تم یہاں رہنا تاکہ انجن
وغیرہ چلا کر پانی چڑھا سکو اور سرکار کی تفریح اچھی طرح ہو جائے۔ روشن خاں پہلے تو
پیری مُریدی کا مذاق اُڑاتے رہے۔ پھر سنجیدگی سے بولے کہ دیکھو بھیا! میں پیروں دیروں کا
قائل نہیں ہوں۔ لیکن وہ تمہارے پیر ہیں اس لئے میں اُن کو سیر خوب کرا دوں گا۔

سرکارؒ ہاتھی پر جلوہ افروز چند مریدین کے ہمراہ شام کے وقت ہیڈ ورکس پہنچے۔ مستری
روشن خان حاضرِ خدمت کئے گئے۔ سرکارؒ نے ڈیڑھ ڈھائی گھنٹے وہاں قیام فرمایا۔ روشن
خاں نے تین بڑے بڑے انجن ایک ساتھ چلا دیئے۔ ذرا کی ذرا دیر میں نہر پانی سے
لبریز ہو کر بہنے لگی۔ جب سرکارؒ نے واپسی کا ارادہ ظاہر فرمایا تو مستری روشن خاں نے
بہت ادب سے عرض کیا کہ میاں صاحب! میرے کوارٹر تک چلیں تو چائے پیش کروں۔
سرکارؒ نے بڑی شفقت سے فرمایا:۔ اب ہم پھر کسی وقت آئیں گے۔

رات، ہم لوگ اپنے اپنے گھروں سے جب سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو
وہاں روشن خاں کو موجود پایا۔ کم از کم میرے لئے یہ بڑی حیرانی کی بات تھی۔ میں تو اُن کے
بُرے خیالات سے واقف تھا۔ چنانچہ میں نے پوچھا کہ یہاں کہاں؟ ۔ وہ بولے کہ
"میاں صاحب کے بعد مجھے کل نہیں پڑی"۔ بس میں چلا آیا۔ للت موہن بابو تھوڑی
دیر بعد آ گئے تھے۔ پھر بولے:۔ "یہ میاں صاحب میرا دل لُوٹ لائے ہیں"۔

رات بھر روشن خاں، سرکارؒ کے پاؤں دبلتے رہے۔ صبح ہوئی تو حکم ہوا کہ فوراً
ہیڈ ورکس چلے جاؤ۔ روشن خان باہر آئے اور مجھ سے کہا کہ میں میاں کو آج ہی چائے
پر بُلانا چاہتا ہوں۔ ہمت نہیں پڑتی۔ ذرا میری طرف سے عرض کر دیں۔ میں نے ان
کی آرزو سرکارؒ سے عرض کر دی۔ فرمایا:۔ "ہاں، پرسوں شام کو ہم وہیں فاتحہ کریں گے"۔
میری نوعمری کے دن تھے۔ یاد نہیں رہا۔ کن بزرگ کا نام لیا کہ ان کی فاتحہ کا دن ہے۔
"مگر سبز چائے کا انتظام کرنا"۔

اس جنگل میں روشن خاں نے محفل کو سجانے کیلئے جو اہتمام اور جد و جہد کی
تھی اس پر ہم سب کو حیرانی تھی۔ چاروں طرف بانس گاڑ کر روشنی کا انتظام کیا تھا۔ جازمیں

چاندنیاں، قالین اور گاؤ تکیے نہ جانے کہاں کہاں سے لا کر جمع کئے تھے۔ فاتحہ کے لئے
مٹھائی اور وافر مقدار میں پھل منگائے تھے۔ دُور دُور خبر کر کے لوگوں کو جمع کر لیا تھا۔
سرکارؒ کے لئے ایک نیا حقّہ منگوایا تھا اور اس میں بھی بجلی کے بلب لگائے تھے۔
سرکارؒ کے ہمراہ نواب بہادر عبدالسمیع خان صاحب والیٔ طالب نگر اور پنڈراول کے رئیس
راجہ اکبر علی خان صاحب کے علاوہ بہت سے معززین اہلِ سلسلہ بھی تھے۔ سرکارؒ
نے روشن خاں کے اس انتظام و انصرام اور فاتحہ کے اہتمام پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا
خصوصاً حقّے کو دیکھ کر تو حضور بہت ہی محظوظ ہوتے۔ گلدستہ شریف پڑھا گیا۔ جنگل میں
منگل ہو رہا تھا۔ انوار و تجلیات کی بارش تھی۔ کیفیات بھی انوکھی تھیں۔

سرکارؒ نے اس مرتبہ یہاں کافی قیام فرمایا۔ واپسی رات گئے ہوئی تو روشن خاں کو
یہیں چھوڑ دیا تھا۔ لیکن رات دو بجے روشن خاں سرکارؒ کی جائے قیام پر چھتاری میں
حاضر ہو گئے۔ صبح اجازت لے کر ہیڈ ورکس گئے۔ اور نوکری سے استعفیٰ دے کر،
سرکارؒ کے قدموں میں آ پڑے۔

سرکارؒ نے بھائی روشنؔ کا لباس تبدیل کرا دیا۔ لمبا سفید کرتا، سفید تہہ بند، گھٹا ہوا
سر۔ پھر ان پر ریاضتوں اور مجاہدوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔

کالی ندی کے کنارے کنارے دو دو، تین تین میل کے فاصلے پر سات مزارات تھے۔
چھتاری سے چار میل کی مسافت پر ایک جگہ ہے جو سید نوُر کہلاتی ہے۔ یہاں ندی
کے کنارے ہی ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ برگد کا ایک پُرانا درخت تھا۔ وہیں ایک بوسیدہ
سا پختہ احاطہ بھی تھا، جس میں اونچی کرسی کا ایک مزار تھا۔ آس پاس بھی کچھ مزارات تھے۔
شہرت تھی کہ یہ شہیدوں کے مزارات ہیں۔ بہت پُر ہیبت مقام تھا۔ وہاں آدم زاد تو
کجا، مویشی اور عام چوپایوں کا گزر بھی کبھی کبھار ہی ہوتا ہوگا۔ برگد کے سائے کے علاوہ
سر چھپانے کو کوئی شے نہیں تھی۔ رات کو بہت ٹھنڈ ہوتی۔ دن کو وحشت برستی۔ پاس
ہی ہندو قوم کا مرگھٹ تھا جہاں مُردے جلائے جاتے تھے۔

سرکارؒ نے ان کا نام **روشن شاہ** رکھا اور اس ہیبت ناک مقام پر انہیں
تن تنہا قیام کا حکم دیا۔ غذا ترک کرا دی گئی تھی۔ صرف چائے، پانی اور بیڑی پی سکتے

سکتے تھے۔ تاحکمِ ثانی یہیں مقیم رہنے کی تاکید تھی۔ چناں چہ بھائی روشن شاہ یوسفی تاجی پوری پامردی اور اطاعت شعاری کے ساتھ تاحکمِ ثانی، مدتوں یہیں مقیم رہے۔ ہم لوگ کبھی دن میں اور کبھی رات کے اول حصے میں ان کے پاس ہو آتے تھے۔

سرکارؒ جب چھتاری سے تشریف لے گئے تو حضرت خلیفہ خورشید احمد خاں صاحب یوسفی اور بھائی شوکت علی خان صاحب یوسفی کے ذریعے احکام انہیں پہنچتے تھے۔

یقین کیجیے، یہ اطاعت شعاری، ہمت و مستعدی بھائی روشن شاہ ہی کی تھی کہ وہ برسوں اسی جگہ مقیم رہے اور حکم کے مطابق سارے معمولات سے وابستہ رہے۔

محمود بود عاقبتِ کار دریں راہ

گر سر برود در سرِ سودائے ایازم

تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ قرب و جوار سے رجوعِ خلائق شروع ہو گیا، مرادمند، مرادیں پانے لگے۔ بڑی شہرت ہوئی۔ پھر انہیں ارادت مندوں نے، اسی مقام پر ایک خس پوش جھونپڑا تیار کر دیا۔ سید نور صاحب کے مزار پر پنجشنبہ کو ہم لوگوں کو بھی حاضری کا موقع ملا۔ اور وہاں عجیب و غریب واقعات درپیش آئے۔ اس مزار پر اب بہت لوگ جانے لگے تھے۔

حضرت تاج الاولیاء ناگپوریؒ کا زمانۂ عرس مبارک قریب آ گیا تھا۔ سرکارؒ کا حکم صادر ہوا کہ حضور بابا صاحب کا عرس سیّد نورؒ پر منعقد کیا جائے۔ تعمیلِ حکم کی گئی۔ اس وحشت ناک مقام پر شہروں کی رونق مات تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہر طرف سے بارات آ رہی ہیں۔ نہ جانے کتنی صدیوں بعد اس سرزمین پر انسانی قدومِ انسانی بیک وقت پہنچے ہوں گے۔ پہاڑی پر آثارِ قدیمہ نظر آتے تھے۔ اس علاقے میں نہ جانے اور کتنے شہداء کے مزارات ہوں گے۔

روشن شاہ صاحب کے پاس جب مخلوق کی بھیڑ لگنے لگی اور روزانہ نیاز فاتحہ کا اہتمام ہونے لگا تو یک بیک، انہیں اس مقام سے فوراً کوچ کرنے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے قریب کالج کے برابر، ریل کی پٹڑی کے پار جو اُجاڑ، سنسان پرانا قلعہ واقع تھا، وہاں قیام کا حکم صادر ہوا۔ اس قلعے میں ہزاروں ابابیلوں کا بسیرا اور خوف

و وحشت کا پہرہ تھا۔ سرکارؒ کے حکم کے مطابق وہ یہاں بھی مدتوں مقیم رہے۔ علی گڑھ اور اطراف کی مخلوق کا وہاں اس قدر اژدہام، کچھ ماہ گزرتے ہی رہنے لگا کہ خود روشن شاہ صاحب اس سے اکتا گئے۔ مخلوقِ خدا ان کی گرویدہ تھی۔ ہر روز گلدستۂ شریف، ہر شب محفلِ سماع۔

{ بھائی روشن شاہ یوسفی تاجی تقسیمِ ملک کے بعد ہی علی گڑھ سے کراچی تشریف لے آئے اور کراچی میں بمقام لانڈھی کالونی مقیم ہیں۔ ان سے سلسلہ جاری ہے۔ ان کے دست گرفتہ افراد بھی کافی تعداد میں ہیں۔ }

(۱۴)

چھتاری میں چھٹن نام کے ایک میر صاحب تھے۔ بداخلاق، منہ پھٹ، آزار پسند آنے جانے والے میر صاحب سے کترا کر گزرنے ہی میں عافیت سمجھتے تھے۔ شارعِ عام پر ایک شامگر اور ایک قلعی گر کی دکانیں تھیں۔ یہیں میر صاحب کی ٹھیکی لگتی۔ راستہ چلتے لوگوں پر پھبتے بازی کرتے۔ پھر یہ کہ اس پھبتے بازی میں بھی کوئی توازن نہیں ہوتا تھا بس جو منہ میں آیا دے مارا۔

سرکارؒ جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد سے تشریف لا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے مسلمانوں کا ایک ہجوم تھا۔ میر صاحب اُسی دکان پر کھڑے تھے۔ سرکارؒ جب قریب پہنچے تو میر صاحب دُکان کے چبوترے سے اُتر کر سڑک پر آ کھڑے ہوئے۔ ہم میں سے بعض بھائیوں کو اندیشہ ہوا کہ میر صاحب بدلگام ہیں۔ کوئی گستاخی نہ کریں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس پیش آیا۔ میر صاحب بڑھے، بڑے ادب آداب کے ساتھ سلام عرض کیا۔ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ چہرے پر عاجزی کے آثار تھے۔ سرکارؒ رُک گئے۔ میر صاحب سے مصافحہ فرمایا۔ اُن سے نام پوچھا۔ اُن کی مزاج پُرسی کی۔ پھر فرمایا: "اچھے رہتے"۔ یہ فرماتے ہی قدم بڑھا دیا۔ گروہِ عشاق تو پیچھے تھا ہی، میر صاحب بھی اس کارواں میں شریک ہو گئے۔ جائے قیام پر پہنچ کر، سرکارؒ نے اُن صدہا افراد میں میر صاحب کو دیکھ لیا۔ پاس بُلا لیا۔ کچھ دیر اُن سے باتیں فرماتے رہے۔ اِس پہلے ہی آمنے سامنے میں میر صاحب کی کایا کلپ ہو گئی۔ سرکارؒ حُقّہ سے شوق فرماتے تھے۔ میر صاحب اُٹھے اور

عرض کیا: "حکم ہو تو چلم بھر لاؤں"۔ فرمایا: "ہاں، حقّہ لے جاؤ!"۔ اب کیا تھا۔ بڑے انہماک سے انہوں نے نیچا تازہ کیا۔ فرشی مانجھی۔ اہتمام کے ساتھ چلم بھری۔ اور سرکارؒ کی خدمت میں حقّہ لے آئے۔ مغرب کے وقت سرکارؒ سے اجازت لے کر چلے گئے۔ میر صاحب چلے گئے تو لوگوں کو موقع مل گیا۔ ان کی خودسری، بے لگامی وغیرہ کے واقعات بیان کرنے لگے۔ سرکارؒ بالکل خاموش رہے۔ آخر میں فرمایا: "اچھا! مگر وہ برابر ہماری خدمت کرتے رہے"۔

رات ہوئی تو دیکھا کہ میر صاحب حاضر ہیں۔ کچھ دیر سر جھکائے گھٹنے نیوڑھائے بیٹھے رہے۔ یکایک کھڑے ہوئے اور عرض کیا: "حکم ہو تو پیر دباؤں"۔ رات دو بجے تک وہ سرکارؒ کے پیر دباتے رہے۔ دو بجے تو سرکارؒ نے فرمایا: "میر صاحب اب آرام کرتے ہیں"۔

اس کے بعد تو حال یہ تھا کہ میر صاحب ہمہ وقت خدمتِ بابرکت میں حاضر رہنے لگے تھے۔ بسا اوقات دو دو تین دن تک اپنے گھر نہیں جاتے تھے۔

میر چھٹن نماز نہیں پڑھتے تھے۔ کوئی شخص نماز پڑھنے کی تلقین کرتا تو ناراض ہو جاتے اور اُلٹی سیدھی سُنانے لگتے تھے۔ سرکارؒ کے پاؤں دباتے رہتے۔ لیکن جب سرکارؒ نمازِ باجماعت کیلئے کھڑے ہوتے تو میر صاحب ذرا دُور جا کر بیٹھ جاتے۔

ایک دن وہ پیر دبا رہے تھے، سرکارؒ نے پوچھا: "میر صاحب کیا نماز آپ کو راس نہیں آئی"۔ میر صاحب نے عرض کیا: "حضور! ایک دفعہ نماز پڑھی تو والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ایک مرتبہ والدہ صاحبہ گئیں اور ایک مرتبہ پڑھی تو میری بھینس مر گئی"۔ سرکارؒ نے تعجب کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد کیا: "ارے توبہ، ایسا ہوا؟"۔

دو چار روز ہی گزرے ہوں گے کہ ایک دن دریافت فرمایا: "میر صاحب نماز پڑھنا تو آتی ہوگی؟"۔ میر صاحب بولے: "ہاں حضور! سب یاد ہے"۔ ارشاد ہوا: "تو آپ اُسی بات پر نماز سے ناراض ہو گئے؟" ــ میر صاحب سر جھکا کر خاموش بیٹھ گئے۔ فرمایا: "میر صاحب! آپ ہم سے بہت محبت کرتے ہیں؟" عرض کیا: "پتہ نہیں مجھے سرکارؒ سے کیوں محبت ہو گئی ہے"۔ فرمایا: "مگر میر صاحب آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہے تو اُس کی بات بھی مانتا ہے"۔ میر صاحب نے کہا: "جی ہاں"۔ فرمایا: "ہم اگر آپ کو حکم دیں تو مان لیں گے؟"۔ میر صاحب نے بڑی

مستعدی سے اقرار کیا۔ بولے: "حکم دیں حضور!"۔ فرمایا: "میر صاحب پانچ وقت کی جو نمازیں ہوتی ہیں، اُن میں سب سے چھوٹی کونسی ہے؟"۔ میر صاحب نے عرض کیا: "فجر اور عصر کی"۔ فرمایا: "صبح تو آپ بہت جلد اُٹھ جاتے ہوں گے؟"۔ بولے: "صبح چار بجے اُٹھ بیٹھتا ہوں حضور"! دریافت فرمایا: "اتنے سویرے اُٹھ کر پھر آپ کیا کرتے ہیں؟"۔ عرض کیا: "پہلے حقّہ بھرتا ہوں۔ حقّہ پی چکنے کے بعد حوائج سے فارغ ہوتا ہوں"۔ سرکارؒ نے فرمایا: "ہم نے آپ کے متعلق نماز سے بات کی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ اب میر صاحب کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ مگر ابھی صرف صبح کی نماز سے بات ہوئی ہے۔ اور یہ ہے بھی بہت چھوٹی۔ آپ اندھیرے سے اُٹھ بھی جاتے ہیں۔ تو پھر آپ صبح کی نماز شروع کر دیجئے"۔ میر صاحب نے عرض کیا: "اچھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں تو ضرور شروع کر دوں گا"۔ اس کے بعد میر صاحب فجر کی نماز پابندی کے ساتھ ادا کرنے لگے، اور داخلِ سلسلہ بھی ہو گئے۔

آخرِ کار گرفتارِ سرِ زلف ہُوا ، دلِ دیوانہ کہ وارستۂ ہر مذہب تھا

دو ایک ماہ بعد سرکارؒ پھر چھتاری تشریف لائے۔ میر صاحب حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا: "ہمارے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے میر صاحب؟" انہوں نے عرض کیا: "فجر کی نماز پابندی کے ساتھ ادا کر رہا ہوں۔ مگر مسجد میں نہیں جاتا"۔ سرکارؒ نے تبسّم فرما کر ان سے ارشاد کیا: "کوئی مضائقہ نہیں۔ عصر کی نماز بھی تو چھوٹی ہوتی ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ عصر بھی ادا کر لیا کریں"۔ میر صاحب نے ہنس کر عرض کیا: "حضور! یہی کیوں نہیں فرما دیتے کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھا کر"۔ فوراً ہی فرمایا: "نہیں نہیں۔ دیکھئے ایک وقت کی نماز آپ نے ہمارے کہنے سے شروع کی ہے۔ اب ایک وقت کی اپنی مرضی سے شروع کر دیجئے۔ اور یہ دونوں نمازیں آپ نے ہی تو کہا تھا کہ چھوٹی ہوتی ہیں"۔

اس کے بعد انہوں نے عصر کی نماز بھی شروع کر دی اور کچھ عرصے بعد پانچوں وقت کے نمازی ہو گئے۔ پچھلی ساری عادات بھی ختم ہو گئیں۔ اور اُن میں ایسا انقلاب رونما ہُوا کہ لوگوں کو اُن سے محبت ہو گئی۔ تقسیمِ ہند سے قبل ہی چھتاری میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

نہیں گر سرو برگِ ادراکِ معنیٰ ، تماشائے نیرنگِ صورت سلامت

(۱۵)

برکت علی خان صاحب میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ ۱۳ برس کے تھے کہ چھتاری
میں سرکارؒ کی غلامی میں آئے تھے۔ انہیں اپنا شرفِ قرب عطا فرمایا گیا۔ گوناگوں نیرنگوں سے
گزارا۔ صبر اور قناعت کی توفیق بخشی۔ طبعاً کشادہ دست اور فراخ حوصلہ ہیں۔ پیر بھائیوں
میں مقبول ہیں۔ برادرانِ طریقت سے بہت محبت کرتے ہیں۔ تجارت پیشہ رہے ہیں۔
اس لئے ہر کوچک ہنر میں خوب سیاحی کی ہے۔ سنجیدہ اور متحمل مزاج ہیں۔
خانقاہِ عالیہ یوسفیہ ناجیہ (کراچی) کی تعمیر میں بڑی لگن سے مصروفِ خدمات رہے۔ خانقاہ
شریف پر سال میں دو اعراس ہوتے ہیں، اور تین تین روز تک لنگر شریف کی دعوتِ عام
ہوتی ہے۔ لنگر کیلئے اجناس کی خریداری، اُس کی تیاری اور تقسیم کی خدمات انہوں نے برسوں
انجام دی ہیں اور عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ بہت نحیف الجثہ ہیں۔ سانس کے مریض ہیں ــ
زیادہ تر بیمار رہنے لگے ہیں۔ تلاوت کلام پاک اور سماع کا بہت شوق ہے۔ پابند صوم وصلوٰۃ
ہیں۔ ہر حال میں خوش اور مطمئن رہتے ہیں۔ شعر کہتے ہیں۔ سرکارؒ اور بابا صاحبؒ کی
منقبتیں بہت شوق سے لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ اُن کی اہلیہ بھی سرکارؒ کے دامن سے
وابستہ ہیں۔ حلیم الطبع، خوش باش، پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔ تلاوت اور میلاد خوانی
کی شائق رہتی ہیں۔

اب خود اُن کی زبان سے حالات سُنیئے:۔

میری شادی جہانگیر آباد میں میرے چچا کے ہاں طے ہوئی تھی۔ میں کسی اور طرف
بدل وجان متوجہ تھا۔ حتیٰ کہ میں نے اپنی والدہ صاحبہ کو خبر کرادی کہ میں دوسری جگہ
شادی کرنا چاہتا ہوں۔ والدہ صاحبہ نے میرے دوست عبدالرزاق یوسفی کو بُلا کر
کہا کہ تم برکت کو سمجھاؤ۔ اس سے کہو کہ یہ طریقہ، تمہارے خاندانی طریقے کے خلاف ہے۔
تمہارے چچا اور چچی یہ رشتہ طے کر چکے ہیں۔ تمہارے خاندان میں ہر ایک تایا اور چچا
کو یہ حق ہے کہ اپنے کسی بھی بھائی کی اولاد کا جہاں چاہے رشتہ طے کردے۔ لطف علی
خاں نے یہ سب کچھ طے کردیا ہے۔ تمہارے والد نے سنا تو کیا کہیں گے۔ اُن کو یہ

رشتہ منظور ہے۔ والدہ صاحبہ نے کہا کہ برکت کی تعلیم بھی کم ہے اور بے روزگار بھی ہے
اس کے باوجود جب اس کے چچا لطف علی خان نے اُسے قبول کرلیا ہے تو اُسے اور کیا چاہیئے۔
میری سمجھ میں کچھ سماتا ہی نہ تھا۔ بس ایک ہی دُھن تھی کہ جہاں میں چاہتا ہوں وہاں
شادی ہو۔ اسی زمانے میں سرکار یوسف الاولیاء قدس سرہٗ چھتاری تشریف لے آئے۔ میں
کئی بار خدمت میں اس ارادے سے حاضر ہوا کہ عرض کروں گا کہ یہ رشتہ مجھے منظور نہیں ہے۔
اکثر اوقات میں سرکارؒ کی پاچاپی بہت بہت دیر تک کرتا رہا۔ ہمارا معمول یہ تھا کہ بہت سی
باتیں اسی پیر دباتے میں منوالیا کرتے تھے۔ لیکن جب سوچتا تھا کہ دل کی بات عرض کردوں،
عین اُسی وقت کوئی نہ کوئی آجاتا۔ پھر یہ تدبیر سُوجھی کہ وضو کراتے وقت عرض کردوں گا۔
یہ سوچتے ہی سرکارؒ نے فرمایا۔ "ہم استنجے کو جائیں گے"۔ میں دوڑ کر پانی لے آیا۔ استنجے
سے فارغ ہوئے تو میں وضو کے لئے پانی لے آیا۔ اس لئے کہ سرکارؒ ہر وقت باوضو رہتے
تھے۔ میں لوٹا تھامے کھڑا تھا کہ سرکارؒ نے فرمایا:۔

"ارے تم اپنی شادی کے متعلق اپنے والدین کی رائے سے اختلاف
کرتے ہو؟ ماں باپ کیا ہمیشہ تمہارے سر پر بیٹھے رہیں گے۔
اُن کے حُکم کی تعمیل میں شادی کرلو ـــــــ
پھر کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ تم اور شادی ہی نہ کرسکو۔ وہ مرجائے تو
اور کرلینا۔ وہ مرجائے تو اور کرلینا"۔

اتنا فرمانا تھا کہ گویا میں بالکل بدل ہی گیا۔ وہ اختلاف رائے، وہ دوسری جگہ کی
لگن اور تڑپ سب کافور۔ جیسے مجھے کوئی اختلاف تھا ہی نہیں۔ اگلے روز ہی میں نے
عبدالرزاق سے والدہ صاحبہ کو مطلع کرادیا کہ ٹھیک ہے جو آپ صاحبان چاہتے ہیں، مجھے
منظور ہے ؎

ذرا یہ قوت وقدرت تو دیکھو
ہماری خواہشوں پر چھاگئے ہیں (کیفؔ یوسفی مرادآبادی)

میری شادی کی تاریخ جب مقرر ہوگئی تو سرکارؒ کو اطلاع دی گئی۔ جواب آیا کہ ان
تاریخوں میں ہم کاٹھیاواڑ جونا گڈھ ہوں گے۔

شادی کے دن بالکل قریب تھے اور سرکارؒ نے بھی اپنی روانگی کی تاریخ سے مطلع فرما دیا تھا جو بالکل ہی قریب تھی۔ پھر لطف یہ کہ جواب دینے کے لئے کوئی پتہ بھی تحریر نہیں فرمایا تھا۔ سرکارؒ کی عدم شرکت کی اطلاع سے ہمارے سارے گھر والوں کو سخت رنج تھا۔ خصوصًا مجھے بہت ہی صدمہ ہُوا۔ اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ میں نے تو اُنؒ کے حکم سے اپنا پختہ ارادہ بدل دیا۔ اس قدر حاضر باش ہوں۔ اِس قدر خدمت گزار ہوں۔ پھر بھی میری پرواہ نہیں کی۔ میری بجائے کسی بڑے آدمی کے ہاں تقریب ہوتی تو اپنا پورا پروگرام تبدیل کر دیتے۔ دل میں بد اعتقادی کے خطرات سر اُٹھاتے رہے (معاذ اللہ) میں نے سوچا کہ دیکھئے اپنا پتہ بھی تو نہیں لکھا کہ میں اپنے بزرگوں سے اُنہیںؒ تار بھیج کر پروگرام بدلنے کی درخواست کراتا۔ وقت اتنا کم ہے کہ کوئی تدبیر کسی بھی طرف سے نہیں کی جا سکتی۔ انحراف کی سی کیفیت مجھ میں پیدا ہو گئی تھی۔ بے چینی اور بددلی بڑھتی ہی چلی گئی۔ بارات کی روانگی کا وقت آ گیا۔ میں بہت رویا۔ دل بھر بھر کر آتا تھا اور یہی ملال تھا کہ میری شادی میں سرکارؒ شریک نہیں ہوں گے۔

بارات چھتاری سے صبح روانہ ہو کر شام کو جہانگیر آباد پہنچی۔ میں ہاتھی پر بیٹھا تھا۔ کہ کسی نے آ کر کہا کہ سرکارؒ تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے گھبرا کر بڑی حیرانی سے سامنے کی طرف دیکھا تو واقعی سرکارؒ اپنے مخصوص شاہانہ انداز سے تیز تیز تشریف لا رہے تھے۔ میں نے مہاوت سے کہا کہ ہاتھی کو جلدی سے بٹھا دو۔ مہاوت نے ہاتھی کو جھکایا ہی تھا کہ میں کود پڑا اور دوڑ کر قدمبوس ہوا۔ ساتھ ہی مجھ پر رقّت کا غلبہ ہو گیا۔ فرمایا:۔ "ارے برکت! ہم تو یہاں دو یوم پیشتر ہی پہنچ گئے تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ برکت کی شادی میں شرکت نہ کرتے۔" ارشاد ہوا:۔ "اس لطافت (میرے برادرِ نسبتی لطافت علی خاں یوسفی مرحوم) نے تو ہماری بڑی خاطر کی ہے۔ کئی مُرغ ہم کو کھِلا ڈالے۔ ہم تمہارے انتظار میں یہاں رہے۔"

یہ وہ دن تھے کہ میں نوعمر اور کم سمجھ تھا، کچھ نہ سمجھا۔ نہ کچھ احساس کیا۔ مگر آج اپنے خطراتِ فاسدہ اور سرکارؒ کی کرم فرمائیوں اور غریب نوازی کی طرف دھیان کرتا ہوں تو قلب و رُوح کو اتنا نادم پاتا ہوں کہ بیان ممکن نہیں۔

کاروباری سلسلے میں میرا سفر صوبہ جات متحدہ، صوبہ جات متوسطہ، بمبئی، گجرات، کاٹھیاواڑ کے علاوہ پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان میں بھی ہوتا تھا۔ اس مرتبہ تین ماہ گزر گئے تھے کہ میری حاضری سرکارؒ کی خدمت میں نہیں ہو پائی تھی۔ میں سندھ میں تھا۔ اپنا دورہ پورا کر چکا تھا۔ ــــــــــ میں نے اجمیر شریف سرکارؒ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ اپنے حالات لکھے۔ جواب کیلئے یوسف قاسم جوہری بندر روڈ، کراچی کا پتہ لکھا۔ کراچی میں میری ڈاک اسی پتے پر آتی تھی۔ کراچی آیا تو گرامی نامے کی دُھن میں بے تابی سے اپنی ڈاک وصول کی۔ سرکارؒ کا گرامی نامہ ڈاک میں موجود تھا۔ تحریر فرمایا تھا:۔

> تمہارا لفافہ محررہ (فلاں تاریخ) موصول ہوا ہم کو بڑی خوشی ہے کہ تم سیاحت میں عبادت کر رہے ہو۔ دنیا چند روزہ ہے۔ حرام لقمے سے پرہیز کرو۔ ہم ابھی اجمیر شریف میں ہی ہیں۔

سرکارؒ کے قیامِ اجمیر کا حال معلوم ہوا تو دل چاہا کہ کراچی سے سیدھا وہاں جا پہنچوں دورے کے پروگرام کے مطابق جو مقامات رہ گئے ہیں اُنہیں چھوڑ دوں۔ چنانچہ کراچی سے چل کر حیدر آباد اور پھر میرپور خاص پہنچا اور وہاں سے اجمیر شریف حاضر ہو گیا۔ راستہ میں بار بار یہ خیال آتا رہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ سرکارؒ اجمیر شریف میں تشریف فرما ہوں اور وہاں سے سیدھے علی گڈھ تشریف لے چلیں تاکہ میں ایک دو ماہ تک خدمتِ بابرکت میں باریاب رہ سکوں۔ اسٹیشن سے دولت کدۂ عالیہ پر حاضر ہوا۔ سرکارؒ نظر نہ آئے تو اماں جی صاحبہ کے پاس حاضر ہوا، معلوم ہوا درگاہ شریف گئے ہیں میں سیدھا درگاہِ معلّیٰ پہونچا۔ محبوب منزل میں جلوہ افروز تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا:۔ "اچھا آپ آ گئے؟" پھر کچھ دیر بعد ارشاد ہُوا:۔ تم اپنا سفر پورا کر کے آئے ہو؟ ۔ عرض کیا:۔ "جی حضور! میں اب یہاں سے علی گڈھ ہی جاؤں گا۔" سرکارؒ تھوڑی دیر خاموش رہے۔ میں سوچتا رہا کہ دل کی بات کیسے عرض کروں۔ پھر سرکارؒ ازخود گویا ہوئے:۔ ہم نے بلند شہر حکیم عبدالوحید صاحب کو خط لکھا ہے کہ ہم یہاں سے دہلی، پھر بلند شہر، وہاں سے خورجہ ہوتے ہوئے علی گڈھ پہنچیں گے۔" مجھے سخت ملال ہوا کہ سرکارؒ پندرہ بیس دن بعد کہیں علی گڈھ تشریف لائیں گے۔ میرا ارادہ تو اس طرح پورا

نہیں ہوسکے گا۔ دو دن اِسی تردّد میں بسر ہوئے۔ لیکن بات پھر بھی دل کی دل میں ہی رہی اپنی طلب عرض کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔ تیسرے دن "محبوب منزل" میں بیٹھے بیٹھے یکایک فرمایا:۔ تم یہاں سے علی گڈھ ہی جاؤ گے؟۔ میں نے عرض کیا جی حضور! ارادہ تو یہی تھا۔ فرمایا:۔ "اور اگر ہم بھی تمہارے ساتھ علی گڈھ چلے چلیں تو؟"۔ میری خوشی حد سے سوا تھی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! یہ تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ اس کے بعد سرکار خاموش ہو گئے۔ ایک گھنٹے بعد فرمایا:۔ "ہمارا بستہ لاؤ"۔ ایک پوسٹ کارڈ تحریر فرمایا اور مجھ سے فرمایا: اِسے پوسٹ کر دینا۔ میں وہ خط سپردِ ڈاک کر آیا۔ رات کو سرکارؒ نے اماں جی صاحبہ سے فرمایا:۔ "ہم کل ہی علی گڈھ جا رہے ہیں"۔ میں نے یہ گفتگو سن لی اور جی ہی جی میں جھومتا رہا کہ سرکار نے میری طلب کو قبول فرما لیا۔ صبح سے جو آنا سرکارؒ اس سے یہ ضرور فرمانے کہ ہم برکت کے ہمراہ علی گڈھ جا رہے ہیں۔

سرکارؒ کے ہمراہ میں بھی بغیر کسی اطلاع کے علی گڈھ پہونچ گیا۔ کوٹھی چندنیاں پہنچے۔ وہاں پہنچ کر فرمایا:۔ "ارے برکت دیکھو تم چھتاری ہو آؤ"۔ میرا تو ارادہ ہی تھا کہ آج یہاں رہ کر کل چھتاری ہو آؤں گا۔ چنانچہ حکم ملتے ہی گھر کو روانہ ہو گیا۔ وہاں رات قیام کیا۔ صبح میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ دو ایک جوڑی کپڑے میرے اٹیچی کیس میں رکھ دیجئے میں علی گڈھ جا رہا ہوں تاکہ دو ایک ماہ سرکار کی خدمت میں رہ سکوں۔ میری اہلیہ نے کہا کہ تین مہینے بعد تو آئے ہو۔ اب پھر جا رہے ہو۔ دو چار دن تو قیام کیجئے۔ لیکن میں نے اپنے ارادے پر اصرار کیا کہ ابھی واپس جانا ہے۔ آخرش ہم دونوں میں تکرار ہو گئی اور میں ناراض ہو کر علی گڈھ کے لئے چل پڑا۔

علی گڈھ میں نواب بہادر الحاج عبدالسمیع خان صاحب یوسفیؒ کی کوٹھی (چندنیاں) پہنچا تو پتہ چلا کہ سرکارؒ سلسلۂ وارثیہ کے کسی عرس میں شرکت کے لئے اٹاوہ (یو۔پی) تشریف لے جا رہے ہیں۔ وہاں کے سجادہ نشین حضرت محمود میاں شاہ صاحبؒ نے سرکارؒ کو خصوصی طور پر مدعو کیا ہے۔

اِس زمانے میں سرکارؒ کی سفری خدمت میں زیادہ تر حضرت قبلہ منشی بھیّا رہا کرتے تھے۔ جو سلسلے کے پہلے خلیفہ بھی تھے۔ لوگ سمجھتے تھے وہی ہمرکاب ہوں گے۔ لیکن مونس بھیّا

علیہ الرحمۃ کا خیال تھا کہ مجھے یہ اعزاز حاصل ہوگا۔ اصغر بھیّا کا خیال تھا کہ مجھے حکم ہوگا۔ مجھے اپنی جگہ یہ خیال تھا کہ اب کی باری میری ہے۔ پھر یہ کہ میں تو اِسی ارادے سے کراچی سے چلا تھا کہ سرکارؒ کی خدمت میں رہنا ہے۔ اُدھر نواب بہادر صاحبؒ نے بھی دریافت فرمایا کہ اس مرتبہ کون ہمراہ ہوگا۔ مگر سرکارؒ نے ہنوز کسی کو حکم نہیں دیا تھا۔ میرا خطرہ بڑھتا چلا جا رہا تھا کہ طلب گار متعدد ہو گئے ہیں۔ میرا نمبر مشکل ہی سے آسکتا ہے۔ نمازِ ظہر کا وقت آگیا مگر کوئی حکم صادر نہیں ہوا اور شاید شام کو چھ بجے روانگی تھی۔ منشی بھیّا سے میں نے عرض کیا کہ سرکارؒ کے صندوق میں میرے دو جوڑی کپڑے بھی رکھ دیجئے۔ انہوں نے فرمایا:۔ کیا تجھے سرکارؒ نے حکم دیا ہے؟۔ میں نے عرض کیا کہ حکم تو نہیں دیا ہے۔ مگر اسٹیشن تک تو سب ہی جائیں گے۔ اگر مجھے حکم نہ ملا تو کپڑے واپس لے لوں گا۔ منشی بھیّا نے میرے کپڑے رکھ لئے۔ ظہر کی نماز سرکارؒ نے بڑے ہال میں پڑھائی۔ بہت لوگ تھے۔ پھر رفتہ رفتہ سب روانہ ہوتے رہے۔ صرف قبلہ منشی بھیّا بیٹھے رہے تاکہ وہ مُصلّیٰ اٹھا کر تہہ کر سکیں۔ نماز کے بعد بڑے ہال میں ہی گاؤ تکیہ کے سہارے سرکارؒ فروکش ہو گئے۔ منشی بھیّا اور میں نے جانمازیں تہہ کیں اور جانا چاہا۔ ابھی ہم دروازے پر ہی پہنچے تھے کہ سرکارؒ کی آواز آئی:۔ "برکت!" میں مَعاً لوٹا۔ دست بستہ حاضر ہو گیا۔ میرے قریب ہی منشی بھیّا بھی آکر ایستادہ ہو گئے۔ سرکارؒ نے منشی بھیّا کو دیکھ کر فرمایا:۔ "کیا تمہارا نام برکت ہے؟ جب ہم برکت کو آواز دے رہے ہیں تو آپ کیوں آئے؟"۔ منشی بھیّا اُلٹے قدموں واپس ہو گئے۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ "اِٹاوہ گئے ہو کبھی؟"۔ عرض کیا:۔ سرکارؒ میں کبھی نہیں گیا"۔ سرکارؒ نے آنکھیں بند فرما لیں۔ میں چند منٹ تک اُسی طرح کھڑا رہا۔ پھر واپس چلا گیا۔ سارے پیر بھائی میرے گرد جمع ہو گئے۔ اور پوچھنے لگے کہ کیا خاص بات تھی؟۔ میں نے سب حال بتا دیا۔ منشی بھیّا نے پوچھا کہ تو کیا تجھے جانے کو کہا ہے؟۔ میں نے نفی میں جواب دیا۔ اس کے بعد ہم لوگ باتوں میں لگ گئے۔ تھوڑا سا وقت گزرا ہوگا کہ ٹپّل سے اصغر بھیّا کے والد داروغہ معصوم علی خاں صاحب مرحوم اور مونس بھیّا کے والد یوسف علی خاں صاحب تشریف لے آئے خدمت میں باریاب ہوئے۔ سرکارؒ نے اٹاوہ جانے کا ذکر چھیڑ دیا۔ پھر ان دونوں حضرات

سے پوچھا کہ ہمارے ہی پاس آئے ہو، کوئی اور پروگرام لے کر تو نہیں آئے؟" ان دونوں بزرگوں نے عرض کیا:۔ "نہیں حضور!"۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ "تو بس اچھا ہے۔ ہمارے ہمراہ شام کو اٹاوہ چلئے۔ وہاں ہمیں سید محمودؔ میاں نے عرس میں بُلایا ہے۔" لیکن نہ معلوم کیا ہوا کہ چلتے وقت داروغہ معصوم علی خاں صاحب اور کنور یوسف علی خاں صاحب کے جانے کا پروگرام ملتوی ہو گیا۔

میں مایوس ہو چلا تھا کہ اب میری شرکت مشکل ہے۔ مگر ان دونوں صاحبان کا پروگرام ملتوی ہونے سے سب کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ دیکھئے اب کس کی باری آتی ہے۔ گاڑی آنے کی گھنٹی بج گئی۔ سرکارؒ ویٹنگ روم سے برآمد ہوئے۔ یکایک سرکارؒ نے فرمایا:۔ "تم اپنا اور ہمارا ٹکٹ لے آؤ۔" میں دوڑا اور ایک سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ اور ایک سرونٹ کا ٹکٹ لے آیا۔ گاڑی آ گئی۔ سرکارؒ ڈبے میں داخل ہو گئے۔ تمام لوگ قدمبوسی کے لئے ڈبے میں آتے جاتے رہے۔ میں ہمرکاب رہا۔ ہاتھرس ریلوے اسٹیشن پر میں سرکارؒ کے ڈبے میں حاضر ہوا۔ فرمایا:۔ "تم کہاں بیٹھ گئے۔ یہاں ہمارے ہمراہ بیٹھئے۔"

رات ۹ ½ بجے گاڑی اٹاوہ پہنچ گئی۔ پلیٹ فارم پر اندھیرا تھا۔ کہیں کہیں مٹی کے تیل کے لیمپ لالٹینوں میں روشن تھے۔ کوئی استقبالی بھی نہیں تھا۔ لیکن سرکارؒ نے کسی کو تلاش نہیں کرایا۔ قلی سے سامان اٹھوایا۔ باہر آ کر ایک یکہ میں بیٹھ کر درگاہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

میں سوچتا جا رہا تھا کہ سرکارؒ ہر جگہ جانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ نہ کوئی لینے کو آتا ہے نہ سواری کا ہی معقول انتظام کیا جاتا ہے۔

یکہ درگاہ شریف کے دروازے پر پہنچا تھا کہ کسی نے اطلاع کر دی۔ حضرت سجادہ نشین سید محمود میاں صاحب محفلِ سماع چھوڑ کر تیز تیز قدموں درگاہ کے دروازے پر آ گئے تمام محفل درہم و برہم ہو گئی۔ حاضرین اور قوال بھی دوڑ دوڑ کر باہر آ گئے۔ چاروں طرف سے یکے کو گھیر لیا۔ اتنا ہجوم تھا کہ ہمارے سامان کا بھی پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ سرکارؒ کو لے کر سجادہ نشین صاحب اندر چلے گئے۔ تمام ہجوم پیچھے پیچھے تھا۔ میں دروازے پر رُکا رہا۔ مگر سامان کا پتہ ہی نہیں چل پاتا تھا۔ مجبوراً اندر پہنچا۔ سرکارؒ کے لئے جو کمرہ

مخصوص کیا گیا تھا، وہاں پہنچا تو تمام سامان سلیقے سے رکھا ہوا موجود پایا۔ سرکارؒ کے لئے مزار شریف کے قریب ایک قالین اور گاؤ تکیہ لگایا گیا تھا۔ وہاں سرکارؒ جلوہ افروز ہوئے چاروں طرف سے لوگوں نے جھُرمٹ میں لے رکھا تھا۔ سامان کی پڑتال کر کے میں حاضر ہوا تو ارشاد ہوا:۔ "برکت محمود میاں سے ملو۔" حضرت بڑے تپاک سے مجھ سے بغلگیر ہوئے۔ بڑے احترام سے مجھے بٹھایا۔ سرکارؒ نے محمودؔ میاں صاحب سے فرمایا کہ آپ محفل میں تشریف لے جائیں۔ مگر انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیسے ہو سکتا ہے، اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ "محفلِ سماع جاری رکھو۔"

محمودؔ میاں صاحب کے حلقۂ ارادت میں جہاں صدہا دیگر افراد شامل تھے۔ وہیں اٹاوہ کی طوائفیں بھی مرید تھیں۔ ان کی چودھری جو سب سے اچھی گانے والی بھی تھی۔ محمودؔ میاں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی تو انہوں نے سرکارؒ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا:۔ پہلے حضرت کی قدمبوسی کرو۔ ساتھ ہی سرکارؒ سے عرض کیا کہ حضرت یہ (اس کا نام لے کر) آپ کی غلام ہے۔ اس کے بعد طوائفوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سرکارؒ کی قدمبوسی کر رہی تھیں۔ سرکارؒ فرماتے جاتے:۔ "خدا خوش رکھے۔ خدا خوش رکھے۔" ان طوائفوں کی تعداد ڈھائی تین سو سے کم نہیں تھی۔ سب سرکارؒ کے سامنے قوس کی شکل میں بیٹھتی گئیں۔ مجھے اس حلقے میں بیٹھتے ہوئے حجاب محسوس ہونے لگا۔ ایسا اتفاق کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ سرکارؒ بھی کچھ اچھا محسوس نہیں فرما رہے ہیں۔ میں عجیب اضطراب میں تھا کہ یکایک سرکارؒ نے فرمایا:۔ "ارے ہمارے تھرماس سے پانی لاؤ۔" میں دوڑ کر اُٹھا۔ سرکارؒ کو پانی پیش کیا اور گلاس لے کر اس مجمع کو چیرتا پھاڑتا باہر آ کھڑا ہوا۔ سرکارؒ نے مجھ سے فرمایا:۔ "یہاں آؤ۔" حاضر ہوا۔ فرمایا:۔ "ہمارے پاندان سے اِس ڈبیا میں پان بنا لاؤ۔" اب مجھے قدرے اطمینان تھا۔ پان بنا کر ڈبیہ پیش کی اور پھر باہر آ کھڑا ہوا۔ مگر پھر طلب فرمایا۔ حکم ہوا:۔ "ہمارے بٹوے میں زردہ بھی نہیں ہے۔" بٹوا لے کر میں واپس آیا اور اس مجمع سے پھر باہر نکلا چاہتا تھا کہ فرمایا:۔ "بیٹھ جاؤ۔" بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ میرے دل سے حجابِ غیریت دور کرنے کے لئے شاید یہ حکم ملا ہے۔

سرکارؒ نے اس وقفے میں کئی بار محمود میاں صاحب سے فرمایا کہ محفل کا نظم ونسق برقرار رکھنے کے لئے آپ وہاں بیٹھئے۔ مگر وہ سرکارؒ کی خدمت سے اُٹھ کر محفل میں جانے کو تیار نہ تھے۔ بالآخر سرکارؒ نے فرمایا:- "اچھا، ہم استنجے کو جائیں گے۔ پھر نماز پڑھیں گے۔" اتنا فرما کر آپؒ اُٹھ گئے۔ سب طوائفیں بھی سرکارؒ کی قدمبوسی کر کے رخصت ہو گئیں ـــ نماز سے فارغ ہو گئے تو دسترخوان لگا دیا گیا۔ تھوڑا سا کھانا نوش فرمایا۔ مزار شریف کے بائیں سمت پہ مشاغل جاری تھے۔ مزار کے سامنے محفل سماع آراستہ تھی۔ سرکارؒ نے فرمایا:- "اب ہم محفلِ سماع میں شریک ہوں گے۔"

محمود میاں شاہ صاحب نے اپنے خُدام سے فرمایا کہ حضرت کیلئے یہیں دو چارپائیاں بچھا دو (جہاں سرکارؒ تشریف فرما تھے۔ حدودِ درگاہ میں عین مزار شریف کے بائیں پہلو کے پاس) اور بستر لگا دو ـــ سرکارؒ نے فرمایا:- محمود میاں ہم تو چارپائی پر سوتے نہیں اور بستر ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم کمرے میں ہی آرام کریں گے۔ پھر یہ کہ ابھی ہمیں سماع میں بیٹھنا ہے۔

مگر محمود میاں کو اصرار تھا کہ سرکارؒ یہیں چارپائیوں پر آرام فرمائیں گے۔

سرکارؒ نے فرمایا کہ محمود میاں یہ آداب کے خلاف ہے۔

محمود میاں شاہ صاحب بولے:- حضرت یہ آپ نے کیا فرمایا:- یہی بات آداب کے عین مطابق ہے کہ آپ چارپائی پر یہیں آرام فرمائیں۔ بالآخر چارپائیاں لگ گئیں۔ بستر ہو گئے۔ میں تو بھلا درگاہ شریف میں اور پھر سرکارؒ کے سامنے چارپائی پر لیٹنا تو کجا بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ البتہ سرکارؒ سے محمود میاں شاہ کی اِس محبت اور ادب پر عش عش کر رہا تھا۔

سرکارؒ سب کو ساتھ لے کر محفلِ سماع میں رونق افروز ہوئے۔ اُسی وقت طوائفوں کی وہ چودھرائن تین مزید عورتوں کے ساتھ قوالی کے لئے آ بیٹھی۔ اُسے پڑھتے ہوئے تھوڑا وقت ہی ہوا تھا کہ یکایک محمود میاں شاہ صاحب نے سرکارؒ سے عرض کیا کہ حضور! بہت تھکے ہوئے ہیں۔ آرام فرمائیں۔ تشریف لے چلیں۔ سرکارؒ نے بہت کوشش فرمائی کہ محفل سماع میں بیٹھے رہیں۔ مگر سجادہ نشین صاحب مانتے ہی نہ تھے۔ سرکارؒ کو وہ اُٹھا لائے۔ محفل سماع جاری رہی۔ چارپائی پر سرکارؒ کو لٹا دیا گیا۔ محمود میاں شاہ صاحب نے اپنے کچھ مُریدوں کو سرکارؒ کی پاچاپی کے لئے متعین کر دیا۔ اور خود سرکارؒ کے سامنے بیٹھے گفتگو کرتے رہے۔ حتیٰ کہ

فجر کی اذان ہو گئی۔ حضرت نے نمازِ فجر کی امامت فرمائی۔ صدہا مقتدی تھے۔

بڑے اہتمام سے ناشتہ کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ناشتے کے بعد سرکارؒ آرام کیلئے لیٹ گئے۔ میں وارثیہ سلسلے کے ان سجادہ نشین حضرت سید محمود میاں صاحب کو دیکھے چلا جا رہا تھا اور ایسا محسوس ہوتا کہ شاید صاحبِ عُرس ہی آج اُن کے مہمان ہیں اور اس عرس کا مقصد محمود میاں شاہ صاحب کو حاصل ہو گیا ہے۔ اُن کی مسرت حدود قیاس سے باہر تھی۔ سلسلہ وارثیہ کے خلفاء اور قدیم فقراء کو ہمراہ لاتے اور سرکارؒ کی قدمبوسی کراتے۔

جس کمرے میں سرکارؒ فروکش تھے، یہ شاید لائبریری تھی۔ چاروں طرف کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں تھیں۔ کسی میں تالا نہیں لگا تھا۔ لوگ حاضر ہوتے اور اجازت لے کر رخصت ہو جاتے۔ لیکن ایک مولوی صاحب جن کی عمر ۵۵ سال سے متجاوز ہو گی، وہ کمرے میں کبھی ایک طرف سے آتے کبھی دوسری طرف سے۔ بڑی تمکنت اور افتخار کے ساتھ ان کی آمد و رفت جاری تھی۔ سرکارؒ کی طرف ہر بار ایک نگاہِ غلط انداز سے دیکھتے۔ سلام نہ دعا۔ شاید اُن کا چوتھا چکر تھا کہ سرکار نے ان کی طرف سلام کے لئے ہاتھ اُٹھا کر فرمایا:- "حضرت! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔" انہوں نے وعلیکم السلام کہتے ہوئے سرکارؒ کو دیکھا اور بڑھ کر قریب آ گئے۔ سرکارؒ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مصافحہ کے بعد انہیں اپنے پاس بٹھا لیا۔ ان کا نام دریافت کیا (جو مجھے یاد نہیں رہا) پھر پُوچھا:- "مکان کہاں ہے؟" انہوں نے الٰہ آباد کے پاس کے کسی موضع کا نام لیا۔ دریافت فرمایا:- "کیا کاروبار ہے؟" وہ اس سوال پر جُز بُز ہوتے اور بڑی حرارت سے فرمایا:- میں عالم ہوں۔ میں نے فلاں جگہ درس دیا ہے۔ فلاں جگہ درس دیا ہے، اور آج کل ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ اس سے قبل میری فلاں کتاب شائع ہو چکی ہے، فلاں کتاب چھپ چکی ہے۔ پھر اپنی کتابوں کی تعریف بیان فرماتے رہے۔ یہ تمام گفتگو وہ ایسی شان سے فرما رہے تھے، جیسے کسی کم علم شخص سے عموماً بڑے عالم لوگ کیا کرتے ہیں۔

سرکارؒ نے فرمایا:- وہ کتاب جو آپ آجکل لکھ رہے ہیں۔ کیا مضمون ہے؟ کس قسم کی ہے؟ ـــ وہ بولے:- تفسیریں تو بہت لکھی جا چکی ہیں۔ حروفِ مقطعات

پر بہت ہی کم لکھا گیا ہے۔ میں قرآنی حروفِ مقطعات پر یہ کتاب تصنیف کر رہا ہوں۔
سرکارؒ نے فرمایا:- سبحان اللہ - وہ تو دیکھنے کی چیز ہے۔ کیا آپ کے پاس موجود ہے؟۔
انہوں نے کہا:- جی ہاں۔ میں ابھی لاتا ہوں۔ لیکن وہ ہر کس و ناکس کے بس کی نہیں ہے۔
سرکارؒ نے فرمایا:- ہاں یہ آپ نے صحیح فرمایا۔ مگر دیکھیں گے ضرور۔ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔
وہ عالم صاحب اُٹھے۔ الماری کھولی ایک کتاب جو قلمی تھی وہ لے آئے۔ سرکارؒ نے اُس کا پہلا صفحہ دیکھا پھر چار صفحات پلٹ کر پڑھے، چند ساعت بعد فرمایا:-
اس مقام پر آپ نے فلاں آیت کا حوالہ نہیں دیا۔ وہ تڑپ اُٹھے۔ بولے واہ حضرت واہ، یہ تو آپ نے اس مضمون میں جان ڈال دی۔ کچھ عبارت دوسرے مقام سے سرکارؒ نے پڑھی اور فرمایا:- یہاں دلیل کے لئے فلاں حدیث شریف بھی رہ گئی ہے۔ اس سے معاملے کی وضاحت ہو جائے گی۔ یہ جملے کیا سُنے کہ وہ عالِم صاحب سرکارؒ کے گرویدہ ہو گئے اور پھر سرکارؒ سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کیا اسمِ گرامی ہے؟ کس سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں؟ (وغیرہ وغیرہ)
سرکارؒ نے جواباً اپنا مختصر سا تعارف کرایا۔ شام کو سرکار جنگل میں گھومنے کو چلے تو وہی عالم صاحب بھی پیچھے پیچھے تھے۔ وہاں ایک ندی بھی تھی۔ اس کے کنارے کنارے ریت کے بڑے بڑے تودے تھے۔ سرکارؒ دوڑ کر ایک تودے پر چڑھ جاتے اور اوپر سے پھسل کر نیچے آجاتے۔ پھر دوڑ کر تودے پر چڑھتے اور کولھوں کے بل پھسل جاتے۔ سارے ہمراہی بھی ایسا ہی کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ عالم صاحب بھی بالکل ایسا ہی کر رہے تھے۔ اسی میں مغرب کا وقت ہو گیا۔ سب لوگ ریت میں لت پت تھے۔ سرکارؒ نے اپنے کپڑے جھاڑے۔ وہیں نماز ادا فرمائی۔ واپسی پر درگاہ شریف پہنچے۔
ان بزرگ عالم کی گرویدگی کا عالم یہ تھا کہ ہمہ دم سرکارؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ سارا غرورِ علمی، عالمانہ تمکنت کافور ہو چکی تھی۔ عام مُریدین کی طرح مؤدب دست بستہ حاضر تھے۔ اسی شب وہ سرکارؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

———●———

بلند شہر والے حکیم عبدالوحید صاحب کو خط لکھے جانے کا ذکر میں نے شروع میں کیا تھا

سرکارؒ نے جو خط مجھ سے سپرد ڈاک کرایا تھا وہ انہیں کو لکھا گیا تھا۔ ان کو سرکارؒ کے پروگرام میں تبدیلی کا علم ہوا تو بے چین ہو گئے۔ علی گڑھ پہنچ گئے۔ یہاں معلوم ہوا کہ سرکارؒ اٹاوہ تشریف لے گئے ہیں۔ وہ اِٹاوہ حاضر ہو گئے۔ مجھ سے یہ اُن کی پہلی ملاقات تھی۔ انہوں نے تنہائی میں مجھ سے پوچھا کہ سرکارؒ کے ہمرکاب کون کون صاحبان ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ صرف میں ہی ہوں۔ حکیم صاحب نے منہ ہاتھ دھویا۔ کپڑے بدلے۔ مجھ سے پوچھا آپ تو سرکارؒ کے پُرانے مریدین میں سے ہیں نا؟ میں نے کہا:- جی ہاں۔ وہ بولے کہ آپ بتا سکیں گے کہ حضرت کے ہمراہ کون آیا تھا؟- میں نے عرض کیا:- میں آیا تھا— وہ بولے:- جی نہیں میں اُن حضرت کی زیارت کرنا چاہتا ہوں جو اجمیر شریف سے حضرت کے ہمراہ آئے تھے؟- میں نے پوچھا کہ یہ بتائیے بات کیا ہے؟- وہ بولے:- صاحب وہ بڑے خوش قسمت لوگوں میں سے معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ جناب اجمیر شریف سے تو صرف میں ہی سرکارؒ کے ہمراہ تھا۔ کوئی اور تو نہیں تھا۔
حکیم صاحب اُٹھے مجھے اُٹھا کر سینے سے لگایا اور پوچھا:- آپ؟ تو کیا آپ سرکارؒ کے مرید نہیں ہیں؟- میں نے کہا:- الحمدللہ، سرکارؒ کی ادنیٰ غلامی کا شرف اس خادم کو حاصل ہے۔ حکیم صاحب آبدیدہ ہو گئے اور مجھے بہت دیر تک سینے سے لگاتے رہے — ان کی کیفیت کچھ فرو ہوئی تو میں نے سوال کیا کہ حضرت معاملہ آخر کیا ہے؟- انہوں نے اپنی جیب سے وہ پوسٹ کارڈ نکال کر مجھے دیا جس میں اپنے پروگرام کی تبدیلی کی اطلاع دی تھی۔ اسے پڑھئے۔ اس میں تحریر تھا:-

> حکیم صاحب! ہم نے اس سے قبل آپ کو مطلع کیا تھا کہ ہم بلند شہر خورجہ وغیرہ ہوتے ہوئے علی گڑھ پہنچیں گے۔ لیکن اب یہ دوسرا پروگرام آپ کو لکھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے ایک مخصوص دوست تشریف لے آئے ہیں اور وہ مُصر ہیں کہ ہم اُن کے ہمراہ علی گڑھ چلیں۔ لہٰذا اب ہم اُن کے ہمراہ پہلے علی گڑھ جا رہے ہیں۔ وہاں سے فارغ ہو کر خورجہ، بلند شہر پہنچیں گے۔

حالانکہ میں نے اپنی زبان سے ایسی کوئی طلب ظاہر نہیں کی تھی۔ البتہ اپنے دل او خیال

سے مجبور تھا میری قلبی کیفیت یہی تھی اور دل میں بار بار یہی خیال موجزن تھا کہ کاش سرکارؒ میرے ہمراہ علی گڑھ تشریف لے چلیں۔ سرکارؒ نے بالکل وہی الفاظ حکیم صاحب کو خط میں تحریر فرما دیئے۔

خط پڑھ کر میرا کیا حال ہوا ہوگا۔ یہ کیفیت الفاظ میں منتقل نہیں ہو سکتی۔ میں یہ سوچ کر لرز رہا تھا کہ سرکارؒ کے کرم کا بھلا کیا ٹھکانا ہے۔ کہ اپنے بچوں کو اس قدر نوازیں، اور اپنے ادنیٰ مُریدوں کے لئے "دوست" کے الفاظ استعمال فرمائیں۔ قلبی کیفیات ایک آئینے کی طرح حضورؒ کے سامنے رہتی تھیں۔

———o———

سرکارؒ نے واپسی کے لئے محمود میاں شاہ صاحب سے اجازت چاہی مگر وہ رضامند ہی نہیں ہوتے تھے۔ بمشکل تیار ہوئے اور درگاہ شریف کی طرف سے محمود میاں شاہ صاحب وارثی نے سرکارؒ کی دستار بندی کی، اکیاون روپے اور جوڑا پیش کیا۔ ساتھ ہی ایک دستار اور گیارہ روپے مجھے بھی عطا فرمائے۔

اسٹیشن پہنچ کر سرکارؒ نے سامان پلیٹ فارم پر رکھوا کر سب سے کہا کہ آپ یہیں بیٹھئے اور مجھ سے فرمایا:۔ "برکت! تم آؤ۔ میں سرکار کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ تھوڑا آگے بڑھ کر یکایک میری طرف رُخ کر کے فرمایا:۔

"ہاں! تو تمہارا سکینہ (میری اہلیہ) سے کیوں جھگڑا ہو گیا تھا۔ اچھا تو شاید تمہاری بھابھی اُس پر حکومت چاہتی ہوگی وہ اس کو زیادہ پسند نہ ہوگی مگر ابھی تو تمہاری والدہ موجود ہیں۔ اُن کی موجودگی میں کسی کو کوئی ایسا حق نہیں پہنچتا۔ لیکن بیوی میاں سے نہیں لڑے گی تو کس سے لڑے گی۔ نہیں بیٹے!۔ تم یہاں سے علی گڑھ اور وہاں سے چھتاری چلے جاؤ۔ ہم جلد واپس آجاتے ہیں"۔

———o———

میرا دم گھٹے جاتا تھا کہ میرا اور میری اہلیہ کا جھگڑا ہونا اور میرا ناراض ہو کر چلا آنا، سب کچھ سرکارؒ کے علم میں کیونکر آ گیا۔ خوف سے بُرا حال تھا۔ آخر کار سرکارؒ کے حکم مطابق گھر پہنچ گیا۔

طے ارضی

سرکارؒ ایک مرتبہ علی گڑھ سے اجمیر شریف کے لئے روانہ ہوئے۔ ریلوے اسٹیشن پر دِلّی تک چلنے کے لئے یکایک مجھے حکم ہُوا۔ اس وقت میری جیب میں دو یا تین روپے تھے۔ میں بہت گھبرایا۔ ملال یہ تھا کہ ذرا پہلے سرکارؒ فرما دیتے تو میں کسی سے روپے لے لیتا۔ بھائی صاحب (شوکت) بھی تھے، اُنہیں سے مانگ لیتا۔ خالی جیب کی وجہ سے شدید انتشارِ خیال تھا۔

کسی اسٹیشن پر میں سروینٹ کلاس سے سیکنڈ میں سرکارؒ کے پاس حاضر ہوا۔ حکم ہوا "یہیں بیٹھو"۔ میرا ذہن اُسی اُدھیڑ بن میں تھا۔ سرکارؒ نے غازی آباد کے قریب اپنی جیب سے کنجی نکالی۔ مجھے دیتے ہوئے فرمایا۔ "دیکھو یہ بکس کھولنا"۔ سرکارؒ کا یہ بکس معمولی قسم کی جست کی چادر کا ہوتا تھا۔ اس میں ٹین کا ایک بہت ہی عام اور معمولی تالا لگا ہوا تھا۔ میں نے سرکارؒ کی نشست گاہ کے نیچے سے صندوق کھینچا۔ تالا کھولا تو فرمایا، "دیکھو اس میں بٹوا ہوگا"۔ ایک بٹوا دھاگوں سے بُنا ہوا تھا۔ میں نے نکال کر پیش کیا تو فرمایا، "اسے کھولو"۔ کھولا تو اس میں زیادہ چاندی کے روپے اور کچھ نوٹ رکھے تھے۔ ارشاد ہوا "ایک چمڑے کا بٹوا اور تھا"۔ وہ بھی مجھے مل گیا۔ فرمایا "اسے کھولنا"۔ میں نے کھولا تو اس میں خاصے نوٹ رکھے تھے۔ دونوں بٹوؤں میں اندازاً ڈھائی تین سو روپے ہوں گے۔

چمڑے کے بٹوے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "تمہارے ہمارے خرچ کے واسطے تو یہ بس ہیں۔ اور یہ جالی والا بٹوا تم اپنے پاس رکھو"۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میرے پاس ہیں۔ سرکارؒ نے فرمایا: "یہ بھی تو تمہارے ہی ہیں"۔ خجالت اپنی خام خیالی پر اتنی تھی کہ خود پر نفرین کر رہا تھا۔ میں نے وہ بٹوا سرکارؒ کے صندوق میں ہی رکھ دیا۔

دہلی اسٹیشن پر اُترے۔ قلی سے سامان اُٹھوایا گیا۔ باہر آکر تانگے والے سے فرمایا: "کارونیشن ہوٹل چلیں گے"۔ ہوٹل پہنچے، وہاں ایک چھوٹا کمرہ خالی تھا۔ ایک مسہری، میز، دو کرسیاں۔ سرکارؒ نے دیکھ کر فرمایا "ٹھیک ہے" بیرے کو چائے لانے کو فرمایا۔ پھر وضو فرمایا۔ تاخیر ہو چکی تھی، نماز عصر ادا فرمائی۔ نیچے ہی سینما ہال تھا۔ چھت میں شیشے لگے تھے۔ سرکارؒ نے مجھ سے فرمایا:۔ بکس کی کنجی تمہارے پاس ہے۔ روپے نکالو اور نیچے جا کر سینما دیکھ آؤ۔

میں بہت شرمندہ ہوا۔ عرض کیا: نہیں حضور! میں سنیما نہیں جاؤں گا۔
فرمایا: "کیا حرج ہے۔ ہمیں وہاں جانا نہ ہوتا تو ہم اپنے ساتھ ہی تمہیں لے چلتے۔"

سرکارؒ یہ ذکر جس قدر فرما رہے تھے، میں اتنا ہی عرق عرق ہو رہا تھا اور اپنی خالی جیب کے خیال سے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ اتنے میں مغرب کی اذان ہوگئی۔ سرکارؒ نے نماز ادا کی۔ برابر ہی کمرے میں ایک بزرگ صورت کوئی صاحب مقیم تھے۔ انہوں نے جو سرکار کے کمرے میں نماز کا سہارا پایا تو آ گئے اور پوچھا، کیا میں بھی یہاں نماز پڑھ سکتا ہوں۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ "جی ہاں آ جائیے"۔ پھر ان سے نماز پڑھانے کو فرمایا:۔ وہ بولے نہیں صاحب نماز آپ ہی پڑھائیے۔ نماز کے بعد سرکارؒ نے اپنا ڈبیا ہوُ انہیں عطا فرمایا۔ انہوں نے پان کھا کر ڈبیا میری طرف بڑھا دی اور سرکارؒ سے دریافت کیا کہ کیا یہ صاحبزادے بھی آپ کے ہمراہ ہیں؟۔ فرمایا۔ "جی ہاں!"۔ وہ بولے، مگر یہاں مسہری تو ایک ہی ہے۔ فرمایا:۔ یہ ہماری موجودگی میں نیچے ہی سوتے ہیں"۔ وہ بولے:۔ کیا یہ آپ کے صاحبزادے ہیں؟۔ ارشاد ہوا:۔ "جی ہاں! یہ ہمارے صاحب زادے ہیں"۔ وہ پھر بولے:۔ "بہت سعادت مند معلوم ہوتے ہیں۔"

فرمایا:۔ "جی ہاں! یہ بہت سعادت مند ہیں۔"

وہ کبھی سرکارؒ کو دیکھتے، کبھی مجھے دیکھتے۔ انہیں جانا تھا بالآخر اجازت لیکر چلے گئے سرکارؒ نے فرمایا:۔ چلو کہیں ٹہل آئیں۔ کمرے کا تالا لگا کر ہم نیچے اتر آئے۔ میرے ہاتھ میں سرکارؒ کا ڈبیا بٹوا تھا۔ فٹ پاتھ پر میں پیچھے پیچھے قریب تر چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک جگہ بھیڑ تھی۔ سرکارؒ ایک جگہ ٹھیرے۔ میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو مسجد فتح پوری کی فٹ پاتھ کے بجائے، درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ تھی۔ خیال ہوا کہ ہم شاید مسجد فتح پوری میں آ گئے ہیں مجھے ہی مغالطہ ہُوا ہے۔ پھر میں نے بغور اِدھر اُدھر دیکھا تو یہ مسجد فتح پوری نہیں، واقعی حضرت سلطان جی صاحبؒ کی درگاہ تھی۔

سرکارؒ چند قدم چل کر، دربارِ محبوبِ الٰہیؒ میں داخل ہوگئے، میں بھی ہمرکاب رہا۔ فاتحہ پڑھ کر حضرت امیر خسروؒ کے دربار میں پہنچے۔ فاتحہ پڑھی۔ باہر کی جالیوں میں آ کر بیٹھ گئے۔

پان کھایا۔ واپس ہو رہے تھے کہ کچھ لوگ مل گئے۔ جو سرکارؒ سے واقف معلوم ہوتے تھے۔ وہ سرکارؒ کو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے سرہانے بارہ دری میں لے گئے۔ بڑے اہتمام و احترام سے بٹھایا۔ چائے منگائی۔ پیش کی۔ پھر شکوہ کیا کہ حضرت! آمد کی اطلاع نہیں دی پھر دریافت کیا کہ حضرت نے قیام کہاں فرمایا ہے؟

سرکارؒ نے فرمایا کہ پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا۔ بس یوُں ہی آ گئے۔ یہاں حاضری کا خیال تھا۔ فی الحال کارونیشن ہوٹل میں ٹھیرے ہیں۔

وُہ حضرات بیک زباں بولے:۔ نہیں حضرت! یہ کیونکر ممکن ہے۔ ہم ابھی جا کر سامان لے آتے ہیں۔

سرکارؒ نے معذرت چاہی اور فرمایا:۔ صبح ہی یہاں سے اجمیر شریف جانا ہے۔ اس لئے یہ تکلف نہ کیجئے۔

رات ساڑھے دس بجے تک درگاہ شریف میں ہی قیام رہا۔ واپس ہوئے تو ایک تانگہ سامنے آ کر رُکا۔ سرکارؒ بغیر کچھ کہے اُس میں بیٹھ گئے۔ میں پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ تانگے والے نے از خود کہا:۔ "فتح پوری؟"۔ سرکارؒ نے "ہاں" فرما دیا۔ وہاں پہنچ کر سرکارؒ نے اپنی جیب سے کرایہ دیا۔ تانگے والا سلام کر کے آگے بڑھ گیا۔ دوسرے دن سرکارؒ نے دہلی جنکشن پہنچ کر کچھ روپے میری جیب میں ڈالے۔ فرمایا تم چھتاری جاؤ۔ ہم اجمیر شریف جاتے ہیں۔

علیم و خبیر

سرکارؒ جب دلّی شہر تشریف لے جاتے۔ بالعموم چاندنی چوک اور کھاری باؤلی کے نکڑ پر مسجد فتح پوری کے بالکل شمال مشرق میں واقع کارونیشن ہوٹل میں قیام ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ علی گڑھ سے اجمیر شریف جاتے ہوئے دلّی میں قیام کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ نواب بہادر صاحب طالب نگر نے خواجہ عطاء الرحمن صاحب دہلوی کو اطلاع بھیج دی۔ خواجہ صاحب (خدا غریقِ رحمت فرمائے) دہلی ریلوے جنکشن اسٹیشن پر استقبال کے لئے موجود تھے۔ لیکن کارونیشن ہوٹل کے بجائے، انہوں نے اسی کے سامنے والے فتح پوری ہوٹل میں سرکارؒ کے قیام کا انتظام کیا تھا۔ یہ ہوٹل چاندنی چوک اور کٹرہ بڑیاں کے نکڑ پر مسجد فتحپوری کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ سرکارؒ کے ساتھ دِلّی تک نواب بہادر صاحبؒ،

ڈاکٹر ایم۔ ایم۔ احمدؒ صاحبؒ (جو پاکستان آکر کراچی یونی ورسٹی میں شعبۂ فلسفہ کے صدر ہوئے) حضرت قبلہ بھائی اشتیاق احمدؒ، (منشی بھیّاؒ)، بھائی کنور محمدؒ مونس علی خاں یوسفیؒ، کنور انیس علی خاں (ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس کراچی) اصغر بھیّا (کنور محمدؒ اصغر علی خاں) بھائی منشی سعید اللہ کے علاوہ میں بھی آیا تھا۔ خواجہ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم نے دہلی کی بہت ہی مشہور اور نفیس نہاری سے سرکارؒ کی تواضع کا اہتمام کر رکھا تھا۔ مجھے نہاری پسند نہ تھی لیکن یہ بات کسی کو معلوم نہیں تھی۔

دستر خوان بچھا۔ سرکارؒ نے نام بنام سب کو بلانا شروع کیا۔ لوگ دستر خوان پر بیٹھتے گئے۔ میں ڈرا کہ اب سرکارؒ مجھے بھی طلب فرمائیں گے۔ لیکن سرکارؒ نے مجھے نہ بُلایا۔ حالانکہ میں سامنے ہی کھڑا تھا۔ کھانا شروع ہوا تو خواجہ صاحب نے ہلکے سے مجھے بھی آواز دے کر فرمایا، کیوں بیٹھتے کیوں نہیں؟۔ میں چُپ کھڑا رہا۔ سرکارؒ پھر بھی خاموش رہے۔ سرکارؒ نظریں جھکائے ہوئے تھے۔ نواب بہادر صاحب نے اشارہ سے مجھے آجانے کو کہا۔ اس مرحلے پر سرکارؒ نے بدستور نظریں جھکائے ہوئے فرمایا:۔ "ہاں وہ نہاری نہیں کھاتا ہے"۔ ساتھ ہی ارشاد ہُوا:۔ "برکت ڈبل روٹی اور چائے کافی ہے"۔

(۱۶)

شمشاد بیگم اور اقبال بانو

یہ واقعہ بھی برکت علی خان صاحب یوسفی نے ہی بیان کیا کہ میرے ایک دوست عبد القیوم انصاری تھے۔ وہ مشائخِ طریقت اور صوفیاء کو نہیں مانتے تھے۔ ان کی تضحیک کرتے تھے۔ سرکارؒ کی بھی ہمیشہ مخالفت کرتے۔ کج بحثی کے عادی تھے۔ میں چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ یہ کسی طرح سرکارؒ کے پاس حاضر ہو جائیں مگر ایسا وقت نہیں آتا تھا۔ ایک دن وہ یکایک بولے "چلو آج ہم بھی تمہارے سرکارؒ کے پاس چلیں گے"۔ پھر بولے "مگر وہاں سے واپسی کب ہوگی؟"۔ میں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا، جب اجازت ملے۔ کوٹھی چندنیاں (علی گڈھ) پر سرکارؒ کا قیام تھا۔ دوپہر کے ڈیڑھ بجا چاہتے ہوں گے جب ہم وہاں پہنچے تھے۔ معلوم ہوا کہ دِلّی تشریف لے جا رہے ہیں۔ چار بجے گاڑی کا وقت ہے۔ ہم لوگ اس سفر میں ہمرکابی کیلئے تو حاضر ہوئے نہیں تھے کہ

کوئی تیاری کر کے پہنچتے۔ میں نے عبد القیوم انصاری صاحب کو سرکارؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ بہت لوگ موجود تھے۔ سرکارؒ نے انصاری سے پوچھا:۔ "کیا نام ہے؟" انہوں نے اپنا نام عبد القیوم انصاری بتایا۔ فرمایا:۔ قیوم تو بہت اچھا نام ہے۔ پھر سوال فرمایا:۔ کیا کام کرتے ہیں؟ انصاری صاحب نے عرض کیا:۔ حضور تالے کا کارخانہ ہے۔

اس کے بعد سرکارؒ دوسرے لوگوں سے مخاطب ہو گئے۔ پھر حکم ہوا "ہمارا سامان ٹھیک کرو۔ گاڑی کا وقت قریب ہے"۔

سب لوگ اُٹھ کر اِدھر اُدھر کام میں لگ گئے۔ میں بھی اُٹھ گیا مگر انصاری صاحب بیٹھے رہے۔ میں نے اُنہیں اشارے سے بُلایا۔ وہ اُٹھ کر تو فوراً آ گئے۔ مگر مجھ سے احتجاج کیا کہ مجھے کیوں بُلا لیا، میرا دل تو وہاں سے اُٹھنے کو نہیں چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر میں حضرت چلے جائیں گے۔ میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ سرکارؒ دِلّی سے واپس تشریف لائیں گے تو پھر خوب ساتھ رہ لینا۔ وہ بے قرارانہ بولے:۔ دہلی سے کب واپسی ہوگی؟ یار پہلے سے معلوم ہوتا تو کچھ چیزیں اور روپے ساتھ لیتے آتے۔ ہم بھی ساتھ چلتے۔ پھر۔ خود ہی مجھ سے پوچھا:۔ ساتھ کون کون جا رہا ہے؟۔ میں نے کہا کہ پوچھے لیتے ہیں۔ میں نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ نواب بہادر صاحب اور ایک خدمت گار، کے علاوہ خواجہ عطاء الرحمٰن صاحب دہلوی، سرکارؒ کے ہمرکاب ہوں گے۔ انصاری صاحب ململا رہے تھے کہ وقت کم ہے۔ ورنہ گھر کہتے آتے اور کچھ روپیہ ساتھ لے لیتے۔ الغرض ہم سب مختلف سواریوں میں بیٹھ کر سرکارؒ کے پیچھے پیچھے علی گڈھ ریلوے اسٹیشن پہونچے۔ سرکارؒ ویٹنگ روم تشریف لے گئے تو میں اور انصاری صاحب بھی اندر پہنچ گئے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا: "برکت تم بھی ہمارے ساتھ چلو"۔ کچھ دیر بعد ہم دونوں باہر آ گئے۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں کل پرسوں تک واپس آ جاؤں گا۔ انصاری صاحب نے کہا کہ یار! مجھے بھی اجازت دلوا دو!۔ ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ گاڑی آنے کی گھنٹی بجی۔ سرکار پلیٹ فارم پر تشریف لے آئے اور انصاری صاحب سے فرمایا:۔ آپ بھی چلیں گے۔؟ انصاری صاحب نے بِلا توقف "جی ہاں!" کہا۔

دِلّی پہنچے تو محلہ چوڑی والاں میں حضرت مولٰینا حافظ محمدؒ ایوب صاحب پانی پتی

کے ہاں سرکارؒ نے قیام فرمایا۔ علی الصبح حکیم بھولے میاں صاحب اور حکیم محمدؒ احمد صاحب آ گئے۔ بہت دیر تک سرکارؒ کے پاس رہے۔ خدا معلوم کس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ ساڑھے دس بجے ہوں گے جب وہ دونوں حکماء حضرات رخصت ہوئے۔ سرکارؒ نے کہیں تشریف لے جانے کے لئے فرمایا۔ فوراً ایک تانگہ آ گیا۔ چار آدمی سوار ہو سکتے تھے۔ سرکارؒ، نواب بہادر صاحب اور خواجہ عطاء الرحمٰن صاحب بیٹھ گئے تو میں نے زبردستی عبدالقیوم انصاری صاحب کو ان کے ساتھ بٹھا دیا۔ خود ٹھہر گیا۔ جہاں جانا تھا وہاں پہنچ کر سرکارؒ نے انصاری صاحب سے پوچھا:۔ برکت کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ حضورؒ چار آدمی ہی تانگے میں بیٹھ سکتے تھے۔ انہوں نے مجھے بٹھا دیا اور خود جائے قیام پر رک گئے ہیں۔ حکم ہوا کہ "اچھا اب آپ جا کر اسے لے آئیں"۔

دس پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ انصاری صاحب گھبرائے ہوئے لوٹے۔ میں سمجھا کہ سرکارؒ شاید واپس تشریف لے آئے۔ وہ بولے، جلدی چلو سرکارؒ نے بُلایا ہے میں نے چلتے ہوئے ہی پوچھا:۔ کہاں؟۔ وہ بولے:۔ بھائی! نام تو میں جانتا نہیں بس ایک بہت بڑی کوٹھی ہے۔ وہاں تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں کچھ بے پردہ خواتین تھیں۔ جگہ میں پہچانتا ہوں۔ چلے چلو۔

ہم دونوں ایک تانگہ میں وہاں پہنچ گئے۔ کوٹھی کے صدر دروازے پر کوئی دربان نہیں تھا۔ انصاری صاحب نے گھنٹی بجائی۔ دروازہ کھُلا۔ ایک صاحب ہمیں اندر لے گئے۔ اندر ہندوستان کی مشہور و معروف فلم اداکارہ نسیم کی والدہ شمشاد بیگم کو دیکھ کر میں پہچان گیا کہ یہ ان کا مکان ہے۔ دِلّی والے شمشاد بیگم کو "چھمیا" کہتے تھے۔ وہ ایک نامی گرامی موسیقارہ تھیں۔ اُن کے علاوہ چھمیا کی بہن اور اُن کی بھانجی اقبال بانو بھی موجود تھیں۔ اقبال اُس وقت میٹرک میں پڑھ رہی تھیں۔ اور پردہ میں رہتی تھی۔ حکیم بھولے میاں صاحب بھی سرکارؒ کے پاس بیٹھے نظر آئے۔ نواب بہادر صاحب اور ہم لوگ مواجہ میں حاضر تھے۔ شمشاد نے نہایت ہی ادب کے ساتھ سرکارؒ سے عرض کیا:۔ حضور آج جمعرات ہے۔ اب تو یہیں آرام فرمائیں۔ میں فاتحہ اور کھانے کا انتظام کئے لیتی ہوں۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ یہاں ہمارے ایک مُرید ہیں۔ پنجشنبہ کی فاتحہ اور کھانے کا انتظام

انہوں نے کر رکھا ہے۔

شمشاد بیگم نے بڑی لجاجت سے عرض کیا، میاں! فاتحہ کے بعد حضورؒ ماحضر یہاں تناول فرمائیں۔ سرکارؒ نے بہت مشفقانہ لہجے میں فرمایا:۔ فاتحہ اور کھانا تو وہیں ہے۔ ہاں گانا یہاں سُن لیں گے۔

شمشاد بیگم نے آٹھ برس سے گانا چھوڑ دیا تھا۔ سازندے بھی رخصت ہو چکے تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کیا: حضور! آٹھ سال پہلے فلاں جگہ میں نے سرکارؒ کو کتاب سُنائی تھی (سرکار گانے کو "کتاب سُنانا" فرماتے تھے)۔ اُس دن کے بعد سے گانا چھوڑ دیا ہے۔ ریاض بھی ختم ہو چکا ہے۔ مگر سرکار کا جیسا حکم۔ سرکارؒ نے پان کھاتے ہوتے مسکرا کر فرمایا:۔ ہاں ٹھیک ہے۔ کھانا اور گانا ایک ہی بات ہے۔ شمشاد بیگم نے پھر ایک متبادل تجویز پیش کی۔ وہ بولیں:۔ حضور! وہاں سے تشریف لے آئیں گے تو فاتحہ اور تھوڑا سا تبرک یہاں بھی۔ تھوڑی دیر وہاں، تھوڑی دیر یہاں۔

سرکارؒ بدستور مسکرا رہے تھے۔ فرمایا: ہم وہاں کھانا کھالیں گے اور یہاں گانا کھالیں گے۔

ابھی یہ باتیں ہی ہو رہی تھیں کہ چھمیا (شمشاد بیگم) کی بہن نے دست بستہ ہو کر بڑی لجاجت کے ساتھ عرض کیا کہ حضور! اقبال کو اپنی بیعت میں قبول فرمالیں تو ہم گناہگاروں پر بڑا کرم ہوگا۔ سرکارؒ نے اجازت دیدی۔ اقبال بانو، نہایت ادب اور عجز و انکسار کے ساتھ سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور قاعدۂ نماز میں جیسے بیٹھتے ہیں، بیٹھی۔ سرکارؒ نے اُنہیں اپنا رومال تھمایا۔ اقبال نے اُسے اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ دوسرا سِرا سرکارؒ کے دستِ راست میں تھا۔ سرکارؒ نے پہلے توبہ کرائی۔ خطبہ پڑھا۔ چھ کلمے پڑھوائے اور اپنی ارادت میں قبولیت کی مُبارکباد دی۔

اقبالؔ پر گریہ کا غلبہ تھا۔ بیدِ مجنوں کی طرح وہ لرزاں تھیں اور اُن کی ماں اور خالہ کے چہروں پر مسرت و شادمانی کا بحرِ بیکراں ٹھاٹھیں مارتا نظر آ رہا تھا۔

جائے قیام پر واپسی کے بعد میں نے انصاری صاحب سے کہا کہ رات کو شمشاد بیگم

کا گانا ہوگا۔ ہم دونوں بھی ہوں گے۔ ہماری جیبیں خالی ہیں اور یہ بات آدابِ سماع کے خلاف ہے کہ قوال کیلئے نذر نہ پیش کی جائے۔ بڑی بے کیفی رہے گی وہ بھی متفکر ہوئے پھر بولے۔ چلو بھائی برکت یہاں جامع مسجد پر ایک عزیز رہتے ہیں۔ اُن سے روپیہ لے آتے ہیں۔ ہم وہاں سے ایک سَو روپے لے آئے۔

شام ہوئی تو ہمارے وہ پیر بھائی جو چیف کمشنر دہلی کے دفتر میں چیف ریڈر تھے (افسوس ان کا نام مستحضر نہیں) سرکارؒ کو لینے حاضر ہوگئے۔ سرکارؒ کے ہمرکاب ہم سب لوگ ان کے ہاں کشمیری دروازے پہنچے۔ گلدستہ شریف ہوا۔ پھر کھانا شروع ہوگیا۔ رات دس بجے کے بعد سرکارؒ ہم سب کو لیکر شمشاد بیگم کے ہاں تشریف لے آئے۔ کچھ دیر بیٹھے۔ پھر وضو فرمایا۔ نمازِ عشاء ادا فرمائی۔ ہم سب با وضو تھے۔ نماز پڑھتے رہے۔ حکیم بھورے میاں بھی تشریف لے آئے۔

شمشاد بیگم وغیرہ بھی نماز پڑھتی رہیں۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ حضور سانڈے مشکل سے ملے ہیں۔ نئے لوگ ہیں۔ میں گانا بھول چکی ہوں۔ اب سرکارؒ ہی قوت بخشیں تو کچھ عرض کر سکوں گی۔ چھمیا کی عمر اس وقت پچاس سے تجاوز کر چکی تھی اور موٹاپا تو ایسا چڑھا تھا کہ کیا کہیئے۔ خدا معلوم وہ اٹھتی بیٹھتی کیسے تھیں۔

گیارہ بجے تھے کہ محفلِ سماع شروع ہوگئی۔ شمشاد بیگم نے الاپنا شروع کر دیا۔ سامعین میں نواب بہادر صاحب، حکیم بھورے میاں صاحب اور ہم دونوں کے علاوہ شمشاد بیگم کی بہن اور اقبال بانو گویا مع سرکارؒ کل سات نفوس تھے۔

گانا شروع ہوتے ہی وہ روپے جو عبدالقیوم انصاری بطور قرض لائے تھے، میں نے قالین کے نیچے کنارے پر رکھ دیئے اور اپنے دوست سے کہا کہ دیکھو جب سرکارؒ اپنی جیب سے روپیہ نکال کر دیں تو پھر ہم نذر شروع کریں گے۔ شمشاد بیگم گانے بیٹھیں تو ایسا گایا کہ میں نے تو ایسا گانا ہی آج تک نہیں سُنا تھا۔ پھر کلام، صحتِ الفاظ، لے، سُر، طرز، ٹھاٹھ، نِک سے سُک، پُر درد و پُر سوز آواز، جامیؔ، سعدیؔ، حافظؔ، بیدلؔ خسروؔ، غالبؔ، داغؔ، دادرے، اور ٹھمریاں، خیال، پہاڑی۔ وہ جس پہلو بیٹھی تھیں صبح پانچ بجے تک اُسی پہلو پر بیٹھی گاتی رہیں۔ ان کی بہن اور اقبال بانو پر گریہ ایسا

طاری تھا کہ آنکھیں اُبلے آتی تھیں۔ سرکارؒ پر عجیب کیفیت تھی۔ حکیم صاحب اور نواب صاحب بہادر پر بھی غلبۂ رقت تھا۔ میرا اور انصاری کا روتے روتے بُرا حال تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم نے بہت گانے سُنے تھے، مگر ایسا گانا نہیں سُنا تھا، بقول:۔

رُونگ رُونگ سُر دیت ہے، باجت نام تہار

پانچ بجے تو سرکارؒ نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ گانا بند ہوگیا۔ دُعا میں شمشاد بیگم پر کیفیتِ گریہ طاری ہوگئی۔ پھر سرکارؒ نے اُنہیں حکم دیا:۔ جاؤ ہاتھ منہ دھو کر آؤ۔ نماز کا انتظام کرو۔ سب نے تجدیدِ وضو کی۔ سرکارؒ نے نمازِ فجر کی امامت فرمائی اور پہلی رکعت میں سورۃ الدھر تلاوت فرمائی۔ سرکارؒ کے لحنِ داؤدی کی تاب کون لا سکتا تھا ہم لوگوں کا تو جو حال تھا، مگر شمشاد بیگم کی بہن اور اقبال بانو کے علاوہ خود شمشاد بیگم زار و قطار رو رہی تھیں۔ نماز سے فراغت کے بعد ان تینوں خواتین نے خود اپنے ہاتھ سے ناشتہ تیار کیا۔ حالانکہ اُن کے ہاں باورچی اور ملازموں کی کمی نہ تھی۔ ناشتہ لگایا گیا تو اقبال بانو نے عرض کیا کہ حضور! ہم تینوں نے باوضو رہ کر یہ ناشتہ تیار کیا ہے۔ میں برابر درود شریف پڑھتی رہی ہوں۔ سرکارؒ "بہت اچھے"۔ "بہت اچھے" فرماتے رہے۔

———o———

معمول یہ تھا کہ محفلِ سماع میں جب تک سرکار دولتمدارؒ اپنی جیب سے قوال کو روپیہ نہ دیتے، سب خاموش بے حس و حرکت بیٹھے رہتے تھے اور اس کے بعد نذرانوں کا سلسلہ چل پڑتا تھا۔ مجال نہیں تھی کہ نذر، سرکارؒ کے علاوہ کسی کو جاتی۔ مگر اس شب چونکہ سرکارؒ نے اپنی جیب سے کوئی روپیہ نہیں نکالا، اس لئے سارے سامعین خاموش بیٹھے گانا سُنتے رہے۔ وہ روپے جو انصاری صاحب قرض لائے تھے، یُوں ہی رکھے رہ گئے اور اسی دن واپس کر دیئے گئے۔

———o———

شمشاد بیگم کے ہاں سے رخصت ہوتے وقت تینوں خواتین نے سرکارؒ کی قدمبوسی کی۔ اقبال بانو نے اپنی آنکھیں سرکارؒ کے قدموں سے مَلیں۔ پھر تینوں نے الگ الگ نذرانے پیش کیے۔ یہ تمام نذرانے خوبصورت لفافوں میں رکھے ہوئے تھے۔ شمشاد بیگم

کی لڑکی نسیم بیگم، جو ہندوستان کی مشہور و معروف اور مقبول ترین اداکارہ رہی ہیں، داخلِ سلسلہ ہیں۔ نذرانے پیش کرنے کے بعد "چھیا" نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور نے قدم رنجہ فرما کر ہمیں عزت و برکت عطا فرمائی، لیکن میں رات کی سمع خراشی پر سخت شرمندہ ہوں۔ میں گانا بھول چکی ہوں۔ سرکارؒ کے کرم کا صدقہ ہے کہ اتنا گا سکی۔ حضورؐ! رات بھر بیٹھنا تو کجا، اب آدھی ساعت ایک پہلو بیٹھ بھی نہیں پاتی۔ سرکارؒ نے سب کو 'اچھے رہتے'۔ "خدا خوش رکھے" فرمایا اور تشریف لے آئے۔

---o---

(۱۷)

ضلع علی گڈھ، ضلع میرٹھ، ضلع بلند شہر، دلّی، آگرہ، جے پور، کانپور، جونپور، ناگپور (وغیرہ) کی اکثر بڑی بڑی گانے والیاں خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوتیں۔ سرکارؒ اِن لوگوں کو "اماں" کہہ کر مخاطب فرماتے۔

اِن میں سے متعدد تو وہ تھیں جو اطرافِ ہند میں اپنی اعلیٰ گائیکی اور فنِ موسیقی کی مسلّمہ مہارت کے علاوہ خوش آوازی میں بھی بڑی قد آور شخصیتیں مانی جاتی تھیں۔ سرکارؒ کی ادنیٰ سی توجہ سے یہ لوگ تائب ہوگئیں۔ داخلِ سلسلہ ہوئیں۔ نکاح کر لئے۔ صوم و صلوٰۃ کی ایسی پابند ہوئیں کہ ان کی ظاہری و باطنی دُنیا ہی بدل گئی حتیٰ کہ اُن میں سے بعض، مرتبہ محبّت سے رُتبۂ ولایت کو پہنچیں

پُوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ سے خس و خاشاک ہوگئے (غالبؔ)

---o---

اِسی ضمن میں مجھے خود اپنا ایک واقعہ یاد آیا۔ میری آپ بیتی ہے۔ میرے دل و دماغ، میرے ہوش و حواس اِس واقعے کے گواہ ہیں۔

ہُوا یہ کہ جائیداد کا تنازعہ تھا۔ چچا سے مقدمہ بازی ہو رہی تھی۔ تاریخ پیشی قریب تھی۔ میں نے سرکارؒ سے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ حضور، حکم دیدیں تو ہمیں مقدمے میں کامیابی ہو جائے۔ فرمایا:- "ارے وہ ہیں نا میرٹھ والی ننّی عیداً، اُن سے دعا کرا لینا"

کچھ توقف کے بعد ارشاد ہُوا:- "جس کا وکیل قوی وہ کامیاب"۔

میں نے عرض کر دیا۔ سرکارؒ نے حکم دے دیا۔ لیکن کٹھن مرحلہ یہ تھا کہ میں میرٹھ میں ننّی عیداً کے گھر جاؤں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ نہ جانے کیا قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ آج سے کم و بیش ۳۵ - ۴۰ سال پہلے کا زمانہ۔ میرے گھرانے اور چھتاری کا مذہبی ماحول۔ خاندانی مرتبے کا خیال۔ اِس طرف دھیان جاتا تو وحشت ہونے لگتی۔ کہ مشہور ترین گانے والیوں کے گھر میں دن دہاڑے مجھے جانا پڑے گا۔ لوگ دیکھ رہے ہونگے۔ خاندان کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ میں جو اعتراضات کیا کرتا تھا۔ سب لوٹ کر میرے منہ پر پڑیں گے۔

مرتا کیا نہ کرتا۔ میرٹھ پہنچا۔ ننّی عیداً اماں کا گھر علی گڈھ میں ہی کسی پیر بھائی سے معلوم کر لیا تھا۔ یہ دونوں بہنیں میری پیر بہن تھیں۔ قصّہ مختصر ہزار ملامتوں کو اپنے ذہن و خیال میں لئے میں اپنی اِن بہنوں کے ہاں پہنچا اور سرکارؒ کے حکم سے انہیں مطلع کر کے، اپنے مقدمے میں کامیابی کے لئے دعا کی درخواست کی۔

یہ سب کچھ سن کر اُن بہنوں کا کیا حال ہُوا۔ میری کیا کیفیات تھیں۔ انہوں نے کیوں کیونکر دعائیں کیں۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس، اتنا عرض کر دوں کہ ہمیں حسب دلخواہ اس مقدمہ میں کامیابی حاصل ہوگئی۔ (شوکت)

---o---

(۱۸)

آفتابِ موسیقی اُستاد فیاض خاں کا نام تو میں نے بہت سُنا تھا لیکن انہیں دیکھنے کا اتفاق اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ یہ کہتے ہوئے برادرم برکت علی خان یوسفی صاحب نے بتایا کہ بمبئی میں ایک میوزک کانفرنس ہو رہی تھی۔ میرے ایک دوست عظمت علی میکش نے مجھ سے کانفرنس میں چلنے کو کہا اور بتایا کہ بہت بڑے بڑے اور خاص خاص لوگ ہی وہاں شرکت کر سکتے ہیں۔ بر کوچک ہند کے تمام بڑے گانے والے اور ساز نواز موجود ہوں گے۔ میں نے میکش صاحب سے کہا کہ میں موسیقی کی ابجد سے بھی نابلد ہوں۔ جب کچھ سمجھ ہی میں نہیں آئیگا۔ تو لطف

اندوزی کیسی ۔؟ اور پھر یہ بھی کہ دعوت نامے یا داخلہ کارڈ کے بغیر وہاں اندر ہم کیونکر پہنچ سکیں گے ۔ میکش صاحب نے بتایا کہ اُن کے پاس دعوت نامہ بھی ہے اور دوؔ افراد کا داخلہ پاس بھی ہے ۔

بہر حال ہم کانفرنس میں پہنچ گئے ۔ بڑے بڑے موسیقار اپنے فن کا مظاہرہ کر چکے تو رات کے آخری پہر اسٹیج پر اُستاد فیاض خاں گانے کو بیٹھے ۔ گانا ختم ہُوا تو فجر کی اذان کا وقت تھا ۔ اُستاد نے وہیں بیٹھے بیٹھے گاؤ تکیوں سے ٹیک لگا کر اپنے دونوں پاؤں سامعین کی طرف پھیلا دیئے ۔ اب عالم یہ تھا کہ سامعین میں سے جو بھی باہر نکلتا جا رہا تھا ، وہ پہلے اسٹیج کے پاس آتا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر استاد فیاض خاں کو پرنام کرتا ۔ پھر اُن کے قدم چھوتا اور باہر چلا جاتا ۔ صدہا سامعین اور فنکار اسی طرح کر رہے تھے ۔ میکشؔ صاحب مجھے اسٹیج پر لے گئے اور استاد فیاض خاں کے پاس مجھے بٹھا کر اُن سے باتیں کرنے لگے ۔ معلوم ہوا تھا کہ استاد فیاض خاں سے ان کی بہت قربت ہے ۔ پھر میرا تعارف کرایا ، استاد سنتے رہے لیکن جب میکشؔ صاحب نے یہ بتایا کہ یہ حضرت مولانا عبدالکریم شاہ صاحبؒ تاجی کے مُرید ہیں ، تو استاد فیاض علی خاں یکایک سمٹ کر گاؤ تکیہ سے الگ ہو گئے اور سیدھے بیٹھ کر بڑی شفقت سے مجھے دیکھا اور بولے :۔ میاں ! بڑے خوش قسمت ہیں آپ ۔ بھئی سچی بات یہ ہے کہ حضرت قبلہ شاہ سے بڑا گانا سُننے اور سمجھنے والا ہم نے نہیں دیکھا اور پھر حضرت کی آواز اللہ اللہ ، نورانی گلا ہے حضرت کا ۔ آپ میاں کی خدمت میں حاضر ہوں تو خادم کی قدم بوسی عرض کیجئے گا ۔

— ١٩ —

سن ١٩٣٥ یا ١٩٣٦ کی بات ہے ۔ برادرم برکت علی خاں صاحب یوسفی سلمہ اللہ تعالیٰ علی گڈھ سے اپنے کاروبار کے سلسلے میں کوئٹہ روانہ ہوتے ۔ انہوں نے بیان کیا کہ میرا معمول یہ تھا کہ علی گڈھ سے چل کر ، یا تو پہلا قیام اجمیر شریف ہوتا اور وہاں سے راجپوتانے کے بڑے بڑے شہروں میں گھومتا ہوا حیدر آباد سے کراچی نکل آتا تھا ۔ پھر کراچی سے کوئٹہ اور وہاں سے پنجاب کے شہروں میں گھومتا ہوا لاہور قیام کرتا ۔ لاہور سے

کبھی کشمیر کی طرف نکل جاتا اور واپسی پر پانی پت شریف میں حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے ہاں حاضری دیتا ہوا ، واپس علی گڈھ پہنچ جاتا ۔ کبھی کلکتہ جانا ہوتا تو درمیانی بڑے بڑے شہروں میں کلکتے سے واپسی پر اُترتا ہُوا ، بمبئی جا نکلتا ۔ سندھ کا دورہ ہوتا تو حیدرآباد ، سکھر ، نواب شاہ وغیرہ کے دورے میں سکھر صدر مقام ہوتا ۔

کوئٹہ جاتے ہوئے برکت علی خاں صاحب جس ڈبے میں بیٹھے تھے اُن کے سامنے والی سیٹ پر ایک صاحب اپنے بال بچوں کے ساتھ بیٹھے تھے ۔ انہوں نے بتایا کہ ــــ میں تذکرۃ الاولیاء کے مطالعے میں منہمک تھا ۔ کھانے کا وقت ہوا تو انہوں نے اصرار کیا کہ میں بھی کھانے میں شریک ہو جاؤں ۔ میں نے ان کی یگانگت کی وجہ سے تھوڑا سا کھانا اُن کے ساتھ کھایا ، اسی دوران میں انہوں نے منزلِ سفر دریافت کی ۔ میں نے کوئٹہ کا نام لیا ۔ انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ آپ کسی بزرگ سے بیعت ہیں ؟ میں نے جواباً کہا :۔

الحمد للہ ! میرے آقا کا نامِ نامی حضرت مولینا عبدالکریم شاہ صاحب ہے اور وہ حضرت بابا محمدؐ یوسف شاہ تاجی ناگپوری کے نام سے مشہور ہیں ۔ اتنا سُننا تھا کہ وہ صاحب اُٹھے اور بے ساختہ مجھ سے لپٹ گئے ۔ بہت دیر تک مجھے سینے سے لگائے رہے اور اسی حالت میں بولے کہ آپ تو میرے پیر بھائی ہیں ۔ میری یہ بیوی اور یہ میرے بچے سب کے سب ساگر سی ۔ پی میں حضور کے مُرید ہوتے تھے ۔ چودہ برس بیت گئے ہیں ۔ لیکن ہماری شومئ قسمت کہ حضور کی زیارت اُس روز کے بعد سے آج تک میسّر نہیں آسکی ۔ پھر انہوں نے مجھ سے سرکارؒ کا پتہ دریافت کیا ۔ اور ساتھ ہی پوچھا کہ آپ سے خط و کتابت ہے ؟ ۔ میں نے اثبات میں جواب دیا ۔ انہوں نے اپنا نام پتہ سب لکھوایا ۔ (افسوس کہ وہ نام اور پتہ ، اب میاں برکت علی خان سلمہٗ کو یاد نہیں رہے ہیں) کوئٹہ پہنچ کر برکت سلمہٗ نے سرکارؒ کو خط میں اِس ملاقات کا حال لکھا ۔ سرکارؒ کا جواب آیا تو اس امر کی توثیق فرمائی کہ ہاں اس نام کے تمہارے پیر بھائی ہم سے ساگر میں اپنے بال بچوں سمیت مرید ہوئے تھے ۔ خط لکھو تو ہماری طرف سے دعائیں تحریر کرنا ۔

— ٥ —

(۲۰)

برکت علی خان صاحب یُوسفی کہتے ہیں کہ کوئی ڈیڑھ سال بعد پھر کوئٹہ جا رہا تھا۔
راستہ میں ریلوے اسٹیشن "آب گم"، پر مُنہ ہاتھ دُھونے کو اُترا۔ میرے ایک ہاتھ میں صابن دانی
ایک ہاتھ میں وضو کا لوٹا اور کندھے پر تولیہ تھا۔ نل پر جوان العمر ایک صاحب مُنہ دھو رہے تھے
نل میں پانی بہت تیز آ رہا تھا اور دُور دور تک اُڑ رہا تھا۔ میں نے انہیں اپنا لوٹا دیا۔ پھر
اپنی صابن دانی اُن کی طرف بڑھا دی۔ جب منہ دھو چکے تو تولیہ بھی انہیں دیا۔ پھر
میں مُنہ دھونے لگا۔ اتنی دیر میں گاڑی نے روانگی کی سیٹی بجائی۔ ہم دونوں ہی دوڑے
اور اپنے اپنے ڈبوں میں جا بیٹھے۔ پھر جب گاڑی ایک ایسے اسٹیشن پر ٹھہری جہاں اسٹال
پر جا کر چائے پی جا سکتی تھی تو میں وہاں پہونچا۔ یہاں وہی صاحب پہلے سے موجود
تھے۔ انہوں نے پیسے ادا کرنے میں سبقت کی۔ پھر مجھے سگریٹ پیش کی۔ میں اُن
دنوں سگریٹ نوشی بہت کرتا تھا۔ میں نے شکریہ کے ساتھ سگریٹ لے لیا۔ انہوں نے
پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں۔ میں نے کوئٹہ کا نام لیا تو بولے، میں بھی جا رہا ہوں۔ چلئے
اپنا سامان میرے ڈبے میں لے آیئے۔ الغرض ہم ایک دوسرے کے رفیقِ سفر بن
گئے۔ انہوں نے اپنا نام شفیق فاروقی بتایا۔ پنجاب میں ڈسکہ کو اپنا مَولد بتایا۔
انہوں نے کہا کہ کوئٹہ میں میرے دوست کا مکان ہے۔ میں وہیں ٹھیروں گا۔ اور
چونکہ میرے دوست گئے ہوتے ہیں۔ اور ان کا مکان خالی ہے۔ اس لئے آپ
بھی میرے ہمراہ قیام فرمائیں۔

میں نے فاروقی صاحب کے ہمراہ ہی کوئٹہ میں قیام کیا۔ رات میں نے اپنی
نوٹ بک نکالی۔ کچھ شعر لکھے۔ فاروقی صاحب نے پوچھا، اچھا کیا آپ شعر بھی کہتے
ہیں؟۔ پھر اصرار کر کے میرے اشعار سنتے رہے۔ دنیا کے اکثر ممالک کا سفر کئے ہوئے تھے
لب ولہجہ سے پنجابی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہاں آپ کے مسلک کے
ایک صاحب میرے دوست ہیں۔ دراصل وہ درویش ہیں۔ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔
کوئٹہ جب بھی آتا ہوں تو اُن سے ملاقات ضرور ہوتی ہے۔ ویسے وہ لوگوں سے بہت
کم ہی ملتے ہیں۔ ایک زمانے میں اُن پر جذب طاری رہتا تھا۔ اب سلوک میں ہیں۔

ریلوے اسٹیشن کوئٹہ پر ایک ہوٹل کے منیجر ہیں۔ علوی صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ لوگ
دعا کرانے، تعویذ لینے، دَم کرانے کو آتے ہیں۔ لیکن وہ تعویذ کسی کو نہیں دیتے۔ اکثر
لوگوں کو تو بھگا دیتے ہیں۔ میں نے کہا، یار کوئی موقع نکال کر وہاں ضرور چلیں گے۔
ایک دن ہم دونوں علوی صاحب کے پاس جا پہنچے۔ پلیٹ فارم پر اس ریفریشمنٹ روم
کا نام اسٹیشنوی ہوٹل تھا۔ میرا خیال تھا کہ علوی صاحب کوئی بزرگ صورت ہوں گے
مشائخ کا سا لباس ہوگا۔ (وغیرہ وغیرہ) ہوٹل میں ہم داخل ہوئے۔ یہ انگریزی طرز کا ہوٹل تھا۔
میز پر ایک صاحب گورے چٹّے میدہ شہاب رنگ، خوش شکل، ہاتھ پر گھڑی، خوبصورت
عینک، سوٹ پہنے بیٹھے تھے۔ شفیق فاروقی مؤدبانہ طریقے سے اُن کی طرف بڑھے۔
علیک سلیک ہوئی۔ مُصافحہ ہوا۔ فاروقی صاحب نے میرا تعارف کرایا۔ انہوں نے مجھ سے
بھی مصافحہ کیا۔ لیکن اُن کا تعارف فاروقی صاحب نے نہیں کرایا۔ میں سمجھا یہ کوئی بڑے
آدمی ہیں۔ فاروقی صاحب کے جاننے والے ہیں۔ علوی صاحب کہیں اور ہوں گے۔
انہوں نے فاروقی صاحب سے کہا:۔ تم بہت دن میں آئے اب کے!۔ کب آئے ہو؟
پھر وہ میری طرف مخاطب ہونا چاہتے تھے کہ فاروقی صاحب بولے:۔ یہ شاعر بھی ہیں اور
صوفی مسلک کے بھی ہیں۔ وہ صاحب بولے:۔ اچھا؟ تو پھر یہاں سے اُٹھتے ہیں۔ کمرہ میں
چل کر بیٹھیں گے۔ پھر کسی کو بلا کر کہا کہ ہمارا حقّہ وغیرہ کمرے میں پہنچا دو۔ کمرے میں
پہونچے تو وہ صاحب میرے اشعار سنتے رہے۔ پھر انہوں نے خود دوسرے شعراء کے مُنتخبہ
اشعار جواباً سنائے۔ اور مجھ سے پوچھا کہ آپ کس سلسلے سے مُنسلک ہیں؟ مشغلہ کیا
ہے؟ دو گھنٹے گزر گئے۔ فاروقی صاحب نے اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا کہ بھائی
کل دوپہر ساڑھے گیارہ بجے تک آجاؤ تو دوپہر کا کھانا ہم ساتھ ہی کھالیں گے۔ موسم تو
گرمیوں کا ہی تھا۔ مگر کوئٹہ میں خوشگوار ٹھنڈک تھی۔ سوئیٹر وغیرہ کے بغیر کام نہیں
چل سکتا تھا۔

واپسی پر میں نے فاروقی صاحب سے استفسار کیا کہ علوی صاحب موجود نہیں
تھے؟۔ انہوں نے مسکرا کر کہا، یہی تو تھے علوی صاحب۔ ارے کیا میں نے اُن کا تعارف
نہیں کرایا تھا؟۔ پھر فاروقی صاحب ہنسنے لگے اور بولے کہ چلو کل سہی۔ خوب باتیں کر لینا۔

اگلے دن علوی صاحب وہیں کیش کاؤنٹر پر رونق افروز تھے۔ جب ہم دوسرے دن اُن کے پاس اسٹیشنوی ہوٹل پہنچے تھے۔ ہمارے پہنچتے ہی انہوں نے ایک ملازم کو چابیاں دیں اور کہا کہ دیکھو جب کھانا لگ جائے تو ہمیں اطلاع دینا۔ پھر وہ ہمیں اپنے کمرے میں لے گئے۔ دروازہ بند کر دیا۔ بجلی روشن کر دی۔

میں نے چھوٹتے ہی اُن سے سوال کیا،۔ علوی صاحب! آپکو کن بزرگ سے نسبت حاصل ہے؟

علوی صاحب کی جیسے سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی ہو۔ کچھ دیر وہ خاموش رہے۔ پھر بولے:۔ میاں تم نے کیا بات پوچھ لی۔ یہ تو بڑا لمبا قصہ ہے۔ اچھا کھانا کھالو۔ پھر سُنائیں گے۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی میں نے پھر اپنا سوال دُہرا دیا علوی صاحب نے چائے طلب کی۔ پھر بولے:۔

ہم بجنور (یوپی) کے باشندے ہیں۔ والد صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے۔ سی۔ پی میں کہیں اُن کی تقرری ہوئی تھی۔ میری ایک بہن بھی تھی۔ والد نے مجھے ولایت بھیج دیا۔ میں وہاں سے گریجویشن کر کے لوٹا تو والد صاحب نے میری آمد سے پہلے ہی ایک کوٹھی تعمیر کرا رکھی تھی۔ والد صاحب نے فرمایا کہ کوٹھی کا فرنیچر ہم نے نہیں خریدا ہے۔ تم اپنی مرضی کا فرنیچر کلکتہ جا کر لے آؤ۔ پھر تمہاری شادی کر دیں گے۔ میں دو ہزار روپے لیکر فرنیچر کی خریداری کے لئے کلکتہ جا پہنچا، اور اپنی جائے قیام سے فرنیچر کی خریداری کے لئے ایک فٹ پاتھ پر ہو لیا۔ سیدھے ہاتھ کے فٹ پاتھ پر میں چل رہا تھا۔ بائیں جانب ایک مرتبہ جو میری نظر اُٹھی تو دیکھا کہ سامنے والی کوٹھی کے جنگلے میں ایک جوان العمر حسینہ مہ جبینہ کھڑی ہے۔ میں اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ دل تھا کہ قابو میں نہ آتا تھا۔ ذرا کی ذرا میں پُورا جسم تھر تھر کانپنے لگا، دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا آرہا تھا۔ وہ صورت بھی اب غائب تھی۔ میرا حال یہ ہُوا کہ یہ بات یاد ہی نہ رہی کہ میں کہاں سے کس کام کے لئے آیا ہوں۔ اور ابھی کہاں جا رہا تھا۔ بس وہی صُورت دیکھتے رہنے کی بے قراری تھی۔ نہ جانے کب تک اِسی انتظار میں وہیں کھڑا رہا کہ وُہ دشمنِ ہوش اب سامنے آتی ہوگی۔ رات ہوگئی۔ وہیں کھڑے کھڑے ایک غنودگی ایسی کیفیت طاری ہوئی۔ سامنے وہی جنگلا تھا۔ ایک

صُورت اُبھری۔ مگر وہ حسینہ کی بجائے، ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:۔

"ہمارا نام تاج الدین ہے۔ ہم ناگپور رہتے ہیں۔ تمہارا علاج ہمارے پاس ہے۔"

غنودگی سے میں یکایک عالم بیداری میں آگیا۔ دماغ سے وہ دُھن یُوں غائب ہوگئی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ لیکن اب بے چینی یہ تھی کہ میں اُڑ کر ناگپور جا پہنچوں۔ کلکتہ سے روانہ ہو کر ناگپور جا پہنچا۔ اسٹیشن سے باہر نکلا تو ایک صاحب نے میرے پاس ہی کھڑے کھڑے آواز لگائی:۔ کون ہے بابا تاج الدین کے پاس جانے والا؟۔ میں نے فوراً ہی کہا کہ مجھے لے چلئے۔ وہ مجھے بابا صاحب کے پاس لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ سامنے سے ایک بزرگ پیادہ پا تشریف لا رہے ہیں۔ لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ ہے۔ جب میرے پاس آگئے تو میں نے پہچان لیا کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں جو کلکتہ میں مجھ سے ہمکلام ہوئے تھے۔ بس مجھے اتنا یاد ہے۔ پھر میں بے ہوش ہوگیا۔ وہیں ایک ماہ تک مقیم رہا۔ کہیں آنے جانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ روزانہ بابا صاحب کی زیارت کرتا اور دیوانگی میں رہتا۔ بس یہی میرا کام تھا۔ اس تمام عرصے میں بابا صاحب سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی نہ کوئی کام، نہ کوئی پروگرام، نہ دنیا کا خیال، نہ دین کی فکر۔ ایک روز یکایک بابا صاحب میری قیام گاہ پر تشریف لائے۔ ہزارہا افراد پیچھے پیچھے تھے۔ پاس آکر بولے:۔

"بڑے صاحب کے پاس اجمیر جاتے۔"

لوگوں نے مجھے بتایا کہ تمہیں اجمیر شریف جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ بابا صاحب اتنا فرما کر تشریف لے گئے۔ اب مجھے اجمیر شریف کی لَو لگ گئی تھی۔ میں اجمیر شریف جا پہنچا۔ راستہ میں خیال آیا کہ بابا صاحب نے کسی کا نام تو بتایا ہی نہیں تھا۔ میں اب کس کے پاس جاؤں گا؟۔ کسی سے پوچھوں گا بھی تو کیا؟۔ عقل کچھ رہنمائی نہ کر سکی۔ اجمیر شریف کے ریلوے اسٹیشن سے باہر آکر خیال ہوا کہ یہاں غریب نوازؒ ہیں۔ اُن کے ہاں چلنا چاہیئے۔ درگاہ شریف پہنچا۔ سامان تو میرے پاس کچھ تھا

نہیں۔ سوٹ کیس اور ہولڈال وغیرہ جو کلکتہ لے کر گیا تھا، سب وہیں رہ گیا تھا۔ روپے البتہ میری جیب میں رکھے تھے جن سے میں یہ سفر کر رہا تھا اور دیگر کام چل رہے تھے۔

درگاہ شریف میں جب داخل ہوا تو مغرب کا وقت تھا۔ ہر چند کہ میں پابندی سے نماز ادا نہیں کرتا تھا لیکن یہاں کے ماحول سے ہی شریعت کی پابندی کو دل چاہنے لگتا ہے۔ وضو کے لئے حوض پر پہنچ گیا۔ پانی میں ہاتھ ڈالتے ہی خیال آیا کہ یہاں میرے بھیجے جانے کا آخر مقصد کیا ہے؟ ۔ بابا صاحب نے مجھے کن "بڑے صاحب" کے پاس بھیجا ہے۔ اِسی خیال میں غلطاں و پیچاں میں وضو کرتا رہا۔ وضو کر کے اُٹھا تو بالکل میری پُشت پر ایک صاحب یوں کھڑے تھے، جیسے انہیں میرے اُٹھنے کا انتظار ہو اور وہ اب وضو کرنے کو یہاں بیٹھ جائیں گے۔ اُن کا حلیہ یہ تھا کہ سرو قامت خوبصورت نشیلی غلافی آنکھیں، لمبے لمبے ہاتھ، سر گُھٹا ہوا، خشخشی سے ذرا بڑی ڈاڑھی، لمبا سفید کرتا، سفید تہبند، ہاتھ میں لمبا سفید پٹکا۔ ننگے سر۔

مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی فرمایا:۔ "علوی تم آ گئے؟"۔ لو یہ رومال لو، ہاتھ منہ پونچھ لو"۔ میں حیران رہ گیا کہ کون صاحب ہیں جو مجھ سے واقف ہیں۔ اور میں انہیں نہیں جانتا۔ پھر وہ بزرگ از خود ہی بولے:۔ "ہاں! ہمیں بابا صاحب نے تمہارے متعلق بتا دیا تھا۔ تمہارا انتظار ہی تھا۔ آؤ!"۔ اتنا فرما کر وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئے جو حدودِ درگاہ میں جنوب کی طرف تھا۔ یہاں پہنچ کر فرمایا:۔ یہ تمہاری قیام گاہ ہے"۔ رات ہوئی تو اُنہیں بزرگ نے میرے لئے کھانا منگایا اور ساتھ بٹھا کر کھلایا۔ رات کو وہیں سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ بابا تاج الدین تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا:۔ "بڑے صاحب سے ملاقات ہو گئی!۔ اب ہم جاتے ہیں"۔ بابا صاحب چلے گئے۔ تب میں سمجھا کہ وہ "بڑے صاحب" یہی بزرگ ہیں جو میرے میزبان بنے ہوئے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ ۔ متعدد حضرات نے مجھے بتایا کہ ان کا نام مولینا عبدالکریم شاہ صاحب ہے۔ یہ ناگپور والے مولینا کہلاتے ہیں۔ عقل بالکل گنگ تھی۔ اسی حالت

میں حضرت قبلہ نے مجھے چھ دن تک مہمان رکھا۔ پھر حکم دیا کہ "تمہیں کوئٹہ کا علاقہ سپرد کیا گیا ہے۔ جا کر چارج لو۔

پھر مجھ پر جو کیفیات وارد ہوئیں، وہ ایک راز ہے۔ اسے میں بیان نہیں کروں گا۔ الغرض میں کوئٹہ پہنچا۔ مستی کا ایک عالم تھا جو مجھ پر طاری تھا۔ حضرت قبلہ و کعبہ بابا عبدالکریم شاہ صاحب اُس دن سے آج تک قدم قدم پر میری دستگیری اور رہنمائی فرما رہے ہیں۔ کوئٹہ میں ایک نالے کے پُل کے نیچے رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ چھ سال تک میں وہیں مقیم رہا۔ پھر مجھے عالمِ سلوک میں پہنچا دیا گیا اور اپنے گھر واپسی کی اجازت مرحمت ہوئی۔ گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ والد صاحب قبلہ اور والدۂ مکرمہ دُنیا سے مُنہ موڑ گئے ہیں۔ یہاں قیام کئے ابھی ایک مہینہ ہی گزرا تھا کہ کوئٹہ واپس ہو جانے کا حکم ہو گیا۔ چناں چہ میں پھر کوئٹہ واپس آ گیا۔ پیسہ دھیلا کچھ پاس نہ تھا۔

گزشتہ چھ سال جو کوئٹہ میں قیام رہا تھا تو کافی مخلوق رجوع ہو چکی تھی۔ میں اُن سے گھبراتا تھا۔ تنگ آ جاتا تھا۔ بہت بچتا تھا۔ اس مرتبہ اِس مخلوق سے بچنے کے لئے یہ ملازمت اختیار کر لی ہے۔ پانچ برس سے اِسی ہوٹل میں منیجر ہوں۔ مخلوقِ خدا اِس کے باوجود پیچھا نہیں چھوڑتی۔

یہاں تک سُننے کے بعد میں بے تابانہ کھڑا ہوا اور بھائی علوی صاحب سے یہ کہتا ہوا لپٹ گیا کہ حضرت! آپ تو میرے پیر بھائی ہیں۔ میں بھی اُنہیں "بڑے صاحب" کا غلام ہوں جنہوں نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے بڑی محبت سے مجھے بتایا کہ کل جب پہلی بار آپ آئے تھے تو مجھے اطلاع مل گئی تھی اور میں بہت خوش تھا۔ مگر آپ نے مجھ سے اس ضمن میں کچھ گفتگو ہی نہیں کی۔

فاروقی صاحب نے مجھے بتایا کہ مجھے سخت تعجب تھا کہ علوی صاحب نے آج پہلی بار کسی سے اتنی دیر کیسے باتیں کر لیں۔ یہ تو ہمکلام ہونے والوں سے جان چُھڑاتے ہیں۔ حتیٰ کہ مجھے سلام دعا اور رسماً خیر و عافیت پوچھ کر ہی اجازت دے دیا کرتے تھے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ میں آپ کے ساتھ اتنی دیر تک علوی صاحب کے پاس بیٹھنے اور اُن کی آپ بیتی سُننے کی سعادت حاصل کر سکا۔ ہم دوپہر کے گئے

ہوئے علوی صاحب کے پاس سے رات آٹھ بجے واپس ہوئے۔ خیال یہ تھا کہ پھر کسی دن ان کے پاس حاضر ہوں گا۔ لیکن چار دن تک قیام کے باوجود حاضر نہ ہو سکا۔ اور۔ واپسی ہوگئی۔ اور۔ پھر کبھی ملاقات نہ ہوسکی، نہ اُن کی کوئی خیر خبر ہی ملی۔

۲۱

محمد امین خان یُوسفی تاجی، اَترَوُلی کے ایک زمیندار عبدالغفور خاں صاحب کے خلفِ اصغر اور میرے بہنوئی ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ ۱۹۴۰ء میں میری منگنی ہوئی تھی۔ اسی سال میرے آقا سرکار غوث محمدؐ بابا یوسف شاہ تاجیؒ دلّی تشریف لائے میرے بڑے بھائی عبدالجلیل خان صاحب کے دو ہوٹل دِلّی میں تھے۔ سرکارؒ کے دلّی تشریف لانے سے قبل، رئیسِ طالب نگر نواب بہادر الحاج عبدالسمیع خان صاحب کا تار موصول ہوا کہ اپنے ہوٹل میں تین چار کمرے خالی رکھو۔ بھائی شوکت علی خان صاحب یُوسفی تاجی دو دن پہلے تشریف لے آئے تھے، تاکہ کوئنز روڈ پر ہمارے دھلی سنٹرل ھوٹل میں سرکارؒ کے شایانِ شان تمام اہتمام پہلے سے کرلیا جائے۔ معیّنہ تاریخ کو ہم دہلی ریلوے جنکشن پر پہنچے اور سرکارؒ کو اپنے ہوٹل لے آئے۔ حضور کے ہمراہ نواب بہادر صاحب کے علاوہ ڈاکٹر محمود صاحب (ڈاکٹر محمدؐ محمود احمد صاحب یوسفی صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ کراچی علیہ الرحمۃ) اور مونس بھیّا (کنور محمدؐ مونس علی خان صاحب یوسفی علیہ الرحمۃ) تھے۔ اس واقعہ سے صرف چھ مہینے پہلے ہی میری منگنی چھتاری میں ہوئی تھی۔ مجھے سرکارؒ اسقدر اچھے لگے کہ اُنسے محبت ہوگئی اور میں نے درخواست کی کہ سرکار مجھے اپنی بیعت میں قبول فرمائیں۔ سرکارؒ نے میری گزارش سُن کر اپنا پٹکا میرے سر پر صافے کی طرح باندھ دیا اور فرمایا:۔ "ارے تُو، تو ہمارا مرید ہی ہے"۔ یہ تمام واقعہ ایسے وقت پیش آیا کہ سرکارؒ ہوٹل کے زینے سے اُترتے جا رہے تھے۔ سن مجھے خوب یاد ہے کہ ۱۹۴۱ء تھا۔

۱۲؍ اپریل ۱۹۴۲ء کو چھتاری میں میری شادی ہوئی۔ سرکارؒ نے ازراہِ بندہ پروری شرکت فرمائی۔ نکاح ہوگیا، تو مجھے قریب بُلایا اور فرمایا:۔ دو نفل نماز شکرانہ ادا کرنا۔ انہی دنوں میری اہلیہ کے "کن پھیڑ" ہوگئے۔ یکایک سرکارؒ نے مجھے "پوتا مٹی" دی

اور فرمایا یہ سب پانی میں بھگو کر اپنی اہلیہ کے "کَن پھیڑ" پر لگا دو۔ صبح میں بیدار ہوا۔ میں نے یہی عمل کیا۔ ایک مرتبہ ہی میں مکمل آرام ہوگیا۔

۱۹۴۵ء میں سرکار یوسف الاولیاءؒ اترولی تشریف لائے۔ اور بقاء اللہ شاہ صاحب یوسفی تاجی کے ہاں مقیم ہوئے۔ اسی زمانے میں بھائی صاحب قبلہ شوکت علی خان یوسفی اطال اللہ عمرہٗ اپنی بہن کو لینے کے لئے چھتاری سے آگئے۔ میری اہلیہ سے انہوں نے چھتاری چلنے کو کہا تو انہوں نے کہا کہ بھائی صاحب آپ امّاں سے اجازت لے لیجئے۔ بھائی صاحب نے میری والدہ سے اجازت طلب کرنا چاہی تو انہوں نے کہا کہ امین کے ابّا آجائیں تو اُن سے پوچھ کرلے جانا۔ بھائی صاحب قبلہ کو میرے والد کا انتظار رہا۔ تین چار گھنٹے بعد یکایک سرکارؒ ایک شاندار ٹَم ٹَم میں تشریف لے آئے۔ آپکے ہمراہ ایک ناشتہ دان (ٹِفن کیریئر) بھی تھا۔ سرکارؒ کو دودھ جلیبی پیش کی گئی۔ سرکارؒ نے میری اہلیہ سے اب تک چھتاری نہ پہنچنے کا سبب دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا:۔ سرکار! میں نے اپنی خوشدامن سے اجازت مانگی تھی۔ اُنہوں نے کہا کہ تمہارے ابّا آجائیں تو اُن سے پُوچھ لوں۔ وہ اجازت دیدیں تو چلی جانا۔ سرکارؒ نے میری اہلیہ کے اس رویّے کو بہت پسند فرمایا۔

۱۹۴۶ء میں جون کے پہلے ہفتے کی ابتدائی کسی تاریخ کو سرکارؒ دِلّی تشریف لائے۔ ہمارے ہی ہوٹل میں قیام فرمایا۔ سرکارؒ کا قیام جس کمرے میں تھا اس کے قریب ہی کے کمرے میں ایک نجومی مقیم تھا صبح سے شام تک اس کے پاس لوگ آتے تھے۔ بڑی پریکٹس تھی۔ سرکارؒ کی آمد کا جو اہتمام نجومی صاحب نے دیکھا تو وہ بھی زیارت کو آگئے۔ حسبِ معمول حضورؒ نے اُن کا نام پوچھا۔ شغل دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نجوم اور رمل کا حساب جانتا ہوں۔ جس سے آنے والے حالات کا علم مجھے ہوجاتا ہے۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔ اچھا۔ ایسا ہے تو یہ بتائیے کہ بارش کب ہوگی؟ (اُن دنوں سخت کڑاکے کی گرمی پڑ رہی تھی۔ لُو ہر شے کو جُھلسائے دے رہی تھی) نجومی بغلیں جھانکنے لگا اور بولا:۔ جناب بارش کا ابھی کچھ پتہ نہیں ہے۔ موسم پر ہی

ہوگی۔ سرکارؒ نے فرمایا: "ارے!۔ بھئی یہ تو غضب ہوجائے گا۔ بڑی گرمی پڑ رہی ہے مگر ہمارے خیال میں تو بارش کل ہونا چاہیئے"۔ یہ فرما کر سرکارؒ خاموش ہوگئے۔ موضوع کوئی اور چھڑ گیا۔ نجومی مسکراتا ہوا اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اگلے دن اسی وقت پر (عصر کے قریب) سخت آندھی آئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اندھیرا چھا گیا۔ آندھی اُتری تو تمام آسمان گھٹا ٹوپ بادلوں میں گھرا نظر آنے لگا۔ کڑک چمک کے ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ روزِ قیامت ایسی گرمی میں تپتی ہوئی دِلّی یخ بستہ صراحی جیسی ٹھنڈی ہوگئی۔ شاید دو دن تک جھڑ لگا رہا۔

اسی زمانے میں سرکارؒ کی آمد سے بہت پہلے سے ایک جوگن بھی ہمارے ہوٹل میں مقیم تھی۔ وہ اکیلی تھی۔ سامان بھی اس کے ساتھ کچھ نہیں تھا۔ روزانہ شام کو چار پانچ بجے کے قریب دو آدمی آتے تھے اور ایک برتن میں کھچڑی لاکر دروازے پر سے ہی اُس کے کمرے میں سرکا جایا کرتے تھے۔ ۲۴ گھنٹے میں اس کھچڑی کے علاوہ میں نے کبھی کوئی کھانے پینے کی چیز اُس کے کمرے میں جاتے نہیں دیکھی — علی الصبح اندھیرے اندھیرے ہی وہ کمرے سے نکلتی۔ غسل کرتی اور پھر اپنے کمرے میں بند ہوجاتی۔ لیکن حیرانی یہ ہے کہ جب ہمارا صفائی والا اس کمرے میں صبح ہی صفائی کے لئے پہنچا تو اس جوگن کا کمرہ خوشبودار پھولوں سے بھرا ہوتا اور اس کے کمرے کا دروازہ کھلنے سے سارا ہوٹل پھولوں کی خوشبو سے مہک اٹھتا۔ وہ جوگن بالکل نوجوان اور اس قدر حسین تھی کہ اُس جیسی حسین عورت شاید لاکھوں میں کوئی ایک ہو تو ہو۔ حسینہ، مہ جبینہ، رشکِ قمر، گلِ خوبی، رعنائی مجسم، جو کچھ کہیئے کم تھا۔ ہمارے ہوٹل کا تمام عملہ اس انوکھی مسافرہ پر سراپا حیرانی بنا ہوا تھا۔ سرکارؒ کے قیام کو ابھی چوتھا یا پانچواں دن ہی تھا۔ کسی نے اُس کا ذکر سرکارؒ سے بھی کیا۔ سرکارؒ نے سن کر فرمایا:۔ "ایسا؟ — خیر ہوگا"

اُسی دن معلوم ہوا کہ جوگن کا کمرہ خالی ہو رہا ہے۔ وہ جا رہی ہے۔ اُس نے

حساب بے باق کیا اور زینے کی طرف بڑھ گئی۔ جس وقت وہ زینہ طے کر رہی تھی، تو ایک بھونچال جیسا شور بلند ہوا اور ہوٹل کی پوری عمارت ایسے ہلنے لگی جیسے زبردست زلزلہ آگیا ہو۔ یہ کیفیت ختم ہوئی تو اس کمرے سے، جس میں وہ مقیم تھی، فرنیچر کی زبردست توڑ پھوڑ کی آوازیں آنے لگیں۔ میں دوڑا ہوا اس کے کمرے میں پہونچا تو دیکھا کہ ہر شئے اپنی جگہ پر موجود ہے اور سارا کمرہ تازہ پھولوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں واپس آیا اور سیدھا سرکارؒ کے کمرے میں پہنچا اور میرے کچھ عرض کرنے سے پہلے ہی سرکارؒ نے فرمایا:۔ "گئی وہ!۔ اب کبھی نہیں آئے گی۔

محمد امین خان صاحب یوسفی تاجی اترولی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ سرکارؒ ہمارے دھلی سینٹرل ھوٹل میں تھے۔ کسی کے ہاں رات کی سرکارؒ کی دعوت تھی۔ سماع کا بھی انتظام تھا۔ سرکارؒ کے ساتھ اس دن حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نیازی علیہ الرحمۃ بھی تھے۔ رٹائرڈ کرنل مقبول الٰہی درویش اُن دنوں سیکنڈ لیفٹننٹ تھے، وہ بھی ہمراہ تھے۔ مولانا عبدالقادر صاحب نیازیؒ کے مُرید تھے۔ سرکارؒ سے بہت محبت تھی۔ انہیں محفل سماع میں جانے سے پہلے یہ حضرات پریڈ گراؤنڈ کے شرقی سنگھاڑے میں کچھ دیر کو بیٹھ گئے تھے۔ چلتے وقت مولانا عبدالقادر نیازیؒ اپنا ڈبیا بٹوا وہیں بھول گئے۔ رات دو ڈھائی بجے انہیں ڈبیا بٹوا یاد آیا۔ انہوں نے سرکارؒ سے گھبرا کر فرمایا:۔ حضرت غضب ہوگیا۔ ہمارا ڈبیا بٹوا تو وہیں رہ گیا۔ جامع مسجد کے سنگھاڑے میں۔ سرکارؒ نے مُسکرا کر فرمایا:۔ وہیں مل جائے گا۔ لیجئے پان کھایئے۔ محفل جاری رہی۔ صبح ہم سب جامع مسجد کے سنگھاڑے پر پہنچے تو مولانا کی ڈبیا اور بٹوا وہیں رکھے تھے۔

۱۹۴۶ میں جو سرکارؒ کا قیام ہمارے ہوٹل میں ہوا تھا، اس کے بعد مجھے حضورؒ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو پاکستان بن گیا بس یہ اطلاع آئی کہ سرکارؒ سخت علالت کی حالت میں ہی "آبو" سے سیدھے پاکستان تشریف لے گئے

اور کراچی پہنچنے کے ایک ہفتے کے بعد ہی دُنیا والوں کی ظاہری آنکھوں سے چُھپ گئے۔ ہمارے ہوٹل میں کمرہ نمبر ۱۶ میں سرکارؒ رونق افروز تھے۔ کمرہ نمبر ۱۵ میں محترمہ امّاں جی صاحبہ نوراللہ مرقدہا، ثریا بی بی، ممتاز بی بی اور کلّو پاشا میاں مقیم تھے۔ طالب نگر کے رئیس نواب بہادر عبدالسمیع خان صاحبؒ کے پاس کمرہ نمبر ۲۰ اور نمبر ۲۲ تھے اور ان میں متعدد برادرانِ طریقت بھی مقیم تھے۔ کمرہ نمبر ۹ میں نوابزادی ججّو بی بی صاحبہ اور اُن کے صاحبزادے اقبال میاں مقیم تھے۔ باغپت کے نواب جمشید علی خانصاحب بھی نواب بہادر عبدالسمیع خانصاحب کے ساتھ تھے۔ میرے بڑے بھائی عبدالجلیل خان صاحب دہلی پولیس میں سب انسپکٹر تھے۔ اُن کی ۱۳، ۱۴ موٹر بسیں دہلی سے رہتک تک چلتی تھیں۔ موری گیٹ پر، ڈیفرن برج کے قریب، عمر فرنیچر ہاؤس کے اوپر ایک بہت عالیشان مکان میں وہ رہتے تھے۔ ہمارے یہ دونوں ہوٹل بھی دراصل انہیں کی ملکیت تھے۔ بھائی صاحب نے محفلِ سماع کے اہتمام کے ساتھ سرکارؒ کی دعوتِ عشائیہ کا اہتمام کیا۔ اس دعوت میں نواب بہادر صاحب والیٔ طالب نگرؒ، نواب صاحب باغپت، ڈاکٹر محمود صاحب (ڈاکٹر ایم۔ احمدؒ) مولانا اختر علی شاہ صاحبؒ، خورجہ والے بھائی ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب، آدم بھائی مرحوم، مونس بھیّا مرحوم (کنور محمد مونس علی خان یوسفی) اصغر بھیّا (کنور محمد اصغر علی خاں یوسفی) رفیق بھائی (سیّد محمد ممتاز رفیق عزیزی یُوسفی) اور خواجہ عطاء الرحمٰن صاحب دہلوی مرحوم شریک تھے۔ نہایت پُر تکلف کھانے کا اہتمام کالی ہوٹل سے کیا گیا تھا۔ قوّال بنّا تھا۔ بنّے اور کلّن خان قوال کا ڈھولکیا سنگت کر رہا تھا۔ بڑی ہی پُر کیف محفل تھی۔ سرکارؒ بہت محظوظ نظر آتے تھے۔ ایک ایک سو روپے کے نوٹوں کے نذرانے پیش کئے جا رہے تھے، جو اُس زمانے میں بڑی بات تھی۔ دو گھنٹے بعد سرکارؒ نے سماع ختم کرادیا۔ اور واپس تشریف لے گئے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ سرکارؒ کی ہمارے یہاں آخری تشریف آوری ہے۔

—— ٥ ——

بھائی شوکت علی خان صاحب، بھائی برکت علی خان صاحب اور بھائی حشمت علی خان صاحب وغیرہ چونکہ اپنے تمام خاندان کو لے کر چھتاری سے پاکستان آگئے تھے۔ اس لئے

مجھے بھی اترولی سے ۱۹۵۱ میں پاکستان آجانا پڑا۔ کراچی پہنچا تو یہاں کوئی کام نہیں مِل رہا تھا۔ روزگار کی طرف سے پریشانی لاحق تھی۔ مہاجرت کی بے سروسامانی مستزاد۔ میں نے کراچی میونسپل کارپوریشن کے محکمۂ صحت میں ملازمت کی درخواست دے رکھی تھی۔ مگر کوئی جواب نہیں آرہا تھا۔ میں سرکارؒ کے مزارِ اقدس پر حاضر ہُوا اور سرکارؒ سے فریاد کی کہ حضور! کیا ہمیں اسی طرح ذلیل کرنے کو یہاں بُلایا تھا۔ میں بے روزگار ہوں۔ آخر کام کیسے چلاؤں؟۔ میں اضطراب میں نہ جانے کیا کیا سرکارؒ سے عرض کرتا رہا اور فاتحہ پڑھ کر چلا۔ دل ہلکا ہو گیا تھا۔ طبیعت مطمئن ہو گئی تھی۔ اس زمانے میں جی الانہ صاحب بلدیہ کراچی کی مجلس قائمہ کے رکن تھے۔ جی۔ الانہ صاحب سے مولانا ماہر القادری کی دوستی تھی۔ ماہر القادری صاحب سے ہماری عزیزداری ہے۔ وہ مجھے لیکر اُن کے پاس گئے اور میری درخواست کے بارے میں تذکرہ کیا۔ جی الانہ صاحب نے اطمینان دلایا۔

۱۳ مارچ ۱۹۵۲ کو میں نے خواب دیکھا کہ ایک لق ودق میدان میں چلا جا رہا ہوں کہ ایک بہت بڑی چہار دیواری سامنے نظر آئی اور بڑی چہل پہل معلوم ہو رہی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کسی نے جواب دیا کہ وہاں عرس ہو رہا ہے۔ عرس کا نام آتے ہی میں اُدھر کو بڑھا۔ وہاں پہنچا تو سرکارؒ مجھے مل گئے۔ سرکارؒ نے مجھ سے پوچھا: تم حضور بابا صاحب سے ملے؟۔ میں نے عرض کہ سرکار میں نے تو آج تک بابا صاحب کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ پھر سرکارؒ مجھے لیکر ایک پہاڑی پر سیڑھیوں سے چڑھتے چلے گئے۔ پہاڑی کی چوٹی پر ہم پہنچے تو وہاں ایک مزار دیکھا جہاں حضور بابا صاحب ناگپوری قدس سرہٗ تشریف فرما تھے۔ میں نے بابا صاحب کی قدمبوسی کی۔ سرکارؒ نے بابا صاحبؒ سے فرمایا: "حضور یہ اپنا بچہ ہے۔"

خواب ختم ہوتے ہی میں بیدار ہو گیا۔ اپنی اہلیہ کو اٹھایا اور انہیں بتایا کہ آج مجھے نوکری کا پروانہ مل گیا ہے۔ اور" ہوا بھی ایسا ہی کہ مجھے محکمۂ صحت میں، انسپکٹر کی جگہ پر تعینات کر دیا گیا برادرم امین خاں یوسفی سلمہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ میں سرکارؒ سے جا کر خانقاہ شریف میں عرض کر دیتا ہوں اور میرا کام بن جاتا ہے ؂

جبینِ دیر و حرم پر ہیں کچھ نقوشِ قدم یہ دیکھتا ہوں وہ ہو کر کہاں کہاں گزرے
(ذہین شاہؒ)

(۲۲)

ہر چہ کرد، پنہاں کرد

"شاعرِ دربارِ تاج الاولیاء" الحاج حشمت علی خان یوسفی تاجی میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ برکت علی خاں سلمہٗ ان سے بڑے ہیں۔ انہوں نے اپنے حالات بلاکم و کاست خود ہی لکھ دیئے ہیں۔ سرکارؒ سے انکے معاملات میں ایک بالکل نیا رُخ اور عجیب چھُپے چھُپے نازک گوشے ہیں، جو انوکھے بھی ہیں اور محیرّ العقول بھی۔ محیرّ العقول اس لئے کہ حشمت یوسفی صاحب کی زندگی میں جو عظیم انقلاب یکایک آیا ہے، اُس کی مثالیں خال خال ملتی ہیں۔ (اور جو مثالیں دستیاب ہوتی ہیں، اُن کے پس منظر میں کسی نہ کسی ولیٔ کامل کے الطاف و اکرام ہی کارفرما نظر آتے ہیں) (شوکتؔ)

تجلی رُخِ یُوسف جمال کے صدقے
نظر پڑی تو نظر پاک ہوگئی اپنی

مجھے خوب یاد ہے جب حضرت غوث محمد بابا یوسف شاہ تاجیؒ کا ورود مسعود چھتاری میں ہو چکا تھا۔ گھر گھر پیری مریدی کے چرچے رہنے لگے تھے ___ بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ وہاں ایک ایسا معاشرہ تشکیل پاگیا تھا کہ ہر طرف بجائے بُرائی بھلائی، طعن و تشنیع، غیبت و بدگوئی اور لہو و لعب کے پیری مریدی، تصوف و طریقت حقیقت و معرفت اور خدا و رسول کی گفتگوئیں سننے میں آتی تھیں۔ جہاں جاؤ بزرگانِ دین کے قصے ہیں۔ تصوف و طریقت کے مسائل پر بحثیں ہیں۔ غرض جس جگہ بیٹھو نیک باتیں سنو۔

اس علاقہ کے لوگ چونکہ پیری مریدی کی رسم سے ناواقف تھے اور ان کے لئے یہ ایک نئی تحریک تھی اس لئے گروہ در گروہ مرید ہو رہے تھے خشک مُلّاؤں نے دلوں کے صحراؤں میں جو یبوست پیدا کر دی تھی اس کو یہ ترو تازہ ہوا ایسی راس آئی کہ کوئی شوقیہ مرید ہوتا تھا۔ کوئی ضرورتاً مُرید ہوتا تھا اور کوئی مجبوراً مُرید ہوتا تھا۔
مجبوراً کہنے سے میری مُراد ایسے لوگوں سے ہے جو دوسروں کی خوشنودی

حاصل کرنے کے لئے مصلحتاً مُرید ہوتے تھے۔

میرے خاندان کے افراد، میرے دوستوں کے خاندان کے افراد اور اکثر میرے دوست بھی یہ سعادت حاصل کر چکے تھے۔ لہٰذا میں بھی تقلیداً مرید ہوگیا تھا۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ لوگ مرید کیوں ہوتے ہیں اور پیر کا مصرف کیا ہے۔ وہاں ایک عام شہرت تھی کہ یہ پیر صاحب ایسے خدا رسیدہ اور کامل ولی اللہ ہیں کہ جو سوال دل میں لے کر جاؤ اس کا جواب بغیر سوال کئے ہی دے دیتے ہیں اور اپنے دل میں جو خواہش لے کر بیٹھو بغیر التجا سُن لیتے ہیں اور پوری بھی ہو جاتی ہے۔ گویا دلوں کے حال سے آگاہ ہیں۔

میرے ذہن میں نہ تو اس وقت ایسا سوال تھا نہ کوئی آرزو تھی جس کے جواب کی طلب ہوتی۔ مگر اس بات کا اثر میرے دل پر یہ ضرور ہوا تھا کہ اُنؒ کے سامنے جاتے ہوئے خوف محسوس ہوتا تھا۔ کہ مبادا کسی بُرے یا بھلے خیال کا اُن پر انکشاف ہو جائے اور وہ اس کو بیان فرما دیں تو مفت میں رسوائی ہو جائے گی۔ کم از کم میرے دل پر یہ خوف ضرور طاری رہتا تھا اور میں جب بھی جاتا تھا تو پہلے اپنا جائزہ لے لیا کرتا تھا۔ جب اپنے دل و دماغ کو خالی پاتا تو حاضر ہو جاتا ورنہ اِدھر اُدھر روپوش رہتا۔ مگر سرکارؒ کی ایک عام شفقت جو میرے ہم عمروں کے ساتھ تھی مجھ پر بھی تھی۔ سرکارؒ چھتاری تشریف لاتے۔ اچھا خاصا قیام فرماتے اور چلے جاتے۔ مگر مجھے کوئی مافوق الفطرت بات نظر نہیں آئی۔ مجھے اتنا شعور بھی نہ تھا۔

برسات کے موسم میں جب سرکارؒ تشریف لاتے تو میرے تمام ہم عمر باغ کوٹھی چلے جاتے اور وہاں سے مولسری کے پھول چُن چُن کر گجرے بناتے اور سرکارؒ کو پیش کر دیا کرتے تھے۔ میں بھی ان میں برابر کا شریک رہتا۔ سرکارؒ ہمارے ان گجروں کو بڑی مسرّت اور خندہ پیشانی سے قبول فرماتے اور اپنا سر مبارک آگے بڑھا دیتے۔ ہر شخص گجرا پہنا کر قدمبوس ہوتا جاتا اور سرکارؒ فرداً فرداً سب کو کہتے جاتے "اچھے رہتے ہیں"۔ میرے دل میں سرکارؒ کے یہ دعائیہ الفاظ ایسا اثر کرتے کہ میں اپنے اس عمل پر فخر محسوس کرنے لگتا۔ اور ایسا لگتا کہ سرکارؒ نے دارین کی دولت میری جھولی میں ڈال دی ہے۔ سرکارؒ ہماری اس جماعت کو بابا کی پلٹن فرمایا کرتے تھے۔ سرکارؒ کے پیر دبانا، حقّہ تازہ کر دینا، چلم بھر لانا،

وضو کرا دینا اور گجرے پیش کر دینے کے عمل کو عبادت جان کر کیا کرتے تھے اور خوش رہتے تھے اور زیادہ سے زیادہ سرکارؒ کے سامنے حاضر رہنے کو بھی۔

مگر جب سرکارؒ تشریف لے جاتے تو چند روز میں سب بھول جاتے اور پھر وہی لہو ولعب اور دُنیا کے مشاغل غلبہ پا لیتے تھے۔ سرکارؒ موجود ہوتے تو نماز کا اہتمام بھی رہتا تھا اور جب تشریف لے جاتے تو نماز بھی گول ہو جاتی تھی۔ نہ تو مجھے خود یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرے مرید ہونے کا منشا اور مقصد کیا ہے اور نہ سرکارؒ نے کبھی اس طرف متوجہ فرمایا۔ سرکارؒ کی ایک عملی زندگی تھی جو اُن کے ہر مرید کے سامنے تھی لوگ اس زندگی سے سبق لیتے اور اپنا سدھار کر لیتے تھے مگر مجھ میں اتنی سمجھ کہاں تھی کہ میں آپ کی زندگی کو مشعلِ راہ بنا سکوں لہٰذا دنیا وی خرافات اور لہوولعب ہی میں مبتلا رہا۔ شادی ہو گئی۔ بچے ہو گئے پاکستان بن گیا اور میں بھی پاکستان آ گیا۔ سرکارؒ نے پاکستان آتے ہی پردہ فرما لیا اس وقت میں سکھر (سندھ) میں تھا۔ پھر حالات کے پیش نظر کراچی آ گیا۔ کراچی آ کر بھی اپنی بے عملی اور کجروی کی بنا پر سرکارؒ کی طرف سے غافل ہی رہا، مگر سرکار نے مجھ سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ اور میری تربیت میرے ہی اپنے احوال میں جاری رکھی۔ غیر شعوری طور پر کبھی میری زبان پر یہ بات آ بھی گئی ہے ؎

اس طرح رہتی ہیں حشمتؔ نگراں وہ آنکھیں
ساری محفل میں غنیمتؔ مرا دَم ہو جیسے

اس کے علاوہ اور بھی کئی شعر مل جائیں گے۔ غیر شعوری طور پر مرید کے اپنے احوال میں تربیت کر دینا کاملین کا معمول رہا ہے اور ان کے لئے یہ کوئی مشکل اور اہم کام نہیں ہے۔ ہمارے سرکار باباصاحبؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ "اگر تم یہاں نہیں لوگے تو ہم تمہاری قبروں میں گھسیٹر دیں گے"۔ شاید اس کا مقصد یہی ہو کہ اگر تم یہاں غافل رہو گے تو ہم تم کو موت کی بیداری کے بعد قبر میں پہونچانے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں مَیں تو صرف ایک بات یہی کہوں گا کہ ایک ایسا آدمی جو شر میں مبتلا رہا ہو۔ اور اس کی زندگی میں خیر کا عمل دخل نہ ہو تو اس کے اندر وقت آنے پر خیر کو قبول کرنے کی صلاحیت ایک دم کہاں سے آ جاتی ہے، اگر شر میں اس کی تربیت نہیں ہوئی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ

فرعونؔ جب موسیٰ علیہ السلام سے وحی کیا ہوا اللہ کا کلام سُنتا تھا تو اس کے دل میں خشیت پیدا ہوتی تھی مگر جب اپنے وزیر ہامانؔ پر اپنی کیفیت کا اظہار کرتا تھا تو وہ یہ کہکر اُچٹا دیتا تھا کہ ایک گدڑی پوش دیوانے کے سامنے فرعون جیسے بادشاہ کا سر کیسے جُھکے گا اور فرعون کے دل کی حالت بدستور ہو جاتی تھی۔

بالکل اسی طرح ہر شخص کے ساتھ اس کا وزیرِ نفسؔ موجود ہے وہ کب کسی خیر کو قبول کرنے دیتا ہے۔ جب تک کوئی طاقت اس کافر کو مسلمان بنانے والی موجود نہ ہو۔ بہرحال میرا منصب یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں مرشد کے طریقِ تعلیم پر کوئی تبصرہ کروں مجھے معاف فرمائیں۔

———— o ————

پاکستان آنے کے بعد مجھ جیسے بے ہُنر کے لئے چھ بچوں کی تعلیم وتربیت اور ان کے بیاہ وشادی سے عہدہ برآ ہونا کچھ آسان کام نہ تھا مگر سرکارؒ کی عطا کی ہوئی توفیق کیمطابق ان کاموں سے فارغ ہو گیا ان چھ بچوں میں تین لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ تیسری لڑکی کی شادی ۱۴ر اگست ۱۹۷۶ کو کی گئی اور بغیر کسی عزم و قصد کے سرکارؒ نے کچھ ایسے حالات پیدا فرما دیئے جس میں بظاہر ہاتھ میرے بڑے بیٹے سعادت علی خاں سلمہٗ کا تھا کہ اسی ہفتے یعنی ۲۰ر اگست ۱۹۷۶ کو حج کی فیس بنک میں بھر دی گئی اور اچانک حج کے سامان ہو گئے حالانکہ عمر کے کسی حصے میں حج کا تخیل یا ذہن کے کسی گوشہ میں حج کا تصور بھی کبھی نہیں گزرا تھا۔ میں سخت حیران تھا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ میری یہ معصیت سے پُر زندگی اور یہ حج، نہ ظاہر درست نہ باطن صحیح۔ بجائے نیند آنے کے آنکھوں میں آنسو آئے۔ اور رات گلستان ہو گئی۔ فجر کی اذان ہوئی تو اٹھ کر مسجد چلا گیا اور وہاں سے آ کر دفتر جانے کی تیاری میں لگ گیا کیونکہ شادی کے سلسلے میں جو رخصت لی تھی۔ ۲۰ر اگست کو ختم ہو گئی تھی اور آج مجھے ڈیوٹی پر جانا تھا۔ دفتر جاتے ہوئے بنک کی وہ رسید بھی ساتھ لیتا گیا اور بجائے ڈیوٹی پر حاضری دینے کے زبانی استعفیٰ پیش کر دیا۔ بے حد رد وکد کے بعد بھی استعفیٰ منظور نہیں کیا گیا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ حج سے واپس آ جائیں پھر استعفیٰ کی بات کریں گے۔ ابھی تقریباً واپسی تک سوا چار ماہ باقی ہیں آپ کو مع تنخواہ کے رخصت دی جاتی ہے۔ اور آپ اس دوران کی تنخواہ پیشگی ہی

لے سکتے ہیں۔ آپ کو ضرورت ہوگی۔ میں اپنی دانست میں استعفیٰ دے چکا تھا۔ میں نے بس ۲۰راگست تک اپنی تنخواہ کا حساب بنایا اور سلام کر کے گھر آگیا۔ یہ آپ کو اختیار ہے کہ آپ اس کو میری تعلّی سمجھیں۔ مگر میری نظر میں دنیا اور دولتِ دنیا کی قدر گلی میں پڑے ہوئے سنگریزوں کے برابر بھی نہیں تھی۔ اور اسباب سے ہٹ کر مسبّب پر نگاہیں جم گئی تھیں کہ حج کے لئے دس ہزار پانچ سو اٹھارہ روپے داخل کئے جا چکے تھے۔ جبکہ میرے پاس تو شادی کے بعد دو چار سو روپے بھی نہ تھے۔

اب میرے شب و روز عجیب کرب میں گزرنے لگے۔ گھر میں تنہائی نصیب آگئی تھی۔ شاید دو چار منٹ کو غنودگی ہو جاتی ہو، ورنہ تمام رات جاگنا، رونا، نمازیں پڑھنا اور پھر اس غم میں مبتلا ہو جانا کہ کیا ہوگا۔ اسی غم میں رمضان شریف کا مہینہ آگیا۔ اب کچھ مصروفیات اور بڑھ گئیں مگر زیادہ وقت فکر و تجسس میں گزرتا تھا۔ ایک شب "فوائد السالکین" اٹھا کر کھولی تو ورق کھل کر سامنے آیا اس پر تحریر تھا (یہ کتاب حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی رح کے ملفوظات پر مشتمل ہے جن کو سراج الاولیاء حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رح نے جمع کیا ہے) اس کتاب ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

"ایک دفعہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری جو اس دعا گو کے یارِ غار ہیں، دریا کی سیر کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات کا نظارہ کر رہے تھے جس کی صفت بیان نہیں ہو سکتی دریا کے قریب ایک مقام تھا جہاں ہم بیٹھ گئے بھوک نے ہم کو لاچار کر دیا۔ وہاں بیابان میں طعام کہاں مل سکتا تھا الغرض کچھ وقت کے بعد ایک بکری منہ میں دو روٹیاں لئے ہوئے آئی اور روٹیاں ہمارے سامنے رکھ کر غائب ہوگئی۔ ہم نے وہ روٹیاں کھالیں۔ اس کے بعد ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ روٹیاں اپنے خزانۂ غیب سے عطا کی ہیں، وہ بکری نہیں تھی، بلکہ مردانِ غیب سے کوئی ہوگا۔ ہم یہی گفتگو کر رہے تھے کہ ایک بچھو ایک بڑے اونٹ کے قد کا ظاہر ہوا اس طرح جیسے کمان سے تیر نکلتا ہے اور دوڑا ہوا آیا جوں ہی دریا کے پاس پہنچا بے دھڑک آپ کو دریا میں گرا دیا۔ میں قاضی کی طرف اور قاضی میری طرف دیکھتا تھا۔ ہم دونوں نے کہا کہ اس میں کوئی بھید ہے جو بچھو جلدی جلدی جا رہا ہے۔ ہم بھی اس کے پیچھے چل کر دیکھیں۔ لیکن دریا کے اس کنارے کوئی کشتی نہ تھی جس پر سوار ہو کر ہم پار جاتے

جب عاجز آگئے تو دعا کی کہ اے پروردگار اگر ہم درویشی میں مکمل ہو چکے ہیں تو دریا ہمیں راستہ دیدے تاکہ چل کر اس بچھو کا تماشا دیکھیں کہ کہاں جاتا ہے۔ جوں ہی یہ مناجات ہم نے کی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا پھٹ گیا اور خشک زمین نکل آئی۔ ہم دونوں پار گئے۔ بچھو ہمارے آگے آگے تھا اور ہم پیچھے پیچھے۔ چلتے چلتے ہم ایک درخت کے پاس پہنچے جہاں ایک آدمی سویا پڑا تھا، اور درخت سے ایک سانپ نیچے اتر رہا تھا تاکہ اس شخص کو ہلاک کردے۔ بچھو نے اس سانپ کے ڈنک مارا اور ہلاک کر دیا۔ ہمارے سامنے سے بچھو غائب ہوگیا اور سانپ آدمی کے پاس ہی مردہ ہو کر گر پڑا۔ ہم نے نزدیک جا کر دیکھا تو وہ سانپ تقریباً ڈھائی من وزن کا ہوگا۔ ہم نے کہا جب وہ آدمی جاگے گا تو دریافت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کو بچایا ہے تو یہ ضرور کوئی بزرگ آدمی ہوگا۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شراب پی کر مست پڑا ہے اور قے کی ہوئی ہے۔ ہم از حد شرمندہ ہوتے اور کہا کہ کاش! ہم نہ ہی آتے تاکہ اس طرح کی حالت نہ دیکھتے۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شراب نوش اور نافرمان کو بچا لیا۔ یہ خیال ابھی پورے طور سے ہمارے دل میں نہ گزرا تھا کہ غیب سے یہ آواز آئی۔ اے عزیزو! اگر ہم صرف پرہیزگاروں اور صالحین کو بچائیں تو گنہگاروں اور مفسدوں کو کون بچائے۔ ہم اس گفتگو میں تھے کہ وہ مرد جاگ اٹھا اور سانپ کو پاس مرا ہوا دیکھ کر بہت حیران ہوا اور اس فعل سے توبہ کی۔ کہتے ہیں کہ وہ جوان خدا رسیدہ بن گیا اور ستر حج ننگے پاؤں کئے۔

اس کے بعد آپؒ نے فرمایا کہ جب لطفِ الٰہی کی نسیم چلتی ہے تو لاکھوں شرابیوں کو صاحبِ سجّادہ بنا دیتی ہے اور بخش دیتی ہے اور خدا نہ کرے اگر قہر کی ہوا چلے تو لاکھوں سجادہ نشینوں کو راندۂ درگاہ بنا دیتی ہے اور سب کو شراب خانوں میں دھکیل دیتی ہے۔

اس واقعہ نے میری بڑی دستگیری کی اور وہ مایوسی کی تیرگی جو مجھ پر چھائی ہوئی تھی۔ اس میں سے کرنیں پھوٹ نکلیں۔ میں نے کتاب بند کی اور نماز میں مشغول ہوگیا اور اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی بڑی ندامت اور گریہ زاری کے ساتھ مانگتا رہا۔ تا آنکہ میرے حج کو جانے کی تاریخ آگئی۔ یہ بات بھی عرض کر دوں کہ یہ کتاب اکثر میرے مطالعہ میں رہی ہے اور خدا جانے کتنی مرتبہ یہ قصہ میری نظر سے گزرا ہوگا۔ مگر اس خستگی

کے عالم میں جب میں اپنے اندر بڑی اذیت اور کرب محسوس کر رہا تھا. کتاب کھولتے ہی میری نظر کے سامنے اس قصہ کا آنا اور اس کو پڑھ کر اس شکستگی کا سکون اور اطمینان میں تبدیل ہو جانا یہ سب کیا ہے اگر سرکار یوسف الاولیاءؒ کی طرف سے دستگیری نہیں ہے؟۔ جج میں کن کن واقعات اور عجائبات سے سابقہ پڑا یہ بات عرض کرنے کا یہاں محل نہیں ہے۔ سرکارؒ نے ہر مقام پر میری دستگیری فرمائی اور ہر جگہ میں نے ان کو موجود پایا اور بس۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل اور باک نہیں ہے کہ مجھ پر میرے سرکار حضرت غوث محمدؒ بابا یوسف شاہؒ کے الطافِ کریمانہ کا انداز بالکل نرالا اور البیلا رہا ہے. ہر پیر بھائی کے ساتھ ہوگا مگر میں تو اپنی ہی بات کہوں گا۔ گو مجھے سرکارؒ کے فیضان کا ادراک نہیں تھا. مگر مجھے ادراک کا نہ ہونا ان کے لطف وکرم کی راہ میں رکاوٹ تو نہیں ہو سکتا تھا. میری دنیا میں ملوث اور فسق وفجور سے آلودہ زندگی میں بھی سرکارؒ کے افضال کی راہیں مسدود نہیں ہوئیں۔ (یہ الگ بات ہے کہ میں انہیں محسوس ومعلوم نہ کر سکا۔) ایک ایک بات بتانا تو طول عمل ہی ہوگا. محض چند باتیں اس دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کرتا ہوں:۔

کراچی آکر رہائش کا مسئلہ تو کچھ پریشانیوں کے بعد جھگی کی صورت میں حل ہو گیا تھا مگر بے روزگاری کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا۔ اس سلسلہ میں کافی پریشان تھا۔ اسی عالمِ پریشانی میں ایک دن خواب دیکھا کہ میں نے ایک چھوٹے سے کیبن میں پان کی دکان کھول لی ہے. میں بیٹھا پان لگا رہا تھا کہ میرے سرکارؒ تشریف لے آئے. میں دکان سے اُتر کر قدم بوس ہوا تو آپنے فرمایا: "ارے تمہیں پان بنانا آتا ہے؟" میں نے عرض کیا جی حضور! آتا ہے۔ اس پر سرکارؒ نے فرمایا" اچھا لاؤ ہم بتا دیں؟" اور میری دوکان پر خدا جانے کہاں سے گندھا ہوا آٹا موجود ہو گیا۔ سرکارؒ نے اُس آٹے سے ایک روٹی بنائی اور اس کے دونوں طرف خوب کتھا اور چونا لگا کر توے پر ڈال دی۔ روٹی پراٹھے کی طرح پکنے لگی تو میری طرف نظر اُٹھا کر دیکھا اور فرمایا: "سمجھ گئے"۔ میں نے عرض کیا جی حضور! سمجھ گیا۔ مکرر فرمایا کہ "اب خود پکا سکتے ہو"؟ میں نے عرض کیا کہ جی حضور! خود پکا سکتا ہوں۔ اور آنکھ کھل گئی۔ میری بیگم نے تو اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ میں تو کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ کوئی چھوٹی موٹی پان کی دوکان ہی کھول لو۔ اب تو سرکارؒ نے حکم دیا ہے اور میری تائید کی ہے.

پیر بھائیوں کو بھی یہ خواب سُنایا مگر شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر نہ آیا۔ سوچا خواب آخر خواب ہوتا ہے۔ خواب دیکھ کر کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو جانا بڑی بے عقلی ہے۔

خواب کے تین ماہ کے بعد اسی پریشانی کے عالم میں لائٹ ہاؤس سینما کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ سلسلے کے ایک بزرگ اور خلیفہ صوفی خورشید احمد خان صاحب مرحوم سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے اپنی بے روزگاری کا قصّہ ان کی پرسشِ احوال کے جواب میں اُنہیں سنایا، تو وہ مجھے اس کے جواب میں توحیدِ وجودی کی تعلیم فرماتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ کر ٹہلنے لگے۔ اور فلم کی مثال سامنے رکھ کر دنیا کی بے ثباتی کی داستان سنانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور والا میں نے تو اپنے جسم کی غذا مانگی تھی آپ نے میری روح کو کھلانا شروع کر دیا۔ تو انہوں نے وہیں فٹ پاتھ سے سگرٹ کا ایک خالی پیکٹ اُٹھایا اور اپنے تھیلے سے کوئی ایک انچ کی سُرخ اور نیلی پنسل نکال کر سُرخی سے کچھ تحریر فرمایا اور میری طرف بڑھا کر کہا: لو یہ وظیفہ ہے۔ وظیفہ کا نام سن کر مجھے ہنسی آگئی۔ وہ میری ہنسی کے انداز کو سمجھ گئے فرمانے لگے یہ قادری سلسلے کا وظیفہ ہے اس کی احتیاط اور اہتمام تو کافی ہے مگر میں تم کو یہ وظیفہ بخشتا ہوں اور ہر قید سے آزاد کرتا ہوں۔ وضو بے وضو ہر وقت اس کو وردِ زبان رکھو گے تو انشاءاللہ مقصد میں کامیابی ہو جائے گی ۔۔ میں نے وہ کاغذ لے لیا اور اسی وقت سے پڑھنا شروع کر دیا۔ گیارہ دن پورے ہوئے تھے. کہ ایک صاحب ملازمت کا پیغام گھر بیٹھے لیکر آئے میں ان کے ہمراہ اُسی وقت گیا اور ملازم ہو گیا.

مجھے ملازم ہوئے ابھی چھ ماہ گزرے تھے کہ کسی نے آکر مجھے بتایا کہ بابا ذہین شاہ صاحبؒ برکت بھائی کے گھر بیٹھے ہیں۔ میں ان کی زیارت کی غرض سے جب برکت بھائی کے گھر پہنچا تو قدمبوس ہونا چاہتا تھا مگر حضرت نے اپنے ہاتھ کی چند انگلیاں میرے ماتھے پر لگا کر میرا چہرہ اوپر کو اٹھایا اور فرمایا: "اوہو، اس چہرے پر تو بڑے وظیفے لکھے ہوئے ہیں"۔ میرا وظیفہ پڑھنے کا ورد ابھی جاری تھا۔ کیونکہ خلیفہ صاحب موصوف نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ جب کام ہو جائے تو وظیفہ ترک کر دینا۔ حضرت کے اس فقرے کا مطلب میرے سوا کون سمجھتا۔ اسی موقع پر والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ مولانا! یہ حشمت تو ماشاءاللہ ملازم ہو گیا ہے، دعا کریں کہ عزت بھی کہیں لگ جائے (میرا چھوٹا بھائی) مولانا نے فرمایا:

"ہاں اماں یہاں ہر شخص کو اپنی روٹی آپ پکانی پڑتی ہے"۔ اس فقرے کا تعلق میرے
اُس خواب سے تھا جو میں مع مولانا ذہین شاہ کے چھ ماہ قبل سب کو سُنا چکا تھا۔ مولانا کا
اشارہ شاید میرے اُس خواب کی تعبیر کی طرف تھا۔

مگر اس ملازمت سے میرے اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے اور میں تکلیف ہی
میں تھا۔ کام بھی زیادہ نہ تھا، اس لئے تنخواہ میں اضافہ کے لئے منہ بھی نہیں پڑتا تھا۔
میں اسی سوچ میں تنہا اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ اچانک نیند کا غلبہ ہوا اور میں کرسی پر
بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سرکارؒ کے حضور موجود ہوں اور بھی بہت سے
پیر بھائی وہاں موجود ہیں۔ میں نے اپنی تنگیٔ روزی کی شکایت سرکارؒ سے کی تو بجائے
مجھے کچھ جواب دینے کے سرکارؒ نے بھائی صاحب (بابا شوکت علی خان صاحب) سے کچھ
کہا جو میں نہ سمجھ سکا۔ اتنی دیر میں دفتر میں کوئی صاحب آ گئے اور میں ہوشیار ہو کر
بیٹھ گیا۔ دوسرے ہی دن بھائی صاحب موصوف کے پاس گیا تو مجھے دیکھتے ہی بھائی
صاحب نے کہا، "حشمت! ان بچوں کا ایک ٹینڈر چِندیؤ کی سپلائی کا منظور ہو کر
آ گیا ہے۔ اگر تم لائل پور چلے جاؤ اور وہاں سے کوری چِندی جو وہاں بہت مل سکتی
ہے، خرید کر اُن کو سپلائی کے لئے دے سکو تو کافی منافع نکل سکتا ہے۔ اُن سے
ساتھ نرخ طے کر لو اور وہاں سے کم داموں میں خرید کر ان کو دیتے رہو۔ میں
خاموش ہو گیا۔ کیونکہ چِندیؤ خریدنا تو بہت بڑی بات ہے میرے پاس تو
لائل پور جانے کا کرایہ بھی نہ تھا۔ جب میں گھر آیا تو اپنے ایک دوست کو اپنے
انتظار میں گھر پر موجود پایا۔ کہنے لگے کہ یار اب تو بات مشکل ہو گئی، ساری رقم کھا
گیا یہ پانچ سات ہزار روپے باقی ہیں ان کو بھی کھا جاؤں گا کوئی دھندا بتاؤ۔ میں
نے بھائی صاحب کی وہ تجویز بتائی اور شراکت میں ہم نے کام شروع کر دیا۔
چند ہی دنوں میں اتنے پیسے کما لئے کہ کھارادر مولجی اسٹریٹ میں ایک گودام
ہم لوگوں نے لے لیا اور ساری تکالیف دُور ہو گئیں۔ اسی دوران میں میری
بیگم صاحبہ بچوں کو لے کر ہندوستان اپنے والدین سے ملنے کے لئے تین ماہ کا
ویزا لے کر چلی گئیں، اب میں تنہا تھا۔ لہذا روزانہ جہاں سارے پیر بھائیوں کا

اجتماع ہوا کرتا۔ میں بھی وہیں پہنچ جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں اصغر بھائی صاحب
کے مکان پر پاکستان کوارٹرز پہنچا تو بابا ذہین شاہ صاحبؒ اور بھائی رشید احمد خان
صاحب مرحوم موجود تھے۔ باقی لوگ ابھی نہیں آئے تھے مولانا ذہین شاہ صاحبؒ اکثر
مجھ سے غزل کی فرمائش کر دیا کرتے تھے۔ آج بھی حکم دیا کہ غزل سُناؤ۔ میں نے پیشتر اس
کے کہ غزل سُناؤں عرض کیا کہ مجھے اکثر اختلاجِ قلب کی شکایت ہو جاتی ہے اور آج بھی
ہے تو وہ فرمانے لگے کہ دیکھو سرکارؒ اکثر مہینوں کے لئے کھانا چھوڑ دیا کرتے تھے اور یہ
عمل قریب قریب ہم سب پیر بھائیوں سے بھی کرایا گیا ہے۔ یہ سُنتِ شیخ تم کو بھی
ادا کرنی ہے لہذا آج سے کھانا بند کیا جاتا ہے، صرف چائے یا پھل اگر ضرورت ہو تو
استعمال کر سکتے ہو چنانچہ ستر (۷۰) دن تک کھانا بند رہا۔ اس زمانے میں دعوتیں
اِدھر اُدھر بہت ہوا کرتی تھیں۔ ہر دعوت میں، مَیں موجود رہتا اور بجائے کھانے
کے چند پھل کھانے کو مل جاتے۔ اس کے علاوہ کچھ پڑھنے پڑھانے کے عمل بھی
کرائے گئے۔ ان اعمال کے کیا نتائج برآمد ہوئے، اس کے بتانے کا موقع نہیں ہے
الغرض ستر دن کے بعد غوث پاکؒ کی گیارھویں کی فاتحہ جو درگاہ شریف پر ہوئی
تھی، بریانی کے تبرک سے یہ روزہ افطار کرایا گیا۔

اس بات کے نو یا دس ماہ کے بعد سیّدنا حضرت بابا تاج الدینؒ کا عرس مبارک
آ گیا۔ حضرت غوث محمدؒ بابا یوسف شاہ تاجیؒ کا عرس ۲۹ ذیقعد سے اور سیّدنا
حضرت محمد بابا تاج الدینؒ کا عرس ۲۴ محرم سے شروع ہوتا ہے۔ دونوں اعراس
میں منقبت کا مشاعرہ ہونا ارکانِ عرس میں داخل ہو گیا ہے جس کی وجہ مولانا ذہین
شاہ صاحبؒ کا ذوقِ شعر گوئی رہا کیونکہ وہ ایک اچھے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ
ایک عظیم شاعر بھی تھے۔ میں حصولِ سعادت کی غرض سے منقبت کے موقع
پر مشاعرہ میں شرکت کرتا رہا ہوں۔ لہذا بابا صاحب کے اِس عرس کے مشاعرہ
میں بھی حاضر تھا۔ اپنا نمبر آتے پر میں نے صرف مطلع ہی پڑھا تھا کہ حضرت
مولانا ذہین شاہؒ نے کھڑے ہو کر مجھے "شاعرِ دربارِ تاج الاولیاء" کے خطاب سے
نوازا اور باقاعدہ اس کا اعلان کیا۔ اعلان ہونا تھا کہ تمام شعراء اور پیر بھائی

مبارکبادیاں دینے لگے، معانقہ اور دست بوسیاں شروع ہوگئیں۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اُس وقت مشاعرے میں ایک سے ایک عقیدت مند، باادب، نغزگو، خوشنوا، مُتقی شاعر تھا۔ اہلِ سلسلہ بھی اور دوسرے سلاسل سے منسلک بھی، ان میں چند لوگ ایسے تھے جو ہر اعتبار سے اس اعزاز کے مستحق تھے۔ (یہ واقعہ مئی ۱۹۶۵ء کا ہے) یہ سب کیا ہو رہا ہے میں حیران تھا۔ مگر بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اور یہی گمان ہوتا تھا کہ شاید میری منقبت کے اشعار سب سے اچھے ہوں گے مگر بظاہر ایسا نظر نہیں آتا تھا۔ اور بجز ندامت کوئی چیز پلے نہیں پڑتی تھی۔ بقول بلالی صاحب:

جراحتِ دلِ ما بر طبیب ظاہر نیست
کہ تیرِ غمزہ او ہرچہ کرد پنہاں کرد

اِس واقعہ کے چھ ماہ بعد ہی میں ایک خواب دیکھتا ہوں کہ کسی جنگل میں ایک خشک ندی ہے اس میں چلا جا رہا ہوں۔ تھوڑی دُور چلا ہوں گا کہ پُل آ گیا۔ پُل کے اُوپر میری چھوٹی بہن شاہجہاں بیگم کھڑی ہے۔ مجھے دیکھ کر بولی: "بھیا! اچھا ہوا آپ آ گئے۔ مجھے تو بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ میں نے پوچھا تم جنگل میں کیوں آئی ہو تو جواب دیا کہ میں تو بابا صاحب کی زیارت کرنے کے لئے آئی ہوں۔ میں نے دوبارہ کہا کہ جب وہاں بابا صاحب موجود ہیں تو ڈر کس کا ہے۔ اس نے کہا کہ یہاں شیر بہت ہیں ان سے ڈر لگتا ہے۔ یہ بات کرتے کرتے میں بھی پُل کے اُوپر پہنچ گیا۔ میں نے دریافت کیا کہ شیر کہاں ہیں؟ تو وہ کہنے لگی ابھی ابھی کہیں چلے گئے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ بابا صاحب کہاں ہیں تو اس نے ایک سمت اشارہ کر کے بتایا کہ اِس طرف ہیں۔ بس میں اُس طرف چل دیا۔ وہ عجیب راستہ تھا۔ بالکل ناہموار، کہیں ریت کا میدان آ جاتا، کہیں ریت کے ٹیلے آ جاتے، کہیں کانٹے دار خشک جھاڑیاں آ جاتیں۔ جب میں اس دشوار گزار راہ کو طے کر چکا تو سامنے ایک پتھر کی ہموار چٹان نظر آئی جس کا طول و عرض تا حدِ نظر تھا۔ اس کے بالکل درمیان میں بابا صاحبؒ اپنی مخصوص نشست میں تشریف فرما تھے۔ میری جانب پُشت تھی۔ بابا صاحبؒ پر نظر پڑتے ہی مجھ پر ایک ایسا رعب اور خوف

طاری ہوا کہ میں بابا صاحبؒ کے پاس جانے سے گریز کرتے لگا۔ مگر وہاں کوئی جائے فرار نظر نہیں آتی تھی جہاں میں خود کو چھُپا سکتا۔ عجب کشمکش میں مبتلا تھا۔ پھر سوچا، دُور ہی سے ایک سجدہ کر کے واپس ہو جاؤں گا، نزدیک نہ جاؤں گا۔ کیونکہ میرے سامنے میرے تمام معاصی اسطرح رقصاں تھے جیسے ابھی یہ گناہ مجھ سے سرزد ہو رہے ہیں اور اس عصیاں آلودہ جسم کو کسی طرح میں بابا صاحبؒ کے جسمِ اطہر سے مَس کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں اسی شش و پنج میں مبتلا حیران کھڑا تھا کہ میری نظر حضرت مولانا ذہین شاہؒ پر پڑی جو میرے اور بابا صاحبؒ کے بالکل بیچ میں اسطرح چل رہے تھے جیسے کوئی طواف کرتا ہے۔ میں نے فوراً ان کو آڑ بنا لیا اور اسطرح چلنا شروع کر دیا کہ بابا صاحبؒ مجھے اور میں بابا صاحب کو نظر نہ آؤں۔ لیکن جب وہ، بابا صاحبؒ کے سامنے چہرے کی طرف پہنچے تو ایک دم زمین پر بیٹھ گئے اور میری طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بابا صاحبؒ سے فرمایا: "حضور! یہ ہے۔" بابا صاحبؒ کی نظر مجھ پر اور میری بابا صاحبؒ پر پڑی تو بابا صاحب نے اپنے دونوں ہاتھ میری طرف اس طرح پھیلا دیئے جیسے کسی شیر خوار بچّے کو گود میں لینے کے لئے پھیلائے جاتے ہیں اور میں نے بابا صاحبؒ کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اب اپنی نافرمانیوں اور غلط کاریوں کی تصویر فلم کی طرح میرے سامنے آنا شروع ہو گئی۔ بابا صاحبؒ سے جتنی قربت ہوتی جا رہی تھی، اُتنا ہی خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ آنسو رواں تھے اور پسینوں سے بُرا حال تھا۔ جب میں اُس مقام پر پہنچا جہاں سے سجدہ کر کے واپس ہو جانے کے لئے سوچا تھا تو جس طرح مقناطیس، لوہے کو کھینچتا ہے۔ ایک کشش ہوئی اور میں بابا صاحبؒ کے پھیلے ہوئے بازوؤں میں تھا۔ بابا صاحبؒ نے مجھے بالکل اسی انداز میں جیسے کسی بچے کو گود میں لے کر چمٹا لیتے ہیں، چمٹا لیا اور پے بہ پے پیار کرنا شروع کر دیا۔ بابا صاحبؒ میرے چہرے کے بوسے لے رہے تھے اور میں یہ کوشش کر رہا تھا کہ میرے ہونٹ ناپاک ہیں یہ بابا صاحبؒ کے جسم مبارک سے مَس نہ ہو جائیں۔ یہ خیال ابھی پوری طرح میرے ذہن سے نہ گزرا تھا کہ بابا صاحبؒ نے میرے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان کر لیا اور فرمایا: "ہماری آنکھوں کو

چُوم کر پاک ہو جاتے"۔ اور میرے ہونٹوں پر اپنی چشمِ مبارک چپکا دیں۔ میں نے باباؒ کی آنکھوں کے بار بار بوسے لئے اور اسی عمل میں آنکھ کھل گئی۔ باوجود اس کے کہ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مگر عجیب اطمینان اور سکون تھا۔ بڑی پُر کیف طبیعت تھی۔ اسی کیف و سرور کے عالم میں باقی رات گزاری۔ صبح یہ خواب گھر والوں کو، پیر بھائیوں کو اور مولانا ذہین شاہ صاحب تاجیؒ کو سُنایا۔ مگر کسی سے کوئی تعبیر نہ پاکر سوچا کہ شاید کسی نے اس کو جھوٹا سمجھا ہوگا۔ کسی نے یہ سمجھا ہوگا کہ اپنی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے گھڑ لیا ہے۔ کسی نے اس کو بھی محض شاعری جانا ہوگا۔ الغرض کسی نے کچھ سمجھا ہو میرا ضمیر تو سچّا تھا اور اس خواب کو میں نے ایک مسلسل غزل کی صورت میں تحریر کر کے رکھ لیا تھا۔ اب بارہ سال کے بعد جب اس کی تعبیر سامنے آئی تو لفظ بہ لفظ وہ خواب اپنی سچائی بتاتا چلا گیا۔ یہ حج، یہ طواف، یہ سنگِ اسود کے بوسے، یہ گناہوں کی معافی، یہ تجدیدِ ایمان، یہ توبہ، یہ دربارِ رسالت مآبؐ میں باریابی— غرض کیا کیا بتاؤں اور کیا کیا سُنیئے گا۔ یہاں تک کہ جب میں مدینہ منورہ سے جدہ واپس آیا تو راستے کا جو نقشہ سامنے تھا وہ ویسا ہی تھا جو باباصاحبؒ تک پہنچنے کا میں عرض کر چکا ہوں اور خواب میں دیکھا تھا۔

اب مجھے گزشتہ زندگی کی ایک ایک بات یاد آ کر معنیٔ احوال بیان کرتی ہے اور سرکار غوث محمد بابا یوسف شاہؒ کی رحمت اللعالمینی کے قصّے سناتی ہے اور میرے سر کو سجدۂ شکرگزاری کے لئے جھکا دیتی ہے (غزل دیکھنے سے معلوم ہوا کہ خواب کی رات شبِ معراج تھی۔)

محبت از نگاہش پائیدار است
سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدہٗ آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است (اقبالؔ)

برادرم سیّد ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر یُوسفی تاجی ایم۔ اے، ایل ایل۔ بی (علیگ) ایڈووکیٹ ہم تمام پیر بھائیوں میں منفرد مزاج کے بزرگ ہیں۔ سیمابی کیفیت اُن پر طاری رہتی ہے۔ نظم و ضبط اور ترتیب ان کے ذوق میں شامل ہیں۔ بڑے خلیق، ہمدرد، جراُتمند اور نہایت متواضع، پابندِ صوم و صلوٰۃ، درود و وظائف کے عادی، مجاہدات و ریاضتوں کے صعوبت چشیدہ، تعلیماتِ تصوّف کے عالم، بڑے وکیل، اچھے نثّار، اُردو اور فارسی کے بلیغ گو شاعر ہیں۔ اُن کی اہلیہ محترمہ بھی ہماری پیر بہن ہیں۔ ان کے صاحبزادے سید غوث محمدؐ شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ میرے برادر بزرگ حضرت خلیفہ خورشید احمدؐ خان صاحب یوسفی علیہ الرحمتہ سے بیعت ہوئے۔ بہت ہی سعادتمند، صاحبِ جذبہ اور ذوقِ سماع سے مالامال ہیں۔ سیّد صاحب کو سرکارِ اقدس یُوسف الاولیاء قدس سرہٗ نے اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

اب سیّد ظہور الحسنین شاہ صاحب کے حالات خود اُنہی کی زبان سے ملاحظہ فرمائیے۔

(شوکت)

تحدیثِ نعمت کے طور پر میں وہ تمام حالات تحریر کر رہا ہوں جو سرکارؒ کی غلامی کا باعث ہوئے اور جو دورانِ غلامی گزرے اور گزر رہے ہیں۔

میری وابستگی کے اسباب اور محرکات

یہ فقیر سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں پیدا ہوا اور اپنے نانا سید اعجاز حسین شاہ نقشبندی قادریؒ کے آغوشِ شفقت میں پرورش پائی۔ میرے نانا صاحب کا تعلق میری دادھیال سے

بھی تھا۔ اس نسبت سے فقیر کو بچپن ہی سے درویشوں اور بزرگوں سے محبت رہی۔
۱۹۱۶ میں حُسنِ اتفاق کہ میرے والد ماجد کے خالہ زاد بھائی سید علی متقی صاحب جعفری
کے پاس دموہ (سی۔ پی) میں تعلیم کے لئے مجھے بھیج دیا گیا۔ جعفری صاحب وہاں عدالت
میں منصف کے عہدے پر فائز تھے۔ وہاں بہت سے درویش اور فقراء حضرت بابا
تاج الدین ناگپوری رح کی شان میں "بابا تاج الدین ولی" نہایت خوش الحانی سے گاتے
پھرتے تھے۔ میں جب یہ سُنتا تو پُرکیف ہو جاتا۔ ایک مرتبہ چچا صاحب قبلہ مرسٹی کا امتحان
دینے ناگپور جا رہے تھے۔ فقیر نے عرض کیا کہ مجھے بابا صاحب سے ملنا ہے مجھے بھی لیتے چلئے۔
قبلہ چچا صاحب کو تعجب ہوا کہ یہ دس برس کا بچہ بابا صاحب سے کس طرح واقف ہو گیا۔
لیکن میں چونکہ بابا تاج الدین ولی گنگنایا کرتا تھا، وہ سمجھ گئے کہ اسے بابا صاحب سے
لگاؤ ہو گیا ہے۔ فرمایا: ہم اُن سے ضرور ملیں گے اور تمہارا اسلام کہہ دیں گے۔ میں سُن
کر خوش اور خاموش ہو گیا۔ چچا صاحب بابا صاحب کے پاس واکی شریف میں حاضر
ہوئے۔ میرا سلام عرض کیا، جواب ملا "اچھے رہیں گے" اوسکو چچا صاحب سے فرمایا: "اونچی کرسی پر بیٹھتے ہیں"۔
پھر انہیں اپنا ناخن اور واکی شریف کی مٹی دی۔ چچا صاحب آتے ہی سب جج ہو گئے۔
میرے دل میں "اچھے رہیں گے" کا نقش تصویر بن کر جم گیا۔ وقت گزرتا گیا۔ نقش
اجاگر ہوتا گیا۔

۱۹۲۸ (سن اٹھائیس) میں علی گڈھ سے میں نے ایم۔ اے، ایل ایل۔ بی پاس
کیا۔ وہاں بابا صاحب ناگپوری رح کے خلیفہ حضرت بابا یوسف شاہ صاحب رح کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔

۱۹۳۳ (سن تینتیس) کے اواخر میں میرٹھ (یو۔ پی) میں یہ فقیر سب رجسٹرار
تھا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک تاجی بزرگ سبز عمامہ پہنے تاج آباد شریف میں بڑی تیزی
سے دوڑ رہے ہیں اور مجھے یا حبیب یا حبیب کہہ کر بلا رہے ہیں۔ میں اُن کے پیچھے بھاگا۔
ایک مقام پر وہ رُک کر ٹھہر گئے اور مجھے سینے سے لگا لیا۔ میری آنکھ کھل گئی ——
حضرت پیر جی حبیب الدین چشتی سجادہ نشین حضرت شاہ پیر رح سے جو میرے پڑوسی
تھے، میں نے خواب بیان کیا۔ فرمایا: یہ تمہارے ہونے والے پیر و مرشد ہیں۔
۱۹۳۳ میں میرا تبادلہ علی گڈھ کا ہُوا۔ اُس وقت پیر و مرشد قبلہ و کعبہ سید نا

غوث محمد بابا یوسف شاہ تاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کوٹھی چَندَنیاں میں نواب بہادر عبدالسمیع
خانصاحب یوسفی نواب آف طالب نگر کے یہاں مقیم تھے۔ علی گڑھ میں ہزاروں مُرید تھے۔
میرے چھوٹے ممیا خُسر موجود حسن خاں صاحب سُوری مرحوم جو برٹش انڈیا میں ڈپٹی
کلکٹری سے رٹائر ہو چکے تھے، اکثر میرے پاس آتے اور بابا صاحب کا ذکر کرتے۔ ان کی زبانی
مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ چندنیاں کوٹھی میں مقیم بزرگ، حضرت بابا تاج الدین ناگپوری کے
سجادہ نشین ہیں، تو نیاز حاصل کرنے کا شوق بیدار ہو گیا۔

پہلی حاضری، پہلی تجلّی

حاضر ہوا۔ دیکھا تو یہ وُہی خواب والے بزرگ تھے۔ سرو
قامت، گندمی رنگ، سبز عمامہ پوش، مخمور نرگسی چشم، مجذوب وش، نگاہ ملنا تھی کہ
شکار ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کچھ لُٹ گیا۔ چند گھنٹے خاموش بیٹھا رہا۔ گھر کا خیال
آیا کہ یکایک حضرت گویا ہوئے۔ فرمایا: "آپ بہت اچھے رہتے۔ آپ کا گھر میں انتظار ہو گا
پھر ملاقات ہو گی"۔

میں حسب الحکم چلا گیا۔ میری اہلیہ عقیلہ نے کہا کہ آج خاموش کیوں ہو؟ —
میں نے واقعہ سنایا۔ کہنے لگیں کہ ہم کو بھی لے چلو۔ بات ختم ہوئی۔

دوسری تجلّی

دوسرے یا تیسرے دن شام کے وقت میری قیام گاہ
دھلی دروازہ پر سرکارِ والا رح موجود حسن خان صاحب سوری (مرحوم)، بھائی مونس علی خانصاحب
(مرحوم) اور چند دیگر وابستگان کے ساتھ تشریف لائے۔ میں حضرت ہی کے پاس جانے کے
لئے نہایت بیش قیمت اور پُرتکلف لباس پہنے ہوئے تیار تھا۔ سرکار رح بے تکلف تشریف لے
آئے۔ میں یکایک آپ کو دیکھ کر خوشی سے گھبرا گیا۔ کہاں بٹھاؤں؟ کیا کروں؟ ——
سوچ ہی رہا تھا کہ سرکار علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہم نماز پڑھیں گے۔ عصر کا وقت تھا، چوکی
اور جائے نماز صحن میں بچھی تھیں۔ میں خود لوٹا لے کر پانی لایا اور سرکار رح کو وضو کرانا شروع کیا۔
میں نے دیکھا کہ سرکار رح دانستہ میرے جوتے اور پاجامے کی طرف پانی گرا رہے ہیں۔ میں جما
رہا۔ وضو کر کے فرمایا: "بنا بنایا ہے"، مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ فرمایا: شکار کے لئے

ٹہل جا رہے ہیں، اگر رخصت ملے تو آ جائیں۔

مجھے رخصت نہ مل سکی اور معذرت کا خط لکھ دیا۔ واپسی پر کئی روز بعد طلب فرمایا۔ حاضر ہوا۔ فرمایا: "دیکھنے کو طبیعت چاہی تھی"۔ عرض کیا: "کرم ہے"۔ میں ٹینس کے لباس میں تھا۔ فرمایا: "کھیل کود ختم کر کے آئیے گا"۔

میں چلا آیا۔ دوسرے دن موجود حسن خان صاحب سوری مرحوم تشریف لائے۔ وہ میرے ہم عمر تھے۔ میں نے سرکارؒ کے متعلق دریافت کیا۔ وہ بولے: "اترولی چلے گئے ہیں۔ میں ابھی موٹر پر سوار کرا کے آیا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ میرے اوپر اختلاجی کیفیت طاری ہو گئی۔ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ جسم میں رعشہ تھا۔ میں نے بدقت کہا کہ سرکار طلب فرما رہے ہیں۔ چلئے ورنہ میری حرکتِ قلب بند ہو جائے گی۔ بمشکل تمام وہ اور میں روانہ ہوئے میری نقاہت حد سے بڑھ چکی تھی۔ سائیکلیں ساتھ تھیں۔ چندنیاں کوٹھی پہنچ کر دیکھا کہ دروازوں پر پردے پڑے ہیں۔ موجود حسن خان صاحب نے کہا: "وہ دیکھئے! نہیں ہیں۔ لیکن میں مُصر تھا کہ میں تو سرکارؒ کی نشست گاہ پر حاضر ہو کر چلوں گا۔ یہ کہنا تھا کہ اوپر کی کھڑکیوں سے روشنی آئی اور قوالی کی آواز سنائی دی۔ میں نے بیساختہ کہا: "موجود ہیں"۔ اتنا کہا اور مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ بمشکل باہر کے کمرے تک پہنچا اور اتنا بے بس ہو گیا کہ وہیں بیٹھ گیا۔ سرکارؒ برابر کے کمرے میں مشغولِ سماع تھے۔ یکایک بھائی خورشید احمد خاں صاحب یوسفی علیہ الرحمۃ کو میرے پاس بھیجا۔ انہوں نے آواز دی: "کوئی ظہور الحسنین اور موجود حسن خاں ہیں؟"۔ میں چونکا: "جی موجود ہوں"۔ بھائی صاحب نے فرمایا: "سرکار طلب فرما رہے ہیں"۔ اس وقت نظیر قوّال جواب بقائی سلسلہ میں داخل ہے اور اللہ بخش کہلاتا تھا، یہ پڑھ رہا تھا:۔

او مست نظر والے بابا! آ اور مجھے بسمل کر دے

میری ایک آہ نکلی اور بے ہوش ہو گیا۔ یہ عشاء کا وقت تھا۔ رات کے ۲ بجے میری آنکھ کھلی تو سرکارؒ کے سامنے پڑا ہوا تھا۔

مجھے دیکھ کر سرکارؒ نے شفقت سے فرمایا: "آپ اچھے ہیں؟" میں نے قدمبوسی کی اور گریہ طاری ہو گیا۔ حاضرین میں سے ایک مُرید بقاء اللہ شاہ صاحب کو حکم ہوا:۔

چائے لاؤ"۔ چائے نوشی فرماتے رہے اور کچھ بچا کر مجھے عطا فرمائی۔ میں نے کھڑے ہو کر پی لی۔ اور سمجھا کہ بیعت ہو گیا۔ عرض کیا:۔ اب جب کہ میں حضور کی غلامی میں داخل ہو گیا، کچھ تلقین فرمائیے۔ فرمایا:۔ ہاں داخل ہو گئے ہو، پھر فرمایا:۔

تری الفت میں مر مٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں
ترے کوچے میں ہونا دفن، جنّت اس کو کہتے ہیں
تجھی کو دیکھنا، تیری ہی سننا، تجھ میں گم ہونا
شریعت، معرفت، اہلِ طریقت اس کو کہتے ہیں
تمہارے غیر کے خطرے سے کرنا پاک باطن کو
صنم پیرِ مُغاں غسلِ طہارت اس کو کہتے ہیں
نکل بھاگا ترے کوچے کی جانب تیرا دیوانہ
نہ ٹھیرا ایک پل جنّت میں، وحشت اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

پھر، ایک تسبیح عطا فرمائی اور فرمایا:۔ "کچھ پڑھ لیا کرو"۔ اور مُصلّٰی منگا کر دیا۔ فرمایا:۔ اس پر چند رکعت تہجّد پڑھ لو۔ اصل میں یہ خطرات میرے دل میں تھے کہ حضرت تسبیح اور تہجّد نہیں پڑھتے۔

توجہ شدید

بیعت سے چند روز بعد سرکارؒ میرے غریب خانے پر، چند مریدین کو ساتھ لئے تشریف لائے۔ کیپٹن رضا مرحوم کی کار میں تشریف لائے تھے۔ میں نے مدارات میں مصروف ہونا چاہا ہی تھا کہ فرمایا:۔ ہم چائے پئیں گے اور کچھ لڈّو منگا لو۔ میں نے ملازم کو بھیج کر لڈّو منگو لئے۔ سرکار نے گلدستۂ پنجتن پڑھوایا۔ فاتحہ، صلوٰۃ و سلام اور ایصالِ ثواب کے بعد چائے نوش فرمائی اور واپسی کے لئے فرمایا۔ باہر تشریف لا کر کیپٹن رضا کی کار میں تشریف فرما ہوئے۔ دیگر مریدین بھی ساتھ بیٹھے اور جو سوار نہ ہو سکے وہ دوسری سواریوں میں بیٹھ گئے۔ البتہ میں سوچ رہا تھا

کہ سرکارؒ کے ساتھ ہی میں چلتا تو کیا اچھا ہوتا۔ میرا سوچنا تھا کہ ارشاد ہُوا۔ "آؤ بیٹھ جاؤ" پچھلی سیٹ پر جہاں آپ تشریف فرما تھے۔ میں وہیں سرکارؒ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ کوٹھی چندنیاں پہنچ کر سرکارؒ تو اُتر کر اندر چلے گئے۔ لیکن میں مفلوج ہو گیا تھا۔ ہِل جُل ہی نہیں سکتا تھا۔ ع

پا بد ستے دگرے دست بد ستے دِگرے

لوگوں نے لاکر سرکارؒ کی نشست گاہ کے قریب دیوار سے ٹِکا کر بٹھا دیا۔ سرکارؒ اور تمام مریدین نمازِ مغرب میں مشغول ہو گئے۔ مجھے خیال ہوا کہ میرا اب آخری وقت ہے۔ کاش: سجدے میں دم نکلتا کہ یکایک طاقت آئی اور میں بھی سجدے میں چلا گیا۔ دوسری رکعت میں کھڑا ہو گیا۔ سرکارؒ میری طرف سے مستغنی تھے۔ بعد نماز قدمبوسی ادا کی۔ اور اس کے بعد تو یہ حال تھا کہ سرکارؒ سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اِدھر کوئی خیال آیا، کہ بھرے مجمع میں سرکارؒ نے جواب عطا فرمایا۔ متعلقہ آدمی سمجھ لیتا تھا۔ میرے ساتھ تو پرورش اور کرم کا البیلا ہی انداز تھا۔ یہی حال خطوط میں بھی تھا۔

درویشوں میں وقار

درویشوں، فقیروں اور اشیاخ میں سرکارؒ کا میں نے انوکھا وقار دیکھا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ میں جہاں گیا میری عزت و تکریم سرکارؒ کے صدقے میں کی گئی۔ میرا تبادلہ ۱۹۳۵ میں سلون شریف کا ہُوا۔ شاہ نعیم عطا صاحب، حضرت پیر محمد سلونیؒ کے سجادہ نشین تھے۔ میں سرکارؒ کے حسب الحکم حاضر ہوا۔ سجادہ صاحب نے از خود فرمایا:۔ "آپ کے پیر و مرشد جیسا بزرگ اِس دَور میں دیکھنے میں نہیں آتا۔ بڑی شان کے بزرگ ہیں"۔ انہوں نے مجھ سے بڑی شفقت برتی۔

دِلّی میں

اِسی طرح سرکارؒ کے غیاب میں جب فقیر دربار حضرت محبوب الٰہی سلطان جیؒ میں حاضر ہُوا تو پیر سید ضامن علی صاحب نے بڑی آؤ بھگت کی۔

کلیر شریف میں

کلیر شریف پہنچا تو وہاں بھی سجادہ نشین صاحب نے

خاص جائے قیام فراہم فرمائی اور نہایت پُر تکلف کھانے بھی کھِلائے۔ بڑی مدارات کی۔ سرکارؒ کے متعلق نہایت مؤدبانہ اور پُر شکوہ الفاظ ادا فرمائے۔

میرے نانا

سید اعجاز حسین نقشبندی علیہ الرحمۃ، حضرت مدنی شاہ صاحبؒ کے خلیفہ تھے، جو حضرت مولینا شاہ فضل الرحمٰن گنج مُراد آبادیؒ کے خلیفہ تھے ـــ میں انھیں کی اجازت سے حضرتؒ کا طالب ہوا تھا۔ چنانچہ میرے نانا صاحب قبلہ، سرکارؒ کی بہت تعریف فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا کام ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ ایسا ہی مربّی تم کو ملے۔

برزخ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

میرا تبادلہ دلمئو کا ہوا۔ یہ ایک تحصیل ضلع رائے بریلی میں ہے۔ وہاں خواجۂ بزرگ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت شاہ بدر الدینؒ کا مزار نہایت خستہ ہے۔ لیکن میں برابر حاضر ہوتا رہا۔ تہجّد کے وقت خواب میں دیکھا کہ فرشتوں اور انبیاءؑ کی جماعت میں نماز پڑھ رہا ہوں اور سرکارِ دو سرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امامت فرما رہے ہیں لیکن میرے شیخ نہیں ہیں۔ معًا دیکھا کہ سرکار مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھا رہے ہیں۔ گویا ختمی نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سرکارؒ کی شکل بن گئے۔ یکایک رقّت طاری ہو گئی۔ سرکارؒ نے سلام پھیرا اور یہ دعا پڑھی:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَ تَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَكَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

اس کے بعد دعا فرمائی:۔

اے کریمی وے رحیمی سرمدی ۔۔۔ درگذار از بدسگالاں ایں بدی

تا

اے سعادت بخشِ جانِ انبیاء ۔۔۔ یا بکُش یا باز خوانم یا بیا

سرکار والاؒ شری کرشن جی کے روپ میں

۱۹۳۵ میں مانٹھ ضلع متھرا (یو-پی) میں فقیر سب رجسٹرار تھا، جہاں شری کرشن جی کا استھان بھانڈیر بَن نامی ایک جنگل میں ہے۔ اس جنگل میں جوہی کے لاکھوں درخت ہیں۔ تمام جنگل خوشبو سے معطر رہتا ہے۔ میں اکثر اس جنگل میں جاتا تھا۔ ایک روز دوپہر کے وقت گیا۔ ایک چرواہا بانسری بجاتا ہوا، چند گایوں کے ساتھ گھوم رہا تھا۔ میں اس کے قریب جانا چاہتا تھا کہ غائب ہوگیا۔ خیال ہوا کہ کرشن جی نے درشن کرایا ہے۔ ابھی میں گھر پہنچا ہی تھا کہ بھائی نواب بہادر عبدالسمیع خانصاحب یوسفی کی کار میں سرکارؒ تشریف لے آئے۔ قدمبوسی بجالایا۔ میری اہلیہ سے فرمایا:- "بابا ہر صورت میں ہیں۔ آج ہم کرشن جی کے مہمان ہیں، پُوری ترکاری کھلاؤ"۔

حسب الحکم پوری ترکاری تیار کی گئی اور سرکارؒ نے بڑے شوق سے نوش فرمائی۔ تمام ہندو افسروں کا اجتماع ہوگیا اور سب نے سرکارؒ کی قدمبوسی کی۔

مرشد کے حکم میں ترمیم کا خمیازہ

ایک مرتبہ طالب نگر میں میرے سالے اور پیر بھائی عبدالفرید خاں کو متھرا لے جانے کے لئے حکم دیا۔ وہ اور ہم طالب نگر گئے تھے فرمایا:- بدن پور ہوتے ہوئے جانا، تاکہ یہ اپنی خالہ سے مل لیں۔ میں نے سوچا کہ مجھے کل دفتر جانا ہے۔ صبح متھرا کی براہ راست موٹر بس میں دونوں چلے جائیں گے۔ فرید سیدھے متھرا اور میں رایہ ہوتا ہوا مانٹھ اپنے دفتر پر چلا جاؤں گا۔ میں جب دفتر پہنچا تو دیکھا کہ دفتر کی چابیاں بدن پور رہ گئی ہیں۔ گھبرایا۔ کیونکہ سرکاری روپیہ داخل کرنے کا وقت گیارہ بجے تک تھا اور اس وقت ساڑھے نو بج چکے تھے۔ توبہ کی اور ایک لڑکے کو سائیکل پر بدن پور روانہ کیا، جو بارہ میل تھا۔ وہ گیا اور میرے ٹرنک میں سے چابی لے کر واپس آیا تب جان میں جان آئی۔

میری خوشدامن کا مرض غائب ہونا

میری خوش دامن محفوظی بیگم کو

بیس سال سے ایک مرض لاحق تھا جس سے اُن کو دورہ پڑتا تھا اور گھنٹوں نبض ساقط ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ ایک رگ بڑھ گئی ہے۔ اس کے آپریشن کے بعد ممکن ہے اچھی ہو جائیں۔ مرض مہلک ہے۔ سرکارؒ جب بدن پور تشریف لے گئے تو رجوع کیا گیا۔ سرکارؒ نے فرمایا کہ بابا فریدؒ کا نقش تم نے نہیں دیا؟ میں نے منع کیا تو ارشاد ہُوا:- "دو!"۔

نقش یہ ہے، جو صرف منگل کو لکھا اور دیا جاتا ہے:-

۰	۸	۰۰	۲	۱۰	۴
۱	۳۰	۴	ی	۰	۵
۰	۲	۰	۵		۳
۰۰	۳	۰	۲	۰۰	۲

میرے مرض کا ازالہ

۱۹۳۹ میں ضلع آگرہ کی ایک تحصیل کِراؤلی میں متعیّن تھا۔ مجھے تنفس اور حرارت وغیرہ ہوگئی تھی۔ ضیق النفس سے حال بُرا تھا۔ لوگوں نے دق تشخیص کی تھی۔ کھانسی اسقدر ہوتی تھی کہ بے ہوش ہوجاتا تھا۔ سرکارؒ تشریف لائے اور چلتے وقت دو بیڑی عطا فرمائیں۔ میں نے دونوں پی لیں اور اچھا ہوگیا۔

طعام میں برکت

میری چھوٹی بہن حلیمہ (اللہ اُس کی قبر نُور سے بھر دے) کی شادی میں انتظام میری طرف سے تھا۔ سرکارؒ بھی حضرت رفیع میاں صاحب چشتی نیازی اجمیری اور قوال کی معیّت میں تشریف لائے۔ میں نے دعوت کا جو انتظام کیا تھا وہ صرف ڈھائی سو افراد خاندان کے لئے تھا۔ لیکن بعد میں اہلِ خاندان میں یہ طے پایا کہ تمام برادری جو قریب قریب ایک ہزار افراد پر مشتمل تھی، کو دعوتِ طعام دی جائے۔ بروقت انتظام مشکل تھا۔ اس لئے کہ سات قسم کے کھانے تھے۔ سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حالات عرض کروں، لیکن بغیر کچھ عرض کئے، مجھے اپنا رومال (جو پٹکے جیسا لمبا ہوتا تھا) عطا کیا اور فرمایا کہ باری باری سے ہر دیگ پر یہ رومال ڈال دو اور باباصاحبؒ

کی فاتحہ پڑھ لو۔ میں نے یہی کیا۔ قصہ مختصر تمام افراد شکم سیر ہو کر گئے اور بہت بچ رہا جو بعد میں گھروں میں تقسیم کیا جاتا رہا۔

بابا یوسف شاہؒ بابا تاج الدینؒ کے رُوپ میں اور پرواز

تاج الاولیاء قدس سرہٗ کے عرس کے موقع پر ایک مرتبہ طالب نگر میں قوالی ہو رہی تھی سرکارؒ صدر نشین تھے کہ یکایک مسند کے گاؤ تکیہ پر بیٹھ گئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت بابا تاج الدین ناگپوری قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز تشریف فرما ہیں۔ اس وقت یہ مصرع گایا جا رہا تھا:۔

ہے مسیحائے زماں بیمارِ تاج الاولیاء (ذہین شاہ)

سرکارؒ کو اس قدر کیفیت تھی کہ مسند سے قوال تک آپ آ جا رہے تھے۔ اس چلنے کے قربان۔ کیا شاہانہ، والہانہ، مستانہ، بے نیازانہ انداز تھا۔ میں دو تین گز کے فاصلے پر دوسری صف میں بیٹھا تھا۔ یکایک ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے مجھ کو اُٹھا کر سرکارؒ کے قدموں میں پھینک دیا۔ اتنی دُور سے اور اتنے زور سے گرنے کے باوجود مجھے کوئی چوٹ نہ آئی۔ سرکارؒ نے مجھے اُٹھا لیا اور برابر رکھے ہوئے بادامی عمامہ کو میرے سر پر باندھ دیا۔ مجھے کچھ سکون ہُوا۔ رقت طاری ہو گئی۔ سرکارؒ قوال کے پاس آتے اور جاتے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمین سے اُوپر معلّق چل رہے ہیں اور بابا یوسف شاہؒ نہیں، بابا تاج الدینؒ ہیں۔

تجدّدِ امثال

میں قائم گنج میں تھا، سب رجسٹرار تھا۔ بابا صاحب کا میں نے عرس کیا۔ مجھ سے پہلے میرے ایک پیر بھائی مجاہد علی خان وہاں رجسٹرار قانون گو تھے۔ انہوں نے عرس کرایا تھا۔ جب میں نے عرس کرایا تو لوگوں نے آکر مجھ سے سوال کیا کہ پار سال تو عرس پر بابا صاحب (تاج الدینؒ) یہاں شریک ہوتے تھے۔ اب کی مرتبہ نہیں آئے۔؟ میں کیا جواب دیتا۔ اس لئے کہ جو شرکت، تجدّدِ امثال سے ہوتی ہو، اُس کیلئے کہا کیا جائے۔

مُریدوں کو زیارتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز

قائم گنج میں اپنے مکان پر

رات کو میں چٹائی پر سو رہا تھا کہ یکایک سرکارِ ختمی نبوّت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اُٹھو! آج ہم معراج کو جا رہے ہیں اور تم سو رہے ہو۔ یہ رات چھبّیسویں رجب کی تھی۔ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور صحن میں نکل آیا، دیکھا کہ سرکارِ دو عالمؐ ایک زینے سے جس کی تین سیڑھیاں ہیں آسمان پر جا رہے ہیں اور آخری سیڑھی پر ایک دروازہ ہے۔ وہاں کھڑے ہو کر میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ کالی کملی اور چپّل نُما نعلین مبارک پہنے ہوئے ہیں میں نے اپنی اہلیہ عقیلہ (یُوسفی) کو آواز دی۔ وہ آگئیں۔ یہ منظر قریبًا بیس منٹ تک رہا۔ میں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگتا رہا۔

—— ○ ——

ایک مرتبہ مانٹ (MANT) میں ایک تحصیلدار صاحب حرز اللہ خاں صاحب نقشبندی نے مجھ سے کہا کہ ہم کو اکثر زیارتِ رسُول مقبول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوتی رہتی ہے۔ یہ نقشبندی سلسلے کی خصوصیت ہے۔ میں نے کہا نقشبندی تو ہم بھی ہیں۔ البتہ تاجیہ سلسلہ میں چونکہ ہر نسبت موجود ہے اور ہم ہر شے میں جلوۂ محمدیؐ دیکھتے ہیں اس لئے ہمیں ہر وقت سرکارِ دو عالمؐ کی زیارت رہتی ہے۔ بغیر ہماری اجازت کے کسی کو باریابی نہیں ہو سکتی۔ تحصیلدار صاحب نے تو بات نخوت سے کہی تھی لیکن میں ایک قلندرانہ جوش میں یہ جملہ کہہ گیا۔ رات کو اُن کے ایک ساتھی نے خواب دیکھا کہ جنگل میں سرکارِ ختمی نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیمے نصب ہیں اور دروازہ پر یہ فقیر (سیّد ظہور الحسنین شاہ یوسفی) پہرہ دار ہے۔ وہ صاحب اندر جانا چاہتے ہیں تو کوئی کہتا ہے کہ بغیر ظہور الحسنین کی اجازت کے اندر نہیں جا سکتے۔ یہ بابا صاحبؒ کا آدمی ہے اور اُن کی حکومت ہے۔ وہ صاحب شرم کی وجہ سے مجھ سے نہ کہہ سکے۔ اس لئے کہ ایک روز پہلے ہی میں کہہ چکا تھا۔ میں نے دیکھا اور بُلایا اور کہا جائیے میں آپ کو اجازت دیتا ہوں۔ پھر وہ اندر چلے گئے۔

—— ○ ——

داستان طولانی ہے بقول، "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا این جاست" کے مصداق ایک دفتر چاہیئے میرے اور میرے آقا کے معاملات کے بیان کے لئے۔ اسلئے انتہائی

اختصار سے کام لے رہا ہوں۔ میں اپنے حالات سرکارؒ کو خطوط میں لکھتا رہتا تھا۔ اپنے دست مبارک سے جواب عطا ہوتا۔ سرکارؒ کے مکتوبات میں جو رہنمائی ہوتی تھی انہیں بطور ملفوظاتِ گرامی نقل کر رہا ہوں:۔

- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے صحیح مفہوم کے قریب رہو اور وہ یہ کہ اپنی ہستی، وجود سے جدا ہو کر اپنے وجود کو وجودِ مرشدِ حقیقی تصور کرو۔
- شریعت کا تارک زندیق ہے۔ طریقت، شریعت سے باہر نہیں۔
- بے علم، شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔
- ہر شخص اللہ کا خلیفہ ہے اور ہمارا ہر مرید ہمارا کسی نہ کسی جہت سے خلیفہ ہے لیکن خلافتِ ارشاد، شیخ کی طرف سے ہی عطا کی جاتی ہے۔
- بڑوں کے سامنے چھوٹوں کی رائے لاشے ہوتی ہے۔
- انسان کو ظاہر اور باطن میں پاک رہنا چاہیئے۔
- جو شخص کاذب، خائن، بدمعاملہ اور وعدہ فراموش ہے وہ مومن نہیں منافق ہے۔
- اہلبیتؑ سے محبت جزوِ ایمان ہے بغیر اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی تکمیل نہیں ہوتی۔
- سیادت کی نسبت، بزرگ تر ہے۔ لیکن لوگ پسرِ نوحؑ کے معاملہ سے، استغنائے ذاتی سے خائف رہتے ہیں۔
- ہم تمام عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم کو دیکھو تا آنکہ ہمارے سوائے کسی کو نہ پاؤ گے۔
- جو لوگ "سپردم بتو مایۂ خویش را" کے گوشۂ عافیت میں رہتے ہیں، خوش رہتے ہیں۔
- قناعت انسانیت کی تکمیل ہے۔ ہوس کی حد نہیں۔ نفس کے مکائد بعید از قیاس ہیں۔
- تفریق، توحید کی ضد ہے۔
- احدیت ہے جاں اور وحدت ہے دل — واحدیت جسم۔ ورنہ آب و گِل
- ہر مرتبہ، وجود حکمے دارد — گر فرقِ مراتب نہ کنی، زندیقی
- دوست داری بہ خویشتن دارد — غیرتش تابِ غیر کے آرد
- آدمی ہوا کھا کر بھی زندہ رہ سکتا ہے تب ہی گوہرِ مقصود ملتا ہے۔

- کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نشد — تا صدف قانع نہ شد، پُر دُر نشد
- آپ کو اصحابِ تمکین سے تعلق ہے نہ کہ تلوین سے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔ وہ ہر جگہ تمہارے پاس ہے۔ خواہ دنیا میں، خواہ قبر میں، خواہ حشر میں،
خیمہ در مُلکِ یقیں زن کہ گماں چیزے نیست۔
- حقیقتاً میں تو ہر وقت آپ کے پاس ہوں۔

اے طالباں اے طالبان من باشما ہر جا ستم — ہم جلوہ گر در دیدہ ہا ہم مضمرِ دلہا ستم
ایں دوری و مہجوریم از وہم و پندارِ شما ست — در نسبتِ خود باشما دریا و موج آسا ستم

- شیخ کی موجودگی میں خود کو موجود سمجھنا شرک فی الطریقت ہے۔ بلکہ اپنی ہستی، وجود کو شیخ کا وجود سمجھنا توحید ہے۔

چیست توحیدِ خدا آموختن — خویشتن را پیشِ واحد سوختن

امید ہے کہ میری موجودگی میں خود کو معدوم سمجھو گے۔ خودی میں وساوس کو بہت کچھ دخل ہے۔

- ترکِ اسباب سے مجھ کو و نیز حضور تاج الاولیاء قدس سرہٗ کو اختلاف ہے۔
- نفع و نقصان کے معاملہ میں غور کرنے سے پرہیز کرو۔ مالکِ حقیقی کی طرف سے ہر امر صادر ہوتا ہے۔ اُس پر خوش رہنے کے عادی بنو۔ کیونکہ عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ، وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ الخ جو ہر شے کے نتیجہ سے واقف ہے اُسی کی طرف متوجہ ہو۔
- پس بصورت عالمِ صغریٰ توئی — پس بمعنیٰ عالمِ کبریٰ توئی
- اسلام میں توحید بمعنیٰ واحد شدن و واحد کردن ہے تفریق اس کی ضد ہے۔ ہر وہ عمل جس میں تفریق کی بُو موجود ہے۔ اسلام میں ممنوع ہے اور ہر وہ عمل جو مُمِدِّ توحید ہے اس پر عمل واجب ہے۔
- میٹھے پانی کی مچھلی کھارے پانی میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح کھاری پانی کی مچھلی میٹھے پانی میں۔
- عُرس کا جو مقصد ہے غور کرنے سے اس کا لحاظ کیا جائے گا کہ جہاں برادرانِ سلسلہ

بآسانی جمع ہو سکیں نہ کہ عوام اور جس قدر مخلصین حاضر ہوں بہتر ہے، مگر لوگوں نے اس کو رسمِ دنیاوی کے سانچے میں ڈھال دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اصل عرس کی شکل متغیّر ہوگئی ہے۔ اصل میں یہ سب کچھ مرکزی مقام میں مناسب ہے۔

- نفس کے مکائد انسانی احاطہ سے زیادہ ہیں۔ روحانی مُربّی کا حکم فرضِ عین ہے۔ اس حکم میں ترمیم کا تخیّل مذموم ہے ع کہ سالک بے خبر نبود زِ رسم و راہِ منزلہا
- انسان تجلّیِ ذاتی کا نام ہے۔ وہی بَصِیۡرُ ہے کہ جو ہر آنکھ سے دیکھتا ہے۔ وہی سَمِیۡعُ ہے جو کہ ہر کان سے سنتا ہے — ہر آنکھ سے ایک، ایک کو دیکھ رہا ہے۔ ظہور میں شکلِ مُحَمَّدؐ کارفرما ہے۔ اپنی شکل کو شکلِ محمدؐ یوسف میں جذب کر دو اور اپنے ہونے کے وہم سے دُور ہو جاؤ۔

ع درحجابِ زلفِ جاناں نُورِ ایماں یافتم

- فی الحقیقت ذاتِ واحد کے سوا کوئی موجود نہیں جو کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شرح ہے۔ ذات نے مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہ اپنا نام ظاہر کیا اور ذاتِ محمد نے ہر اسم کو رنگا رنگ کے اسمار سے موسوم کیا۔ اسی لئے شیخ کی موجودگی میں مرید کا وجود فانی ہوگیا اور خود کے وجود کو شیخ کا وجود دیکھنے لگا۔ یہی جہتِ عرفان اعلیٰ ہے۔
- اپنی مرضیات کو شیخ کی مرضیات میں پوشیدہ کردو۔ عالم میں جو کچھ منظور ہے اسی کی نظر سے دیکھتے رہو مَا رَأَیۡتُ شَیۡئًا اِلَّا دَرَأَیۡتُ اللّٰہ یعنی نہیں دیکھا میں نے کسی شے کو مگر اللّٰہ کو۔
- مرنا عالم کا روزمرّہ ہے۔ یہ اضافات کا انقطاع ہے جب تک انسان زندہ ہے۔ مظہرِ حَیٌّ ہے اور مرنے کے بعد مظہرِ مُمِیۡتُ یہ ہر دو صفات اُسی کی ہیں۔

ع کبھی اس گھر میں آ نکلے کبھی اُس گھر میں جا پہنچے

ذات اَلۡاٰنَ کَمَا کَانَ کی حقیقت میں ہے ؎

ذات و صفات اصل میں بس دونوں ایک ہیں "حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں"

خود کو نفیِ محض میں اور اُسی کو ہر شکل میں ہر جا نمودار دیکھو۔ ان تعیّناتِ ظاہری میں اُسی کی عینیت دیکھتے رہو۔

- اہلِ خانہ کو خوش رکھو۔ مستورات میں محبوبیت اور معشوقیت کا ظہورِ خاص ہے۔ آدمؑ، حوّاؑ سے مکمل ہیں۔

—— ٥ ——

فسادات ہند اور عظیم انقلاب کی نشاندہی سرکارؒ نے نومبر ۱۹۴۶ء میں اجمیر شریف سے ایک خط میں اس طور پر فرمادی تھی:۔

چلتی چاکی دیکھ کر دیا کبیرا رو — دوٗ پاٹن کے بیچ میں ثابت رہا نہ کو

بھٹکت بھٹکت جو پھرے اُس کا آنا ہو — جو مانی سے لگ رہے اُسے نہ پیسے کو

———

بے مثل کی تصویر ممکن نہیں

ڈاکٹر ایم ایم محمود صاحب ضیا یوسفی تاجی

ڈاکٹر صاحب موصوف صوبہ بہار کے مشہور معروف خاندان کی چیندہ شریف النفس انسانوں میں سے تھے اور علی گڑھ کالج میں زیر تعلیم رہے۔ ان کے حقیقی ماموں ایم ایم حلیم صاحب۔ جو پاکستان و ہندوستان میں مشہور و معروف ہستی ہوئے ہیں اور علی گڑھ کالج میں پروفیسر وائس چانسلر اور چانسلر اور کراچی کے کالج اور اسکولوں میں سر برآوردہ لوگوں میں رہ چکے تھے۔ سنہ ۱۹۲۹ء ۱۹۳۰ء میں علی گڑھ کالج کے وائس چانسلر تھے۔

ایک مرتبہ جبکہ حضرت کا قیام اپنے مرید نواب بہادر محمد عبدالسمیع خانصاحب یوسفی تاجی کی کوٹھی چندنیاں پر تھا حضرت سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور حضرت کی پہلی صحبت سے ہی متاثر ہوکر علی گڑھ کالج میں دوسرے دن شام کو چائے پینے کو مدعو کرنے کی درخواست پیش کی حضرت نے منظور فرمالیا۔ دوسرے دن سہ پہر کو حضرت معہ چند خلاموں کے علی گڑھ کالج میں تشریف لے گئے جہاں تمام کالج کے طلباء نے حضرت کی آمد کی تقریب پر ایک اعلیٰ جشن منانے کے لئے ایک بڑے میدان میں شامیانے لگا کر اور رنگ برنگی جھنڈیوں سے سجا رکھا تھا اور ہزاروں میز کرسیاں چائے نوشی کے سامان کی لگا رکھی تھیں۔ جیسے ہی حضرت معہ اپنے خدامان کے پہنچے بینڈ باجے اور اللہ اکبر کی صداؤں سے حضرت کا استقبال کیا گیا۔ مجمع میں طلبہ کالج کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے لیکن بجائے اس آراستہ و پیراستہ کیمپ کے ذرا دور جاکر کالج کی سبزے دار گراؤنڈ پر زمین پر جا بیٹھے اور فرمایا کہ ہمکو تو تم یہاں چائے پلادو چنانچہ حکم کے مطابق تمام مجمع جو ہزاروں کی تعداد میں تھا اسی گراؤنڈ میں دو زانو بیٹھ گیا اور جناب حلیم صاحب نے حضرت کو خود چائے بنا کر پیش کی۔ حضرت نے چائے نوش فرمائی اور ہم سب نے چائے کے ہمراہ پھل وغیرہ بھی کھلائے اور بعد طعام و چائے نوشی حضرت نے سب سے پہلے ڈاکٹر محمود صاحب کو اشارے سے اپنے قریب بلا کر نام دریافت فرمایا انہوں نے کہا کہ

مجھے محمود کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا خدا تمہیں محمود بنائے اور چونکہ یہ اس وقت فلسفہ کے اسٹوڈینٹ تھے ان سے حضرت نے دو تین سوال کئے مگر یہ جواب دینے سے قاصر رہے۔ مجھے ایسا یاد ہے کہ یہ سوال مسئلہ توحید پر تھا۔ مگر اس وقت میں کچھ زیادہ نہ سمجھ سکا کیونکہ حضرت نے محمود صاحب کے جواب نہ دینے پر ہنس کر یہ شعر پڑھا تھا ؎

جو نکتہ دروں سے کھل نہ سکا اور فلسفیوں سے حل نہ ہوا　　وہ عقدہ ایک اشارے میں حل کردیا کملی والے نے

اسی دوران کالج کے طلباء میں سے چند طلبہ نے حضرت کے بار بار فوٹو کھینچنا چاہے مگر کیمرے کامیاب نہ ہوسکے۔ تب طلبہ نے حلیم صاحب سے دست بستہ عرض کیا کہ کافی کیمرے کے پلیٹ خراب ہوچکے تمام مجمع اور حضرت کے قالین تکیے پانوں کے خاصدان، اگالدان کے فوٹو آجاتے ہیں مگر صرف حضرت کی ذات کا نہیں آتا۔

جناب حلیم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بڑے تعجب کی بات ہے یہ کیا کرشمہ ہے۔ حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ یہ لوگ ہماری اجازت حاصل کئے بغیر تصویر کھینچنا چاہتے ہیں اس لئے تصویر نہیں آرہی۔ تب حلیم صاحب نے فرمایا کہ حضرت بچوں کی خوشی پوری ہو لینے دیں۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا اچھا تو کھینچ لو۔ پس تمام کیمروں میں حضرت کی شبیہ مبارک آگئی۔ اور سب حیرت میں آگئے اس کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور کوٹھی چندنیاں تشریف لے آئے۔ شب کو ڈاکٹر ایم ایم محمود صاحب اور جناب حلیم صاحب وائس چانسلر علی گڑھ کالج پھر حاضر خدمت ہوئے۔ ڈاکٹر محمود صاحب نے دست بستہ کھڑے ہوکر عرض کیا کہ حضرت اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ عزت دولت مال، آل اولاد مگر دل سکون پذیر نہیں۔ حضرت نے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی جس کے معنی یہ تھے کہ تحقیق لوگوں کے قلوب مطمئن نہیں ہوا کرتے مگر ذکر اللہ کے ساتھ سکون پذیر ہوتے ہیں۔ یہ آیت سنتے ہی ڈاکٹر صاحب موصوف پر ایک ہیبت طاری ہو گئی اور جسم لرزنے لگا اور کہا کہ حضرت مجھے غلامی میں قبول فرمائیں اور بیعت فرمائیں۔ مگر حضرت نے فرمایا کہ ہم تمھیں بیعت تو ضرور کرینگے مگر پہلے جرمن وغیرہ جاکر جو علم تم یہاں پڑھ رہے ہو اس کی اعلیٰ قابلیت وہاں حاصل کرکے اور ڈگری لے کر آؤ۔

چنانچہ اس حکم کی تعمیل ڈاکٹر صاحب جرمن وغیرہ جاکر کئی سال تعلیم حاصل کرتے رہے

اور ایک عرصہ کے بعد واپس آنے پر حضرت کی خدمت میں متواتر کبھی چھتاری کبھی طالب نگر کبھی اجمیر شریف وغیرہ وغیرہ حاضری دیتے رہے

اور بالآخر حضرت کی علالت کے زمانے میں بیعت ہو گئے۔ سلسلے میں اس قدر مہذب پرہیزگار مؤدب ایسی ہستی نظر نہیں آئی انتہائی تقوے شعار عبادت گذار لوگوں میں شمار تھے تقسیم پاکستان کے بعد کراچی کے اسکول کالجوں میں عہدہ برآ رہے۔ آج بھی طلباء کراچی کی بہت بڑی جماعت ان کے اخلاق خندہ پیشانی خلوص و محبت سے ان کی گرویدہ ہے۔ جب سے پاکستان تشریف لائے ہفتے میں دو تین بلا خصوصاً پنجشنبہ کو حضرت کی درگاہ پر بلا ناغہ حاضر ہوتے رہتے اور اکثر پوری پوری رات اپنے پیر بھائیوں کی صحبت میں حضرت کے ذکر اذکار سنتے سناتے رہتے۔

بالآخر ۱۹۷۲ء میں مجھے سنِ وفات یاد نہیں رہا۔ باہر کے ملکوں میں تبلیغ سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اور اسی سلسلے میں جب مکہ معظمہ پہنچے تو وصال ہو گیا۔ مرحوم کے سلسلے کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے ۔ حقائق و معارف کے منتہی لوگوں میں سے تھے۔ نیز جناب ایم ایم حلیم صاحب حضرت قبلہ و کعبہ سے بیحد محبت و عقیدت رکھتے تھے۔

سلسلے کی چند اور شخصیتیں

میرے تایا منشی محمد منصب داد خاں صاحب اُس زمانے کے ایف۔ اے پاس تھے جب مسلمان انگریزی تعلیم حاصل نہیں کرتے تھے۔ انگریزی اور اردو کا خط بھی بڑا پختہ اور خوبصورت تھا۔ صوم و صلوٰۃ کا اہتمام رکھتے تھے۔۔ عقائد میں کٹّر دیوبندی۔ شملہ میں ایک فرنگی فرم کے منیجر تھے۔ جب فرنگیوں کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو استعفےٰ دیکر چلے آئے اور ریاست دھرم پورہ میں منیجری اختیار کر لی۔ پھر ریاست کے اس عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ اللہ اللہ اور کتب بینی اختیار کر کے سارے دھندے چھوڑ دیئے۔ گھر بیٹھ گئے۔

اُن کے بڑے صاحبزادے منشی عبدالرحیم خاں صاحب چھتاری کے اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ سرکارؒ کی بیعت اختیار کر چکے تھے۔ لیکن تایا منصب داد خان صاحب مرحوم اپنے عقائد کی وجہ سے سرکارؒ سے مخالفت رکھتے تھے۔

میرے آقا سرکار یوسف الاولیاء علیہ الرحمۃ جب بھائی منشی عبدالرحیم خان صاحب یوسفی تاجی کے گھر تشریف لاتے تو تایا صاحب سرکارؒ کی آمد کا اہتمام دیکھتے ہی، گھر سے اُٹھ کر مسجد میں جا بیٹھتے جو اُن کے گھر کے پاس ہی تھی اور یہ معلوم کر لیتے کہ سرکارؒ واپس تشریف لے گئے ہیں تو وہ گھر پر آجاتے تھے۔ وہ ہم سب کے علاوہ بھائی منشی عبدالرحیم خانصاحب سے بھی بہت ناراض رہتے تھے کہ ہم سب گمراہ ہو گئے ہیں۔

ایک موقعہ ایسا آیا کہ انہوں نے سرکارؒ سے ملاقات کی۔ خدا جانے سرکارؒ سے ان کی کیا بات ہوئی۔ لیکن دیکھا یہ گیا کہ وہ روزانہ رات کو سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے چار پانچ روز میں گرویدگی اتنی بڑھی کہ دن رات سرکارؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہنا اُن کا معمول بن گیا۔ کچھ روز بعد ہم سب نے دیکھا کہ سرکارؒ

اپنی قیام گاہ سے چل کر جہاں تشریف لے جاتے تو منشی منصب داد خانصاحب ضرور ساتھ ہوتے۔ دیکھتے دیکھتے ایک دن انہوں نے سرکارؒ کی غلامی اختیار کر لی، یوسفی تاجی برادری کے رکن ہو گئے۔ کچھ روز بعد جب سرکارؒ چھتاری سے تشریف لے گئے تو اُن سے فرمایا کہ ہمیں آپ کی ڈیلی رپورٹ ملنی چاہیئے۔ چناں چہ اب تایا صاحب کا کام یہ ہو گیا کہ صبح سے شام تک جو کچھ کریں اُس کی ڈائری لکھتے رہیں۔ اِتنے بجکر اِتنے مِنٹ پر، فلاں جگہ میں نے وضو کیا۔ اِتنے بجکر اِتنے مِنٹ پر نماز شروع کی۔ فلاں وقت سے فلاں وقت تک آپ کا عطا کردہ فلاں وظیفہ پڑھا۔ اتنا وقت کھانے میں صرف ہوا، اتنا وقت حوائج ضروریہ میں گزرا ——

یہ روزنامچہ روزانہ ڈاک کے ذریعے سرکارؒ کی خدمت میں ارسال کرتے تھے۔ سرکارؒ بھی خلافِ معمول، بالاہتمام ان خطوط کے جوابات دیتے۔ تادمِ مرگ تایا صاحب پر جذبی سی کیفیت طاری رہی۔ حضرت بھائی خلیفہ خورشید احمدؐ خانصاحبؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو وقت سرکارؒ کی مخالفت اور جلن میں گزارا، کاش! عمر کا وُہ حصّہ یوں تباہ و برباد نہ ہوتا۔ توبہ توبہ۔ کیا بُرے خیالات مجھے گھیرے ہوئے تھے۔ چھتاری ہی میں انتقال ہُوا۔ وہیں مدفون ہیں۔ عمر کے آخری ایّام بڑی عُسرت اور فقر و فاقہ میں بسر فرمائے۔ مگر لب پر کوئی شکوہ شکایت یا کسی طلب کا ذکر نہیں آیا۔ دراصل وہ اپنے حال سے مطمئن تھے۔ یہی تھا سرکارؒ کا فیضان وکرم۔ اُن کے انتقال کے بعد سرکارؒ جب چھتاری تشریف لائے تو ایک دن ہمارے باغ میں تشریف لے گئے اور از خود میرے تایا صاحب کی قبر کے پاس سرکارؒ کھڑے ہو گئے فاتحہ خوانی فرمائی اور ارشاد ہوا: "اچھا تو یہ ہے منصب داد کی قبر۔ خوش نصیبوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔"

میرے تایا زاد بھائی منشی عبدالرحیم خانصاحب یوسفی تاجی اپنے بال بچوں کے ساتھ پاکستان تشریف لے آئے تھے۔ کورنگی کالونی میں مستقل آباد ہو گئے تھے۔ کورنگی کالونی سے ملکِ آخرت کا سفر کیا۔ وہیں مدفون ہیں۔ بھائی صاحب کی آل واولاد کراچی ہی میں آباد ہے۔ دعا ہے کہ خوش اوقات رہیں۔

میری والدہ صاحبہ اور میرے والد صاحب کی قبریں اللہ کریم نُور سے بھر دے، دونوں براہ راست حضرت قبلہ و کعبہ میاں حاجی وارث علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے۔ سرکارؒ نے چھتاری کو فتح فرمایا اور یہاں کے تمام عمائدینِ سرکارؒ کی غلامی میں قبول کر لئے گئے، میں اور میرے سارے بھائی بہن سرکارؒ کے بندۂ بے دام ہو گئے اور آقا و مولا ہمارے غریب خانے کو شرفِ قدم رنجہ فرمائی عطا فرمانے لگے، تو میرے والدین آپ سے اس قدر محبت کرنے لگے، گویا وہ اپنے شیخِ طریقت کو، سرکارؒ کی صورت میں دیکھنے لگے ہوں۔ سرکارؒ کو دیکھتے ہی میرے والد صاحب پر رقّت طاری ہو جاتی۔ سرکارؒ اکثر میری والدہ صاحبہ سے گفتگو فرماتے۔ اس تمام گفتگو کا مرکز و محور، توحید ہوتا —— تصّوف کے اعلیٰ ترین مضامین ذرا کی ذرا میں اَبّو (ہم لوگ والدہ صاحبہ کو ابّو کہتے تھے) کے ذہن نشین کرا دیتے۔

سرکارؒ حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے جانے والے تھے۔ ابّو نے عرض کیا: سرکار آپ حج کو کب تشریف لے جا رہے ہیں؟ سرکارؒ تمام عورتوں کو امّاں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے۔ فرمایا:- امّاں بس اب وقت قریب ہی ہے۔ ابّو نے عرض کیا: حضور! وہاں میرے واسطے بھی دعا فرمائیں کہ مجھے بھی حج کی سعادت نصیب ہو۔ سرکارؒ نے فرمایا:- اچھا امّاں! یہ دعا کروں کہ تمہیں حج پر جانا میسر ہو یا یہ دعا کروں کہ حج والے ہی تمہارے پاس آجائیں؟- ابّو نے نہایت مشتاقانہ ہنستے ہوئے عرض کیا: "حضور! یہ تو بہت ہی اچھا ہوگا" سرکارؒ نے فرمایا: آپ تو ضعیف بھی ہیں نا۔ پھر اتنے دور دراز کے سفر سے آپ کو کس قدر تکلیف ہوگی اور ان کو تو کوئی مشکل نہیں ہے۔

میری والدہ صاحبہ (ابّو) فرمایا کرتی تھیں کہ کچھ دن بعد ہی میں نے خواب میں دیکھا کہ محرم شریف کا زمانہ ہے مگر میں تعزیہ داری کے خلاف تھی۔ وہاں کسی نے مجھ سے کہا کہ تو تعزیہ داری کے خلاف ہے؟- میں نے کہا:- ہاں! اپنے ہی ہاتھوں سے تعزیہ بناتے ہیں لکڑی کاغذ کا، اور پھر اُس کا اس قدر احترام کرنے لگتے ہیں ——

میں جب یہ کہہ چکی تو ایک صاحب نے کہا کہ "ہم تم کو دکھلائیں؟"۔ میں نے کہا:۔
ہاں دکھلاؤ ۔ وہ صاحب لکڑی کا ایک صندوق اُٹھا لائے اور اس کا اوپر سے
ڈھکن کھول کر کہا:۔ لو دیکھو! ۔ میں نے کہا:۔ کیا دیکھوں، لکڑی کا بکس ہی
تو ہے ۔ میرے اس جواب پر وہ بولے:۔ اس کے اندر تو دیکھو! ۔ میں نے
صندوق میں جھانکا تو اس میں ایک بہت حسین وجمیل بچہ لیٹا ہوا تھا اور
وہ کھیل رہا تھا۔ میں بچے کو دیکھ ہی رہی تھی کہ وہ بولے:۔ یہ مُحَمَّد رَسُولُ
اللہ ہیں ۔ میں نے فوراً ہی اعتراضاً کہا کہ ان کی پشت پر تو مُہرِ نبوت ہے ۔ یہ تو
بچہ ہے ۔ ان صاحب نے بچے کو کروٹ دلائی ۔ بچے کے دونوں شانوں کے
درمیان والی جگہ پر میری نظر پڑی تو وہاں ایک اٹھنی کے برابر گلاب کی پتی کے
رنگ کا ایک نشان تھا جس پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا تھا۔
میں نے فوراً اس مُہرِ نبوت کو بوسہ دیا، اور معاً میری آنکھ کھل گئی۔

اَبّو بتاتی تھیں کہ اس زیارت کے بعد ایک مرتبہ میں نے دوسرا خواب یہ دیکھا
کہ صبح کا وقت ہے۔ سرکارِ دوعالم (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے اور مجھ سے
فرمایا:۔ اٹھو نماز کا وقت ہے اور تم سو رہی ہو ۔ میں اُٹھی اور وضو کیا اور
سرکارِ دوعالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پیچھے نماز ادا کی اور اسی طرح
کئی مرتبہ مجھے سرکارِ دوعالم کی زیارت سے مشرف کیا گیا۔ سرکار یوسف الاولیاء
قدس سرہٗ کی ادنیٰ سی توجہ اور کرم سے ابّو کا ستارۂ قسمت جگمگا اُٹھا۔

محترمہ والدہ صاحبہ (ابّو) اسی دن سے نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد بھی
بلاقضا و ناغہ ادا کرنے لگیں ۔ آندھی ہوتی، بارش ہوتی، کڑاکے کے جاڑے
پڑ رہے ہوتے، جھلسا دینے والی گرمیاں ہوتیں۔ کیسی ہی تقریب ہوتی، اُن کی
کوئی نماز مع تہجد کبھی قضا نہیں ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ٥

کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے
بتاؤ اے مفلسو! کہ پھر کیوں تمہارا دل اضطراب میں ہے

بنیر شریف (چونڈھیرا) ضلع بلند شہر میں حضرت شاہ بہاء الدین کی
درگاہ کے سجادہ نشین حضرت سید ساجد علی شاہ صاحب (ساجد میاں) حج کو
گئے تو سرکار کی ہمرکابی میسّر آئی۔ سرکار ہی کی نظرِ کرم سے وہ اس منصب پر متمکن
ہوئے تھے۔ سرکار نے مکہ مکرمہ کی کسی مسجد میں بیٹھ کر ساجد میاں کی موجودگی
میں قوالی سماعت فرمائی۔ ساجد میاں جب چھتاری واپس آئے تو از حد مسرور و
شاداں تھے۔ کوائفِ حج اور سفر کے حالات مزے لے لیکر بیان کرتے رہے۔ سرکار
کی ہمرکابی سے جو لطائف ان پر منکشف ہوتے ان کو نہایت پُرکیف انداز میں
سنایا۔ منجملہ دیگر امور کے انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت نے مکہ مکرمہ کی فلاں
مسجد میں بیٹھ کر قوالی سنی۔ یہ طریقہ ذرا وہاں کے آداب کے خلاف تھا۔

سرکار سفرِ حج سے واپس آکر جب چھتاری پہنچے تو خلیفہ خورشید احمد خاں
صاحب نے سرکار سے ساجد میاں کا بیان بھی نقل کیا تو سرکار رحیات مدار علیہ
الرحمۃ نے ارشاد فرمایا:۔

اوّل تو ساجد میاں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم آداب سکھانے پر مامور ہیں
دوسرے یہ کہ قوالی اگر بُری چیز ہے تو اُسے مکہ مکرمہ میں یا کسی مسجد میں کیا معنیٰ
کہیں بھی نہیں سننا چاہیئے اور اگر قوالی عبادت میں داخل ہے تو عبادت کے
لئے مکۂ مکرمہ اور مسجد سے بہتر مقام نہیں۔

ساجد میاں کو جب معلوم ہوا کہ حضرت نے ایسا فرمایا ہے تو وہ سخت نادم ہوئے اور
ان کا خطرۂ قلبی دفع ہوگیا۔

محمد اسحٰق خان صاحب یُوسفی، کورنگی کے گورنمنٹ اسکول میں استاد ہیں
کورنگی کالونی (کراچی) میں ہی آباد ہیں ۔ بھائی سید ظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر
یوسفی تاجی ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) ایڈووکیٹ ہائی کورٹ نے انہیں اپنی
خلافت دی ہے۔ سید صاحب جن دنوں متھرا (ہندوستان) میں سب رجسٹرار تھے،

بھائی اسحٰق نے اُن سے سرکارؒ کے حالات سُنے تو اشتیاق پیدا ہوا کہ ان بزرگ سے بیعت حاصل کی جائے۔ میں نے اپنی اس تمنا کو ایک خط میں لکھا اور سرکار یوسف الاولیاء علیہ الرحمۃ کے پتے پر اجمیر شریف کو روانہ کر دیا۔

سرکارؒ کچھ عرصہ بعد اجمیر القدس سے علی گڑھ تشریف لائے تو مجھے میری گزارش کا جواب مرحمت فرمایا۔ موضع مانٹ ضلع متھرا (یو۔پی) میں مجھے یہ گرامی نامہ حضرت قبلہ برادرِ بزرگ سید ظہور الحسنین شاہ صاحب کے توسط سے موصول ہوا۔ گرامی نامہ میں ارقام تھا:۔ "محمدؐ اسحٰق حاضر ہو سکتے ہیں"۔ میں فوراً ہی مانٹ سے چل کر علی گڑھ میں سرکار کی قیام گاہ "کوٹھی چندنیاں" پہونچ گیا۔ ظہر کا وقت تھا۔ سرکارؒ کے پاس چند اصحاب بیٹھے تھے۔ میں بلا علم و اطلاع حاضر ہوا۔ کوئی پہرہ چوکی نہیں تھی۔ حاضر دربار ہوا۔ سلام عرض کیا۔ میرے باباؒ نے مجھے بغور دیکھا اور فرمایا:۔ ظہور اچھی طرح ہیں؟

متھرا سے چلتے وقت سید ظہور الحسنین شاہ صاحب نے مجھے ایک لفافہ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ حضور کی خدمت میں یہ عریضہ پیش کر دینا۔ میں نے سرکارؒ کے استفسار کے جواب میں وہ خط جیب سے نکال کر پیشِ خدمت کر دیا۔

شام ہوئی تو سرکارؒ چھتاری کو روانہ ہو گئے اور بھائی کنور محمدؐ مونس علی خاں صاحب یُوسفی (ٹپل والے) کو حکم دیا کہ محمدؐ اسحٰق کو کل صبح چھتاری کے اڈّے پر لے جا کر ہمارے پاس روانہ کر دیا جائے۔ مونس بھائی بڑی محبت کے آدمی تھے۔ صبح ہی انہوں نے مجھے چھتاری کی سواری میں بٹھا دیا۔ یہ اگست ۱۹۳۷ کا واقعہ ہے۔ چھتاری میں سرکارؒ خلیفہ خورشید احمدؐ خاں صاحب یوسفی مرحوم کے ہاں قیام فرماتے تھے۔ میں سیدھا وہیں پہنچا۔ کئی روز بعد میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے اپنی غلامی عطا فرمادیں۔ فرمایا: کوئی خوبصورت پیر تلاش کرو۔ میں نے دست بستہ عرض کیا کہ مجھے تو حضور ہی کی غلامی مطلوب ہے۔ فرمایا:۔ "ابھی ٹھہرو"۔ بالآخر کئی دن گزر چکنے کے بعد سرکارؒ نے مجھے مُشرف بایمان فرما دیا۔

بھائی اسحٰق کا بیان ہے کہ جس دن میں چھتاری پہنچا تھا۔ اُسی شب

ایک محفلِ سماع میں سرکارؒ کی وجہ سے مجھے شریک ہونا پڑا۔ سرکارؒ صدر نشین تھے۔ حاضرین پر عجیب کیف و سرمستی کا غلبہ تھا۔ میں بہت رویا۔ اور اتنا رویا کہ شاید زندگی میں کبھی نہ رویا ہوں۔ اور اس گریہ کا سبب یہ خیال تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟۔ یہ افعال تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہیں۔ سب سے زیادہ صدمہ یہ تھا کہ میں جن بزرگ سے مُرید ہونے کی درخواست کر چکا ہوں اُن کا عمل سراسر خلافِ سنّت ہے۔ میری یہ بداعتقادی اور میرا علمی جہل مجھے خدا معلوم کتنا گمراہ کرتے۔ لیکن قربان سرکار یوسف الاولیاؒ کی شفقت و رحمت کے کہ میرا دلِ مُردہ بیدار ہوتا گیا۔ میرا دل سرکارؒ کی طرف رجوع ہوتا چلا گیا۔ سماع میں ذوق و شوق پیدا ہو گیا۔ اپنی بداعتقادی پر توبہ و استغفار کی توفیق مرحمت ہوئی اور میں سرکارؒ کی غلامی میں آ گیا۔

میں ہمیشہ اپنے حالات اور کیفیات سرکارِ والاؒ کی خدمت میں تحریر کر کے بھیجتا تھا۔ یہ کرم خاص تھا کہ اپنے دستِ مبارک سے حضورؒ مجھے جواب مرحمت فرماتے تھے

ایک مرتبہ تحریر فرمایا:۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے نزدیک ہوتے ہوتے اپنی نفی کرتے رہو۔

ایک مرتبہ میں نے بہت لمبا چوڑا خط لکھا۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا:۔ خدا کارساز ہے۔ آئندہ بھی وہی رہے گا۔

ایک مرتبہ تحریر فرمایا:۔ مجھے نئے مقامات دیکھنے کا ذوق نہیں ہے۔ مکین کو ہر وقت دیکھتے رہنا چاہیئے۔ خود بخود ہر مقام کی سیر ہو جاتی ہے۔

مجھے ہمیشہ تاکیداً تحریر فرمایا کہ "اُن کی (میرے والد) خدمت میری خدمت ہے اُن کا خوش رہنا ہماری خوشنودی کا سبب ہے۔ ہر طرح ان کی خدمت کرتے رہو"۔ ایسی ہدایات اُس وقت تحریر فرماتے جب میں خود اپنے والد صاحب کی کوئی شکایت سرکارؒ کو لکھ کر بھیجتا تھا۔ مثلاً والد صاحب احکامِ شریعت کی فلاں فلاں خلاف ورزی کرتے ہیں۔ حالانکہ میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے لکھتا تھا۔ لیکن سرکارؒ ہمیشہ یہی حکم دیتے کہ والد کو خوش رکھو۔

ایک مرتبہ والد صاحب نے میرے آقا و مولا سرکارؒ کے بارے میں بہت سے نازیبا کلمات کہے۔ مجھے از حد تکلیف پہنچی اور سخت ملول اور مضطرب تھا کہ دوسرے یا تیسرے دن ہی سرکارِ والاجاہؒ کا مکتوب گرامی صادر ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ "اپنے والد صاحب سے ہمارا اسلام کہہ دو اور انہیں ہر طرح خوش رکھو۔ ان کی دعا لیا کرو۔"

یہ نوازش نامہ میں نے والد صاحب قبلہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ والد صاحب نے یہ کرامت نامہ پڑھا تو رونے لگے اور مجھ سے کہا:۔ اسحٰق! حضرت علی گڈھ میں کب آئیں گے۔؟ پھر فرمایا:۔ جب وہ تشریف لائیں تو مجھے علی گڈھ لے چلنا۔ میں مُرید کر لینے کی درخواست حضرت سے کروں گا۔

عزیزم محمد اسحٰق خان صاحب یوسفی تاجی نے بتایا کہ ایک دفعہ سرکارؒ علی گڈھ میں نواب بہادر صاحب طالب نگر کی کوٹھی چندنیاں پر قیام فرما تھے۔ میں حاضرِ خدمت تھا۔ سرکارؒ پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے، مجھے پیر دبانے کا حکم دیا۔ میں پیر دباتا رہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ سرکارؒ سو گئے ہیں۔ میں بھی تھک کر چُور ہو گیا تھا اور سرکارؒ گہری نیند میں معلوم ہو رہے تھے۔ میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہُوا کہ نمازِ ظہر کا وقت نکلا جا رہا ہے اور میں اسی طور پر پیر دباتا رہا اور سرکارؒ سوتے رہے تو نماز قضا ہو جائے گی۔ پھر شیطان نے دل میں یہ شکایت ڈالی کہ سونے سے پہلے یہ بھی تو نہیں کہا کہ بس اب پاؤں مت دباؤ۔ میرے ہاتھ جواب دے چکے ہیں۔ بس یہ سوچنا تھا کہ سرکارؒ نے اُسی "گہری نیند" میں بالکل صاف آواز اور واضح الفاظ میں فرمایا:۔ "جاؤ نماز پڑھ آؤ!"

قبلہ وکعبہ محمد علیخاں صاحب وارثی یوسفی تاجی مدظلہ

قبلہ و کعبہ میرے والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اسٹیٹ چھتاری ضلع بلند شہر کے باشندے تھے خود کاشت و زمینداری کے ذوق کے علاوہ اسٹیٹ چھتاری میں بہ حیثیت مہتمم خزانہ و مختارِ عام رہے۔ حضرت سید الاولیاء، فخرِ زمانہ حاجی وارث علیشاہؒ قدس سرہ العزیز سے شرف بیعت حاصل تھا۔ حضرت نے انھیں خصوصی انداز میں نوازا تھا۔ تمام عمر اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے حضرت کی ہی اسم گرامی کی تسبیح وردِ زبان و قلب رہی چنانچہ وارثی سلسلے کے فقراء ہمیشہ ان ہی کے مہمان رہتے۔ حضرت قبلہ وکعبہ یوسف الاولیاء مرشد برحق کی چھتاری میں تشریف آوری پر اُن سے طالب ہو کر فیضانِ باطنی روحانی مراتب سے مستفید ہوئے۔ ان کو حضرت کی ذات مبارک سے والہانہ عشق و محبت تھی اور اکثر فرماتے تھے کہ میں حضرت حاجی وارث علی صاحب قبلہ اپنے مرشد کو اب ان کی شکل و شباہت میں پاتا ہوں چونکہ اولیاء اللہ نفسِ واحد ہیں۔ اور حضرت بابا غوث محمد یوسف شاہ تاجی قبلہ مدظلہ اس دور کے آخری ولی اللہ ہیں اس لئے ہر سلسلے کی دولت کا خزانہ ان ہی کی کنجی میں ہے عوام ان کے مقام و اعلیٰ مرتبیت مدارج سے قطعی اندھے ہیں۔ غرضیکہ الله کو حضرت نے بھرپور نوازا تھا ۱۹۴۸ء میں میں نے ان کو پاکستان ہجرت کرنے کو بجد اصرار کیا۔ پس میرے ہمراہ اپنی جملہ املاک کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر پہلے کچھ عرصے روڑی پھر کراچی مقیم رہے۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں سابق وزیراعظم مرحوم سے انہیں دیرینہ مراسم پر بجد انس تھا۔ مگر پاکستان آ جانے پر ان سے ملاقات کو ایک دن بھی پسند نہ فرمایا مگر یہ ہمیشہ کہتے رہتے تھے کہ پاکستان کے لئے نواب زادہ کی شہادت پر ان کو صدمۂ عظیم گذرا۔ ہم ان دنوں پیر الٰہی بخش کالونی میں ایک کواٹر جو محمود علی صاحب ایڈووکیٹ کا ہے اس کے دو تین کمروں میں گذارا کرتے تھے، چنانچہ اسی سال ۲۱ محرم کی شب کو والد صاحب نے ہم سب سے فرمایا کہ گرمی بہت ہے تم سب ہی اپنے پلنگ کمروں سے باہر سڑک پر بچھا

سو جاؤ۔ بس یہ الفاظ کمرے میں تنہا رہے اور ہمیں سب کو باہر کردیا۔ شب کو ۲ بجے محمود علی صاحب ایڈوکیٹ جو والد صاحب کے کمرے میں آرام کر رہے تھے انہیں آواز دی کہ ارے ذرا جلدی تین کرسیاں لیکر آؤ۔ حضرت بابا تاج الدین اولیاء اور حضرت حاجی وارث علی شاہ اور حضرت غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی قدس سرہ العزیز میرے پاس تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ اس بلند آواز پر محمود علی خاں ایڈوکیٹ جاگے اور فوراً اپنے کمرے سے باہر آن کر ہم لوگوں کو جو سڑکوں پر پلنگ ڈال کر سوئے ہوئے تھے جگایا کہ جلد اپنے والد کے کمرے میں جاؤ مکرر سکرر آواز کمرے میں گونج رہی ہے پس ہم سب اٹھ کر کمرے میں کواڑ کھول کر داخل ہوئے ۔ خوشبوؤں سے تمام کمرہ مہک رہا تھا۔ والد صاحب کو ہر چند آوازیں دیں مگر وہ ہمیشہ کو خاموش ہو چکے تھے اور چہرہ اس قدر ہنس مکھ نظر آرہا تھا جو بیان سے باہر ہے" آہ دیکھ کے سوا چارہ کیا تھا، تجہیز و تکفین کے لئے مشغول ہوئے۔ کمرے کے باہر سڑک پر جہاں والد صاحب کی میت تھی۔ ایک بزرگہ کو دیکھا کہ وہ بے حد غمگین چہرہ لئے ہوئے سرنگوں بیٹھی ہیں ہم نے پوچھا کہ آپ یہاں دیر سے کیوں بیٹھی ہیں انہوں نے کہا کہ تمھارے والد صاحب کے انتظار میں بیٹھی ہوں . میں حضرت سید الاولیاء حاجی وارث علی شاہ کی بھیجی ہوئی آئی ہوں۔ چنانچہ جس وقت تک والد صاحب کا جنازہ وہاں سے روانہ نہ ہوا وہ اسی طرح پہلو میں بیٹھی رہیں اور جنازہ اٹھتے ہی غائب تھیں۔ پس ہم والد صاحب کے جنازے کو لیکر فوراً حضور بابا یوسف الاولیاء کی درگاہ شریف پہنچے اور آپکے مزار پرانوار کے روبرو رکھ کر نمازِ جنازہ ادا کی" اس وقت آپ کا جنازہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ تمام حاضرین اس وقت کے سماں کو دیکھ کر حیرت میں تھے اور درود و سلام ہر شخص کی وردِ زبان تھا۔ تا آنکہ درگاہ عالیہ کے ہی متصل آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کے پردہ کر لینے کے بعد جو جو انکشافات ہوتے رہے ہیں وہ بیان سے باہر ہیں۔ ہر سال ۲۱ محرم کو آپ کی رسمی فاتحہ خاندان میں ہوتی ہے.

حضرت بقاء اللہ شاہ صاحب

برادرم بھائی بقاء اللہ شاہ یوسفی تاجی اترولی ضلع علی گڑھ کے باشندے ہیں اور نواب بہادر صاحب طالب نگر کے عزیز ہوتے ہیں. نواب بہادر محمد عبد السمیع خانصاحب یوسفی تاجی رئیس طالب نگر کے مصاحبِ خاص اور مخصوص پیر بھائیوں میں ہیں داخلِ سلسلہ ہوتے پر حضرت قبلہ و کعبہ سے بیعت ہوتے ہی ان پر جذب طاری ہوگیا" اور سرکار والا نے انھیں بہت کچھ نوازا" ایک عرصہ دراز تک ان کی زبان قطعی بند ہوگئی فقط لکھ پڑھ کر اپنی ضرورت رفع کرتے رہے کشف و کرامات ان سے جاری ہوتے رہے سرکار سے انھیں والہانہ عشق و محبت تھی اور اپنی پوری زندگی سلسلے کے لئے وقف فرمادی اور اکثر اوقات حضرت کے ساتھ قیام و سفر میں ہم سفر و ہم صحبت رہے ہیں حضرت نے انھیں خلافت کے لئے نامزد فرمایا چنانچہ کان پور وغیرہ میں ان کے مریدین موجود ہیں اور پاکستان میں عزیزم شیخ توفیق احمد صدر مسلم لیگ و عزیز اللہ شاہ صاحب وغیرہ ان سے بیعت ہوئے۔ چنانچہ شیخ توفیق احمد سابق صدر مسلم لیگ پاکستان نے ابتداً درگاہ شریف کی بنیادیں رکھوا کر سابق گنبد شریف وغیرہ میں بھائی بقاء اللہ شاہ صاحب کی ہی زیر نگرانی تعمیر کرایا تھا۔ اسی لئے موصوف کے مزارات بھی حضرت کے قدموں میں اندرون درگاہ موجود ہیں۔ مرحوم نے سلسلے کی بڑی خدمت کی ہے

الغرض کہ بھائی بقاء اللہ شاہ صاحب یوسفی تاجی نے سلسلہ اور تعمیر درگاہ عالیہ یوسفیہ تاجیہ میں بڑی خدمات انجام دی۔ ان کے علم میں سرکار کی کرامات کا بڑا ذخیرہ ہے جو کہ سالہا سال سے علیل ہیں اور میری ملاقات بھی عرصہ دراز سے نہ ہو سکی۔ اس لئے ان کے بیان کردہ واقعات تفصیلاً کتابت نہ ہو سکے۔ ڈرگ روڈ کالونی میں آپ کا قیام ہے اور سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت ان سے جاری ہے۔

نور محمد برنی

ضلع بلند شہر مرچی ٹولہ جسے (قصائی باڑہ) بھی کہتے تھے کا باشندہ ہوں ہمارے محلے میں ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب جو کہ گھوڑا دوڑایا کرتے تھے وہ بھی رہتے تھے، پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہی تھے۔ گھوڑے والی بات یہ تھی کہ ماچس کی ڈبیہ جس پر گھوڑا بنا ہوا تھا اس پر انگلیاں مار مار کر کہتے تھے کہ یہ بابا کا گھوڑا ہے۔ ایک دفعہ میں نے ازراہ مذاق پوچھا کہ بتائیں میں کیا کھا کر آیا ہوں انہوں نے ماچس پر انگلیاں مارنی شروع کیں اور کہا تم بھنا ہوا گوشت کھا کر آئے ہو ان کے لڑکے سعید سے میری بڑی گہری دوستی تھی اس نے مجھ سے کہا کہ میرے والد کے مرشد آئے ہوئے ہیں چلو ان سے مل لو! یوسف بھیّا جو کہ اس محلے میں سلائی کی مشین اور اس کے پرزے بناتے تھے کے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یوسف بھیّا کے گھر پہنچے تو دسترخوان لگا تھا۔ کوئی ساٹھ ستّر آدمی کھانا کھا رہے تھے اور ایک بزرگ درمیان میں نہائت ہی پرتکلف مسند پہ بیٹھے تھے۔ دیکھتے ہی کہا، بیٹھ جاتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں ہم اور سعید بیٹھ گئے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ فقیر لوگ بڑے مال کھاتے ہیں۔ فوراً ہی سرکارؒ کی آواز آئی پیالہ لاؤ۔ پیالے میں ایک ایک چمچہ ہر چیز کا ڈالا حتیٰ کہ نمک۔ گرم مصالحہ۔ شکر۔ ہری مرچ دھنیا وغیرہ، جو بھی دسترخوان پر موجود تھا۔

سرکار نے اس میں سے دو چمچے کھلائے اور واپس کر دیا اور وہ پیالہ چشم زدن میں ختم ہو گیا میں نے دل میں سوچا کہ میں نے غلط سوچا تھا ان کو تو کھانا ہی نہیں آتا۔ یہ کون سا طریقہ ہے سارا کھانا ملا کر کھانا۔

دوسرے ہی لمحے سرکار کی آواز آئی لوگ کہتے ہیں کہ ہم کھانا نہیں جانتے، بچے ہیں۔ میں فوراً سرکار کے قدموں میں گر گیا۔ اور کہا حضور غلطی ہو گئی، معاف فرما دیں اور مجھے اپنی غلامی میں لے لیں۔ ہو جایا کرتے ہیں۔ بچے ہیں۔ میں دل میں نادم ہوتا رہا۔ مجھے اٹھایا اور کہا جاؤ تمہارے بال سفید نہیں ہوں گے، کسی کو بتانا نہیں ورنہ سفید ہو جاتے ہیں۔ آج اس واقعہ کو تقریباً چھیالیس سال کا عرصہ ہوا۔ اب میری تمام داڑھی سفید ہے سر کے بال ابھی تک کالے ہیں۔ سر میں ایک

بھی سفید بال نہیں ہے (میری عمر اس وقت ۶۲ سال ہے اور اب تک سر کے تمام بال کالے ہیں)

ایک دن مجھے حکم دیا کہ تم اور حبیب برنی وکیف مراد آبادی (یہ دونوں حضرات پیر بھائی تھے پتہ نہیں آج کل کہاں ہیں) ایک یکّہ پکڑ لو اور خورجہ چلے جاؤ اور راجہ جی کو لے آؤ۔ عرض کی کہ حضور راجہ جی کون؟ اور کہاں ملیں گے، فرمایا خورجہ کے بازار میں جو ایک چوراہا ہے وہاں یکّہ کھڑا کرنا، مل جائیں گے۔ ہم راستہ بھر طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے جب خورجہ کے بازار میں پہنچے ہی تھے کہ ایک فقیر بوسیدہ کپڑے بڑے بڑے بال جن کے بائیں ہاتھ میں بہت سے پان تھے، پان ان کی داڑھی اور کپڑوں پر بھی لگا ہوا تھا۔ مجذوب نظر آتے تھے، مجھ سے گویا ہوئے "یوسف بابا نے بھیجا ہے" میں نے کہا "جی ہاں۔ وہ فوراً یکہ میں بیٹھ گئے۔ یکّہ واپس چل دیا۔ راستے بھر پھر اپنے آپ سے باتیں کرتے رہے۔ ۱۱ میل کا سفر تھا جب مکان پر پہنچے تو یکّے سے کود کر فوراً اس کمرے میں گھسے جس میں سرکار قیام فرما تھے۔ سرکارؒ حسب دستور اپنی مسند پہ بیٹھے تھے۔ دیکھتے ہی فرمایا آؤ بھئی راجہ جی اور مسند پہ اپنے ہی دائیں ہاتھ پہ بٹھا لیا۔ وہ تین دن وہاں رہے اس کے بعد ہم لوگ انھیں چھوڑنے گئے خورجہ سے پہلے ہی ایک ٹرک پر جو علیگڑھ کی طرف جاتی تھی یکے میں سے کود کر اس طرف چلے گئے۔ بڑی دیر تک ہم دیکھتے رہے۔

بنّن نام کا قوال ہمیشہ جب بھی سرکارؒ تشریف لاتے اپنا کلام سنایا کرتا تھا۔ شراب بہت پیتا تھا جو بھی کماتا شراب کی نذر ہو جاتا، یہاں تک کہ کپڑے وغیرہ بھی ٹھیک نہیں رکھ سکتا تھا۔ میلے کچیلے کپڑے پہنتا تھا۔ سرکارؒ سے پیر بھائیوں نے شکائت کر دی، کہا۔ بنّن کو پیش کرو۔ بنّن کو لوگ ڈھونڈنے گئے وہ شراب خانے میں بیٹھا تھا۔ سرکارؒ ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آ کر دروازے پر رک گیا۔ سرکارؒ گویا ہوئے۔ "بنّن تم شراب پیتا ہے۔ وہ خاموش رہا۔ سرکارؒ نے دوبارہ فرمایا ہم نے سنا ہے تم شراب پیتا ہے۔ بولو، پیتا ہے؟ بنّن نے کہا "جی حضور۔ کہا اب ہمارے سامنے نہ پینا جاؤ۔ وہ چلا گیا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ وہ سرکار کے سامنے کب پیتا تھا جواب نہیں پیئے گا۔ ۴/۵ دن تک بنّن نظر نہیں آیا۔ پانچویں دن سرکار خود بنّن کے یہاں پہنچے۔ ہم لوگ بھی ساتھ تھے۔ بنّن چارپائی پر لیٹا تھا بہت بری حالت تھی، خون کے دست آ رہے تھے۔ سرکارؒ نے اپنے ہاتھ سے صراحی سے پانی نکالا اور

ببّن کو پلایا پھر باقی پانی جو صراحی میں تھا دم کرکے کہا کہ اس کا پانی صرف تم ہی پینا۔ سرکارؒ چلے آئے۔ دوسرے دن رات کے وقت کہا "جاؤ ببّن کو بلا لاؤ۔ کئی دن سے گانا نہیں سنا۔ میں ببّن کو لینے گیا۔ راستے میں سوچا کل تک تو اس سے چار پائی پر ہلا نہیں جاتا تھا آج کیسے قوالی گائے گا لیکن جب میں اس کے گھر پہنچا تو حیرت کی انتہا نہ رہی دیکھا اچھا خاصہ صحت مند ہو رہا ہے۔ میں نے کہا سرکارؒ نے بلایا ہے۔ فوراً تیار ہو گیا۔ میں نے پوچھا کل کیا ہو گیا تھا۔ کہنے لگا نزع ہی میں معاف کر دیا ورنہ مر جاتا۔ منع کرنے کے باوجود میں شراب خانے گیا تھا تین چار دن مسلسل جب گلاس منہ سے لگاتا سرکارؒ مسند پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔ میں نے پھر بوتل اور گلاس دونوں توڑ دیئے۔ واپس گھر آیا تو دست شروع ہو گئے اور اب سرکارؒ کے کرم سے تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔

○

سید محمدؐ ضیاء الحق شاہ صاحب یوسفی ایڈوکیٹ علیہ الرحمۃ ہم تمام پیر بھائیوں میں وہ واحد خوش بخت بزرگ تھے جنہیں سرکار والا تبار یوسف الاولیا مقدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز کی غلامی میں آنے سے قبل برسوں حضور تاج الاولیاء علیہ الرحمۃ اور کامٹی والی محترمہ مریم اماں صاحبہ کی خدمت میں رہنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ حضور سیدنا غوث الاعظم قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے۔ سی۔ پی پولیس میں سب انسپکٹر کے عہدے پر ناگپور شریف میں تعینات تھے۔ بھائی صاحب کے ماموں حضرت مولوی سید عبد السلام صاحب خیالؔ ریاست جے پور راجستھان میں سب جج تھے۔ بڑے قانون داں، بڑے شاعر، بڑے شعر فہم، مردم شناس، عالم و فاضل، مرنجاں مرنج، قادر انداز نشکاری، عادلِ صادق، متواضع، خلیق اور وضعدار لوگ تھے۔ پولیس کی نوکری چھوڑ کر بھائی سید ضیاء الحق شاہ صاحب جے پور تشریف لے آئے اور ریاست کی ایک نظامت (ضلع) جھنجھنوں میں وکالت شروع کر دی۔ اپنے علم و فضل اور بہترین قانون دانی سے وکلاء کی صفِ اوّل میں ممتاز مقام پایا۔ میدہ شہاب رنگ، حسین وجمیل، خوش قامت، شوخ آنکھیں، جامہ زیب، خوش پوش، خلیق، ملنسار ہمدردِ خلائق، عربی، فارسی، ہندی، اردو، انگریزی پر عالمانہ قدرت رکھنے کے باوجود کسی پر اپنا علم پیش نہیں کرتے تھے۔ سرکارؒ سے مخصوص معاملات تھے۔ سلسلے کے اہم بزرگوں میں ان کا شمار رہا ہے۔ تقسیم کے بعد سرکارؒ جب اجمیر شریف سے کراچی تشریف لے آئے تو دوسرے دن یہ بھی اپنے تمام اہل وعیال کے ہمراہ جے پور سے کراچی پہنچ گئے تھے۔ یہاں کون کس کو جانتا تھا۔ اشراف گردی میں کیسے کیسے جواہر خاک بُرد ہو گئے۔ ارذال کو عروج ہوا۔ انقلاب ہوتا بھی یہی ہے کہ چھوٹے، بڑے اور بڑے، چھوٹے ہو جائیں۔ گھُس بیٹھ اور گھٹیلے بازوں کو عروج ہوا۔ بھائی ضیاء الحق شاہ صاحب کی اہلیۂ گرامی محترمہ انوری آپا ہماری پیر بہن تھیں۔ ان کے تمام صاحبزادگان بھی سرکارؒ کی غلامی میں آئے الحمد للہ۔ بھائی ضیاء الحق شاہ صاحب نے کراچی میں بھی وکالت شروع کر دی تھی۔ لیکن اپنے وصال

سے نو دس برس پہلے وکالت چھوڑ دی تھی۔ انہوں نے پاکستان میں اپنی تمامتر بے سروسامانی اور کس مپرسی کے عالم میں بھی اپنے صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کو بہترین تعلیم کے زیور سے آراستہ کرایا۔ تین بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھیجا ان کے بچوں نے پاکستان آکر بڑے مناصب حاصل کئے۔ اور آسودہ حال زندگی سے بہرہ ور ہیں۔ تمام صاحبزادگان اور صاحبزادیاں، خوش فہم، خوش فکر اور سعادت مند ہیں۔ خداوند کریم اُن کے مراتب بلند فرمائے۔

کامٹی والی امّاں (مریم بی) سے اُنہیں اور مریم امّاں کو اُن سے جو محبّتِ خاص تھی، اسی نسبتِ خاص کا اثر تھا کہ آخر عمر میں انہوں نے سدا سہاگ رُوپ دھارن کر لیا تھا۔

سلسلۂ عالیہ میں جو نمایاں شخصیات حضرت مولٰینا ذہین شاہ صاحب تاجی کی وساطت سے داخل ہوئیں ان میں بھائی سید ضیاء الحق شاہ صاحب ایڈوکیٹ بھی تھے۔ دیگر چند اسماء:۔

● **حکیم اشتیاق احمد صاحب یُوسفی** (ریاست جے پور میں سررشتہ دار عدالتِ عالیہ تھے۔ عجز و انکسار کا مجسّمہ تھے۔ بڑے حسین و جمیل، خوش آواز، خوش فکر، بزلہ سنج، اچھا شعر کہتے تھے۔ سرکارؒ کے والہ و شیدا تھے۔ تقسیم کے بعد کراچی آگئے اور شاید ۱۹۶۹ یا ۱۹۷۰ میں بمقام راولپنڈی واصل بحق ہوئے۔)

● **شیخ ضیاء الحق صاحب یُوسفی** (ریاست جے پور میں گرداور قانون گو تھے۔ داخلِ سلسلہ ہونے کے بعد نائب تحصیلدار اور پھر تحصیلدار ہو گئے۔ سرکارؒ کی بڑی صاحبزادی بیگم بی بی صاحبہ ان کے صاحبزادے شیخ اظہار الحق صاحب یُوسفی کی زوجیت میں آئیں۔ بڑے لحیم شحیم، قدآور، صاحب علم و فضل، خوش خط، متواضع اور ملنسار بزرگ تھے۔ سرکارؒ کی اجمیر شریف سے روانگی کے بعد ذہین شاہ صاحب قبلہ کے ہمراہ کراچی آگئے۔ سندھ میں یہیں واصل بحق ہوئے۔ آپکی آل اولاد کراچی میں آباد و شاد ہیں)

● **شیخ انوار الحق صاحب یُوسفی** (ریاست جے پور میں سررشتہ دار عدالت دیوانی تھے۔ عابد و زاہد، شب زندہ دار۔ لحیم شحیم۔ خوش شکل۔ ہنس مکھ، روشن آنکھیں صاحبِ علم۔ سرکارؒ کے عشق میں سرشار۔ صاحبِ سوز و گداز۔ رقیق القلب انسان تھے

ان کے تمام اہل و عیال بھی داخلِ سلسلہ ہیں۔ آپکے بڑے صاحبزادے وقار الحق صدیقی صاحب یوسفی، وفاقی حکومت پاکستان میں عہدہ جلیلہ پر فائز اسلام آباد میں مقیم ہیں۔

● **پیرزادہ صلاح الدین عشقی فاروقی یوسفی** (ریاست جے پور میں منیجر محکمہ اوقاف برائے راجستھان ہیں۔ سلطان التارکین حضرت صوفی حمید الدین ناگوری کی اولاد سے ہیں۔ جھنجھنوں کے پیرزادگان سے ہیں۔ تمام کنبہ سمیت سرکارؒ کی غلامی کا شرف حاصل کیا۔ خوبصورت، خوب سیرت ہیں۔ بہت اچھے شاعر ہیں۔ عشقی تخلّص کرتے ہیں۔ ان کے صاحبزادگان ہندوستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ بھائی صلاح الدینؒ پیر بھائیوں کے دیوانے اور پیر بھائیوں کے چہیتے ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی ماجد میاں یوسفی کراچی میں مقیم ہیں)

● **پیرزادہ غلام نبی فاروقی یوسفی** (فسادات ہند میں بمقام سیکر (ریاست جے پور) ہندوؤں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا (نور اللہ مرقدہٗ) جھنجھنوں کے پیرزادگان سے تھے۔ مزاحیہ شعر گوئی کا شوق تھا۔ مہمل تخلّص کرتے تھے۔ چھریرا بدن، خوش قامت، بھوری بھوری چمکدار شریر آنکھیں، بڑے حاضر جواب اور بذلہ سنج تھے۔ ملامتی مسلک تھے۔ سرکارؒ سے بہت خاص معاملات تھے۔ تمام کنبہ کے ساتھ داخلِ سلسلہ ہوئے۔ نیم کا تھانہ میں مدفون ہیں۔ اُن کے بال بچے پاکستان آگئے تھے۔ صاحبزادگان آسودہ حال زندگی بسر کر رہے ہیں)

● **سیّد رفیق عزیزی** (سیّد محمدؐ ممتاز رفیق عزیزی یوسفی چشتی) بھی ذہین شاہ صاحب کی وساطت سے داخلِ سلسلہ ہوئے۔ ان کا ذکر متعدد مقامات پر کتاب میں آیا ہے (ان کے دادا حضرت شاہ سید اشرف علیؒ ریاست کشمیر میں مدار المہام تھے آپکے ہزارہا مریدین کشمیر میں تھے۔ تایا حضرت شاہ سید کفایت علیؒ ریاست الور (راجستھان) میں تحصیلدار تھے۔ علوی تخلص کرتے تھے۔ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ریاست الور کے خاندان کے خاندان آپکے مُرید تھے۔ پاکستان کی یونیورسٹیوں میں ایم۔ اے اردو کے نصاب میں آپکے اشعار ملتے ہیں۔ مثلاً:۔

نامۂ حُبِّ حقیقی کا لفافہ ہوں میں | ابھی کھُل جاؤں تو سب رازِ حقیقی کھُل جائے

کیا مُلک میری حقیقت کو سمجھتے علوی   اِن کا اُستاد نہ سمجھا وہ معمہ ہوں میں

ریاست الور میں گھوڑے پر جا رہے تھے۔ اُسی پر راہیِ مُلکِ بقا ہو گئے مگر زین پر جمے رہے۔ لوگوں نے آپ کو گھوڑے سے اتارا۔ ہزار ہا لوگ جنازے میں شریک تھے۔ الور میں قلندری مسجد کے احاطے میں مدفون ہیں۔ اِن کے والد حضرت سید عبدالعزیز شاہ صاحبؒ پہلے ریاست جاورہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔ ۱۹۰۹ء میں سر جی۔ ڈی۔ اُوگلوی ریذیڈنٹ ریاست جے پور نے اُنہیں جے پور بُلوایا اور کہا کہ ملازمت کے بجائے یہاں ریاست کے وکیل کی حیثیت سے کام کیجئے۔ ۱۹۳۲ اور ۱۹۳۵ کے درمیان ہندوؤں نے مسلمانوں کا اقتصادی اور سماجی بائیکاٹ کیا۔ ہنڈون سٹی میں گھاٹی کی مسجد کا ایک کونہ مقامی مفسد آریہ سماجی ہندو شہید کر دینا چاہتے تھے۔ تنازعہ جب مقدمہ بازی کے مرحلے میں آیا تو مسلمانوں کی وکالت کرنے سے تمام مسلمان وکلاء نے انکار کر دیا لیکن سید عبدالعزیز شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں کے اس مقدمے کی مفت پیروی ماتحت عدالتوں سے عدالتِ عالیہ تک کی۔ مسلمان فتح مند ہوئے۔ لیکن سید صاحب کے ۹۵ فیصد مؤکل جو ہندو ہوتے تھے، سید صاحب سے کٹ گئے اور آخر عمر تک سید صاحب کو مالی شدائد کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ حضرت شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ سائیں اللہ بخش تونسوی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے۔ رفیق بھائی کی والدہ صاحبہ بھی وہیں بیعت تھیں ۱۹۳۹ میں سرکارؒ سے یہ دونوں بزرگ طالب ہوئے۔ سرکارؒ نے فرمایا آپ کا نام تو تاج الاولیاء کے رجسٹر میں لکھا ہوا ہے۔ دونوں کو الگ الگ اپنا شجرہ عطا فرمایا۔ (رفیق بھائی کے پاس موجود ہیں) سید صاحب ریاست جے پور کی ایک نظامت (ضلع) ہنڈون سٹی (جو سرکارؒ کا مولدِ اقدس ہے) میں سن ۱۹۱۰ سے رہائش پذیر تھے۔ یہیں وکالت فرماتے رہے۔ "دہلی والے وکیل جی" کے نام سے پوری ریاست میں مشہور تھے۔ ۱۹۴۲ میں ۲۴ ربیع الاول شریف کو بروز جمعہ صبح آٹھ بجے واصلِ بحق ہوئے۔ رفیق بھائی کی والدہ صاحبہ بعمر ۱۰۲ سال بقیدِ حیات کراچی میں مقیم ہیں۔ الحمد للہ۔ رفیق بھائی کی بڑی بہن آپا حشمت سلطانہ اور اُن کے تمام بچے بچیاں حضرت مولانا ذہین شاہ صاحب

سے بیعت ہیں۔ البتہ اُن کے بڑے صاحبزادے خورشید احمد سلمہ اللہ الکریم ڈاکٹر محمد محمود احمد صاحب یوسفی علیہ الرحمۃ (سابق صدر شعبۂ فلسفہ کراچی یونی ورسٹی) سے بیعت ہوئے۔ رفیق بھائی اور میرے دونوں خاندانوں میں الحمد للہ وہ موانست ہے کہ یہ ایک ہی کنبہ سمجھا جاتا ہے۔)

● سیّد محمد عیسیٰ یوسفی (ریاست جے پور میں تحصیلدار تھے۔ صوبہ بہار کے رہنے والے تھے۔ اُن کے چھوٹے بھائی سید محمد موسیٰ یوسفی بھی ریاست میں اہلمد دیوانی تھے۔ دونوں بھائیوں کے تمام اہل و عیال سرکارؒ سے بیعت تھے۔ سرکارؒ ان دونوں بھائیوں کو شرفِ میزبانی کا اعزاز ارزاں فرماتے رہتے تھے۔ عیسیٰ صاحب کی صاحبزادی کے لئے سرکارؒ نے بھائی ڈاکٹر عبدالعزیز کے صاحبزادے کا رشتہ قبول فرمایا۔ بارات بلند شہر   ریاست جے پور کی نظامت آمیر آئی تھی۔ سرکارؒ نے بہ نفسِ نفیس شرکت فرمائی تھی۔ مولانا ذہین شاہ صاحب کو نا دوتی (ریاست جے پور) سے بلند شہر بھیج دیا گیا تھا کہ وہ بارات لے کر آئیں۔ دُلہن والوں کے ہاں آمیر میں سرکارؒ مقیم تھے۔ دولہا والوں میں مولانا ذہین شاہ صاحب کے ہمراہ نواب بہادر صاحب، بھائی اصغر علی خاں، بھائی مونس علی خاں آئے تھے۔ آمیر میں سرکارؒ کی خدمت حضرت مولانا سید اختر علی شاہ صاحبؒ، بھائی ممتاز رفیق عزیزی، بھائی ضیاء الحق صاحب تحصیلدار، اظہار بھائی، دلہن والوں کی طرف سے شریک تھے۔ اجمیر شریف سے حضرت رفیع میاں صاحب تشریف لائے تھے۔

بھائی سید ضیاء الحق شاہ صاحب یوسفی ایڈووکیٹ کے ذکر میں ان نمایاں برادرانِ طریقت کا ذکر آ گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ بھائی ضیاء الحق صاحب کی عمر اسّی (۸۰) کے لگ بھگ تھی۔ ۱۹۶۸ میں بمقام کراچی داعئ اجل کو لبیک کہا۔ سرکارؒ کے مزارِ اقدس خانقاہِ عالیہ تاجیہ کے باہر بلند دروازہ پر بائیں جانب مدفون ہوئے مزارِ مبارک آپ کے بچوں نے پختہ تعمیر کرا دیا تھا۔ جس پر قطعہ تاریخ کی لوح آویزاں ہے۔

مادۂ تاریخ:- ع یک بار بگو **اللہ** دوبار **ضیاءُ الحق**

ہے۔ قطعۂ تاریخ حضرت مولانا ذہین شاہ صاحب نے کہا تھا۔

کنور محمد انیس علی صاحب یوسفی تاجی

ٹپل ضلع علی گڈھ کے ایک زمیندار و با اعزاز مشہور خاندان کے باشندے ہیں جن کی شادی اپنے ماموں کنور محمد فیاض علی صاحب یوسفی تاجی ساکن چھتاری کے ہاں غالباً ۱۹۲۶ء یا ۱۹۲۷ء میں ہوئی علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم پائی ۱۹۲۵ء میں حضرت سے بیعت ہوئے یہ زمانہ تعلیم ہی میں امتحان میں فسٹ ڈویژن کے نمبروں سے پاس نہ ہوسکے جس کی وجہ سے اُن کا داخلہ پولیس ٹرننگ میں ناممکن نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے ان کو بیحد صدمہ تھا کیونکہ ان کے تمام خاندانی لوگ نسلاً درنسلاً فوج و پولیس میں ہی اعزازی پوسٹ پر ملازم ہوتے چلے آرہے تھے۔ مجھ سے بیحد مانوس اور پیر بھائی بھی تھے۔ اپنی اس ناکامیابی کے غم میں سخت حیران و سرگرداں رہتے تھے چنانچہ اسی دوران میں حضرت قبلہ وکعبہ چھتاری تشریف لائے اُنہوں نے بعد قدمبوسی اپنی اس امتحان کی ناکامیابی کا تذکرہ فرمایا حضرت نے انھیں مغموم دیکھ کر فرمایا کہ ہم کبھی کبھی کسی کو قانونی پابندیوں سے مستثنیٰ بھی کردیا کرتے ہیں۔ جاؤ فوراً پولیس ٹرننگ اسکول میں داخلے کی درخواست بھیجدو چنانچہ انہوں نے حسب الحکم سرکار والا درخواست بھیجی جو منظور ہوگئی اوران کا ٹرننگ کیلئے داخلہ ہوگیا اور اعلیٰ قابلیت سے یہ پاس ہوتے تا آنکہ پولیس میں ان کو غازی آباد میں سب انسپکٹر اور پھر شہر کوتوال بنایا گیا اور کارکردگی پر اعلیٰ اعلیٰ انعامات ملتے رہے تا آنکہ پاکستان بننے پر کراچی ڈی ایس پی وغیرہ کے عہدے پر رہ چکے ہیں سرکار کو ان سے بڑی محبت رہی اور طرح طرح سے نوازا گیا۔ سرکار کی کرم نوازیوں اور ان کے ساتھ بیتے ہوئے کرامات بہت ہیں مفصل حالات ہنوز نہ دے سکے اس لئے قلمبند نہ ہوسکے یہ ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں اوران کی اہلیہ بھی حضرت قبلہ وکعبہ سے بیعت تھیں۔

کنور مونس علی صاحب یوسفی تاجی

برادر طریقت کنور مونس علی خاں صاحب مرحوم بھی ٹپل ضلع علی گڑھ کے رہنے والے تھے کنور انیس علی صاحب جن کا تذکرہ درج ہوچکا ہے ان کے حقیقی برادر کلاں تھے علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم پاتے تھے۔ بڑے خوش جمال و خوش پوشاک و خوبرو وضعدار تھے جبکہ بی اے کے امتحان میں تھے سرکار کی شہرت سن کر حاضر خدمت ہوئے اور پہلی ملاقات میں ہی بیعت ہوکر سرکار کے گرویدہ ہوگئے اور انھیں سرکار سے والہانہ عشق رہا اکثر سفر وغیرہ میں ہمیشہ حضرت کے ہمرکاب رہتے، سرکار کے پردہ فرماتے ہی یہ خبر وحشت اثر سُن کر انڈیا سے پاکستان آگئے تھے اور حضرت کے مزار مبارک کی ابتداء اور سنگ بنیاد رکھنے میں

اولاً بھائی بقاءاللہ شاہ صاحب یوسفی کے ساتھ ساتھ کام انجام دیا اور دوبارہ مزار مبارک پر گنبد شریف اور باؤنڈری درگاہ شریف بنوانے میں شیخ توفیق احمد صاحب صدر مسلم لیگ نے تمام کام انھیں کے ہاتھوں سے انجام دلایا۔ اس وقت ان کی اس کارکردگی محنت و جانفشانی کرنے میں جو کچھ ان پر بیتتی رہی اس کی کوئی مثال نہیں ہے انہوں نے حضرت کے ہمراہ سفر حضر وغیرہ میں حضرت کے ہمراہ رہ کر جس قدر گوناگوں کرامتیں سرزد ہوتے ہوئے دیکھیں وہ اس لئے قلمبند نہ ہوسکیں کہ مرحوم ۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۶ء میں اس جہاں سے کچھ دن علیل رہ کر رخصت ہوچکے تھے۔ اور جس وقت یہ عالم نزع میں تھے مجھے اور محترمہ امانجی صاحبہ کو بُلا کر اپنی نزع کی حالت کے غلبے میں جو جو مشاہدات بیان فرمائے ہیں وہ بیان سے باہر ہیں بالآخر وفات سے دومنٹ قبل فرمایا کہ سرکار تشریف لے آئے امانجی میرے قصور معاف فرمائیں اور اپنے ہاتھ سے ایک چمچہ شہد پلادیں چنانچہ امانجی نے جوں ہی شہد پلایا مسکرا کر کہا میں بخشدیا گیا اور فوراً ہمیشہ ہمیشہ کو خاموش ہوگئے۔ سلسلے میں اپنی مثال آپ ہی تھے۔ کراچی میں درگاہ شریف کے اندر ہی مدفون ہیں۔

ڈاکٹر عبدالعزیز شاہ یوسفی تاجی

ڈاکٹر عبدالعزیز شاہ یوسفی تاجی بلند شہر کے مشہور ڈاکٹروں میں سے تھے۔ ذوق خدا طلبی غالب تھا۔ بچپن ہی سے حضرت بابا صاحب رضی اللہ عنہ سے عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ جبکہ حضرت چھتاری رونق افروز تھے۔ ارادہ فرمایا کہ ہم بلند شہر کا جانیکا قصد رکھتے ہیں چنانچہ بھائی خورشید احمد صاحب و احمد علی خاں صاحب منشی بھائی اور میں حضرت کے ہمسفر ہوکر بلند شہر پہنچے اور ایک پیر بھائی کے ہاں قیام ہوا۔ شب کو محفل سماع ہوئی۔ رحمت اللہ قوالی گا رہا تھا کہ لیکا یک وہاں ایک تھانیدار پولیس آگئے اور آتے ہی رحمت اللہ قوال سے کہا کہ حضرت کو یہ غزل سُنا کہ اچھے عیسیٰ ہو تمہیں آتا نہیں بیمار کا اچھا کرنا۔ مگر رحمت اللہ نے کہا کہ مجھے تو یہ غزل یاد نہیں مگر برجستہ حضرت نے فرمایا کہ تمہیں تو یہ غزل آتی ہے کہ

> اس طرف بھی نظر اے رشک مسیحا کرنا! — کہ تمہیں آتا ہے بیمار کا اچھا کرنا

جوں ہی رحمت اللہ قوال نے یہ غزل شروع کی۔ تھانے دار صاحب تڑپنے لگے اور اپنی تمام وردی چاک کرڈالی اور حضرت کے قدموں میں آن گرے کہ مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی کہ میں نے حضور کی موجودگی میں قوال سے فرمائش کی۔

حضرت نے ہنس کر معاف فرمایا۔ فرمائش تو پوری کردی گئی۔ یہ سب انسپکٹر ہمیشہ کو حضرت کے معتقد ہو گئے ہمیشہ آتے جاتے رہتے تھے، سماع ہوہی رہا تھا کہ قریب رات کے ۱۰ بجے ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کوٹ پتلون ہیٹ لگائے ہوئے محفل میں آئے مگر ہنوز حضرت سے قطعی ناواقف تھے ان کے آتے ہی حضرت نے ان کا نام پوچھا اور اپنے بٹوے سے پانچ چھوٹی الائچی نکالکر ان کو دیں اور ساتھ ہی اپنا خلافت نامہ جو حضور بابا صاحب کا عطیہ تھا نکالکر ان کو دکھایا۔ یہ دیکھ کر وہ بے ہوش ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد جب ان کی حالت سنبھلی تو انہوں نے بتایا کہ حضرت مجھے آپکے آنیکا کوئی علم نہیں ہوا۔ میں تو سو گیا تھا کہ حضور بابا صاحب خواب میں تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ ارے تو یہاں پڑا ہوا سو رہا ہے اور ہم تیرے شہر میں آئے ہوئے ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر میں چونک کر اٹھ کھڑا ہوا کپڑے وغیرہ بدل کر گھر سے نکل کھڑا ہوا کہ کون سے محلے میں حضرت کا قیام ہو سکتا ہے، چنانچہ جب اس محلے کی طرف آیا تو قوالی کی آواز اس طرف سے آئی پس میں اسی آواز پر اس مکان میں داخل ہو گیا۔ اور حضرت مجھے معاف فرمادیں کہ میں راہ میں یہ سوچتا چلا آیا تھا کہ اگر ان بزرگ نے جاتے ہی میری تواضع چھوٹی الائچیوں سے کی اور اپنا خلافت نامہ حضور بابا صاحبؒ سے منسلک ہونے کا از خود مجھے دکھلادیا تو میں فوراً بیعت ہو جاؤں گا اور سمجھوں گا کہ واقعی سچے جانشین ہیں، لہذا آپ نے اپنے کشف سے یہ سب کچھ معلوم کرلیا کہ مجھے غلامی میں قبول فرما لیجئے۔ گو کہ براہ راست حضور بابا صاحب سے مستفیض ہو چکا ہوں مگر اپنے تکملہ سلوک کی راہ تو آپ ہی سے مکمل ہونیکی خبر آتی ہے۔ چنانچہ فوراً بیعت ہو گئے اور ہم سب کو اپنے مکان پر لے گئے۔

دو تین یوم کے بعد حضرت رخصت ہو کر چھتاری واپس تشریف لے آئے اور یہ حضرت وقتاً فوقتاً اجمیر شریف وغیرہ وغیرہ پہنچ کر حضرت سے ملتے رہے، مجھ سے دوسری ملاقات ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔ جبکہ یہ حضرت کی علالت کے زمانے میں علی گڑھ نواب بہادر محمد عبدالسمیع خانصاحب یوسفی تاجی کی کوٹھی جیند نیاں پر مقیم تھے اور یہ حضرت کے علاج معالجے میں حضرت کی خدمت کر رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت کو بلند شہر ہمراہ لے گئے اور چند دن معالج رہے۔

بعدہٗ ۱۹۴۷ء میں جبکہ تقسیم پاکستان ہو رہا تھا اور لوگ بھاگ انڈیا سے بھاگ بھاگ کر پاکستان آرہے تھے، مجھکو ایک ضرورت سے چھتاری سے بلند شہر آنا پڑا۔ چنانچہ میں علی گڑھ سے ریل میں سوار ہو کر خورجہ اسٹیشن سے گذر کر قریب مغرب بلند شہر اسٹیشن پر اترا، معلوم ہوا کہ ہنگامہ ہو گیا ہے۔ گھر

پہونچا، دیکھا کہ کوٹھی پر کوئی ملازم نہیں، اندھیرا پڑا ہے، صرف ایک ہندو مالی ملا جس نے مجھ سے گھبرا کر کہا آپ یہاں کیوں آگئے؟ چونکہ اس کوٹھی میں مسلم لیگ کا دفتر ہے، کچھ مال تو لوٹ کر کانگریس والے لے گئے اور آج پورے ہنگامے کے ساتھ حملہ آور ہونے کی خبر ہے۔ سب لوگ ملازم کوٹھی چھوڑ کر بھاگ گئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ گئے ہیں، سخت پریشان ہوں اس کوٹھی کے محافظ کے پاس ایک بندوق بھی رہتی تھی جس کو وہ چھوڑ کر بھاگ گیا، آپ کی ریاست کی بندوق ہے آپکے حوالے کرتا ہوں کہ آپ اسے اپنے ہمراہ چھتاری لے جائیں ورنہ میں بلا لائسنس کی بندوق دیکھ کر گرفتار ہو جاؤں گا۔

پس میں یہ ماجرہ دیکھ کر بحید پریشان ہو گیا۔ اور میں نے مالی سے کہا کہ میں تنہا اس جنگل کی کوٹھی میں کس طرح شب گذاری کر سکوں گا۔ تو مجھے شہر میں ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب (میرے پیر بھائی) تک پہنچنے کا انتظام کر دے۔ اس نے جواب دیا قطعی ناممکن ہے۔ شہر میں سخت قسم کا کرفیو ہے آپ کسی طرح بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے میں بھی آپکے تنہا ہونیکی وجہ سے رکا جاتا ہوں۔ اور آپ کی چارپائی بھی کوٹھی سے دور اندھیرے میں ایک درخت کے نیچے بچھائے دیتا ہوں پرمیشور ہی آپ کی مدد کرے اور بچے رہے تو علی الصبح آپ کو شہر پہنچا آؤں گا۔ مجبوراً میں بھوکا پیاسا تمام شب اس چارپائی پر پہلو بدلتا تھا دیکھا کہ ہنگامہ نعرے لگاتا ہوا کوٹھی میں گھس گیا کچھ سامان وغیرہ لوٹ کر لے بھاگے اور چلاتے ہوئے چلے گئے کہ آج اس کوٹھی میں کوئی مسلمان ملے نہیں پڑا میں دم بخود تھا اور میرے سرکار کی حفاظت نے مجھے یہاں تک ڈھانپ رکھا تھا کہ میری چارپائی کے پاس سے یہ غنڈے جا رہے تھے۔ مگر مجھ پر کسی کی نگاہ نہیں پڑ رہی تھی۔ بقول

ڈھونڈا ہی کریں اسکو قیامت کے فرشتے
وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو

خیر شب گذر گئی علی الصبح دو گھنٹے کو کرفیو کھلا میں نے فوراً ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کے مکان پر پہنچنے کی تیاری کی بلا لائسنس کی بندوق کو بستر میں بندھوا لیا اور تانگے سے سوار ہو کر ان کے مکان پر جا پہنچا، مجھے دیکھتے ہی ڈاکٹر موصوف نے جو کہ وہیں اپنے ہسپتال میں چند ہندوؤں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ چیخ کر کہا یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے اسی درخت کے نیچے چارپائی پہ پڑے رہتے جہاں خطرے میں رات گذاری کیوں نہیں رات کو ہی چلے آئے کرفیو تمہارا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ آپ تو خود بابا کی ملٹری میں ہو۔ میں نے تو اسی غصے میں رات کا کھانا نہیں کھایا۔ اور تمام

برتن تک توڑ ڈالے کہ میرے پیر بھائی ہوتے ہوئے اس قدر خوف غالب کر ڈالا کہ مجھ تک آئے

غرض کہ میں ٹھہر گیا، اور میرے عزیز بھائی نے مجھے بالاخانے پر جس کمرے میں حضرت قبلہ و کعبہ کا قیام علالت کے زمانے میں رہتا تھا، ٹھہرا دیا اور اپنی بیگم سے کہدیا کہ کھانے وغیرہ کی کوئی تکلیف نہ ہو میں بہت مصروف ہوں اور میری ڈیوٹی حضرت نے پورے شہر کی ہنگامہ آرائی پر مسلمانوں کی حفاظت کیلئے لگا رکھی ہے، چنانچہ وہ بالاخانے سے نیچے اپنے بڑے حال میں جا کر بیٹھ گئے جہاں کافی ہندوؤں کا مجمع تھا کھانے کے بعد میں بھی ان کے پاس جا پہنچا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اکا دکا آدمی آتے جاتے رہے کہ آپ نے تو حکم دیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس تمہیں دق نہیں کریگا۔ مگر وہ تو مجھے پریشان کر رہا ہے، ڈاکٹر نے کہا ہم نے اس کو بھی ہٹا دیا۔ غرض دو تین گھنٹے کے دوران دسیوں معاملے اس قسم کے ڈاکٹر کے پاس آتے رہے اور ڈاکٹر کی آواز دحکم کن فیکون کا کام کرتا رہا اور لوگ باگ ہندو مسلمان آ آ کر بتلاتے رہے کہ کلکٹر کا تبادلہ ہوگیا، سپرنٹنڈنٹ پولیس کا تبادلہ ہوگیا۔ انسپکٹر کو برخاست کر دیا گیا

غرض کہ یہ تماشہ میں دیکھتا رہا، شام کو چائے پینے کے بعد میں نے واپسی کیلئے کہا تھا کہ شام کو ۷ بجے علی گڈھ گاڑی جائے گی لہذا اب میں رخصت ہونا چاہتا ہوں

ڈاکٹر نے کہا کہ آج رات میں ریل کے سفر کا ارادہ ہے۔ اپنے آپکو موت کے حوالے کر رہے ہو۔ میں نے ہرچند عذر معذرت کی مگر ڈاکٹر نے کہا کہ آپکو جانے ہی کی دُھن سوار ہے ذرا اپنی نظر کو وسعت دیکر یہ تو دیکھیئے کہ آج کی رات کس قدر خوفناک ہے۔ میں نے کہا وہ کس طرح؟

انہوں نے جواب دیا کہ آج کی شب گاندھی کو ماردیا جائیگا" اور تہمت مسلمانوں پر لگائی جائے گی اور کہیں ہنگامہ آرائی اور مسلمانوں کا کُشت و خون بھی ہوگا" اس لئے برادرِ عزیز! آپ میرے گھر سے باہر قدم نکالنے کا قطعی ارادہ نہ فرمائیں۔ جائیے اوپر جا کر کھانا دانا کھا لیجئے اور آرام کیجئے۔ میں چلا آیا، ڈاکٹر کی بیگم نے کھانا کھلایا۔ کھانا کھا کر بغرضِ آرام بستر پر لیٹا ہی تھا کہ ہنگامہ آرائی کی آواز نیچے سے میرے کانوں میں آئی۔ دیکھا کہ خود ڈاکٹر بھی بالاخانے پر میرے پاس دوڑے آرہے ہیں اور کہا۔ "سلام علیکم بھائی صاحب، آپ کا بھائی لغو گو تو ثابت نہ ہوا۔ گاندھی کو قتل کر دیا گیا، یہ کہہ کر نیچے چلے گئے اور اعلان کیا کہ محلے کے جس قدر مرد، عورتیں بچے میرے احاطے میں آسکیں آجائیں۔ چنانچہ دو ڈھائی سو مرد عورتوں کا مجمع ان کے احاطے

رہی۔

میں داخل ہو گئے۔ یہ تمام لوگ سخت پریشان تھے، ڈاکٹر موصوف نے باآواز بلند کہا کہ قطعی پریشان مت ہو، پُرسکون رہو۔ یہ میرے باپ کی دارالامان ہے اور عنقریب اطلاع بھی ریڈیو وغیرہ سے مل جائے گی کہ مسلمان نے نہیں ہندو نے قتل کیا ہے، چنانچہ کچھ عرصے کے بعد فوراً شہر میں افواہ پھیل گئی کہ مسلمان نے نہیں ہندو نے مارا ہے۔ دوسرے دن میں نے چھتاری پہنچنے کی تیاری کی کہ ڈاکٹر میرے کمرے میں آئے اور کہا کہ آج مت جاؤ کہ ریل گاڑی کٹنے کا خطرہ ہے مگر میں نے اصرار کیا کہ مجھے آج ضرور چھتاری پہنچنا ہے۔ بحجت تمام میں رخصت ہو کر بلند شہر اسٹیشن پہنچا۔ مگر اسٹیشن پر مسلمان کوئی نظر نہ آیا۔ بالآخر گاڑی آگئی، سوار ہو کر خورجہ اسٹیشن پہنچا جہاں سے علی گڈھ کو دوسری ٹرین پکڑنی تھی۔ خورجہ پلیٹ فارم پر پہونچتے ہی ہزاروں سکھ آگئے جو مسلمانوں کے خلاف بہت شرانگیز تقریریں کر رہے تھے اور کھلم کھلا کہہ رہے تھے کہ مسلمان جہاں بھی ملے قتل کر دو۔ میں سخت حیران پریشان تھا اور سرکار قبلہ و کعبہ کی جانب قطعی رجوع تھا کہ بابا میری مدد فرمائی جائے کہ اتنے میں محمد احمد زماں خان جو میرے ایک عزیز چھتاری کے رہنے والے تھے اور اسی اسٹیشن پر تار بابو کی ڈیوٹی انجام دیتے تھے نظر پڑے انہوں نے فوراً مجھے اشارہ کیا کہ میرے آفس میں آکر چھپ جاؤ اس طرح کھلے بندوں نہ پھرو۔

میں ان کے آفس میں جا بیٹھا وہ بھی سخت پریشان نظر آرہے تھے، کہنے لگے مجھے اپنی جان بچانے کے لالے پڑے ہوئے تھے، تم کہاں سے یہاں آگئے، آج علی گڑھ جانے والی ٹرین راستے میں ہی کاٹ دی جائے گی کوئی گاڑی آجا نہیں رہی، میں نے کہا پھر مجھے اپنے کوارٹر تک ہی پہنچا دیں مگر انہوں نے کہا وہاں تک پہنچنے پہنچانے کو راستہ مخدوش ہے اتنے میں ان کا ٹیلیفون آیا کہ ڈاک آرہی ہے، انہوں نے میرا فرسٹ کلاس کا ٹکٹ جینج کرایا، اور ڈاک میں سوار کرا دیا۔ میں تنہا فرسٹ کلاس میں تھا مگر جب ٹرین چل نکلی تو دس بارہ لڑکے اسکول کے جو غنڈے تھے اور قتل و غارتگری کر رہے تھے ڈبے میں آموجود ہوئے اور میرے اوپر ہاکی اسٹک پھینک پھینک کر چھیڑ خانی کر رہے تھے، مگر میں حضور بابا قبلہ و کعبہ کا تصور رکھ کر کے قطعی مطمئن بیٹھا رہا اور ہرچند ان غنڈوں کی چھیڑ خانی کو برداشت کرتا رہا۔ تاآنکہ قریب ہی ایک چھوٹا اسٹیشن آیا اور یہ غنڈے ایک مسلمان خونچے والے کے پھل لوٹنے کو پلیٹ فارم پر کود پڑے کہ اتنے میں گاڑی چل پڑی اور ہرچند ان غنڈوں نے دوبارہ میرے ڈبے میں چڑھنے کی کوشش کی مگر ناکامیاب رہے اور یہ میری جانب یہ کہتے

ہوئے پلیٹ فارم پر رہ گئے کہ جاؤ بچ گئے۔ تھوڑی دیر بعد علی گڑھ اسٹیشن آگیا، اترا مگر یہاں کرفیو لگا ہوا تھا اور مسافروں کی تلاشی لی جا رہی تھی میں سخت پریشان ہوا کہ بندوق بلا لیسنس میرے بستر میں بند ہے یہاں میں ضرور گرفتار ہو جاؤں گا۔ مگر میرے سرکار نے وہاں بھی میری مدد فرمائی کہ ایک ہندو بابو میرے پاس آیا جو قطعی اجنبی تھا مجھ سے کہا کہ ٹکٹ گھر پر تلاشی سخت ہے تم کو میں اپنے آفس میں سے اسٹیشن کے باہر نکالدوں گا۔ میں ابھی کچھ نہ بولا تھا کہ اس نے میرا بستر جو بندوق کی وجہ سے بھاری تھا اٹھا کر کہا "آؤ میرے ساتھ" اور ایک آفس کے کمرے سے مجھے اسٹیشن سے باہر نکال دیا اور اس سے قبل کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں وہ غائب ہو گیا۔ پس میں کھیتوں میں سے گذرتا ہوا نواب صاحب چھتاری کی کوٹھی راحت منزل میں داخل ہو گیا جہاں نواب صاحب بہادر میرے انتظار میں بے چین تھے، مجھے گلے سے لگایا اور فرمایا کہ تمہارا زندہ آجانا ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔

ڈاکٹر بدرالدین شاہ یوسفی تاجی

عزیز روحی برادر طریقت ڈاکٹر بدرالدین شاہ یوسفی تاجی جون پور کے باشندے ہیں۔ اور حضرت سے مخصوص والہانہ عشق و محبت کرنے والوں میں سے ہیں۔ حضرت کی علالت کے زمانے میں بہ حیثیت معالج خدمت انجام دیتے رہے۔ پاکستان آجانیکے بعد ان کو حضرت کے گھرانے والوں سے خصوصی نسبت حاصل رہی بہ این نسبت ہی حضرت قبلہ وکعبہ نے ان کو بھی نواز ڈالا۔ نیز ان کی استقامت روی و ثابت قدمی بھی ایسے ہی کرم کی مستحق تھی کہ حضرت نے عالم خواب میں انہیں مرتبہ ولائت و خلافت سے شرف بخشا جو کہ حضرت کی اویسی نسبت کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ ہر چند کہ عزیزم موصوف اپنے اس خواب و مرتبہ کی آگاہی سے متذبذب ہو کر فوراً کھارادر سے چل کر میرے پاس ناظم آباد آئے اور ابھی ہنوز اپنا خواب بیان نہ کرنے پائے تھے کہ میں نے اپنا خواب جو بعینہ ان کے خواب کے مطابق تھا۔ بیان کیا اور ان کو پہلی مبارک باد عطائے خلافت اویسیہ یوسفیہ تاجیہ پیش کر دی اُنہوں نے انکساری و عاجزی کا عُذر پیش کرتے ہوئے کہا کہ بھائی صاحب میں اپنے کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا جو منصب عطا فرماتے رہتے ہیں وہ اہل بھی بنا دیتے ہیں۔ میں آپکے صاحب منصب و اہل ہونیکی تصدیق کرتا ہوں۔ اسی اثنا ان کو تلاش کرتا ہوا ایک فوجی آفیسر آگیا اور کہا کہ میں پشاور سے آرہا ہوں خواب میں مجھے بشارت ہوئی ہے کہ اگر حق طلبی کا ذوق جوش و خروش دامن گیر ہے تو کراچی میں

ڈاکٹر بدرالدین یوسفی تاجی جو اس شکل و شباہت کے ہیں فوراً ان سے جا کر بیعت ہو جاؤ۔

چنانچہ ان صاحب کو بیعت کیا گیا اور اس کے بعد از خود لوگ جوق در جوق ان کے پاس آنے لگے اور سلسلہ جاری ہو گیا۔ چنانچہ کراچی، ساہیوال، پنجاب میں ان کے مریدین ہیں ان کے پاس سرکار مدظلہ، قبلہ کی خود بیتی واقعات و کرامات کا ذخیرہ ہے، مگر مجھ سے عرصہ دراز سے دوران کتابت کتاب ہٰذا ملاقات نہ ہو سکی اس لئے مندرج نہ ہو سکے۔

عظمت علی خاں یوسفی تاجی

عظمت علی خاں یوسفی تاجی میرے خورد برادر حقیقی تھے۔ کمسنی کی عمر میں ہی جبکہ ان کی عمر ۱۲-۱۱ سال کی تھی حضرت قبلہ و کعبہ سے بیعت ہو گئے ان کو بچپن ہی سے خدا اور رسول سے بڑا لگاؤ تھا۔ والدہ صاحبہ کے ساتھ نعت خوانی میں مشغول رہتے، سرکار سے بیعت ہو جانے کے بعد حضرت والہانہ عشق و محبت ہو گئی۔ زیادہ تر وقت حضرت کی خدمت میں گزارتے اور چونکہ حضرت کا حکم تھا کہ یہ اپنی کاشت کے کاموں کو خود انجام دیں اس لئے جب کبھی یہ اپنی ذمہ داری کے کاموں میں مصروف ہوتے تو حضرت خود ان کے پاس جنگل میں پہونچکر ان کے کاموں میں دلچسپی لیتے۔ ۱۹۴۷ء میں حضرت کے پاکستان میں پردہ فرمالینے کے بعد ہم سب کے ہمراہ آ گئے تھے۔ اور ان کا یہ حضرت کی درگاہ پر روزانہ حاضری دینے کا جاری رہا۔

۱۹۶۳-۶۲ء میں طویل عرصے کے لئے علیل رہے۔ بالآخر ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ۳-۴ ماہ ہسپتال میں رہ کر شفا پائی اور غسل صحت کا انتظام بڑے اہتمام سے ۲۶ ماہ رمضان کو کرایا۔ اور ۲۶ کی شب میں ہی حضرت بابا صاحب کی ماہانہ فاتحہ کے لئے بڑے اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا۔ اور تمام شب مصروف عبادت رہے۔ دوسرے دن پھر شب بھر کی تھکاوٹ و شب بیداری سے قدرے علیل ہو گئے۔ ۲۹ رمضان المبارک کو اپنی جائے قیام جو پیر الٰہی بخش کالونی میں تھی ایک دم ترک کر کے میرے پاس ناظم آباد کاشانۂ رحمت میں آ گئے کہ آج کی شب آپ کے پاس رہوں گا۔ طبیعت اچھی ہی رہی مگر سحری کے بعد یکایک کچھ بے چینی سی محسوس ہوئی مجھے آواز دیکر اپنے کمرے سے بلایا اور ایک حسرت آمیز نظر سے مجھے تکا کر روح اپنے محبوب حقیقی سے جا ملی۔ ہر چند کہ ڈاکٹروں وغیرہ

کو بلایا اور دکھایا مگر انہوں نے جواب دیا کہ دیر ہوئی کہ یہ اس عالم سے پردہ کر چکے بالآخر تمام اہلِ خاندان کو اطلاعیں دی گئیں سب پر ایک حیرت طاری تھی کہ ابھی تو ڈاکٹروں نے ان کو مکمل شفایاب دیکھ کر ہسپتال سے چھٹی دی تھی جس کی خوشی میں غسل صحت اور حضور بابا صاحب کی چھبیسویں شریف کرائی تھی لیکن مشیت ایزدی میں کوئی چارہ نہیں چنانچہ جمعۃ الوداع کو جامع مسجد ناظم آباد میں نماز جنازہ ہوئی جس میں کافی خلقت جمع تھی اور جنازہ حضرت کی درگاہ میں حضور کے مزار اقدس کے سامنے رکھ دیا تھا، بعدہٗ درگاہ شریف کے عقب میں سپرد خاک کئے گئے۔ پردہ کر لینے کے بعد عجیب و غریب انکشافات و البستگان کو ہوتے رہے ہیں جو طوالت کتابت و طباعت کی وجہ سے درج نہیں کئے جا سکتے۔

مزار مبارک وجد میں آگیا

یوں تو ہزارہا مستورات حضرت بابا کے روحانی تصرفات و متعدد تعدیئے کی سرگرمی سے مقام ولایت کے اعلیٰ اعلیٰ مراتب پر فائز المرام ہوتی رہی ہیں اور ہو رہی ہیں چنانچہ منجملے اُن سابقین کی صف سے محترمہ معظمہ جنابہ بی بی مریم اماں صاحبہ قابل ذکر ہیں کہ جو حضور بابا کے دربار میں ایک مشہور و معروف و برگزیدہ ہستی ہوئی ہیں ہر چند کہ آپ بزرگانہ اوصاف و کرامات میں زمانے بھر میں شہرۂ آفاق ہیں اور حضور بابا صاحب کی سوانح حیات و اکثر شبیہہ مبارک حضور بابا صاحب میں آپ کے ذکر اذکار و شبیہہ ہی میں موجود ہیں۔ مختصراً و تبرکاً اس کتاب میں بھی تحریر ہیں آپ مدراس کے علاقے کی رہنے والی تھیں بروقت زیارت حضور بابا صاحبؒ پہلی نگاہ ہی میں یہ جذب و مستی کو شکار ہو گئیں اُس وقت اُن کی عمر قریب ۷ سال تھی۔ چنانچہ واکی شریف کے ایک جنگل میں درخت کے نیچے انہیں تا حکم ثانی بٹھادیا گیا اور کھانا قطعی بند کر دیا گیا تا آنکہ انہیں ایک جگہ بیٹھے بیٹھے ان کے جسم پر مٹی جم گئی تھی۔ جس میں دیمک سرایت کر گئی تھی عرصۂ دراز کے بعد حضور بابا نے اپنے دربار سے کچھ فاصلے پر پھر بٹھا دیا گیا۔ جہاں بیٹھتے ہی ان سے کشف و کرامات کا ظہور ہوتا رہا اور مخلوق خدا بے حد مستفید ہوئی جن کی تفصیلات طویل ہیں تا آنکہ جب انہوں نے اس جہاں سے پردہ فرمایا — تو حضرت قبلہ و کعبہ نے فرمایا کہ ان کے جہلم کی فاتحہ پر ان کے مزار اقدس پر قوالی ہو رہی تھی اور یہ شعر قوالوں کی ورد زباں تھا کہ ؎

میں کیوں نہ اتراؤں میری چندریا، بابا نے رنگی ہے جو کُل کا دھنی ہے

کہ یکایک ان کا مزار مبارک حرکت میں آگیا۔ اور وہاں کی تمام زمین پر زلزلہ جیسا آگیا۔ اور سامعین لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ ہم کو جب اطلاع ہوئی ہم بھاگ کر مزار اقدس پر پہونچے اور ہم نے مزار کے چاروں طرف پردہ کرا کر خود پردے کے اندر جا کر کوئی عمل کیا تب مزار کو قرار آیا۔ تب ہم نے وہاں حاضرین محفل سے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا کہ تم نے ہم کو فوراً بلوالیا۔ ورنہ تو آج مریم اماں صاحبہ کی وجدانی کیفیت سے پورا ناگپور لوٹ جانے کا اندیشہ تھا ان کا روضہ مبارک کامٹی شریف میں ہے جہاں آج بھی مرادمندوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں اور ایک میلہ لگا رہتا ہے۔

منجملے ان کے ایک برگزیدہ ہستی محترمہ معظمہ جدن اماں صاحبہ کی ہوتی ہے جو ہمارے حضرت

پیرو مرشد کی اہلیہ محترمہ ہوئیں۔ یہ اٹادے کی رہنے والی تھیں۔ ماں باپ کے اولاد نہ تھی حضور بابا صاحب کی بارگاہ اقدس میں والدین حاضر ہوتے حضور نے بلا ان کی عرض معروض فرمادیا اولاد کا نی دیتا ہوں مگر پہلی بچی ہماری نظر ہوگی۔ چنانچہ ان کے ان کے کئی اولادیں ہوئیں لیکن چونکہ یہ پہلی حضور کی نذر کیلئے منت مانگ چکے تھے لہٰذا جس وقت ان کی عمر ۶ ماہ ہوئی تو والدین نے حضور بابا کی نذر کیں پس حضور بابا نے ان کی پرورش کیلئے ایک عورت ایک بکری دودھ پلانے کیلئے راجہ کو حکم دیا اُس نے ان کی پرورش آرام و آسائش کے جملہ انتظام کر دیئے جب ان کی عمر قریب ۷-۸ سال ہوئی۔ تب حضور بابا صاحبؒ نے ان کو بھی اُسی واکی کے جنگل میں ایک درخت کے نیچے بیٹھکر اللہ اللہ کرنے میں مشغول فرمادیا جہاں پر سیکڑوں مرد و عورتیں اللہ اللہ کی گردان میں جذب و سلوک کے ساتھ راہ طریقت کے منازل طے کر رہے تھے۔ پس جب ان کا سن شریف قریب ۱۲ سال کا ہوا تو حضور بابا صاحب نے حضرت قبلہ و کعبہ کو طلب فرمایا اور جیسے ہی حضرت حضور بابا صاحب کے قدمبوس ہوئے حضرت نے فرمایا کہ ہم نے تمہارا عقد عرش پر جدن اماں سے کر دیا تم بھی شرعی رسومات کی پابندی کے ساتھ آج ہی عقد کی محفل منعقد کر لو۔ سرکار فرماتے تھے کہ تمہاری سابقہ اماں جی کے پردہ کر لینے کے بعد ہم نے قطعی طے کر لیا تھا کہ اب دوسری شادی ہرگز نہ کروں گا کیونکہ چاہ سے بابا کے اٹھانے کے بعد حضور پر بے خودی جذب و مستی ہر آن طاری رہتا تھا۔ جس پر حضور نگاہ ڈالتے فی الفور پاگل و دیوانہ ہو جاتا تھا۔ وہ حالات قطعی قلمبند نہیں ہو سکتے غرضیکہ بابا صاحب کا حکم سننے کے بعد ہمارے قلب نے یہ فیصلہ کیا کہ اس حکم کے آگے میرا سر بھی حاضر ہے۔ غرض کہ چار و ناچار ہم نے حضور بابا صاحب کے حکم کی تکمیل کی اس عقد کے موقع پر حضور بابا صاحب نے بھی بہ نفسِ نفیس شرکت فرمائی اور فرمایا تا حکم ثانی تم دونوں ہم بستری کی رسم نہیں کریں گے۔ چنانچہ باوجود یکجائی دلہن مہن کے اس پر عمل کیا۔ عرصۂ دراز کے بعد یہ حکم ثانی اجراء فرمایا گیا۔ آپ کے مجاہدات از ابتدا تا انتہا ہی سب سے بڑی کراماتوں کا نمایاں ثبوت ہیں حضور بابا نے ان کا تا زندگی ہر قسم کا گوشت انڈا مچھلی گھی دودھ نیز دیگر مرغن کھانے اور آم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے منع فرما دیئے تھے۔ چنانچہ دال چاول چٹنی پر ان کا گذران عمر بھر رہا وہ بھی قلیل سے قلیل مقدار کیساتھ ہمیشہ سفید لباس زیب تن فرمایا نہ تو کبھی رنگین کپڑا جسم پر آنے دیا اور نہ کوئی زیور نقرئی یا طلائی استعمال فرمایا۔ جسامت میں انتہائی کمزور، جسم میں حسن لایزالی کی جھلکیں۔ نورانی نظریں جو کسی آن بھی نیچے سے اوپر تکتے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ غرض کہ میں حضور اماں جی صاحبہ کے سراپے کو بیان کرنے سے قاصر

ہوں۔ علاوہ مجاہدات کے عبادت کی مشغولیات میں نماز کے اوقات کے علاوہ میں نے کوئی وقت قرآن
گردانی سے شب و روز میں ایسا دیکھا کہ آپ دنیاوی معاملات میں متوجہ ہوں۔ محترمہ اماںجی صاحبہ
حضرت قبلہ و کعبہ مرشدی کے ہمراہ کبھی کبھی تبلیغی دوروں میں ساتھ ساتھ رہتیں اور کبھی کبھی حضور ان
کو کسی بھی مقام پر اپنے مریدین کے ہاں چھوڑ جاتے چنانچہ ایک مرتبہ میرے مکان پر اماںجی کا قیام
مسلسل تین چار ماہ رہا۔ اور حضرت ان ایام میں کاٹھیاواڑ کے علاقے میں گھومتے رہے لیکن اس
مدت میں کوئی خط وغیرہ نہ آنے سے مجھے ایک دن بہت تکلیف ہوئی اور فراق کی آگ یہاں
تک بھڑکی کہ میں نے محترمہ اماںجی صاحبہ سے عرض کیا کہ میرا دل حضرت کے دیکھنے کو بہت بے چین
ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مرشد تو مرید کے ساتھ ساتھ ہوتا اور اس کے پاس ہی رہتا ہے اس طرح سے اُن کا دیکھنا
نہیں آتا اور اس قسم کی باتوں سے میری تسلی دینی چاہیئے۔ مگر میری بیقراری کو قرار نہ آتا تھا۔ میں
نے عرض کیا کہ مجھے تو آج ہی سرکار کی زیارت کرائیے فرمایا کہ جنہوں نے دو تین ماہ سے ایک خط سے
بھی اپنے قیام و خیریت سے مطلع نہ کیا ہو میں کس طرح آج ہی بلاؤں مگر میں نے عرض کیا کہ آپ کی
روحانی قوتوں کا مجھے اندازہ ہے پھر آپ خاموش ہو گئیں اور مغرب کی نماز میں مشغول ہو گئیں۔ بعد فارغ
ہونے کے مجھے اپنے قریب بلایا اور فرمایا کہ جاؤ اسٹیشن پہنچ جاؤ۔ تمہارے مرشد مولانا صاحب تشریف
لا رہے ہیں میں عجیب حیرت میں تھا کہ کاٹھیاواڑ علاقے کی مسافت جو میرے ہاں سے چھ سات سو میل
کے فاصلے پر تھی کس طرح طے کر کے حضرت اسٹیشن پہنچ سکتے ہیں غرض کہ مغرب کا بعد تھا اندھیری چھا
رہی تھی بارش ہو رہی تھی میں تانگے میں سوار ہو کر رائے پور اسٹیشن جو چار میل کے فاصلے پر واقع تھا پہنچ
گیا۔ گاڑی اُسی وقت اسٹیشن پر پہونچی دیکھا تو ڈبے سے میرے سرکار تنِ تنہا اتر کر میرے سامنے آ
کھڑے ہوئے۔ میں نے قدمبوسی کی ہنس کر فرمایا کیوں تم کس خبر پر یہاں تک پہنچے میں نے عرض کیا
اماںجی کے حکم پر حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا کہ اچھا اب تمہاری اماںجی تم سے اس قسم کی بات چیت کرتی ہیں
یہ فرما کر تانگے میں میرے ہمراہ سوار ہوئے اور چھتیاری روانہ ہوئے وہاں پہونچکر مجھے حکم دیا کہ اچھا میں
خورشید احمد خاں کے مکان پر اُتار جاؤ اور تم اپنے مکان چلے جاؤ ہم صبح تمہارے گھر آجائیں گے وہیں
اماںجی سے ملاقات ہو جائے گی چنانچہ دوسرے دن صبح حضور تشریف لائے اماںجی صاحبہ سے گفتگو
فرماتے رہے نیز میری والدہ صاحبہ اور گھر میں سے بات چیت کرتے رہے۔ میں نے دوپہر کے کھانے

کا انتظام شروع کیا۔ اور جملہ برادران طریقت چھتاری کے لئے کافی تعداد میں تیار کرانے کا اہتمام کیا
جس کے لئے مجھے اس وقت وقتی طور پر کچھ روپیہ ایک بنیئے سے قرض لینا پڑا۔ اعلیٰ قسم کے مرغن
کھانے تیار کرائے۔ جملہ برادران طریقت کو مردانے ہال میں دسترخوان پر کھانے لگوا دیئے گئے اور محترمہ
اماںجی صاحبہ اور سرکار قبلہ کا کھانا مکان کے اندر زنانے میں لگا دیا گیا۔ چنانچہ اماںجی اور سرکار جب کھانا کھانے
لگے میں پیچھے پنکھا جھلنے کھڑا ہو گیا۔ سرکار نے اوّل بریانی کے دو چار لقمے کھانے کے بعد پلیٹ اماںجی
صاحبہ کے سامنے رکھی جو حسب معمول دال اور روٹی کھا رہی تھیں مگر اماںجی صاحبہ نے سرکار سے
فرمایا کہ یہ مرغن غذا آپ ہی کو مبارک ہو۔ سرکار نے مکرر اصرار فرمایا کہ کیوں آپ بھی تو کچھ کھائیے جس
پر پھر اماںجی صاحبہ نے فرمایا کہ اوّل تو قرض لے کر ایسے مرغن کھانے کھانا اور کھلانا حرام ہے۔
اور دوسرے یہ آپ بابا صاحب کے محبوبین میں ہیں۔ چاہے جیسا اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا کھاؤ اور چاہے جیسا
لباس پہنو آپ کے لئے سب کچھ معاف ہے۔ مگر میرا شمار بابا کے عاشقین میں ہے۔ مجھے تو سوکھے
ٹکڑے بھی ملتے ہیں تو بابا کا بہت بڑا کرم بندہ نوازی ہے۔ حضور نے ہنسکر فرمایا کہ اچھا تو تم
اس کے لئے ایسی دعا ہی کیوں نہیں کر دیتیں کہ بلا قرض لئے یہ مرغن کھانے کھایا کریں۔ اماںجی نے
خاموشی سے اسی موضوع پر گفت و شنید سرکار سے شروع کر دی۔ جو مجھے قطعی سنائی دے رہی تھی۔
مگر میں دل ہی دل میں اُس وقت سوچنے لگا کہ میرے مالدار ہونے پر کچھ بات چیت ہو رہی ہے اور اب میں
بہت بڑا مالدار ہو جاؤں گا تو کار خریدوں گا اور بہت بڑا بنگلہ وغیرہ وغیرہ بناؤں گا۔ کہ اماںجی صاحبہ نے
میرے اس قسم کی سوچ بچار نے پر اپنے سر سے دوپٹہ اُتار کر میرے سر پر دے مارا اور فرمایا کہ جب
حرص و ہوس کے گھوڑے دماغ میں دوڑا کریں تو اس دوپٹہ کو سر سے باندھ لیا کرو حضور نے مجھے فوراً
حکم دیا کہ اپنی اماںجی کی قدمبوسی کرو کہ انہوں نے تمہیں قناعت کی دولت سے نواز ڈالا۔ اور نفسانی
خواہشات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محو کر ڈالا۔ یہ اماںجی آج تک کسی مرید کے بھی ہاتھ نہیں آئی تھیں ان کے
اس جلال میں بھی کرم کا پہلو مضمر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ آپ سے بیحد کشف و کرامات کا ظہور ہوتا رہا سرکار
ان کے مرتبے کے لحاظ سے ان کا ادب و آن ملحوظ فرماتے تھے۔ اور یہ بھی سرکار کے اعلیٰ مرتبے و مقام کی
ہمیشہ مدح خواں رہیں۔ انہوں نے مریدوں کی بیحد تربیت فرمائی۔ ان کے بطن مبارک سے ایک محترمہ
بیگم بی بی پیدا ہوئیں ابھی وہ دو سال کی تھیں کہ انہوں نے پردہ جہاں سے پردہ فرما لیا۔ ناگپور شریف دربار

تاج آباد میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ جہاں سے لوگ بکثرت فیضیاب ہو رہے ہیں۔

محترمہ معظمہ سیّدہ محمودہ سلطانہ رحمتہ اللہ علیہ

آپ حضرت قبلہ مرشد برحق سے تیسری اہلیہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ محترمہ جنابہ اماں جی صاحبہ جب اس جہان فانی سے پردہ فرما گئیں اور آپ کی چہیتی صاحبزادی بیگم بی بی جن کا سنِ شریف ابھی دو سال کے قریب تھا آغوش مادر سے محروم ہو گئیں اور اب بجز سرکار والا کے کوئی عزیز واقارب ایسا نظر نہیں آیا کہ جو ان کی صحیح پرورش کر سکے۔ اور حضور کے تبلیغی مشن میں دن رات کے سفر کرنے میں رکاوٹ حائل ہونے لگتیں تب محترمہ سے آپ نے عقد منظور فرمایا آپ ناگپور کانجہ کھیت کی باشندہ تھیں۔ اور وہاں کے ایک مشہور خاندان سادات کی خاتون تھیں آپ کے والدین کا آپ کے ایام طفلی میں ہی انتقال ہو چکا تھا۔ آپ اپنے ماموں سیّد لالہ میاں صاحب رحمانی صاحبؒ کی زیر پرورش رہیں بتلاتی تھیں کہ میرے ماموں ممانی اور سب خاندان حضرت سے بیعت تھے اور کبھی کبھی حضرت ہمارے گھر آکر میلاد پڑھا کرتے اور اسی سلسلے میں ہمارے ماموں ممانی وغیرہ حضور بابا صاحب تاج الاولیاءؒ کی زیارت کو بھی پنجشنبہ کے دن حاضر ہو کر ہمیشہ حاضری دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جبکہ میری عمر قریب سات سال کی تھی میں بھی اپنے ماموں ممانی کے ہمراہ واکی شریف باباؒ کے زیارت کو گئی جب میں وہاں پہونچی تو دیکھا کہ سیکڑوں آدمی کے مجمع میں آپ گھیرے بیٹھے ہیں اور ہر مرد عورت اپنے اپنے ہاتھوں میں گلاب کے ہار لئے ہوئے کوشاں ہیں کہ کسی طرح بھی ہار بابا کے گلے تک پہنچا دوں مجھے بھی ذوق دامن گیر ہوا کہ میں بھی بابا کے گلے کو ہار پہناؤں چنانچہ میں نے ہار خرید کر بابا کی جانب ہار ڈالنے کا رخ کیا تھا کہ بابا جلدی اٹھ کر میرے پاس آئے اور اپنے گلے کا ہار میرے گلے میں پہنا کر فرمایا کہ (اماں ہمارے گھر میں آتے ہیں) آپ نے اتنی بلند آواز سے یہ جملہ فرمایا کہ سب لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے۔ اور میں اور میری ممانی وغیرہ سب حیرت میں ہو گئے کہ آخر بابا کا اس جملے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے مگر کسی کے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اور میں مکرّر زیارت کے لئے جانے سے خوف زدہ ہو کر تین چار سال تک نہ جا سکی۔ مگر جب میری عمر قریب ۱۱-۱۲ سال کی ہوئی تھی پھر ذوق پیدا ہوا اور میں اپنے ماموں ممانی کے ہمراہ حضور بابا صاحب کی زیارت کو پھر گئی۔ دیکھا کہ مجمع پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں بابا کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے بمشکل میں اور ماموں ممانی

گھیرے کے اندر گھس گئے۔ اور جب میں بابا کو ہار پہنانے کو بڑھی ———————— تو بابا صاحب نے مجھے کیلے کی ایک گیر جس میں پانچ کیلے تھے۔ اور ایک ریشمی رومال جس کے ایک کنارے پر پانچ چاندی کے روپے تھے۔ اور رومال کے دوسرے کنارے پر ایک طلائی انگوٹھی بندھی تھی عطا فرمائی جس کو دیکھ کر تمام لوگ حیرت میں ہو گئے کہ یہ لڑکی بڑی خوش نصیب ہے جو بابا کے ہاتھوں سے عطیہ لیکر جا رہی ہے۔ مگر اس معمے کو تو کوئی بھی نہ سمجھا تھا کہ چند سال بعد میری شادی حضرت صاحب قبلہ سے ہونی ہے۔ اور یہ آج بابا نے رسم منگنی کی پیشقدمی فرمائی ہے۔ بعد شادی کے بابا کے اس معمے کا عقدہ سب پر کھلا چنانچہ میری ممانی صاحبہ کے انتقال کے بعد میرے ماموں صاحب نے حسبِ وصیت ممانی صاحبہ مرحومہ یہ طے فرمایا کہ چہلم کی فاتحہ اپنے مرشد حضرت بابا غوث محمد یوسف شاہ تاجیؒ سے کرائی جائے گی بگر ایّام چہلم تک حضرت کا کوئی پتہ نہ مل سکا کہ نہ معلوم ہندوستان کے کونسے شہر میں تبلیغ میں مصروف ہیں۔ بہ مجبوری چہلم کی تاریخ مقرر ہو گئی تھی۔ چہلم کے دن نہ معلوم کس طرح حضرت کاٹھیاواڑ کے کسی علاقے سے چل کر ناگپور ہمارے مکان پر آگئے سب کو بڑی حیرت ہوئی الغرض کہ فاتحہ چہلم میلاد، سماع کی محفل سب کچھ حضرت کی صدارت میں ہوا۔ اور صبح کو حضرت حضور بابا کے دربار چلے گئے اور وہیں مقیم ہوئے۔ چہلم کی فاتحہ کے دوسرے دن ایک ہی شب میں میرے ماموں نانا نانی اور کئی ایک خاندان کے بزرگوں نے ایک ہی خواب دیکھا کہ حضرت تاج الاولیاء بابا صاحب میرا عقد حضرت قبلہ مولانا عبدالکریم شاہ عرف بابا غوث محمد یوسف شاہ تاجیؒ سے کر رہے ہیں چنانچہ علی الصبح یہ سب جمع ہوئے اور اپنے اپنے خواب کا حال ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے لیکن ساتھ ہی آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ ہم اس خواب پر عمل کس طرح کر سکتے ہیں ہماری لڑکی کی عمر کم اور مولانا کی عمر زیادہ ہے۔ اور ان کی اس سے قبل دو شادیاں ہو چکی ہیں ایک یہ کہ ہم سادات ہیں اور سادات سے ہی رشتہ کرتے چلے آئے ہیں نہ معلوم مولانا صاحب کون ذات ہیں غرضیکہ آپس میں مختلف تکراریں کر کے سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ مگر دوسرے دن ہی یہ سب پھر آموجود ہوئے۔ اور سب نے پھر اپنا اپنا خواب سنایا۔ کہ حضور بابا صاحب نے بڑے سخت لہجے میں حکم دیا ہے کہ ہمارے حکم کی تعمیل فوراً کیجائے ورنہ ہم دوسرا حکم سنا دیں گے۔ پس یہ سب اس خواب سے خوف زدہ تھے اور پھر سب مل کر حضرت کی خدمت میں گئے۔ اور اپنا اپنا خواب سنایا پھر حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ ایسا خواب تم نے ہی تو دیکھا ہے ہم جب خواب دیکھ لیں گے بسر و چشم تعمیل کریں گے رہا ہمارے

سادات یا غیر سادات کا سوال تو اگر یہ رشتہ ہونا ہوا تو ہم اپنے سادات ہونے کا مکمل ثبوت دیں گے۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا کہ یہی خواب میں ہمیں بشارت ہوئی کہ حضور بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہارا عقد کیا۔ محفل عقد منعقد کی جائے اور سنّت رسول کی تکمیل کی جائے۔ پس حضرت نے میرے خاندان والوں کو طلب فرمایا اور اُن کی تشفّی فرما کر مجھے اپنے عقد میں لے لینے کی رسم وغیرہ ادا کی گئی۔ محترمہ اماجی صاحبہ کا قیام واکی شریف کے ایک جنگل میں جہاں حضور بابا صاحب کا دربار قائم ہے سرکار کی ایک مشہور جھونس کی جگہیں رہتا تھا اور کبھی کبھی حضرت قبلہ و کعبہ سرکار والا کے ہمراہ تبلیغی دورے پر رہتی تھیں آپ ہمیشہ بے حد سادگی پسند و سادہ لباس رہیں کبھی رنگین لباس و زیور وغیرہ استعمال نہیں کیا۔ عبادت گذاری تقویٰ شعاری آپ کی گھٹی میں پڑ چکا تھا۔ غرض کہ عابد و زاہد متوکل صابر و شاکر متحمل و بردبار ہونے کے متعلق میری کیا مجال کہ میں تفصیلی واقعات احاطۂ تحریر میں لا سکوں اہل سلسلہ اور آپ کے دیگر دیکھنے والے آج بھی اس دنیا میں موجود ہیں جو محترمہ اماجی کے فقر و فاقہ و قناعت، صبر و تحمل کی دوسری مثال اس دنیا میں نہیں پاتے۔ آپ اہل سلسلہ پر ہمیشہ اس درجہ شفیق مہربان تھیں کہ اہل سلسلہ کی ہر لغزش اور بڑی بڑی گستاخیوں پر ہمیشہ پے در پے نظر انداز کرتی رہتیں اُن سب کے حق میں دعائے خیر فرماتی رہتیں سرکار کے ہمراہ ہی علالت کے زمانے میں یعنی ۱۹۴۷ء میں ہی ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان معہ بچوں کے تشریف لے آئی تھیں محترمہ کو میرے تمام خاندان والوں سے اور میری ذات سے جس قدر محبت و خلوص کے برتاؤ رہے وہ بیان سے باہر ہیں۔ بالآخر یہ کہ گزشتہ ۱۹۷ء میں جبکہ میں لائلپور وغیرہ بسلسلہ تبلیغی دورہ پر جا رہا تھا میرے جانے سے ایک روز قبل شب کو ۱۱ بجے میرے مکان کاشانۂ رحمت ناظم آباد پر یکایک تشریف لائیں اور فرمایا کہ تم پنجاب کے دورے پر کب جا رہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ کل صبح کی سیٹ ریزرو ہو چکی ہے۔ مکرّر فرمایا کہ کیا سیٹ ریزرو ہو چکی ہے میں نے عرض کیا کہ جی ہاں ہو چکی ہے اور لائلپور کے مریدین کو بھی اپنے پہونچنے کے پروگرام سے مطلع کر چکا ہوں یہ سن کر پہلے کچھ دیر خاموش رہیں پھر فرمایا کہ چونکہ نناں مجھے تجھ سے بحد محبت ہے اس لئے اپنے رات والے ایک خواب کی تعبیر لینے آئی ہوں۔ میں نے قدموں پر سر رکھا اور دست بستہ عرض کیا کہ اماں جی آپ کے خواب کی تعبیر اور میں بیان کروں میری جرأت ہو سکتی ہے فرمایا کہ میں تو تجھے اس نظریہ ہی سے دیکھتی ہوں پھر

اپنا خواب فرمانے لگیں۔ کہ شب کو میں نے مولانا یعنی حضرت مرشدی و مولائی کو آپ ہمیشہ ہی مولانا ہی کہہ کر مخاطب فرماتی تھیں پس فرمایا کہ میں نے مولانا کو نہ میں اپنی اُس حالت کو خواب کہہ سکتی ہوں اور نہ بیداری ہی کہہ سکتی ہوں۔ کہ صبح کے چار بجے آپ آسمان سے سیڑھی لگا کر اتر کر میرے پاس آئے اور فرمایا کہ چلو تمہیں لینے آیا ہوں میں نے کہا کہ اچھا کلّو پاشا کو بھی تو ساتھ لے لیں۔ مگر حضور نے فرمایا کہ نہیں کلّو کو ابھی لے چلنے کی ضرورت نہیں ہے میں نے ذرا تامّل کیا اور بلا کلو کے جانے میں بچینی کا دل میں ولولہ پیدا ہوا کہ یکایک مولانا نے میرے دونوں کندھوں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر سیڑھیوں پر چڑھنا شروع کیا کہ میری تمام پسلیوں میں جھٹکے لگ لگ کر درد پیدا ہو گیا اُس کے بعد میں بیدار ہو گئی مگر پسلیوں کا درد متواتر بڑھتا ہی جا رہا ہے تو اب تو غور کر کے بتا کہ کیا تعبیر ہو سکتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اماجی یہ آپ کے اور سرکار کے معاملات ہیں میں اس میں ناحق سوچ بچار کر کے دخل انداز ہوں آپ ہی بہتر جان سکتی ہیں تب آپ کی آنکھیں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور کچھ خاموشی کے بعد فرمایا کہ اچھا تو تو کل پنجاب جا رہا ہے ہم سے کوئی قصور ہوا ہو تو معاف کر جانا میں چیخ مار کر اماجی کے قدموں میں سرنگوں ہو گیا کہ اماجی ـــ یہ آپ کیا فرما رہی ہیں مجھے گنہ گار بنا رہی ہیں اور اور کیا خواب کی کوئی ایسی ہی تعبیر ہے تو میں ہرگز پنجاب نہ جاؤں۔ اماجی نے میری پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا نہیں میاں یہ تو خواب خیال ہے تم سرکار کی مقرر کردہ ڈیوٹی پر ضرور چلے جاؤ۔ اور اس کے بعد دیگر میری تسلّی آمیز گفتگو شروع کر دی تا آنکہ رات کے دو بجے رکشے سے آپ رام سوامی اپنے درِ دولت روانہ ہوئیں ہر گاہ کہ آپ میری تسلّی تشفی کر کے روانہ ہو رہی تھیں مگر قلب میں بار بار ہوک اٹھتی تھی کہ تم رو رو کر معافی خود مانگ لو شاید ان لمحات کے بعد اس کا موقع نصیب ہو یا نہ ہو چنانچہ دور تک اماجی کے رکشے کی طرف میں دیکھتا رہا اور روتا رہا صبح کو دس بجے اپنے کو مجبور کر کے کشاں کشاں اسٹیشن پہونچا اور دوسرے دن لائلپور جا پہنچا ابھی جا کر بیٹھا ہی تھا کہ میرے بھائی اکبر علی خاں یوسفی نے مجھے فون پر کراچی سے بتلایا کہ اماجی صاحبہ اس جہانِ فانی سے پردہ فرما گئیں اور جلد ہی مدفون درگاہ شریف میں کی جا رہی ہیں میں نے ہر امکانی کوشش کی کہ ہوائی جہاز سے فوراً واپس پہونچ کر تجہیز و تکفین میں شریک ہو جاؤں مگر کوئی سیٹ نہ مل سکی آپ کا مزار سرکار قبلہ و کعبہ کے قدموں کی جانب سیڑھیوں سے ملحق ہے اور آج بھی فیض گاہ

خاص و عام ہے اور تا قیامت رہیگا۔ محترمہ امانجی سرکار والا کی بڑی ناز پرور دہ ازواج سے تھیں اور ان کے مراتب کو سرکار ہمیشہ ملحوظ فرماتے رہے۔

آپ کے بطن مبارک سے تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے سیّد آفتاب کریم عرف کلّو پاشا صاحب موجود ہیں۔ جو کراچی میں آباد ہیں۔

چمن کہ تا قیامت گُل اُو بہار بادہ

خُود بیتی داستان

مخدومہ معظّمہ میری والدہ صاحبہ جن کا اسمِ گرامی زینب بیگم تھا جو کہ ایک معزز خاندان سادات سے تاج گنج آگرے کی باشندہ تھیں۔ دینی علوم و فقہِ احادیث میں کافی عبور حاصل تھا۔ خدا طلبی کا ذوق جوش و خروش ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ اخلاق زہد و تقویٰ عبادات میں اپنی مثال آپ تھیں اور حضرت سیدِ اولیاؒ "تاج العارفین سیدنا وارث علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز سے بیعت ہو کر اور اُن سے رُوحانی فیوض و برکات سے مستفید ہو کر مرتبۂ کمالِ ولائت پر فائز تھیں۔ صدہا کشف و کرامات کا ظہور ان کی ذات سے ہوتا رہا۔ موجودہ زمانے کے بکثرت افراد واقف ہیں۔ میرے لئے ہمیشہ یہی دعا فرماتی رہتی تھیں کہ اللہ تعالےٰ کسی کامل ولی اللہ سے اس کا نصیب وابستہ کر دے تاکہ یہ بھی ولی اللہ ہی بنے چنانچہ ان کی مخلص محبت آمیز دعائیں میرے لئے اکسیر ثابت ہو کر رہیں کہ الحمد للّٰہ میری والدہ صاحبہ کی حیات میں ہی مجھے وہ شیخ کامل اکمل میّسر آ گئے جو فنی الحقیقت اپنے دور کے امام زماں اور سالکے عالم کی رشد و ہدایات و دستگیری و مشکل کشائیوں کا علمبردار بن کر آئے میری کیا مجال کہ اُن کے مقام مراتب عالیہ و اوصاف حمیدہ کے متعلق ذرّہ برابر بھی لب کشائی کر سکوں تاہم .... اپنے علم و استعداد کے مطابق یہ سوانح حیات مرتّب کی گئی ہے۔

اور الحمد للّٰہ مجھے یہ فخر بھی حاصل ہے کہ میرے خاندانی افراد جو بہت وسیع تعداد میں پاکستان و ہند میں آباد ہیں۔ انھیں سب ہی کو حضرت قبلہ و کعبہ یوسف الاولیاء نے کچھ ایسا نوازا ہے کہ جس کی کرم نوازی و تفصیلی واقعات بیان کرنے سے میں قاصر ہوں البتہ تذکرہؒ میں صرف اپنی اہلیہ کے چند واقعات اس بیان پر تحریر کرتا ہوں کہ چونکہ میرے سرکار والا کے سلسلۂ ارادتمندان میں انھیں بھی عورتوں کی صف میں وہ شرف غلامی حاصل ہوا کہ حضرت نے اپنی خصوصی توجہ و کرم نوازی سے ان کو بھی صاحبِ کشف و کرامات اور زہد و تقویٰ کے زیورات سے بھرپور نوازا تھا جیسا کہ آج بھی ان کے اس جہان سے پردہ کر لینے کے بعد بہ کثرت واقعات

رُونما ہو رہے ہیں۔ انہیں ۱۹۲۳ء میں حضرت قبلہ و کعبہ سے شرف بیعت غلامی حاصل ہوا تھا جبکہ میری شادی ان کے ساتھ ۲۲ مارچ ۱۹۲۲ء میں ہو چکی تھی میرے ساتھ ساتھ یہ بھی بیعت ہو گئی تھیں، اور حضرت نے ابتدا ہی سے اُن کا رخ زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت و مجاہدے کی جانب ایسا پھیر دیا تھا کہ زندگی بھر میں نے کوئی نماز روزہ قضا ہوتے نہیں دیکھا تہجد گزاری ان کا آخری سانس تک یہی شیوہ و معمول رہا۔ مخدومہ معظمہ جدّن اماں جی صاحبہ جو حضور قبلہ و کعبہ کی سابق اہلیہ محترمہ تھیں ان کی خدمت گذاری کے ان کو بہت مواقع میسّر آتے رہے اور انہوں نے بھی انہیں بہت زیادہ نوازا تھا۔ جذب و سلوک ان پر طاری رہتا حضرت سے والہانہ عشق تھا حضور جب کبھی غریب خانے پر تشریف لاتے اور ان کو گرمی میں کھانا پکاتے دیکھتے تو حضور انکی امداد کیلئے خود بھی تیاریِ طعام میں ان کے ساتھ کام کرتے رہتے۔ ان کی عالم حیات کے صدہا واقعات ایسے ہیں جو حیرت انگیز ہیں اور بوجہ طوالت قلمبند نہیں کئے جا سکتے۔ چنانچہ میرے مریدوں سے نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم سابق وزیر اعظم پاکستان کی حقیقی بھاوج اور ان کے دونوں صاحبزادوں نے جو مجھ سے مرید ہیں اپنی چند خانگی مشکلات کو میرے روبرو ان سے دعا کے لئے کہا اور انہوں نے جواباً کہا کہ میں نے اپنے مرشد سے دعا کی ہے۔ اور انہوں نے فرمایا ہے کہ اسی ہفتے تمہاری جملہ مشکلات جو سالہا سال سے حل نہیں ہو رہی ہیں حضرت تاج الاولیاء بابا صاحبؒ کے نام سے فاتحہ دنیاز کرا دو اسی دن تمہاری مشکلات دُور ہو جائیں گی۔ چنانچہ انہوں نے لاہور اپنے بنگلے پر بڑی شاندار نیاز کرائی، دوسرے ہی دن سب مشکلیں حل ہو گئیں اور سی طرح محمود علی قصوری سابق وزیر کی حقیقی سالی جن کا نام آصفہ ہے اور ان کے خاندان کے اکثر افراد مجھ سے بیعت ہیں ان کا صاحبزادہ عرصہ دراز سے ان سے جُدا ہو کر لندن میں مقیم تھا۔ ہر چند کہ یہ اسکو شادی کے سلسلے میں پاکستان بلانا چاہتی تھیں مگر نہ وہ خود آنے کو تیار تھا اور نہ ہی خط و کتابت کرتا تھا۔ انہوں نے ازراہِ عقیدت میری اہلیہ سے دعا کی التجا کی، انہوں نے بیساختہ کہا کہ اسی ہفتے میں لڑکا آجائے گا اور شادی ہو جائے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہو گیا۔ میرے سلسلے کے بہت مُریدین کے ساتھ ان کے کشف و کرامات کے واقعات ہیں۔ مختصر یہ کہ ۱۹۷۵ء میں میرے گھر میں سے التجا کی کہ میں نے پچاس سال تک آپکی خدمت کی اور سرکار بابا صاحب کے سلسلے میں بیعت ہوتے ہی

آپ نے دنیاوی، خانگی، خاندانی معاملات سے قطعی دست برداری حاصل کر لی۔ لیکن میں نے آپکی اس خدا طلبی ذوق کی تکمیل کرنے میں کبھی کوئی مداخلت سر مو نہیں کی۔ اور آپکے جملہ خانگی معاملات کو پوری توجہ سے خود انجام دیتی رہی۔ اب اس کے صلے میں میری آخری درخواست آپ سے یہی ہے کہ مجھے اس سال حج کرا دیا جائے۔ زندگی کا کوئی ٹھیک نہیں مجھے اپنی صحت سے اندازہ ہو چکا ہے کہ یہ میرا اس دُنیا میں آخری سال ہے۔ ہر چند کہ میں نے ہنس کر ان کے اس خیال سے ٹال مٹول کرنا چاہی مگر یہ بضد ہو گئیں اور خود حج کی تیاری مکمل کر لی مگر میرا ذاتی ارادہ اس سال حج کے لئے قطعی نہ تھا۔ پس میں نے ان کو اپنے مُرید فخر الدّین برنی جو نیشنل بینک کے اعلیٰ عہدیدار تھے انکے اور ان کی بیگم صاحبہ کے ہمراہ جانیکی اجازت دیدی اور پاسپورٹ و ویزا وغیرہ مکمل ہو جانے کے بعد جب ان کے ہوائی جہاز سے روانہ ہونے میں صرف دو دن باقی رہ گئے تب مجھے یہ خیال آیا کہ میرے گھر میں سے تو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی عاشق زار ہیں اور جب کبھی نعت وغیرہ پڑھی جاتی ہیں ان کے آنسو نہیں رُکتے ہیں۔ ابھی دو تین ماہ کی بات ہے کہ میرے ایک مرید کے ہاں قوالی کی محفل ہو رہی تھی، قوال نے حضرت قبلہ کی شان مبارک میں ایک منقبت سنائی کہ ایک شعر کو سن کر یہ ایسی مدہوش ہوئیں کہ ڈاکٹروں نے کہا کہ یہ تو اس عالم سے رخصت ہو چکیں مگر بہت دیر بعد ہوش ہوا۔ وہ شعر یہ تھا

آے زاہد ملکر بانٹیں ہم تم دونوں عالم کو — سب کچھ تیرا صرف ہمارے غوث محمد یوسف شاہؒ
حیدرؑ کی آنکھوں کے تارے غوث محمد یوسف شاہؒ — زہرہؓ کے پیارے دلارے غوث محمد یوسف شاہ

پس مجھے بار بار یہ خیال آنے لگا کہ وہاں پہونچکر حضور سرکار دوعالم کے روضہ مبارک کی زیارت کرنے پر ان کو کوئی بےہوشی کا دورہ پڑ گیا تو بجز میرے کوئی ان کو سنبھال نہ سکے گا۔ لہٰذا میں نے اسی وقت برنی صاحب کو نیشنل بینک فون کیا کہ کیا میں بھی ساتھ چل سکتا ہوں تنہا تمہارے ساتھ بھیجتے ہوئے دل کو تسلی نہیں ہو رہی۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور والا میں تو ایک مدّت سے آپسے ضد کر رہا تھا کہ آپ بھی چلیں مگر اب کس طرح ممکن ہے نہ پاسپورٹ ہے نہ ویزا ہے اور بس یہ آخری ہوائی جہاز ہے۔ میں نے کہا کوشش تو کرو ممکن ہے کامیابی ہو جائے۔

پس اُنہوں نے اسی وقت اسلام آباد فون وغیرہ کر کے فوراً میرا ویزا وغیرہ حاصل کر لیا۔ اور اُسی جہاز سے جانیکا انتظام بھی کر لیا۔ حقیقتاً تو یہ بھی ایک بہت بڑی کرامت ہی تھی کہ چوبیس گھنٹے

کے اندر پاسپورٹ ویزا اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ سب ہی کچھ حاصل ہو گیا۔ اور یہ میری اہلیہ کی خصوصی توجہ پر
موقوف ہوا کہ انہوں نے خانہ کعبہ جانے سے دو یوم پیشتر مجھ پر انتہائی زور دیا کہ میں نے عمر بھر آپکی تابعداری کی
مگر آپ میرے کہنے سے میرے ہمراہ حج کو بھی جانے کو تیار نہیں ہوتے۔ مگر میں ان کے ہم خیال بھی ہو کر
یہی کہتا تھا کہ اب دو دن میں کس طرح پاسپورٹ ویزا اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ میسر ہو سکتا ہے
مگر انہوں نے متواتر یہی کہا کہ بھلا آپ ارادہ کریں اور سرکار پورا نہ کریں۔ میں تو عدہ کرتی ہوں کہ آپ زبان
سے کہیں تو سرکار والا سے میں پورا کرا کر مانوں گی چنانچہ میں نے اقرار کیا اور وہ فوراً ٹیکسی میں حضرت
کی درگاہ پر گئیں اور عرض معروض پوری کرا کر خوش خوش مجھ کو سنایا کہ حضرت نے آپکو میرے ہمراہ
جانیکا حکم دے دیا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ برنی صاحب ان کی بیگم اور ہم چاروں مل کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔
ذوالحجہ حج ادا کر لینے کے بعد مدینہ شریف روانہ ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک
کے قریب ہر کار روک کر عزیزم برنی سلمہٗ جائے رہائش کی تلاش کو گئے۔ بیگم برنی نے کار میں بیٹھے
بیٹھے میری اہلیہ کو بتلایا کہ یہ سامنے جو روشنی نظر آرہی ہے۔ اور گنبد شریف نظر آرہا ہے یہی تو حضور
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک ہے اہلیہ نے جیسے ہی گنبد خضرا پر نظر بھر کر دیکھا ایکدم
بے ہوش ہو کر کار میں گر گئیں۔ بیگم برنی اور میں نے کار سے باہر نکالا۔ باہر بمشکل نکالکر
سڑک پر لٹا دیا نبضیں ساکت ہو چکی تھیں اور باوجود کافی ٹھنڈے موسم ہونے کے پسینے پر
پسینے جاری تھے لوگ باگ ارد گرد جمع ہو گئے جب کوئی آثار زندگی نہ نظر آئے تو سب کے اوسان
خطا ہو گئے۔ تب میں نے حضور علیہ السلام کے روضے کی جانب متوجہ ہو کر بصد گریہ و زاری التجا کی
حضور اگر ان کی یہاں جانیکا وقت آ ہی گیا ہے تو حضور اپنی رحمت عامہ و کرم خصوصی سے پاکستان کی واپسی
تک تو ان کی جاں بخشی کی مہلت عطا فرما دیں ورنہ میرے لئے پاکستان کی واپسی پر بڑی سخت
ندامت و شرمندگی کا سامنا ہو گا۔ اور میں اتنے بڑے خاندان کو کیا جواب دوں گا۔

پس رحمت اللعالمین نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ اور اسی دوران برنی سلمہٗ نے مجھ سے
آکر کہا کہ وہ صاحب جن کے ہاں ٹھہرنا ہے نہیں مل رہے۔ اتنے میں ان کی نگاہ میری اہلیہ پر پڑی۔
جو سڑک پر بے ہوش پڑی تھیں، وہ بھی ان کا یہ حال دیکھ کر حیران و پریشان ہو گئے کہا کہ اتنے بڑے

مجمع میں ڈاکٹر کا ملنا ناممکن ہے۔ مگر ان کو اس حالت میں سڑک پر پڑا رکھنا بھی مناسب
نہیں۔ چنانچہ عزیزم برنی سلمہٗ نے فوراً بھاگ دوڑ کر کے ایک کمرہ سو ریال روزانہ پر قریب
میں ہی حاصل کر لیا۔ اور ہم تینوں چاروں نے وہاں سے بمشکل تمام ان کو وہاں سے اٹھا کر ان کے
کمرے تک پہونچایا۔ ان کی بے ہوشی بدستور رہی رات بارہ بجے کے قریب غنودگی میں ذرا
ہی آنکھیں جھپکی تھیں کہ مجھے اپنے سرہانے کھڑ بڑ کی آواز آئی، اٹھا تو دیکھا کہ اہلیہ وضو کے
لئے ٹنکی سے پانی لے رہی ہیں مجھ سے کہا کہ چلو روضہ مبارک پر چل کر تہجد ادا کر دیں اور نذرانہ
حبیب میں دیدیں، چنانچہ ہم سب تیار ہو کر روضہ مبارک پر جا پہنچے۔ اور مسجد نبوی میں نفل شکرانہ
ادا کئے۔ اور بحمد اللہ ہم جملہ فرائض ارکان حج ادا کر لینے کے بعد پاکستان پہنچ گئے۔ اور یہاں کچھ عرصہ قیام
کرنے کے بعد اپنے حلقہ بگوشاں سلسلے کی خواہش کے مطابق میں بمعہ اہلیہ لائل پور گیا اور
چند یوم قیام کے بعد پھر کراچی آ گئے ماہ رمضان کے دن تھے اہلیہ کا جوش و خروش عبادت ان
دنوں معمول سے زیادہ تھا اور اس میں اضافہ ہی ہو رہا تھا تمام تمام شب قرآن خوانی و تہجد گذاری
میں گذر جاتی۔ برخوردارم شفاعت علیخان، نگہت علی خاں، شرف علی خاں اپنے ان تینوں صاحبزادوں
کو جن کا قیام لائل پور میں تھا خطوط لکھوا دیئے کہ امسال سب میرے پاس آکر عید کریں اور کچھ
دن قیام کریں مگر یہ لوگ کراچی عید پر نہ پہونچ سکے بالآخر میں نے ہی عید کے تیسرے چوتھے دن لائلپور
جانیکا قصد کیا۔ اور گھر میں بھی اصرار کیا کہ وہ میرے ہمراہ حسب معمول چلیں مگر انہوں نے بہزار
حجت مجھ سے انکار کر دیا کہ مجھے اب لائل پور قطعی نہیں جانا۔ ہر چند اب یا آئندہ لائل پور قطعی نہ جانے
کی وجہ دریافت کرتا تھا مگر مسکرا کر خاموش ہو جاتیں اور کوئی جواب نہ دیتیں۔

بالآخر ۱۱ شوال بروز جمعرات بوقت تیسرے پہر گیارہویں شریف کی فاتحہ و پنجشنبہ کی فاتحہ
کو خود کھیر تیار کر رہی تھیں کہ اسی اثنا میں ایک برقعہ پوش میرے پاس کمرے میں آ گئیں اور
مؤدبانہ سلام کے بعد مجھ سے کہا کہ میرے ایک بیٹے کا حصل سکھر کے قریب ہے جو ضبطی میں گورنمنٹ نے
لے لیا ہے اور دوسرے بیٹے کے مالی معاملات میں گورنمنٹ نے مداخلت کر رکھی ہے۔
آپ کا نام سن کر دعا کے لئے آئی ہوں۔ میں اپنے تخیلات و واردات میں کچھ اس طرح کھویا
ہوا تھا کہ میں نے بڑی بداخلاقی سے انھیں ڈانٹا اور کہا کہ اب بھلا آخری عمر کا زمانہ ہے کب تک اس

ذلیل دُنیا کے مال و متاع کے لئے دعائیں کراؤں گی۔ خدا کے ہاں کے لئے راستہ صاف کرو جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ میرے اس جملے کا اثر ان پر اتنا پڑا کہ کرسی سے اُتر کر میرے پاؤں میں آ بیٹھیں کہ خدا سے راستہ تو بعد کو صاف ہوگا۔ آپ اپنی ذات سے ملحق ہونیکا راستہ صاف فرمادیں اور مجھے بیعت کرلیں۔ مگر میں شیعہ مذہب ہوں۔ میں نے کہا ہمارے ہاں خدا طلبی کے ذوق کے لئے شیعہ سنی کا کوئی سوال نہیں۔ بس میں نے اہلیہ کو آواز دی کہ ذرا چائے بنالائیں تاکہ انہیں بیعت کیا جائے۔ مگر میری نصیحت آمیز اور گرما گرمی لہجے کی آواز پر انہوں نے جواب دیا کہ انھیں گرم شے سے بیعت نہ کریں بلکہ میں شربت لائی ہوں۔

چنانچہ اہلیہ شربت لیکر آگئیں۔ اور یہ صاحبہ داخلِ سلسلہ ہوگئیں گلدستہ و شجرہ حسبِ معمول میں نے ان کو دے دیا۔ اور وہ رخصت ہونیکو کھڑی ہوکر اپنی کار کی طرف جانے لگیں کہ گھر میں سے خلاف معمول ان کی چادر پکڑ کر کہنے لگیں کہ اب یہاں کب تک آئیں گی۔

انہوں نے جواب دیا کہ آئندہ جمعرات کو ضرور آؤں گی۔ میری اہلیہ نے خلاف معمول کہا کہ نہیں کل صبح ۸ بجے تک تم یہاں ضرور آجانا۔ انہوں نے کہا کہ میری جائے رہائش بہت دور ہے اس لئے کل تو نہیں آسکوں گی۔ جمعرات کو ہی آؤں گی۔ مگر اہلیہ نے حجت کی کہ نہیں آئندہ پھر کبھی بھی آتی رہنا یا نہ آنا مگر کل صبح میرے کہنے سے آجانا۔ میں نے اس حجت پر اہلیہ سے کہا کہ کیوں مجبور کر رہی ہو نہ معلوم کہاں اور کتنی دور رہتی ہوں گی اور ان خاتون سے دریافت کیا کہ آپ رہتی کہاں ہیں اور کون ہیں۔؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں امپور ہاؤسنگ سوسائٹی میں رہتی ہوں اور نواب رامپور کی بیگم ہوں۔ یہ سن کر مجھے اپنی سخت کلامی پر بھی افسوس ہوا اور وہ وعدہ کر کے چلی گئیں کہ جب آپ کا مصرے کل کے بلانے پر اصرار ہے تو ضرور آجاؤں گی۔ مغرب بعد گیارہویں شریف کی فاتحہ حسبِ معمول کی۔ اور شب کے گیارہ بجے عزیزم برنی سلمہٗ معہ اپنی بیگم کے کچھ شرینی لیکے آگئے اور کہا کہ آج مہمانوں نے اس قدر گھیرا کہ فاتحہ نہ کرسکے اب رُو برو فاتحہ کرلیں چنانچہ فاتحہ سے فارغ ہوکر یہ لوگ بھی رخصت ہوگئے۔ قریب شب کو ½ ۱۱ بجے کے میرا صاحبزادہ رفعت علی خاں سلمہٗ اپنے گھر پر آگئے اور ایک عید مبارک کا کارڈ جس پر سرکار دو عالم کے روضے مبارک کی شبیہہ مبارک تھی لاکر اپنی والدہ کو دی کہ یہ عید کارڈ آپکے نام آپکی صاحبزادی قیصر جہاں

بیگم نے جن کا مستقل قیام عرصے سے مکے شریف میں ہے آپکو بھیجا ہے۔

اس عید کارڈ کو اہلیہ بار بار آنکھوں سے لگاتی رہیں اور دیر تک روتی رہیں اور مجھ کو یہ ہدایت کی کہ یہ عید کارڈ آپ کسی کو نہ دیں یہ صرف میرے قرآن میں رہے گا۔ آپ نے تو گھر کی ہر چیز ہمیشہ لوگوں کو بانٹنے کی عادت ڈال لی ہے۔

بعدہٗ وہ باہر صحن میں چوکی پر عشاء کی نماز پڑھنے کو چلی گئیں۔ اور میں سوگیا۔ قریب دو بجے شب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ مصلے پر نماز میں مصروف ہیں۔ میں اٹھ کر گیا اور کہا کہ آج کیا تمام شب عشاء کی نماز میں ہی مصروف رہو گی تمہارے اوپر شبنم گر رہی ہے انہوں نے کہا کہ مجھے آج خلاف معمول اپنی عبادت میں بڑا ہی کیف حاصل ہو رہا ہے جا نماز سے ہٹنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا۔ اس لئے سوچا کہ تہجد سے بھی فارغ ہو کر لیٹوں۔ میں آکر سوگیا اور صبح ۵ بجے جب آنکھ کھلی تو اہلیہ کو اسی چوکی پر اسی طرح بیٹھے دیکھ کر ان کے پاس گیا اور کہا کہ آج تو پوری شب ہی عبادت میں گزار دی۔ جواب دیا کہ ہاں اب صبح کی نماز و وظائف سے بھی فارغ ہوگئی۔ آپ کے لئے چائے بناکر لائی ہوں۔ چنانچہ باورچی خانے میں فوراً گئیں اور ٹرے میں چاء لے کر وہ میری طرف آتی جا رہی تھیں اور بچے وغیرہ جو اپنے اپنے کمروں میں ابھی تک سوئے ہوئے تھے ان کی طرف متوجہ ہوکر بڑے سخت لہجے میں باآواز بلند کہا کہ صبح کو علی الصبح نہ اٹھنا نحوست کو دعوت دینا ہے اٹھو اور آج سے اپنے گھر کے انتظامات کو خود سنبھالو۔ میں نے پچاس سال تک تمہارے باپ کے گھر کو ایسا سنبھالا کہ انھیں کانوں کان کسی بات کی خبر تک نہ ہونے دی اس لئے کہ دنیاوی خانگی معاملات میں الجھ کر ان کے خدا طلبی کے رجحان میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو مگر آج سے میرا یہ نظام ختم ہوتا ہے تم سب مل کر سنبھالو۔ سپردِ خدا۔ اور یہ کہہ کر چلے میرے سامنے رکھ کر ایک پیالی مجھے بنائی اور اپنے لئے بنائی ہوئی چائے کی پیالی برخوردار مسرت علی خاں کی لڑکی جو ابھی ڈیڑھ سال کی تھی پلائی۔ اور مجھ سے کہا کہ آج جمعہ ہے۔ میں تیاری کرنے کو جا رہی ہوں

پس ایک بڑی حسرت انگیز نظر سے مجھے دیکھ کر فوراً برابر کے کمرے میں گئی ہی تھیں کہ اسی وقت برخوردار مسرت علی خاں کی دُلہن نے مجھے آواز دی کہ فوراً میرے کمرے میں آیئے جاکر دیکھا تو اہلیہ زمین پر پڑی ہوئی ہیں اور چہرہ نہایت ہنس مکھ ہے میں نے آواز دی مگر کوئی جواب نہیں ملا

پھر ذرا غور کیا۔ تو نہ سانس کی آمد و رفت جاری پائی اور نہ ہی نبض جاری تھی دل کو ایک دھکا سا لگا کہ یہ تو روانہ ہو چکیں چھوٹے چھوٹے بچے اور دلہنیں جو ارد گرد جمع تھیں ان کو صبر کی تلقین کی، مگر کسی کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ اس عالم سے سفر آخرت اختیار کر چکیں اس لئے کہ ابھی ابھی ایک منٹ بھی تو نہیں گذرا تھا کہ وہ مجھ کو چار بلاکر اور بات چیت کرکے کمرے میں پہنچی تھی کہ ایک منٹ میں ہی جان خدا کے سپرد کردی۔ گھر میں کوئی بڑا بچہ نہ تھا۔ برخوردار م رفت کی دولہن بدحواس ہو کر پیدل پالوش نگر ڈاکٹر کو لینے جا پہنچی اور تھوڑی دیر میں ڈاکٹر اپنی کار لیکر آ گیا پہلے تو خاموشی سے بدحواس چلدیا مگر پھر لوٹ کر آیا کر لاؤ ایک انجکشن تو لگا ہی دوں میں نے منع کردیا کہ اب انجکشن کا کام ختم ہوا۔ اب میں تنہائی کی وجہ سے سخت پریشان تھا کہ میرے تین صاحبزادے جو کراچی میں ہیں وہ تو اپنے اپنے کاموں کو خدا جانے کہاں کہاں نکل گئے۔ اور تین صاحبزادے لائل پور میں ہیں۔ ان سب کو فوراً مطلع کروں' لہذا میں نارتھ ناظم آباد ٹیکسی سے عزیزم تہنی سلمہ کے بنگلے پہنچا کر وہاں جاکر سب کو فون سے مطلع کروں۔ ابھی ان کے بنگلے میں گھسا ہی تھا کہ ان کے خدمت گار نے کہا کہ بیگم صاحبہ تو ابھی ابھی کار سے آپکے ہاں گئیں ہیں ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ انہوں کوئی خواب پریشاں آپکے متعلق دیکھا تھا۔ پس میں نے کہا کہ تہنی تو ہیں۔ اس نے کہا جی ہاں اپنے کمرے میں ہیں' وہاں پہنچا' انہوں نے میری صورت دیکھتے ہی کہا کہ میری اہلیہ نے آپ کے ہاں کے متعلق کوئی خواب پریشان کن دیکھا ہے پس بے قرار و بے چین ہو کر وہ ابھی ابھی آپ کے ہاں چلی گئی ہیں۔ میں نے کہا کہ تم فوراً میرے ساتھ چلو تمہاری اماں جی صاحبہ اس عالم سے سفر کر چکیں وہ گھبرا کر فوراً اپنی دوسری کار میں مجھے لیکر میرے مکان حسین ڈی سلوا آ گئے اور اپنی اماں جی صاحبہ کو اس طرح دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ مجھ سے کہا کہ حضور اتنی جلدی ایسے واقعہ کا ہو جانا سمجھ میں نہیں آ رہا۔ غالباً سکتہ طاری ہے۔ میں انھیں ہسپتال لئے جا رہا ہوں۔ چنانچہ ہم سب نے ان کی میت کو گودوں میں لے کر کار میں جا لٹایا اور بقائی ہسپتال لے پہنچے' معائنے کے کمرے میں لٹا کر ہم کمرے سے باہر آ گئے۔ تہنی پھر فوراً ہی معائنہ کے کمرے میں پہنچے۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ اب ان میں کچھ نہیں رکھا۔ یہ تو کافی دیر ہوئی کہ اس عالم سے روانہ ہو چکیں۔ پس وہ گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہا کہ ڈاکٹر داخلہ تو نہیں کر رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا اور کہا کہ اچھا تم ان کی میت کو لیکر میرے گھر پہنچا دو اور میں ٹیلیفون

سے سب لوگوں کو مطلع کرتا ہوں۔ غرضیکہ ۹ بجے جمعہ کے دن ۱۱ر شوال ۷۶ھ کو انہوں نے سفر آخرت اختیار کرلیا۔ اور دو تین بجے تک جملہ اہل خاندان و اہل سلسلہ وغیرہ ایک کثیر التعداد میں جمع ہوئے اور ان کے وسیع اخلاق اور بزرگانہ اوصاف زندگی گذارنے پر تمام گھر ماتم کدہ بن گیا۔ جو تحریر سے باہر ہے۔ میرے تینوں صاحبزادوں شفاعت علیخان' نکہت علیخان' مشرف علیخان جن کا قیام کاروبار کے سلسلے میں لائل پور تھا۔ ہر چند کوششیں کیں کہ انھیں کسی طرح بھی ہوائی جہاز کا ٹکٹ مل جائے اور وہ شام تک ہی کراچی پہونچکر اپنی والدہ ماجدہ کی تجہیز و تکفین میں شامل ہو جائیں۔ مگر ناکامیابی رہی بالآخر یہ سب لوگ ریل سے روانہ ہوئے جو دوسرے دن تیسرے پہر کو یہاں پہنچاتی ہے۔ ہر چند کہ میں نے کثیر تعداد میں برف کی سلیاں مہیا کرلیں تھیں مگر حاضرین نے کہا کہ نہیں آج ہی دفن ہونا چاہیئے۔ نیز حسب اصرار اہلیہ بیگم نواب صاحب رامپور بھی عین انتقال کے وقت آ گئیں جن سے اہلیہ نے ایک روز قبل اپنے گھر بلانے کا وعدہ لے لیا تھا اور وہ میت پہ کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر یہی کہہ رہی تھیں کہ اچھا اماں جی صاحبہ اس لئے آپ کل مجھے ۹ بجے بلانے پر زور دے رہی تھیں۔ اب سمجھ میں آ گیا۔ غرض کہ جمعہ کے دن مغرب تک میت غسل وغیرہ دیکر لے جانے کو تیار ہو گئی' اور میں نے اپنے حقیقی بھائی برکت علی یوسفی حشمت علیخاں یوسفی اور دیگر عزیزاں کو حسب وصیت اہلیہ کو وہ اپنی زندگی میں بار بار مجھ سے کہتی رہتی تھیں کہ میں جب اس دنیا سے سفر کروں تو مجھے میرے مرشد کی درگاہ کے متصل مخدومہ معظمہ والدہ صاحبہ کے مزار مبارک کے ملحق ہی قبر تیار کرانے بھیج دیا تھا۔ مگر ان سب نے عین وقت پر جواب دیدیا کہ ہم نے ہر چند کوششیں کرلیں مگر والدہ صاحبہ کے ملحق تو درکنار سرکار کی درگاہ کے ارد گرد بھی ایک ایک دو دو فرلانگ جگہ نہیں ملتی ایسی مجبوری کی حالت میں میرے صاحبزادے رفعت علی خاں سلمہ اور دیگر احباب نے نارتھ ناظم آباد سخی حسن دربار کے متصل قبرستان میں کچھ رقم دیکر قبر تیار کرائی اور حسین ڈی سلوا کی مسجد میں مغرب بعد نماز جنازہ ہونیکا اعلان کردیا۔ پس مغرب کے قریب میں اپنے مکان میں داخل ہوا اور جیسے ہی اہلیہ کی میت اٹھانے کو پایا پکڑا میت سے آواز آئی اگر مجھے اپنے مرشد کی درگاہ کے متصل دفن نہ کرایا اور میری نماز جنازہ بھی وہیں نہ ادا کرائی تو قیامت میں میں آپ کا گریبان پکڑوں گی۔ پس میں نے اس آواز کو اسی طرح سنا کہ جس طرح زندگی میں آمنے سامنے ہو کر میری گفت و شنید ہوتی رہتی تھی کہ اہلیہ کا رخ میرے سامنے تھا۔ جس کو عوام نہیں سمجھ سکے۔ پس میں نے بجائے

میت کا جنازہ اٹھانے کے، باآواز بلند کہا کہ جس قبرستان میں تم انھیں دفن کرنے کو لے جارہے ہو یہاں ہرگز ہرگز میں دفن نہیں ہونے دوں گا۔ تم لوگ دوبارہ جاؤ اور سرکار کی درگاہ کے ملحق ہی میری والدہ صاحبہ کے مزار کی برابر ہی ان کو دفن کرنے کی ہر ممکن کوشش کرو ضرور انھو وہیں جگہ مل جائے گی۔ چنانچہ دو تین کاروں میں میرے بھائی برکت علی خان و دیگر عزیز روانہ ہوگئے اور مکرر سکرر گورکنوں کے سردار سے جو قبرستان میں جگہ دیتا ہے کہا کہ بڑی مہربانی ہوگی کسی قیمت پر بھی والدہ صاحبہ کے مزار کی برابر جگہ نکال دو۔ مگر انہوں نے کہا کہ مزار کے چاروں طرف جھاڑی وغیرہ کھڑی ہیں ان جھاڑیوں کو اگر جڑ سے نکالا جائے تب ہی قبر کی جگہ ہرگز بھی نہیں نکل سکتی پس مجبور ہو کر ان کی قبر تیار کرنے والوں سے کہا کہ پھر کہیں یہاں اردگرد ایک دو فرلانگ کے فاصلے ہی پر قبر کی جگہ نکالدو ہم تمھیں ڈبل معاوضہ دینگے۔ پس یہ لوگ تو قبرستان میں کوئی ایسی جگہ تلاش میں چلے گئے۔ مگر عزیزم برکت علیخاں والدہ صاحبہ کے مزار مبارک پر ہی سرنگوں بیٹھے رہے کہ یکایک والدہ صاحبہ کے مزار سے آواز آئی کہ اسکو میرے برابر دفن کرو۔ عزیزم موصوف پر خوف و ہراس طاری کہ اتنے میں قبر تلاش کرنے جو لوگ گئے تھے انہوں نے کہا کہ بہت کچھ کوشش کی مگر کوئی جگہ اس قبرستان میں ایسی نظر نہیں آئی کہ جو درگاہ شریف کے ذرا بھی متصل ہو۔ بالآخر جب یہ لوگ مجبور ہو کر اس قبرستان سے چلنے لگے تو قبر کھودنے والوں کے سردار نے کہا کہ لاؤ تمہاری والدہ کے مزار کی برابر ہی جھنڈ کھود کر دیکھتے ہیں۔ شاید جگہ نکل آئے عزیزم برکت علی خاں کو بڑا تعجب ہوا کہ جو شخص بار بار اصرار کے بعد یہاں کسی قیمت پر قبر کھودنے کو تیار نہیں تھا وہ از خود وہیں جگہ کھودنے پر آمادہ ہوگیا۔ یقینی یہ مزار سے آنے والی آواز کا اثر ہے پس قبر کھودی گئی اور بڑی کشادہ قبر تیار ہوگئی۔ اس طرف سے ہم لوگ میت لیکر سرکار کی درگاہ عالیہ جا پہنچے تھے۔ پس محفل خانے میں ان کی میت اتاری گئی اور نماز ادا کرنے کے بعد میت کے جنازے کے چاروں طرف کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام باآواز بلند پڑھا گیا۔ اس وقت کا سماں میں بیان نہیں کرسکتا۔ تاآنکہ جنازہ درگاہ شریف سے باہر لا کر قبر کے ملحق رکھا گیا۔ ادھر سے تینوں صاحبزادے شرافت علی خاں، رفعت علیخاں مشرف علیخان وغیرہ نے جو اس وقت موجود تھے۔ قبر میں اتار کر سپرد خاک کیا۔ دوسرے دن، سہ پہر کو ریل سے میرے اور تینوں صاحبزادے لائل پور سے کراچی پہنچ گئے اور ایک کہرام مچ گیا۔

کہ بلا والدہ کی ہمیں صورت دکھائے کیوں دفن کردیا گیا۔ ہم تو ابھی جاکر قبر کھود کر دیکھینگے تو قرار آئے گا۔ چنانچہ ان کے اضطراب و بے قراری اور جوش و خروش کو دیکھ کر ہم سب لوگ ان کو اپنے ہمراہ ان کی والدہ کی قبر پر لے گئے۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر بڑی ہنگامہ آرائی مچائی۔ چیخ و پکار گریہ و زاری سے روکنے کو بہت کچھ تشفی دی گئی اور جیسے ہی کہ ہم سب مل کر قبر کی مٹی کو اپنے ہاتھوں سے برابر کر رہے تھے کہ اہلیہ کے پہلو میں اتنی جگہ جو گز سوا گز عرض طول میں ہو گی ایسی نظر آئی کہ خیال کیا کہ اس کو پختہ کرا کر فاتحہ وغیرہ پڑھنے کو خوبصورت چبوترہ بنوا دینگے۔ مگر یکایک پھر وہی قبر کھودنے والے آگئے اور کہا کہ اس جگہ کی مٹی کیوں ہموار کر رہے ہو۔؟ یہ جگہ تو ہم پانچہزار کے معاوضے پر دینگے۔ ہر چند اصرار کیا کہ بھئی دو تین ہزار کا معاوضہ ادا کر دینگے۔ مگر وہ پانچ ہزار سے ایک پیسہ کم لینے پر آمادہ نہیں ہوتے اور ہم لوگ گھر آگئے، مگر شب کو پھر ان سب بچوں نے کہا کہ اگر والدہ صاحبہ کے مزار کی برابر کسی اور غیر آدمیوں کو ان لوگوں نے جگہ دی تو ہمیں زندگی بھر یہ صدمہ رہیگا۔ اس لئے کل جاکر پانچ ہزار کے معاوضے پر ہی سوا گز لمبی چوڑی زمین خرید لیتے ہیں

چنانچہ دوسرے دن سویرے ہی پانچ ہزار کی رقم لے کر ہم سب قبر پر پہنچے اور ان قبر کھودنے والوں کو بلا کر کہا لو یہ رقم پانچہزار، اور ہمیں یہ جگہ پختہ کرنے دو۔ ان لوگوں نے رقم کو ہاتھ سے بھی نہ چھوا اور کہا کہ یہ رقم اب آپ ہی رکھیں، ہمیں اب اسکی قطعی ضرورت نہیں ہے اور بجائے سوا گز لمبی چوڑی جگہ کے قریب ۵۰، ۶۰ گز مربع زمین بتلا دی کہ اس کو اپنے احاطۂ قبرستان میں لے لو۔ تاآنکہ اس احاطہ میں ان کا بنوایا ہوا کنواں بھی شامل کردیا۔ پس ہم کو سخت حیرت تھی کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے کہ کل تک ۵ ہزار سے ایک پیسہ کم پر یہ جگہ نہیں دے رہے تھے اور آمادۂ فساد تھے آج بہ مفت اس سے بیس گنی جگہ کیوں دے رہے ہیں۔ الغرض کہ مکرر سکرر اصرار پر کہ یہ پانچ ہزار کی رقم لے لیں اور ان لوگوں کے پے در پے خوشامدانہ رویہ پر اس تمام جگہ کو بلا معاوضہ ہی حاصل کرلیا گیا اور یہ بھی ایک اہلیہ کی نسبت کرامت ہی تصور کی گئی۔ اور ہم نے باؤنڈری کھنچوا کر اس تعمیر کو مرتب کروالیا۔ اس واقعہ کے پندرہ بیس دن بعد جبکہ میں اہلیہ کے مزار پر پہنچا تو دیکھا کہ مزار پر گلاب کے پھولوں کا انبار لگا ہوا ہے اور چادر پھولوں کی پڑی ہے۔ میں نے قبرستان کے اس محافظ کو جو جگہ دینے میں اوّل دن حیل و حجت اور آمادۂ فساد تھا بلا کر پوچھا

کہ یہ بتاؤ کہ اوّل دن تو یہ جگہ دینے میں جھگڑا کیوں کیا اور پانچ ہزار سے کم پر تیار نہیں ہو رہے تھے مگر دوسرے دن اس جگہ سے کئی گنا زیادہ جگہ مفت دیدی آخر یہ کیوں۔؟

اس بوڑھے آدمی نے کہا کہ بس آپکا کام ہو گیا۔ اب ان باتوں کو دریافت کرنے سے کیا غرض ہے۔ مگر میں نے جب مکرر اصرار کیا تو اس نے پوچھا کہ جن کی یہ قبر ہے تمہاری کون ہیں۔ میں نے کہا کہ میری اہلیہ۔ پھر پوچھا کہ یہ درگاہ جن کی ہے وہ ان کے کون لگتے ہیں۔؟ میں نے کہا یہ ان کے مرشد ہیں۔ بس اس بڈھے نے کہا کہ میں اکثر تہجد کے وقت اس قبر کی طرف آتا جاتا ہوں۔ درگاہ کے صاحب درگاہ بابا صاحب اکثر اس قبر پر بیٹھے ہوئے ملتے ہیں اور میں قدمبوس ہوتا ہوں کہ وہ غائب ہو جاتے ہیں اور جس دن سے یہ بزرگ یہاں دفن ہوئی ہیں اس کے سرہانے جو کھاری پانی کا کنواں تھا شیریں ہو گیا ہے اور ان کی قبر پر جس نیب کے درخت کا حصہ قبر پر سایہ کئے ہے سب کے پتے میٹھے ہو گئے اور مجھے اسی وقت اس کنوئیں کا ان بڑے میاں نے پانی ڈول سے کھینچ کر پلایا جو شیریں تھا اور اسی طرح پتے نیب کے کھلائے وہ بھی شیریں تھے۔ پھر بڑے میاں نے کہا کہ ہمارے ہاں کے لوگوں کی بہت سی منتیں پوری ہو رہی ہیں یہ پھول دھاگہ وغیرہ یہی لوگ چڑھا جاتے ہیں۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ سے اتنی رقم لیتے ہوئے اچھے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ہم خدا کو کیا جواب دینگے۔ مہینوں بیگم نواب رامپوران کے مزار پر طرح طرح کے پھولوں کے پودے اپنے مالی کو ساتھ لا کر لگوانی رہیں۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے کے لئے بھی منت مانی کہ وہ وزیر ہو جائے چنانچہ ابھی اس منت کو مانے ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ انکے صاحبزادے پنجاب میں وزیر ہو گئے۔ علاوہ ازیں صدہا واقعات و کرامات ہنوز رونما ہوتے رہتے ہیں کہ جن کی تفصیل بیان کرنے میں کافی طوالت ہے اس سلسلے میں جتنا کچھ میں تحریر میں لایا ہوں اس سے اہلیہ کے بزرگانہ اوصاف ہرگز مقصود نہیں بلکہ مجھے تو یہ بتلانا مقصود ہے کہ میرے سرکار کی نگاہ کرم کے کیا عجیب و غریب حادثات ہیں کہ جس پر پڑیں اُس کی نسلیں فیضیاب ہو گئیں۔

جس طرف اٹھ گئیں دم میں دم آگیا اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

اہلیہ کا مزار درگاہ شریف میں مسجد کے عقب میں واقع ہے اور مزار پر تعویذ نصب ہے جس پر کندہ ہے۔ عروج آدمی ہے منزلِ جاناں کا پالینا مکاں و لامکاں کی سیر کرکے اپنی جا لینا

مُجیبُ الدّعوات

البیلی نظر دیکھی البیلا چلن دیکھا
البیلی پھبن والا البیلا سجن دیکھا

یُوں تو ہزاروں خوارق و کرامات کا ظہور، مؤسسِ سلسلۂ عالیہ سے رونما ہو رہا ہے۔ کس کس واقعہ کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے۔ لیکن حال ہی کے ایک واقعہ کا تذکرہ سلسلہ عالیہ یُوسفیہ تاجیہ کی قوی نسبتِ اویسیہ دال کرتا ہے اور لبطور تحدیثِ نعمت اس کا تحریر کیا جانا بے جا نہ ہوگا۔

اوائل ۱۹۷۵ کا ذکر ہے۔ میں شمالی ناظم آباد (کراچی) میں اپنے مُریدِ سلسلہ محمد اصغر علی سلمہٗ الکریم (جو ایک انشورنس کمپنی میں جنرل منیجر تھے) کے ہاں پنجشنبہ کی فاتحہ میں شرکت کے لئے پہنچا۔ فاتحہ کے بعد محفلِ سماع گرم ہوئی۔ پوری شب جاری رہی۔ علی الصبح میں اپنی قیام گاہ پر واپس آگیا۔ دوسرے روز اتفاقاً اُن کے بنگلے پر پہنچا۔ بیگم اصغر علی (عزیزہ شاکرہ سلّمہا) نے مجھ سے کہا کہ شب کو تو بڑی ہی پُر کیف محفل رہی۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نے یہ بنگلہ ابھی حال ہی میں لیا ہے، اِس لئے پڑوسیوں سے ملاقات بھی نہیں ہو سکی ہے۔ مگر وہ ہمارے سامنے والے بنگلے سے آج صبح ہی جناب فخر الدین برنی اور اُن کی بیگم صاحبہ تشریف لائیں اور آتے ہی کہا کہ رات تو آپ کے ہاں بڑی پُر کیف قوالی ہوتی رہی۔ بھئی آپ سے تعارف نہیں تھا ورنہ یہیں آکر سُنتے۔ پھر پوچھا کہ کون بزرگ تشریف لائے تھے۔ بیگم اصغر علی سلمہا نے انہیں بتایا کہ میرے پیرو مرشد بابا شوکت علی شاہ یوسفی تاجی تشریف لائے تھے۔ اتنا سُن کر دونوں میاں بیوی نے بڑے اشتیاق سے کہا کہ اب وہ آئیں تو خبر کیجیئے گا۔ ہم بھی ملیں گے۔ عزیزہ بیگم اصغر علی صاحب سلّمہا

نے اِتنا کہکر مجھ سے اجازت طلب کی کہ آپ کہیں تو اُنہیں بُلالوں ۔ میں نے کہاکہ بُلوالو !
تھوڑی دیر بعد برنی صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ آگئے ۔ مؤدبانہ سلام کیا۔ میں نے پوچھا کہ
کہاں کے رہنے والے ہیں آپ، اور کام کیا کرتے ہیں ۔ انہوں نے بتایا کہ یہ میری اہلیہ
ہیں ۔ میرانام فخرالدین برنی ہے ۔ بلندشہر کا رہنے والا تھا ، اب پاکستانی ہوں ۔ میں نے
کہاکہ سبحان اللہ ہمارے ہم وطن نکلے ۔ میں چھتاری کا باشندہ ہوں جو ضلع بلندشہر میں
واقع ہے ۔ انہوں نے بتایاکہ نیشنل بینک میں فلاں عہدے پر فائز ہوں ۔ پھر اُن کی
بیگم صاحبہ بولیں کہ ہمیں بزرگوں سے نیاز حاصل کرنے کا بہت شوق ہے ۔ اسی سال
میں حج کے لئے بھی گئی تھی ۔ میں نے مدینۂ طیبہ میں حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے روضۂ اقدس پر صرف یہی استدعا کی تھی کہ حضور ! میں آخرکب تک بھٹکتی پھروں ؟
کوئی رہنما عطا فرمائیے تاکہ میری حق طلبی کی پیاس بُجھ سکے ۔ اِتنا سُن کر میں نے کہاکہ
ماشاءاللہ کیا اچھی استدعا تھی ۔ مبارک ہو ۔ آپ کی استدعا پوری ہوکر رہے گی ۔
پھر میں نے یہ شعر بھی پڑھا تھاکہ :

مری طلب بھی ترے ہی کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں اُٹھائے جاتے ہیں (جگر مراد آبادی)

دوسرے دن علی الصبح بیگم برنی میرے مکان پر آگئیں ۔ کعبۃ اللہ شریف اور
مدینۂ طیبہ کے روضۂ اقدس کے دو بڑے فریم نذر کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
روضۂ انور کے ایک حصّے پر انگلی رکھ کر بتایاکہ اِس جگہ میں نے جالیوں سے لگ کر
اپنی وہ استدعا پیش کی تھی ۔ میں نے اِس مرتبہ بھی وہی الفاظ دُہرائے کہ آپ کی
استدعا پوری ہوکر رہے گی ساتھ ہی میرے قلب پر یہ القا کیا جارہا تھا کہ حضورؐ نے
ان کی رہنمائی کے لئے تمہیں مقرر فرمایا ہے ۔

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسّس میں ہے دریا تیرا (اعلیحضرت بریلویؒ)

تھوڑی دیر بعد بیگم برنی واپس چلی گئیں ۔ پھر اُسی دن شام کے وقت خود
عزیزم فخرالدین برنی اپنی بیگم کے ساتھ آگئے اور مجھ سے اپنے بنگلے پر چلنے کی

درخواست کی ۔ میں اُن کے ساتھ چلاگیا ۔ اور پھر توکئی دن تک یہی معمول رہاکہ وہ
ہر شب آتے اور مجھے ہمراہ لے جاتے ۔
ایک دن بیگم برنی سلمہانے کہاکہ میں نے رات خواب دیکھاکہ ایک بزرگ
ہیں جو مجھ سے (بیگم برنی) کہہ رہے ہیں کہ "میں تجھے حقیقتِ محمدی بناکر رہوں گا ۔"
خواب سُن کر میں نے بیگم برنی کو مبارک باد دی ۔ میں سمجھ گیا تھاکہ حضور بابا
صاحبؒ انہیں اپنے ہاں کے فیضان سے مستفیض فرمائیں گے ۔
اس کے بعد ہی جو واقعہ اُنہیں پیش آیا اسے بعینہٖ اُنہیں کی زبان میں تحریر کرتا
ہوں ۔ ہوا یوں کہ ایک دن علی الصبح بیگم برنی میرے گھر آئیں ۔ اُن کے چہرے پر
ان کی کیفیات کے آثار نمایاں تھے ۔ انہوں نے بیان کیا کہ شب کو میرے ساتھ
عجیب وغریب واقعہ پیش آیا ہے ۔ میں عشاء کی نماز کے بعد جیسے ہی اپنے کمرے
میں لیٹنے کو جارہی تھی کہ یکایک میری نظر حضرت باباتاج الدین ناگپوریؒ کی
شبیہ مبارک پر پڑی اور بیساختہ میرے منہ سے نکلاکہ بابا ! کب تک میں بھٹکتی
پھروں ۔ مجھے فوراً رہنما عطا فرمائیے ۔ یہ کہہ کر میں مسہری پر لیٹ گئی اور اپنے
شوہر سے اپنی اس کیفیت پر گفتگو کرنے لگی ۔ کہ ایکا ایکی مجھ پر غنودگی
طاری ہوگئی ۔ کیا دیکھتی ہوں کہ میں ایک بہت بلند پہاڑ پر کھڑی ہوں ۔ حضرت
باباتاج الدین ناگپوریؒ پہلے ہی یہاں موجود ہیں ۔ میں جہاں تھی وہاں میرے شوہر
اور آپ بھی موجود تھے ۔ حضور باباصاحبؒ نے میری طرف اشارہ کرکے پاس بُلایا
اور میرا ہاتھ پکڑ کر آپ کے ہاتھ میں دیا اور آپ سے فرمایا (شوکت راقم الحروف
سے) کہ "اس کو تمہارے سپرد کیا جاتا ہے" اور میرے ہاتھ میں ایک جھاڑو دیدی ۔
غنودگی میں ہی بلند آواز سے میرے لب پر یہ کلمات جاری ہوئے :" بابا کا
بڑا کرم ہے ۔ بابا کا بڑا کرم ہے "۔ میرے شوہر نے چونک کر مجھ سے پوچھا :
کیا ہوا ؟ ۔ کیا کہہ رہی ہو ؟ ۔ مگر مجھ پر سکتہ سا طاری تھا ۔ متحیّر تھی ۔ میں کچھ
بول ہی نہ سکی ۔ یہاں تک کہ مجھے نیند آگئی ۔"
اس واقعہ کے بعد فخرالدین برنی صاحب اوران کی بیگم سلمہا الکریم مجھ سے بیعت

ہو گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ فی زمانہ اس ذوق وشوق کے انسان کمیاب ہیں۔ متعجب ہوں کہ بابا صاحب کے اکرام کس کس طور پر ہوتے ہیں۔ الحمد للہ کہ بابا صاحب نے انہیں صاحبِ حال اور صاحب مقام بنا دیا ہے۔

جہاں کے بحرِ بے پایاں میں وہ بابا کی کشتی ہے
جو بیٹھا اِس میں اس کا پار ہے بیڑا، بہشتی ہے

جنگِ بلقان میں

حضرت مولانا عبدالقادر نیازی علیہ الرحمۃ سرکارؒ کے دوستوں میں تھے۔ سلسلۂ عالیہ نیازیہ کے خلفاء سے تھے۔ اکثر سرکارؒ کے ساتھ سفر میں شریک رہتے تھے۔ سرکارؒ کے ہم غلاموں سے محبّت وشفقت کا سلوک فرماتے۔ بڑی محبت اور ذوق وشوق کے ساتھ سرکار والاتبارؒ کے محیّر العقول واقعات کا تذکرہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا: "میاں! تمہارے مُرشد میں ہم نے کئی مرتبہ عجیب عجیب کمالات دیکھے ہیں۔ چنانچہ ہم نے کئی مرتبہ دیکھا ہے کہ ہم دوستوں کے درمیان بیٹھے بات چیت کرتے کرتے، چند لمحات کے لئے یکایک نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے اور جب ہم اس تعجب خیز حقیقت کو بیان کرتے تو بڑے زور سے قہقہہ لگا کر فرماتے کہ یہ آپ کا فریبِ نظر ہے۔

حضرت مولانا عبدالقادر شاہ صاحب نیازیؒ کے مریدین برِّ کوچک پاک و ہند میں بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ ہندوستان سے ہجرت فرما کر کراچی تشریف لے آئے تھے۔ سرکارؒ اور بابا صاحبؒ کے دونوں اعراس کے مواقع پر خانقاہِ عالیہ یوسفیہ تاجیہ (میوہ شاہ، کراچی) کی محافل میں شریک رہتے تھے۔ پانچ یا چھ سال ہوئے، کراچی میں واصلِ بحق ہوئے۔ مزار مبارک گل بہار (گولی مار) کراچی میں مرجعِ خلائق ہے۔

حضرت قبلہ مولانا عبدالقادر صاحب نیازیؒ جب بھی سرکارؒ کے خوارق بیان فرماتے تو مجھے چھتاری کا ایک واقعہ آنکھوں میں گھومنے لگتا اور سوچتا کہ کبھی توفیق ہوئی تو سرکارؒ کے سوانح حیات میں اس کا ذکر بھی کروں گا۔

ہوا یہ کہ سرکار قدس سرہٗ چھتاری میں رونق افروز تھے۔ قیام تو بھائی خورشید احمدؒ خان صاحب یوسفی تاجیؒ کے ہاں ہوتا ہی تھا۔ ان دنوں بلقان کی جنگ جاری تھی۔

دوپہر کے گیارہ کا عمل ہوگا۔ تیز لُو، چل رہی تھی۔ میرے علاوہ وہاں بھائی خلیفہ خورشید احمدؒ خاں، کنور فیاض علی خان اور بھائی کالے خان (اصغر علی خاں) صاحبان خدمت میں حاضر تھے۔ دفعتاً اپنے ٹھنڈے کمرے سے سرکارؒ نے ہمیں باہر چلے جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: تھوڑی دیر باہر بیٹھو۔ ذرا ہم آرام کر لیں۔ کمرے کے کواڑ بند کر دو۔

ہم چاروں پیر بھائی باہر سائبان میں آ بیٹھے۔ سخت لُو، چل رہی تھی۔ ابھی ہمیں یہاں بیٹھے پانچ منٹ بھی نہ ہوئے ہوں گے کہ کمرے میں زور سے سرکارؒ کی آواز میں "لیفٹ رائٹ، لیفٹ رائٹ" کے کاشن سُنائی دیئے۔ جیسے زبردست پریڈ ہو رہی ہو۔ ہم سب ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ خیال ہُوا کہ سوتے میں شاید کوئی خواب سرکارؒ دیکھ رہے ہوں گے۔ ساتھ یہ یاد آیا کہ ابھی تو پانچ منٹ بھی نہیں گزرے ہیں۔ اتنی جلد نیند آجانا سرکارؒ کے خلافِ معمول ہے۔ پھر ہم لوگ تو یہ دیکھا کرتے تھے کہ جب ہم لوگوں نے یہ خیال کیا کہ اب سرکارؒ کو نیند آگئی، عین اُسی وقت یُوں اُٹھ کر بیٹھ جاتے، جیسے سوئے ہی نہیں تھے۔ اور کبھی کبھی تو سوتے سے اُٹھتے ہی، وہ تمام باتیں جو ہم پیر بھائی دُور بیٹھ کر، ہلکے ہلکے کرتے ہوئے، ہنس ہنس کر من وعن یوں بیان فرما دیتے جیسے اس گفتگو میں ہمارے شریک رہے ہوں۔

اِنہیں واقعات وحالات کے پیشِ نظر، میں نے کمرے کے کواڑ کھول دیئے۔ لیکن کمرے میں جھانک کر دیکھا تو سرکارؒ موجود نہیں تھے۔ پھر تو ہم چاروں نے ہی دیکھا۔ کواڑ بند کر دیئے اور آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ دروازہ اس کمرہ کا صرف یہی ہے۔ اور ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ سرکارؒ گئے کہاں؟ اور کس راستے سے؟ سب کا خوف سے بُرا حال تھا۔ ابھی ہم پر حیرانی طاری تھی کہ یکایک کمرے میں سے ہی سرکارؒ نے ہم لوگوں کو آواز دی: "ارے اندر آجاؤ!"۔ ہم بلا توقف حاضر

سوتے۔ فرمایا: نیند ہی نہیں آتی۔ اب یہیں بیٹھو! ہم سب نے ہی تقریباً عرض کیا کہ حضور تو ابھی کمرے میں تھے ہی نہیں۔ قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور فرمایا: "دیوانوں ہی کو رازداں بنایا جاتا ہے۔ ہم بلقان کی جنگ میں پہنچ گئے تھے۔ بابا صاحب نے وہاں پہنچ کر ایک ہی وار میں فتح دے دی۔"

دوسرے دن ہندوستان کے قریب قریب سارے ہی اخبارات میں حضور بابا صاحبؒ کی شبیہ مبارک شائع ہوئی۔ آپ فوجی لباس میں، برہنہ شمشیر لئے، بڑے جلال اور رعب وداب کے ساتھ مسلمان افواج میں شامل تھے۔ تصویر کے نیچے لکھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں؟ کہ یکایک لشکر ترکی سے برآمد ہوئے، تلوار چلائی اور کفار کو شکست دے کر آناً فاناً غائب بھی ہو گئے۔ یہ تصاویر اخبارات سے بہت سے لوگوں نے حاصل کیں۔ نیز میرے پاس بھی موجود ہیں۔

صاحب تاجِ معرفت

حیدرآباد سندھ کی نعلبندلین سے جناب احقر سلیمانی چشتی اجمیری تحریر فرماتے ہیں:

سلطان الہند خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ صدیوں سے اولیاء کرام کا مرکز رہا ہے اور آج بھی اُن کے آستانہ سے چشمۂ فیوض وبرکات جاری وساری ہیں اور ہزاروں طالبانِ معرفت سیراب ہو رہے ہیں۔ چنانچہ رجب المرجب میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے عرس مبارک کے موقع پر قریب قریب تمام سلاسل کے وابستگان، مراسمِ عرس میں شرکت کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ میرے آبا واجداد صدیوں سے اجمیر شریف میں آباد رہے اور شب و روز آستانۂ غریب نوازؒ میں حاضری کا شرف حاصل رہا ہے۔ سلسلۂ طریقت میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نسلاً بعد نسلاً شرفِ بیعت کا اعزاز ملتا رہا ہے۔ چنانچہ یہ احقر سلیمانی بھی حضرت خواجہ حامد میاں تونسویؒ کی غلامی میں قبول کیا گیا۔ اسی نسبت سے بارگاہِ غریب نوازؒ میں بزرگانِ سلاسل کی خدمت میں حاضری کا شرف ملتا رہا۔

خانوادہ حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بزرگ، دراز قامت، مقطع ریش، نورانی چہرہ، مدھ بھری آنکھیں، خوش گلو، تکلّم میں گویا لحنِ داؤدی، عرسِ غریب نوازؒ کے زمانہ میں ضرور اجمیر شریف حاضر ہوا کرتے تھے۔ جہاں تک مجھے یاد آتا ہے ۱۹۲۵ کے کچھ سال بعد مستقلاً، اجمیر شریف میں آباد ہو گئے تھے اور درگاہِ معلّیٰ کے قریب ترپولیہ دروازے پر گلی حلوائیاں میں ایک مکان شاید خرید لیا تھا۔ یہ بزرگ حضرت مولانا عبدالکریم شاہ صاحب تاجی کے نام سے اجمیر شریف میں مقبول ومشہور تھے۔ ان بزرگ نے بارہا ارشاد فرمایا کہ ہمارا نام بابا صاحب رضی اللہ عنہٗ نے محمد یوسف رکھ دیا ہے۔ چنانچہ آپ اپنے سلسلے میں بابا یوسف شاہ تاجیؒ کے نامِ نامی سے یاد کئے جاتے ہیں۔
قیامِ اجمیر شریف کے زمانے میں آپ کا بیشتر وقت حضور غریب نوازؒ کی درگاہ میں ہی مختلف اشغال اور ریاضتوں میں بسر ہوتا۔ میں نے حضرت کو زیادہ تر عالمِ استغراق میں ہی دیکھا۔ اُن کی صحبت میں وارد ہونے والی کیفیات کو ضبطِ تحریر میں لاسکنا میرے بس سے باہر کی بات ہے۔ حضرت کو دیکھ کر آپ کی تقلید کا شوق پیدا ہوتا تھا۔

میرے اُستادِ محترم خواجہ اکبر حسین صاحب اکبر چشتی اجمیری کہ جو دیوانِ درگاہِ معلّیٰ حضرت ڈپٹی امام الدین علی خان اثرؒ کے چچا زاد بھائی تھے، اُن کے پاس حویلی دیوان صاحب میں بابا صاحب قبلہ اکثر تشریف لاتے تھے۔ بارہا میں بھی استادِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو ایسے مواقع پر بابا صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع میسر آتا تھا۔ بابا صاحب قبلہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی نسبت سے اُستادِ محترم کا خصوصی احترام فرماتے تھے۔ لیکن میرے اُستاد اور دیوان صاحب کی حویلی کے تمام حاضرینِ مجلس بھی حضرت قبلہ بابا صاحب کا انتہائی احترام کرتے تھے اور یہ اختصاص تو حضرت کو پورے اجمیر شریف میں حاصل تھا۔

درگاہ شریف کے احاطہ میں، سولہ کھمبہ میں ایک بزرگ حضرت قبلہ

صوفی غلام اسلام الدین کلیمیؔ عرف کالے میاں صاحب میلاد خواں کہ جو ہندوستان کی مشہور و معروف شخصیت تھے "بلبلِ باغِ رسول ﷺ" کہلاتے تھے۔ حضرت قبلہ بابا صاحب وہاں بھی تشریف لے جاتے تھے۔ احقر راقم الحروف کو اس مقام پر بھی بابا صاحب سے شرفِ نیاز حاصل ہوتا رہا۔ میں قبلہ کالے میاں صاحب کی نشست میں روزانہ بھی حاضر ہوتا تھا۔ کیونکہ نعت گوئی، بچپن سے ہی میرا دلپسند شغل رہا ہے۔ اُن کے خلفاء کو مضامینِ نثر (میلاد شریف) نعتیں کہہ کر دیا کرتا تھا۔ اکثر میں اپنی نعتیں حضرت بابا صاحب کو بھی سناتا تھا اور بابا ان پر پسندیدگی کا اظہار فرما کر میرا حوصلہ بڑھا دیتے تھے۔ کالے میاں کلیمیؔ صاحب کی نشست کے سامنے ہی حاذق الحکماء صوفی حکیم عبدالشکور صاحب کا مطب تھا۔ بابا صاحب سے میری ملاقات وہاں بھی اکثر ہوتی تھی۔ حکیم صاحب ایک عالم با عمل عامل بزرگ تھے۔ میں اکثر اُن کی خدمت میں رہتا۔ بابا صاحب کی خوبیوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ علم و ادب سے بابا صاحب کی وابستگی بھی گہری معلوم ہوتی تھی۔ میں نے کئی بار حضرت کے دولتکدے پر ہی محفلِ نعت و منقبت کا اہتمام کیا۔ ایسی ادب نواز شخصیت، ایسے سُخن سنج اور نکتہ رس بزرگ آپ کے معاصرین میں شاید کوئی ہوا ہو۔ شاعروں پر تو لطف و کرم بہت ہی فرماتے تھے۔ شعراء کی تواضع کا خیال رکھتے تھے۔

بابا صاحب آنا ساگر کی پہاڑی پر واقع غریب نوازؒ کے چلّے پر تشریف لیجاتے اور گھنٹوں مراقب رہتے تھے۔ استغراق میں ہی زیادہ وقت گزرتا تھا۔ بڑے پیرؒ صاحب کے چلّے پر بھی حضرتؒ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ میں نے وہاں بھی محو و مستغرق ہی پایا۔ کبھی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے چلّے پر آپ تشریف لے جاتے کہ جو انا ساگر، دولت باغ میں واقع ہے۔ کبھی آپ تارا گڑھ پر حضرت میراں سید حسین خنگ سوارؒ، فاتح تارا گڑھ کے مزارِ مبارک پر جا کر تمام تمام دن عالمِ استغراق میں نظر آتے۔ اولیاء کاملین سے آپ کی قربت و یگانگت کا حال تو باخبر اور بامقام حضرات ہی جانتے ہوں گے۔ لیکن مجھ جیسے

ظاہر بین نے بابا صاحب کو ایک بندہ نواز اور ہمہ رنگ باغ و بہار بزرگ کی حیثیت سے ہی جانا اور دیکھا ہے۔ آپ حضرت شاہ صوفی سیّد عبدالحکیم لکھنوی کا مٹوی کے مقبول و مقرب خلفاءِ اکبر سے تھے اور آپ ہی کے حکم سے حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر گلیم فقر اور تاج معرفت کے مالک بنے تھے اور بایماتے خواجۂ خواجگان اجمیریؒ مسندِ رشد و ہدایت پر متمکن ہوئے اور تشنہ کامانِ بادۂ عرفاں کو سیراب فرماتے رہے۔ بابا صاحب قبلہ مولانا عبدالکریم شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ سلاسلِ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اویسیہ، تاجیہ میں صاحبِ مجاز تھے۔ حضرتؒ کی پوری حیاتِ طیبہ، رہروانِ راہِ ہدایت کیلئے مشعلِ راہ ہے۔ اُنکے نقوشِ قدم پر چل کر رہ نوردانِ طریقت اپنی منزل پا لیتے ہیں۔ میں نے تو یہی دیکھا ہے۔ آج بابا صاحبؒ کے ذکر مبارک سے عہدِ ماضی نگاہوں میں پھر گیا۔ ایسے پاک نفوس حقیقت میں منارۂ نُور ہوتے ہیں۔ جن کی ضیا پاشی سے کشورِ طریقت و شریعت ہمیشہ ہمیشہ جگمگاتی رہے گی ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد　　روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

حضرت قبلہ کی شان میں ایک منقبت عرض ہے وہ بھی پیش خدمت ہے:-

اوج پر اپنا نیرّ قسمت بابا یوسف شاہ سے ہے
جاہ و حشم، یہ عظمت و سطوت بابا یوسف شاہ سے ہے

رشکِ بہاراں بزمِ طریقت بابا یوسف شاہ سے ہے
غنچہ و گل میں رنگ و نکہت بابا یوسف شاہ سے ہے

گُل کی لہک صندل کی مہک یہ جشنِ چراغاں کا منظر
رُوح فزا ایوانِ طریقت بابا یوسف شاہ سے ہے

قربِ علیؑ و قربِ نبیؐ و قربِ خدا بھی اُس کو ملا
بخت سے حاصل جس کو قربت بابا یوسف شاہ سے ہے

میں ہوں سگِ دربارِ معینؒ مسلک ہے سلیمانی چشتی
اس لئے احقرؔ مجھ کو نسبت بابا یوسف شاہ سے ہے

——— حیدرآباد (پاکستان) ۹ نومبر ۱۹۷۷

میرا ایک خواب

۱۹۴۶ کی بات ہے۔ سرکارؒ اُن دنوں سخت علیل تھے اور علی گڈھ سے اجمیر شریف جاتے ہوئے دِلّی میں چند روز کے لئے دھلی ہوٹل میں قیام فرمایا تھا۔ ایک دن رات زیادہ ہوچکی تھی۔ سب کو حضورؒ نے رخصت فرمادیا، لیکن مجھ سے فرمایا کہ یہیں سوجاؤ۔ میں سرکارؒ کی مسہری کے نیچے ہی سوگیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ سرکارؒ کی میّت رکھی ہے لیکن میّت کا تمام جسم مچھلی جیسا ہے اور پورے جسم پر سِنّوں کی طرح سے چھوٹی الائچیاں جڑی ہوئی ہیں۔ حاضرین میں جتنے بزرگ ہیں وہ میت کے جسم پر سے الائچیاں چُن چُن کر کھا رہے ہیں۔ وہاں صف بستہ ایک جماعت میت کے چاروں طرف کھڑی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جماعت اس میت کو کھانا شروع کرنے والی ہے۔ میں نے جو یہ دیکھا تو سوچنے لگا کہ میں میت کے دماغ کو پہلے کھاؤں گا۔ اِتنا ہی دیکھ پایا تھا کہ آنکھ کُھل گئی۔

مجھے بڑی بے چینی تھی کہ یہ میں نے آخر کیا دیکھا ہے؟ صبح ہوئی تو میں نے سوچا کہ سرکارؒ کو یہ خواب سُنادوں۔ حضرت مولانا ذہین شاہ صاحب بھی ان دنوں جے پور سے دِلّی آئے ہوئے تھے۔ میں اُن کے کمرے میں پہنچا اور والیٔ طالب نگر نواب بہادر عبدالسمیع خان صاحب یوسفی تاجی کی موجودگی میں اُنہیں اپنا خواب سُنایا۔ ذہین شاہ صاحب نے خواب سن کر مجھے ہدایت کی کہ سرکارؒ کو یہ خواب نہ سُنانا۔ میں خاموش ہورہا۔ اُسی روز سرکارؒ کے روبرو ہم سارے پیر بھائی حاضر تھے۔ سرکارؒ نے فرداً فرداً سوال فرمایا کہ تم نے آج کیا خواب دیکھا ہے؟ میرے علاوہ کسی نے شاید خواب نہیں دیکھا۔ سب معذرت پیش کرتے رہے۔ جب مجھ سے وہی سوال فرمایا تو میں نے بھی عرض کردیا کہ میں نے خواب نہیں دیکھا۔ سرکارؒ نے فرمایا:

"تیرے ہی مُنہ پر جھوٹ بولوں تو کیا دے"

مجھے از حد خفت تھی کہ ذہین شاہ صاحب کی ہدایت ماننے کی پاداش میں مجھے سرکارؒ سے جھوٹ بولنا پڑا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ مجھے یہی شرمندگی تھی۔ رات ہوگئی میں حاضرِ خدمت تھا ہی۔ جب سب کو رخصت کردیا گیا تو ارشاد ہوا:۔

"ارے ہاں شوکت! وہ کیا خواب تھا؟"۔

میں نے اپنا پورا خواب سرکارؒ کو سُنایا۔

سرکارؒ نے فرمایا:۔ "ہاں مُرید، پیر کو کھا ہی تو جاتا ہے"۔

ہم تمہارے ساتھ ہیں

سرکار ابد قرار قدس سرہٗ اکثر وابستگانِ سلسلہ کو ارقام فرماتے:۔

"ہم تمہارے ساتھ ہیں"

یا، یہ مصرع لکھ دیا جاتا:۔

اے طالباں، اے طالباں! من با شما ہر جا ستم

ایسی خوبصورت باتیں کہہ دینا اور لکھ دینا تو بہت آسان کام ہے۔ لیکن اس بات کو پورا کرکے دکھا دینا اولیاء اللہ، واصلینِ حق کے سوائے کسی کے بس کی بات نہیں۔ اسلئے کہ اللہ والوں کے تصرفات اور اُن کا کشف، عالمِ مثال اور عالمِ برزخ و ارواح میں بھی جاری ہوتا ہے۔ جب کہ اہلِ استدراج کا کشف، صرف دائرۂ کون و فساد تک محدود ہوتا ہے۔

ہمارے ایک بہت ہی بزرگ پیر بھائی حضرت مولینا سید محمد ضیاء الحق شاہ صاحب یُوسفی تاجی رح، جو حضور سیدنا غوث الاعظم کی اولاد سے تھے اور حضرت تاج الاولیاء ناگپوری رح کی خدمت میں بہت رہے تھے (ریاست جے پور کی ایک نظامت شیخاواٹی کے صدر مقام جھنجھنوں میں وکالت فرماتے تھے) بھائی صاحب قبلہ علم و عقل کی سرحدیں پار کرکے، وادیٔ عشق میں داخل ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ سرکار رح کو عریضہ بھیجا، جس میں یہ گِلہ بھی پیش کر دیا تھا کہ حضور! میرے عریضوں کا جواب عطا نہیں فرماتے۔

سرکار رح نے جواباً تحریر فرمایا:۔

"ہم ظاہری خط و کتابت کے پابند نہیں۔ مگر تم خط و کتابت کے پابند رہ سکتے ہو"

(ان جامع نکات کو بخوبی سمجھ سکنے کے لئے چند دیگر واقعات کا بیان ضروری ہے جو پیش کئے جاتے ہیں)

متصرفِ حقیقی

ہم لوگوں نے، جن خوش نصیب برادرانِ طریقت کو سرکار یوسف الاولیاء قدس سرہٗ کی بارگاہ میں مقرب دیکھا تھا، اُن میں ایک رفیق بھائی بھی ہیں۔ سیادت و سعادت اُن کا نسبی ورثہ ہے۔ خانوادۂ سادات کے چشم و چراغ ہیں۔ اِن کے اعزہ و اقربا دہلی، آگرہ، ہاپوڑ، بلند شہر، گلاؤٹھی، اُلدن، بچھرایوں، بریلی، رام پور، جے پور، گوالیار اور بہار میں پھیلے ہوتے تھے۔ جو جہاں تھا وہیں کی وطنیت کی نسبت سے معروف تھا ——

"سید رفیق عزیزی دہلوی" کے نام سے برِ کوچک کے ادبی اور صحافتی حلقوں میں معروف ہیں۔ سرکار رح انہیں ممتاز رفیق کے نام سے یاد فرماتے (سلسلے میں بھی اسی نام سے معروف ہیں) اور خطوط میں "برخوردارم مولانا ممتاز رفیق سلمہ اللہ تعالیٰ" تحریر فرماتے۔ ریاست جے پور بستی حضرت نظام الدین اولیاء رح (دہلی)، مدرسہ فتح پوری (دہلی)، مُسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں تعلیم و تربیت پائی۔ جامعہ پنجاب سے "ادیب فاضل" اور "منشی فاضل" کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ عجز و انکسار، یگانگت و محبت گویا ان کا مشرب و مسلک ہے۔ اپنے پیر بھائیوں میں منجملہ افرادِ خاندان، ان کا شمار ہے۔ سارا گھرانہ داخلِ سلسلۂ عالیہ ہے۔ انہی رفیق بھائی نے بیان کیا:۔

۱۹۴۰ کے موسمِ گرما کا ذکر ہے۔ سرکار میرے آقا و مولیٰ رح ناگپور سے اکبر آباد (آگرہ) پہنچے۔ میں ہمرکاب تھا اور مجھے اس خدمت پر مُونس بھائی (ڈکٹر محمد مونس علی خان یوسفی علیہ الرحمۃ) کی جگہ شاید اس لئے مامور کیا گیا تھا کہ اُنہیں غازی آباد جانے کا حکم ملا تھا۔ آگرہ میں سرکار رح نے اپنے عرفانی بھائی انعام الٰہی صاحب انجینئر کے ہاں قیام فرمایا۔ پھر حضرت سیدنا ابوالعلاء علیہ الرحمۃ کی درگاہ پر تشریف لے گئے۔ یہ غلام کفش برداری میں تھا۔ تیسرا پہر کا وقت ہوگا سرکار رح بہت پُرکیف نظر آتے تھے۔ حاضرین کو حضرت سیدنا صاحب رح کے متعلق اشارۃً تعلیم فرماتے رہے۔ یہاں سے "میوہ کٹرہ" تشریف لائے اور حضرت سید محمد علی شاہ صاحب میکش اکبر آبادی کے بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ یہیں سے سرکار رح نے اپنے دوست حضرت سید نظام الدین شاہ صاحب دلگیر اکبر آبادی رح کے صاحب زادگان کو اطلاع

بھیجی۔ فوراً ہی حضرت دلگیرؒ کے صاحبزادوں میں سے سیّد انتظام الدین احمد شاہ جمالی (مرحوم) سیّد مبارک الدین احمدؒ شاہ اور سب سے چھوٹے صاحبزادے سید معین الدین احمد شاہ (جو ایس۔ ایم شاہ کے نام سے نشرگاہ، ریڈیو پاکستان کراچی سے وابستہ تھے اور آجکل لندن میں مستقل سکونت اختیار کر چکے ہیں۔ تشریف لے آئے۔ دست بوسی کی۔ بڑے ادب کے ساتھ بیٹھ گئے۔ سرکارؒ نے نام بنام اُن کے سب بہن بھائیوں کا حال پوچھا۔ یہ خاندان میرے قرابت داروں کا ہے۔

پھر سرکارؒ نے حضرت قبلہ میکشؔ اکبر آبادی سے گفتگو شروع فرما دی۔ اسی اثناء میں حکیم سید وہاج الدین احمدؒ صاحب (مرحوم) جو ماموں مرحوم حکیم سید نثار احمدؒ صاحب کے فرزندِ اکبر اور بڑے خوش شکل، خوش پوش اور خوش اوقات تھے، حکیم مولانا سیّد مبین احمدؒ صاحب اور میرے بھائی سید عظمت علی شاہ صاحب جعفری کے ساتھ آ گئے۔ سرکارؒ کے دست بوس ہوئے۔ یہ سب لوگ سرکارؒ کو "بابا" کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور سب ہی حضرتؒ سے بہت محبت کرتے تھے۔ سرکارؒ اور حضرت قبلہ میکشؔ شاہ صاحب کا موضوع گفتگو وحدۃ الوجود تھا۔ میرے آقا و مولاؒ قرآن کریم، احادیثِ مبارکہ، اقوالِ صحابہؓ اور حضرت شیخ اکبرؒ کی تعلیمات کے مطابق اِس مسلک کی حقانیت پر گفتگو فرما رہے تھے۔ (افسوس کہ میری کم علمی و کم عمری کی بناء پر آج وہ گفتگو لفظاً مستحضر نہیں ہے)

حضرت قبلہ سیّد محمدؐ علی شاہ صاحب جعفری میکشؔ اکبر آبادی جتنے بڑے عالِم دین ہیں، اُتنے ہی مشہور شاعر اور نقاد بھی ہیں۔ وہ خود اپنے خانوادے کے صاحبِ مجاز اور سجادہ نشین ہونے کے علاوہ سلسلۂ عالیہ نیازیہ چشتیہ کے مقتدر خلفاء میں سے ہیں۔ سرکارؒ سے اُن کے معاملات میں جو قربت اور یگانگت تھی، عام دیکھنے والے اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

مغرب سے قبل سرکار والاجاہؒ میوہ کٹرہ (سیب بازار) سے رخصت ہوئے۔ رخصت کے وقت حضرت قبلہ میکشؔ شاہ صاحب نے میرے متعلق کلماتِ سفارش فرمائے۔ نائی کی منڈی میں قبلہ انعام الٰہی صاحب انجنیئر کا دولت کدہ تھا۔ میوہ کٹرہ سے اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ رات کی ٹرین سے آگرہ سے کِراؤلی روانہ ہوئے۔ یہاں بھائی سیدظہور الحسنین شاہ صاحب ظاہر یوسفی ایم۔ اے، ایل ایل۔ بی (علیگ) سب رجسٹرار

تھے۔ وہیں قیام فرمایا۔ ڈاک کی ترسیل کا کام بھی چونکہ میرے سپرد تھا، اس لئے اُس وقت میری حیرانی کی انتہا نہیں رہی جب رات گیارہ بجے کِراؤلی کے ریلوے اسٹیشن پر میں نے ظہور بھائی کو دیکھا۔ وہ قدمبوس ہوتے۔ اُٹھے تو سرکارؒ نے فرمایا:۔
"تار مل گیا تھا؟" ظہور بھائی مسکراتے اور گردن جھکا کر بولے:۔ "جی! سرکار کا کرم"

کراؤلی ضلع آگرہ اور بیانہ ریلوے جنکشن کے فی مابین بی۔ بی۔ اینڈ سی۔ آئی ریلوے کی برانچ پر واقع ہے۔ کراؤلی سے بیانہ جاتے ہوئے اگلا اسٹیشن "فتح پور سیکری" ہے، جہاں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی عالی شان، لائقِ دید درگاہ ہے۔ درگاہ شریف سے متصل، مغل اعظم شہنشاہِ اکبر کے شاہی محلات ہیں، جن میں جودھا بائی کا محل خصوصاً قابلِ ذکر ہے۔

کراؤلی کے دورانِ قیام میں اگلے ہی دن حضرت میاں فرہاد شاہ صاحب وارثیؒ بھی تشریف لے آئے۔ سرکارؒ سے انہیں بڑی قربت تھی۔ لیکن سرکارؒ کی تمام تر بے تکلفی کے باوجود بھی، میاں فرہاد شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ سرکارؒ کے ادب و آداب میں سرِ مُو فرق نہیں آنے دیتے تھے۔

اب ذرا میری خام فہمی دیکھئے کہ کراؤلی تک آ جانے کے بعد یہ خواہش پیدا ہوئی کہ سرکارؒ فتح پور سیکری تشریف لے چلیں تو حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے ہاں بھی حاضری میسّر آ جائے۔ دو دن گزرے تو یہ دھڑکا لگا کہ کہیں یہیں سے واپسی نہ ہو جائے کہ معاً مجھے آواز دی:۔
"اے ممتاز رفیق! دیکھو تم ظہور کے ساتھ فتح پور سیکری ہو آؤ۔" ذرا توقف کے بعد فرمایا
مگر وہاں بھی تو ہمیں ہیں۔ شیخ سلیمؒ سے کیا لو گے؟"

سرکارؒ تو اتنا فرما کر خاموش ہو گئے۔ میاں فرہاد شاہ نے فرمایا:۔ حضرت! بچّہ ہے — ظہور بھائی نے چونک کر میری طرف دیکھا اور نہایت لطیف، پوشیدہ سی مسکراہٹ کے بعد گردن جھکا لی۔ لیکن مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا اور اپنی خامی پر خود کو کوس رہا تھا۔ تیسرے دن، تیسرے پہر کو سرکارؒ نے ظہور بھائی سے فرمایا:۔ "منشی کو علی گڑھ تار دے دو۔ ہم آج روانہ ہو رہے ہیں۔ ٹرین کا وقت لکھ دینا۔ ظہور بھائی اُسی وقت تشریف لے گئے۔ رات ۱۰½ بجے کے قریب سرکارؒ نے ظہور بھائی سے پوچھا:۔ "تار دیدیا تھا؟" ظہور بھائی نے عرض

کیاکہ سرکار میں نے ٹرین کا وقت بھی منشی بھائی کو تار میں لکھ دیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم سب کراؤلی ریلوے اسٹیشن پر تھے۔ ظہور بھائی دوڑ کر تین ٹکٹ علی گڈھ کے لے آئے۔ رات گیارہ بجے کراؤلی پر آگرہ جانے والی اور آگرہ سے آنے والی ٹرین کا ملاپ ہوتا تھا۔ گاڑیاں آیا چاہتی تھیں کہ یکایک سرکارؒ نے فرمایا:۔ "ارے ہمارے ٹکٹ تو لاؤ"۔ ظہور بھائی نے تین ٹکٹ پیش کئے۔ فرمایا: "کہاں کے ہیں؟"۔ عرض کیا: علی گڈھ۔ فرمایا:۔ "نہیں واپس کردو۔ دو ٹکٹ گنگاپور کے لاؤ اور ایک ٹکٹ فتح پور سیکری کا۔ میاں فرہاد شاہ صاحب کو شیخ سلیمؒ بلاتے ہیں"۔

دونوں گاڑیاں بیک وقت آکر کھڑی ہوگئیں۔ دو دو منٹ گاڑی ٹھہرنے کا وقت تھا۔ یہاں ٹکٹ اور سامان کو لئے پھرنے کی بھاگ دوڑ تھی۔ جلدی جلدی آگرہ سے آنے والی گاڑی کیلئے پلیٹ فارم ۲ پر پہنچنا تھا۔ سرکارؒ کو وداع کرنے کے لئے جو لوگ آئے ہوئے تھے اور ظہور بھائی کے کچھ مریدین نے سامان دوسرے پلیٹ فارم پر پہنچایا تو میں نے دیکھا کہ سرکارؒ پہلے ہی سے سیکنڈ کلاس کی ایک بوگی میں تشریف فرما ہیں۔ ظہور بھائی نے مجھ سے فرمایا:۔ "دیکھا! تار تو علی گڈھ اور خود گنگاپور"۔ میں سخت خلجان میں مبتلا تھا کہ اُدھر تو علی گڈھ کے اہلِ سلسلہ پریشان ہوں گے اور اِدھر جب رات کو ۳ ½ بجے کے بعد ہماری ٹرین گنگاپور پہونچے گی تو وہاں کوئی استقبالی موجود نہ ہوگا۔ سواری نہیں ملے گی۔

کراؤلی اور فتح پور سیکری کا ضلع آگرہ ہے۔ صوبہ جات متحدہ ہند میں واقع ہیں۔

ٹرین کراؤلی سے چل کر بیانہ جنکشن پہنچی۔ بیانہ ریاست بھرت پور کا ایک تاریخی قصبہ ہے۔ تاریخِ فرشتہ میں اس کا ذکر ہے۔ مسلم فاتحین میں سے بہت سے شہداء کے یہاں مزارات ہیں۔ بیانہ بی۔ بی۔ اینڈ۔ سی۔ آئی ریلوے کی مین لائن پر واقع ہے۔ ہم یہاں رات کو ۱۲ ½ بجے پہونچ گئے تھے۔ سرکارؒ نے ویٹنگ روم میں قیام فرمایا۔ دہلی سے آنے والی ایکسپریس ٹرین اب ہمیں لینی تھی۔ جو ریاست بھرت پور کے بعد ریاست جے پور (راجستھان) میں داخل ہوتی ہے اور بیانہ سے ۳۶ میل کے فاصلے پر ہنڈون سٹی اور پھر وہاں سے ۴۳ میل کی مسافت طے کرکے گنگاپور سٹی ہوتی ہوئی، بمبئی کے لئے روانہ ہوجاتی ہے۔ ہنڈون سٹی اور گنگاپور سٹی" دونوں قصبات، اپنے اپنے اضلاع کے صدر مقامات تھے۔

بیانہ جنکشن سے ٹرین لے کر جب سرکارؒ گنگاپور ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو میں نے بچشم خود دیکھا کہ جہاں سرکارؒ کا کمپارٹمنٹ تھا، ٹھیک اس کے سامنے حضرت قبلہ مولانا ذہین شاہ صاحب یوسفی کھڑے تھے اور اُن کے ساتھ بھائی شیخ انوار الحق صاحب یوسفی مرحوم سررشتہ دار، اور ان کے صاحبزادے برادرم وقار الحق صدیقی یوسفی اور بھائی شیخ ضیاء الحق صاحب یوسفی گرداور قانون گو، اور گنگاپور کے انسپکٹر ایکسائز نواب میاں قرولی کے علاوہ اس علاقے کے ایک بہت ہی کٹر متعصب ہندو سیٹھ رام چندر پلّی وال بھی موجود ہیں۔

اپنی سیٹ پر بیٹھے ہی بیٹھے سرکار علیہ الرحمۃ نے قبلہ مولانا ذہین شاہ صاحب یوسفی تاجی سے دریافت فرمایا:۔ "کیوں تار مل گیا تھا"۔ قبلہ ذہین شاہ صاحب تو کچھ نہ بولے۔ لیکن نواب میاں انسپکٹر ایکسائز نے بیساختہ مسکراتے ہوئے عرض کیا:۔ بابا صاحب آپ کے تار بھی عجیب ہوتے ہیں۔ نہ آتے نظر آئیں نہ جاتے۔ مگر ذہین صاحب کو مل جاتے ہیں

سرکارؒ نے اپنا مخصوص قہقہہ لگا کر فرمایا:۔ "ایسا ۔۔۔ ؟"

بات تو آئی گئی ہوگئی مگر میرے اضطراب کا وہ عالم تھا کہ کیا کہئے ۔۔ میں برابر سوچ رہا تھا کہ آخر یہ سب ہے کیا تماشا؟۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ حضرت قبلہ مولانا ذہین شاہ صاحب بحیثیت اہلمد فوجداری، تحصیل نادَوتی (ضلع گنگاپور، ریاست جے پور۔ راجپوتانہ) میں تعینات ہیں، جو گنگاپور سے کم و بیش ۱۶۔۱۷ میل دُور واقع ہے۔ وہاں نہ تار گھر ہے، نہ ڈاکخانہ ہے، نہ ریلوے لائن ہے۔ نہ کوئی پختہ سڑک ہے۔ نہ کوئی موٹر بس یا موٹر کار ہی وہاں جاتی ہے۔ بیل گاڑیوں، گھوڑوں، اونٹوں پر یا پیادہ پا وہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ ڈاکیہ بھی ہفتے میں ایک بار، شاید جمعرات کو، وہاں پہنچتا تھا۔ پھر یہ سب لوگ بغیر کسی برقیہ یا خط کے یہاں تک کیسے پہنچ گئے۔؟

وہاں سے سرکارؒ اجمیر شریف تشریف لے آئے۔ یہ غلام ہمرکاب رہا۔ کچھ دنوں بعد قبلہ مولانا ذہین شاہ صاحب سے نیاز حاصل ہوا۔ بھائی مونس علی خان صاحب یوسفی (نور اللہ مرقدہٗ) بھی موجود تھے۔ میں نے اُس روز گنگاپور والے واقعے کی بابت دریافت کیا تو قبلہ ذہین شاہ صاحب ادام اللہ برکاتہٗ نے فرمایا کہ یہ سرکارؒ کا ادنیٰ ترین تصرف ہے۔ میں مغرب کے بعد

یکایک نادوتی سے پیادہ پا گنگاپور پہنچا (مُسافت ۱۸ میل) اور گرداورجی (بھائی شیخ ضیاء الحق صاحب یوسفی جو بعد میں تحصیلدار ہو گئے تھے) کے ہاں قیام کیا۔ گنگاپور کے سیٹھ رام چندر پلی وال رات دو بجے گرداورجی کے ہاں آ گئے اور مجھے بتایا کہ ابھی ابھی میں نے خواب دیکھا کہ آپ نادوتی سے گنگاپور آئے ہیں اور گرداورجی (گرداور قانون گو) کے گھر پر ہیں اور باباصاحب ابھی ابھی گنگاپور آ رہے ہیں۔ آپ اسٹیشن چلئے۔ پھر سیٹھ رامچندر پلی وال کہ جنھوں نے سرکارؒ کی زیارت عالم ظاہر میں بقید ہوش و حواس کبھی نہیں کی تھی۔ وہ شبیہ مبارک جس کی اُنہیں زیارت ہوئی تھی اُس کا مکمل حُلیہ بیان کیا۔ جو بالکل سرکارِ والاجاہؒ کا حلیہ تھا۔ بس پھر ہم سب ریلوے اسٹیشن پہونچ گئے۔ واقعی سرکارؒ صبح چار بجے والی ٹرین سے تشریف لے آئے تھے۔

———●———

حضرت مولانا ذہین شاہ صاحب یوسفی تاجی نے اپنی تالیف وتصنیفِ لطیف "تاج الاولیاء" میں بیان کیا ہے کہ "سرکارؒ کا قصد تھا کہ اجمیر شریف سے عُرس کے بعد جے پور تشریف لائیں گے۔ مجھ سے فرمایا تھا کہ جب آئیں گے تار سے اطلاع کردیں گے۔ تار کا انتظار رہا۔ ایک دن اشارۂ قلبی کی بناء پر میں معہ احباب، ریلوے اسٹیشن جے پور پر از خود حاضر ہو گیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اجمیر شریف سے جو ٹرین آئی اُس میں سرکارؒ تشریف فرما تھے۔ نواب بہادر عبدالسمیع خاں، کنور محمد اصغر علی خاں یوسفی۔ بقاء اللہ خان یوسفی اور دوسرے احباب ساتھ تھے۔ میں قدم بوس ہوا تو فرمایا: "کیوں تار مل گیا تھا؟"

ذہین شاہ صاحب نے اسی ضمن میں لکھا ہے کہ سرکارؒ کو اپنے متوسّلین کے باطن میں تصرف کی زبردست قوت حاصل تھی، جو کچھ آپ دکھانا چاہتے دکھا دیتے، جو کچھ پہنچانا چاہتے، پہنچا دیتے۔ جس مُرید کے حال میں جس قسم کا تغیر چاہتے رُونما ہو جاتا۔

———●———

برکت علی خان صاحب یوسفی بیان کرتے ہیں کہ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ اکثر ہمارے پیر بھائیوں میں سے کچھ حضرات کو نماز کی پابندی کا حکم دیا جاتا تھا۔ لیکن اس وقت

تک مجھے ورد، وظیفہ کا کوئی حکم نہیں ملا تھا۔ علی گڑھ میں نواب بہادر صاحب طالب نگر کی کوٹھی چندنیاں میں سرکارؒ کا قیام تھا۔ شام کے وقت اکثر، کوٹھی کے چمن میں پُختہ فرش پر آرام کرسی پر رونق افروز ہوتے۔ ایسے ہی وقت میں، کوٹھی چندنیاں میں حاضر ہوا۔ سرکار آرام کرسی پر تشریف فرما تھے۔ میرے پیر بھائیوں میں سے چھ سات حضرات، کمرے میں تھے۔ میں باغیچہ میں پہنچا تو دیکھا کہ بلند شہر کے ہمارے ایک برادرِ طریقت مُصلّے پر بیٹھے وظیفہ میں منہمک ہیں۔

میں قدمبوس ہوا تو سرکارؒ نے فرمایا:۔ "اچھا تم آ گئے"۔ اُس وقت خاصی گرمی تھی۔ ہوا بند تھی۔ میں لوٹا کہ پنکھا لے آؤں۔ چلا تو راستے میں وہی وظیفہ میں مشغول پیر بھائی نظر آئے۔ اُن کے مُصلّے کے قریب ہی ایک دستی پنکھا رکھا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اس وظیفے سے تو کہیں بہتر تھا کہ یہ بھائی صاحب سرکارؒ کو پنکھا جھلتے۔ اس سے اچھی عبادت کیا ہو سکتی ہے۔ یہی خیال دل میں لئے پنکھا لے کر واپس آیا اور سرکارؒ کی کرسی کے عقب میں کھڑا ہو کر پنکھا جھلنے لگا۔ یکایک سرکارؒ نے فرمایا:۔

'ارے تمہیں "چہل کاف" آتا ہے؟

میں نے یہ نام بھی پہلے کبھی نہیں سُنا تھا۔ اس لئے خاموش ہی کھڑا رہا اور پنکھا جھلا کیا سرکارؒ نے ارشاد کیا:۔ "اچھا ہمارا بستہ لے آئیں"۔ میں بستہ لے آیا اور سرکارؒ کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ بستہ میں سے سرکارؒ نے کاغذ اور قلم دوات نکالے، چہل کاف لکھا اور مجھے دیتے ہوئے فرمایا: "اس کو پڑھ سکتے ہو؟"

عرض کیا، حضور! پڑھ لوں گا۔

سرکارؒ نے "اُونھ" کہکر فرمایا:۔ "لاؤ ہمیں دو!"۔ پھر آپ اُسے ٹھیر ٹھیر کر پڑھتے گئے۔ میں دُہراتا رہا۔ اِسی طور پر سرکارؒ نے تین بار مجھ سے چہل کاف پڑھوایا۔ تین بار پڑھوا چکنے کے بعد ارشاد ہوا کسی بھی وقت گیارہ مرتبہ اول و آخر درود شریف پڑھ کر اسے پڑھ لینا تو بس ہے۔ صرف تین بار سرکارؒ کے پڑھوانے سے مجھے پورا چہل کاف ازبر ہو چکا تھا اور تا ایں دم لوحِ دل پر محفوظ ہے ع اُس نے جو چاہا وُہی ہو کر رہا۔

———●———

بھائی سیّد محمد ممتاز (رفیقِ عزیزی) یوسفی صاحب بیان کرتے ہیں کہ سرکارؒ کی غلامی میں قبول کئے جانے سے پہلے مجھے سورۂ مزمّل، سورۂ دَھر اور دُرُودِ تاج یاد نہیں تھیں۔

سرکارؒ سے حصولِ بیعت سے قبل، ایک ہفتہ تک شبانہ روز سرکارؒ کی خدمت میں حاضر رہا۔ پانچوں وقت سرکارؒ کی امامت میں نماز با جماعت ہوتی تھی اور داہنی جانب صفِ اوّل میں موجود ہوتا تھا۔ سرکارؒ کا معمول یہ تھا کہ نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں سورۃ المزمّل، اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر تلاوت فرماتے، نمازِ مغرب کی پہلی رکعت میں لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ تا۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْم تلاوت فرماتے اور دوسری رکعت میں سورۃ النّاس اور نمازِ عشاء کی پہلی رکعت میں سورہ وَالضُّحٰی، اور کبھی سورہ مُزمّل شریف اور دوسری رکعت میں سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ۔ سرکارؒ کی تجوید و ترتیل کے علاوہ آپؒ کی لحنِ مبارک ایسی دلکش، پُرسوز اور گونجدار تھی کہ میں نے پہلے نہ سنی تھی اور نہ آج تک سُنی ہے۔ فجر کی تین نمازیں سرکارؒ کے پیچھے پڑھنے کے بعد مجھے سورہ المزمّل اور سورۂ الدھر یاد ہو چکی تھیں۔ سورہ وَالضُّحٰی اور اَلَمْ نَشْرَحْ کی تلاوت (سرکارؒ کی آواز میں) ہر دم کانوں میں گونجتی رہتی تھیں۔ اسی طور پر مغرب کی تین نمازیں پڑھتے ہی آیات لقد جاء کم (تا) رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ازبر ہو چکی تھیں اور جس دن سرکارؒ نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمانے کا اعزازِ بے مثال عطا فرمایا۔ وہ دن عیدالاضحیٰ کا تھا۔ دوگانۂ عید سے قبل اور نمازِ فجر کے معاً بعد سرکارؒ نے پہلے مجھے اور پھر بھائی اظہارالحق صاحب ابنِ بھائی شیخ محمدؐ ضیاءالحق صاحب مرحوم (تحصیلدار) کو حصولِ بیعت کا شرف بخشا اسی شام کو بعدِ مغرب گلدستہ شریف پڑھا گیا۔ گلدستہ شریف دُرُودِ تاج سے شروع ہوتا ہے۔ دو روز تک پھر انہیں اوقات میں گلدستہ شریف پڑھا گیا۔ اب اسے میرے سرکارؒ کی زندہ کرامت کے علاوہ کیا کہیئے کہ تین مرتبہ درودِ تاج سرکارؒ سے سُن لینے کے بعد وہ بھی مجھے ازبر ہو چکی تھی۔ حالانکہ میرا حافظہ ہمیشہ کمزور رہا ہے ؎

زمن برآں گلِ عارض غزل سرایم و بس ۔ کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار آنند

———— • ————

ہمارے ایک پیر بھائی متین خان، حضرت بابا صاحبؒ کے وصال پر چھتاری سے ناگپور شریف گئے۔ لیکن چند روز بعد اُن کی طبیعت اُچاٹ ہو گئی اور انہوں نے عزیزم برکت علی خان صاحب یُوسفی سلمہ اللہ تعالیٰ کے توسّط سے سرکارؒ سے رخصت چاہی۔ انہوں نے سرکارؒ سے عرض کیا تو ارشاد ہُوا:۔ "اچھا لنگر کا دلیہ نہیں پیا جاتا ہو گا"۔ اس کے علاوہ کچھ نہ فرمایا۔ تمام دن گزر گیا۔ شام کو سرکارؒ نے برکت علی خاں یوسفی سلمہٗ سے فرمایا:۔ "تم ہمراہ چلے جانا۔ اس کو اسٹیشن پر گاڑی میں سوار کرا دینا"۔ عزیزم برکت علی خاں صاحب نے بتایا کہ میں دل ہی دل میں خیال کرنے لگا کہ متین اور میرے پاس تو کچھ ہے نہیں۔ ٹکٹ کیسے لیں گے؟۔ معاً سرکارؒ نے فرمایا:۔ "بس گاڑی میں بیٹھ کر چلے جاتے۔ سب بابا کی گاڑیاں ہیں۔ ٹکٹ کی ضرورت نہیں ہے"۔

متین خان یوسفی سلمہٗ بتاتے تھے کہ برکت اور میں جب اتوارہ ریلوے اسٹیشن پہنچے تو گیٹ کیپر ٹکٹ ایگزامنر نے ہمیں پلیٹ فارم پر ہی نہ جانے دیا۔ انہوں نے دل میں کہا: "سرکارؒ اب ہم کیا کریں؟"۔ اتنا سوچا تھا کہ پلیٹ فارم پر دو آدمیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ گیٹ کیپر اُدھر دوڑا، ہم دونوں فوراً ہی اندر چلے گئے۔ پھر برکت نے مجھے گاڑی میں سوار کرا دیا۔ گاڑی چل پڑی تو وہ واپس ہو گئے۔ متین خاں یوسفی سلمہٗ بتاتے تھے کہ انہیں کہیں چیک نہیں کیا گیا اور بخیر و خوبی چھتاری پہنچ گئے۔

ع۔ جدھر دیکھا جہاں دیکھا اُنہیں کو حکمراں پایا

———— • ————

متین خان صاحب کو سوار کرا کے برکت علی خان صاحب اسٹیشن سے باہر آئے اور تاج آباد جانے کیلئے سواری ڈھونڈھتے رہے۔ تانگے والے کہتے تھے کہ وہاں کی سواریاں نہیں ہیں۔ پورا تانگہ لے چلنا ہو گا۔ لیکن اُن کی جیب اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ سوچا کہ پیدل ہی چلئے۔ یہ رات کے نو کا عمل تھا۔ اسٹیشن سے تھوڑا سا آگے آئے تو سڑک پر اندھیرا تھا۔ دو رُویہ درخت، مہیب منظر، ڈر لگنے لگا۔ دو فرلانگ چلے ہوں گے کہ خوف اور بڑھ گیا۔ اسی اثناء انہیں اپنے دائیں جانب سے شیر کے دَہاڑنے کی آواز آئی۔ برکت صاحب کا بیان ہے کہ میرے قدم رُک گئے۔ جسم کے رونگٹے تو ایک طرف، سر کے بال

تک کھڑے ہو گئے تھے۔ میں نے فریاد کی کہ باباصاحبؒ میں تو آپ کے دربار میں آیا ہوں، پھر یہ مصیبت کیوں پڑی ہے۔ بس اب شیر آجائے گا اور مجھے اُٹھا کر لے جائے گا۔ ناگاہ سامنے کی طرف نظر گئی تو معلوم ہوا کہ ٹارچ کی روشنی ہے۔ خیال ہوا کہ کوئی سائیکل سوار آرہا ہے۔ کچھ ڈھارس بندھی۔ سوچا کہ جب وہ میرے قریب آجائے گا۔ تو اُسی سے کہوں گا کہ مجھے تاج آباد شریف تک پہنچادو۔ میری نظر اُسی روشنی پر جمی رہی جو ابھی بہت دُور تھی۔ اسی خیال میں قریباً پانچ چھ منٹ گزر گئے۔ میں ریلوے اسٹیشن سے ابھی دو یا تین فرلانگ ہی چل پایا تھا کہ میرے بائیں جانب سے آواز آئی:۔ "برکت!"۔ یہ میرے سرکارؒ کی آواز تھی۔ میں آواز کی جانب متوجہ ہوا تو دیکھا کہ میرے آقا و مولیٰ سرکار حیات مدارؒ سامنے کھڑے ہیں۔ میں حیران تھا کہ سرکارؒ اس وقت یہاں کدھر تشریف لے آئے۔ میں سڑک سے نیچے اُتر کر اُدھر کو لپکا، سرکار بھی میری طرف بڑھے۔ قدمبوس ہُوا۔ سرکارؒ نے دریافت فرمایا:۔ "متین کو سوار کرا آئے؟"۔ عرض کیا:۔ "جی حضور!"۔ پھر میں نے عرض کیا:۔

"حضور! میں پیدل ہی چل پڑا۔ کوئی سواری نہ مل سکی۔ راستے میں شیر دہاڑ رہا تھا۔ مجھے بہت ڈر لگا"۔ فرمایا:۔ "پھر؟"۔ عرض کیا:۔ "حضور! سامنے سے سائیکل کی بتی نظر آئی۔ میں نے سوچا کہ یہ قریب آجائے تو کہوں گا کہ مجھے تاج آباد پہونچا دیجئے۔ سرکارؒ نے متبسم ہو کر فرمایا:۔ "ارے وہ شیر تو راجہ کے کٹھرے میں بند ہے۔ یہ بابا کا جنگل ہے کس کی مجال ہے کہ بابا کے بچوں کو گزند پہنچائے۔ جاؤ تمہاری اماں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔

میں اندر جھونپڑے میں گیا۔ اماں صاحبہ کی خدمت میں بندگی عرض کی۔ اماں نے کھانا عطا فرمایا اور ساری روئیداد سنی۔ میں حیران تھا کہ یہ چھ یا سات میل کا سفر، جس میں میں نے بمشکل دو تین فرلانگ طے کئے ہوں گے، کیونکر دس گیارہ منٹ میں طے کر لیا اور سرکارؒ بہ نفس نفیس کہاں سے تشریف لے آئے تھے ؎

قریب اتنا کہ چاہوں تو دیکھ بھی نہ سکوں
مری نظر سے ترا فاصلہ ہی اتنا تھا (حشمت یوسفی)

برکت علی خاں صاحب یوسفی نے بتایا کہ میں علی گڈھ پہنچا تو معلوم ہوا کہ سرکارؒ

تشریف لائے ہیں۔ میں فوراً کوٹھی چندنیاں پہنچا۔ دن کے گیارہ کا عمل ہوگا۔ وہاں کچھ برادران طریقت پہلے سے حاضر تھے۔ میں قدمبوس ہوا۔ فرمایا:۔ "ہاں ہم کل یہاں پہنچے۔ آپ لوگوں کو مطلع نہ کر سکے۔ شوکت اچھے ہیں۔ تمہارے والد، والدہ اچھے ہیں؟"۔ عرض کیا: حضور کا کرم ہے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سب لوگ سرکارؒ کی خدمت ہی میں حاضر رہا کرتے تھے۔ سرکارؒ نے قیلولہ فرمایا۔ پھر نمازِ ظہر ادا فرمائی۔ نمازِ ظہر کے بعد سرکارؒ تلاوتِ کلامِ پاک ضرور فرماتے تھے۔ تلاوت فرمائی۔ ساڑھے چار کا وقت ہوگا، سرکارؒ اپنی آرام گاہ سے برآمد ہوئے۔ برآمدہ میں ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ پاس ہی ایک کونے میں تاڑ کا بڑا پنکھا رکھا تھا۔ میں سرکارؒ کے عقب میں کھڑا ہوا اور پنکھا جھلنے لگا۔ سرکارؒ نے ڈبیہ بٹوا سنبھالا۔ پان شوق فرمایا۔ سرکارؒ کی نشست کچھ اسطرح تھی کہ میں سرکارؒ کے روئے انور کی بخوبی زیارت کر سکتا تھا۔ یکایک مجھے خواہش ہوئی کہ یہ پان جو سرکارؒ کھا رہے ہیں، اس کا اُگال اگر مجھے عطا فرمادیں تو کھا لوں۔

سرکارؒ نے پان جلد جلد چبانا شروع کر دیا۔ پھر اپنے داہنے ہاتھ میں اپنا اُگل لیا اور مُٹھی باندھ لی۔ سرکارؒ بڑے ہی لطیف مزاج اور شائستگی و پیراستگی کے مجسمہ تھے آپ کا اگال ہاتھ میں لینا ایک حیران کن بات تھی۔ پاس ہی اگالدان بھی موجود تھا۔ تھوڑے ہی وقفے کے بعد سرکارؒ نے اپنا وہ ہاتھ اپنے سر سے بلند فرما کر آرام کرسی کے پشتی ڈنڈے کے پیچھے کی طرف کو کر کے مٹھی پچھلی جانب جھکا دی۔ میں نے ذرا سی اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی مُٹھی کے نیچے پھیلا دی اور بائیں ہاتھ سے پنکھا جھلتا رہا۔

معاً سرکارؒ نے اپنی مٹھی کی کلمۂ شہادت والی انگلی کھول دی۔ پھر برابر والی، کچھ دیر بعد اُس کے برابر والی اور آخر میں چھوٹی انگلی اور انگوٹھا بھی کھول دیا۔ میں تو اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا ہی، وہ سارا اُگال میری ہتھیلی پر آرہا، اور میں نے بلا توقف اسے منہ میں رکھ لیا۔ سرکارؒ بہت دیر تک اُسی طرح ہاتھ کئے بیٹھے رہے۔

بُود کہ مجلسِ حافظ بیمنِ تربیتش
ہر آنچہ می طلبید جملہ باشدش موجود

علمِ تعبیر اور کشف سے خواب کا علم ہونا

سرکار والا مدار کا نامِ نامی عبد الکریم تھا۔ حضرت تاج الاولیاء ناگپوری قدس سرہٗ نے آپ کا نام محمد یوسف کر دیا۔ اس تبدیلیٔ اسم میں، دوسرے معنوی محاسن کے علاوہ، یہ شرفِ اسمی" اس امر کی بیّن دلالت رکھتا ہے کہ میرے سرکارؒ پر عالمِ مثال، منکشف تھا اور" تعبیرِ خواب کے علم" میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

حضرت تاج الاولیاء ناگپوریؒ بیشتر گفتگو، مثالی زبان ہی میں فرماتے تھے اور اس کا مطلب صرف وہی شخص سمجھ سکتا تھا جو "علمِ تعبیر" کا متبحر عالم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حاضرین، باباصاحبؒ کی باتوں کو سمجھنے کے لئے سرکار یوسف الاولیاءؒ سے رجوع کرتے اور مُراد پا لیتے تھے۔

برکت علی خاں صاحب یوسفی لکھتے ہیں کہ حضرت تاج الاولیاء ناگپوریؒ نے پردہ فرمایا تو چھتاری اطلاع پہنچنے پر کچھ لوگوں کا ارادہ ناگپور حاضری کا ہوا۔ میں بالکل نوعمر تھا مگر ناگپور جا پہونچا۔ ایک دن تاج آباد شریف میں سرکارؒ کی قیام گاہ پر آپؒ کے ایک پیر بھائی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے خواب میں باباصاحبؒ نظر آئے ہیں اور فرمایا ہے کہ ہم سات دن، میں زندہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے ٹھیک طرح یاد نہیں رہا ہے۔ کہ باباؒ نے سات دن کہے تھے یا سات ہفتے، یا سات مہینے فرمایا تھا۔ سرکارؒ نے خواب سماعت فرمایا اور خاموش ہو گئے۔ خواب بیان کرنے والے بزرگ نے خواب کی تعبیر پوچھی سرکارؒ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ" باباصاحب کے زندہ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی ہی مدت میں کوئی مصیبت یہاں نازل ہوگی۔" چنانچہ وُہی ہُوا۔ سات دن گزرے تھے کہ تاج آباد شریف میں بادوباراں آیا۔ تمام جھونپڑیاں اُڑ گئیں۔ جن چند دکانوں اور ہوٹلوں کی چھت پر ٹین بھی پڑے ہوئے تھے، وہ ہوا میں گھاس کی طرح اڑتے پھرے۔ ان ٹینوں سے ٹکرا جانے والے کئی آدمی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بہت سے زخمی ہوئے۔ خود حضرت تاج الاولیاء ناگپوری علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک

کے ٹین بھی ہوا میں اُڑ اُڑ کر دُور جا پڑے۔ اُس دن سرکارؒ کی کیفیت فرو ہوئی تو آپؒ نے ٹین اور لکڑی کا سامان منگا کر پہلے مزارِ مبارک کی چھت اور لکڑی کا حجلۂ مبارک بنوایا اور باباصاحب کا جھنڈا لے کر کچھ لوگوں کو عام چندے کیلئے ناگپور شریف بھیجا۔ تاکہ آفت زدگان کی از سرِ نو آبادکاری سہولت کے ساتھ ہو سکے۔

ہمارے ایک بہت ہی لائقِ احترام اور پیارے پیر بھائی ڈاکٹر ایم، ایم، احمدؒ صاحب تھے (علیہ الرحمۃ) کراچی یونی ورسٹی میں فلسفے کے شعبے کے صدر تھے۔ آرٹ فیکلٹی کے سربراہ تھے۔ اِسی یونیورسٹی میں قائم مقام وائس چانسلر بھی رہ چکے تھے۔ مُسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے گنے چُنے سپوتوں میں ان کا اسمِ گرامی بھی سرفہرست نظر آتا ہے۔ کراچی یونی ورسٹی میں آنے سے پہلے پاک فوج کی کاکول اکیڈیمی" میں بھی استاذ تھے۔ لیفٹننٹ کرنل اُن کا رینک تھا۔ علومِ متداولہ پر دستگاہ رکھتے تھے۔ عالمِ اسلام کے عظیم ترین مسلمان فلسفی ہونے کی حیثیت سے اُن کا ہمدوش، اُنہیں کے ایک ساتھی اور استاد بھائی حضرت ڈاکٹر برہان احمدؒ فاروقی پی ایچ، ڈی (علیگ) کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا۔ تحریک پاکستان میں اِن دونوں فلسفیوں نے جو کردار انجام دیا، اہلِ پاکستان کو اُن احسانات کا علم ہی نہیں ہے۔ (تحریکِ حصول پاکستان میں خود سرکار یوسف الاولیاء علیہ الرحمۃ کے تصرفات کے علاوہ موثر اور محسوس جدوجہد اور آپکے وابستگانِ دامن حضرات کی محسوس و معلوم کوششوں کا ایک مستقل باب ہے)

ڈاکٹر محمد محمود احمدؒ صاحب یوسفی تاجی (ڈاکٹر ایم۔ ایم۔ احمدؒ) جب ہندوستان میں تھے تو انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بائیں ہاتھ کی طرف کھڑے ہوئے حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اگرچہ یہ زیارت سے مشرف ہوئے مگر چہرۂ انور صاف طور پر نہ دیکھ سکے۔ کچھ دُھندلا سا نظر آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے سرکارؒ کی خدمت میں اپنا خواب بیان کیا، تو ارشاد ہُوا۔

بائیں طرف کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم اہل دل ہو جاؤ گے اور تہجد پڑھو گے تو دُھندلکا دُور ہو جائے گا۔ پھر فرمایا: ———

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ [پارہ ۱۵۔ سورۂ ۱۷ رکوع ۸]

سرکارِ واالامداد یوسف الاولیاءؒ نے محمود صاحبؒ کے خواب کی جو تعبیر عطا فرمائی وہ قدم قدم پر محمود صاحبؒ کے شریکِ حال رہی۔ ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ اخلاقِ نبوی کی زندہ تصویر بن گئے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ وہ آج کعبۃ اللہ کی جنت المعلیٰ میں اُم المومنین حضرۃ خدیجۃ الکبریٰؓ کی آغوشِ رحمت وشفقت میں آسودہ ہیں۔

———●———

ہمارے ایک پیر بھائی سیّد محمدؐ عیسیٰ صاحب یُوسفی، صوبہ بہار کے رہنے والے تھے اور ریاست جے پور میں تحصیلدار تھے۔ غالباً ۱۹۳۹ کا ذکر ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رحؒ ایک بہت اونچے چبوترے پر کھڑے ہیں۔ اور تاج پہنے ہوئے ہیں۔ یکایک آپ نے وہ تاج اُتارا اور آسمان کی طرف اُچھال دیا۔ معاً ایک دوسرا تاج آپ کے سر پر نظر آنے لگا۔ بابا صاحبؒ نے اُسے اتارلیا ور آسمان کی جانب زور سے اُچھال دیا۔ اب کی تیسرا تاج آپ کے سرمبارک پر آگیا۔ اُسے بھی اسی طور آپؒ نے آسمان کی طرف پھینک دیا۔ یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ آخر میں بابا صاحبؒ کی نظر بھائی سیّد محمدؐ عیسیٰ صاحب یوسفی تحصیلدار پر پڑی۔ انہوں نے فوراً ہی نہایت ادب سے بابا صاحبؒ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ بابا صاحبؒ جواباً صرف مُسکرا دیئے۔ تحصیل دار صاحب کی آنکھ کھُل گئی۔

انہوں نے اِس خواب کو قبلہ وکعبہ پیرو مرشد سرکار واالامدادؒ کی خدمت میں تعبیر عطا فرمانے کی نیّت سے پیش کیا۔ سرکارؒ نے فرمایا:۔

"خواب کی تعبیر تبادلۂ تخت وتاج ہے"۔

اس ارشاد کے کچھ عرصہ بعد ہی بیلجئم، ناروے، ہالینڈ، فن لینڈ، ڈنمارک وغیرہ جو سلطنتیں تھیں، ان کے تخت اور تاج تبدیل ہوگئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے بادشاہتیں ختم ہونا شروع ہوگئیں۔

——— ○ ———

الــــــوداع

چندنیاں کوٹھی کے قیام کے دوران میں ہی ایک دن سرکارؒ نے اعلان فرمایا کہ ہم تندرست ہوگئے ہیں۔ آج غُسلِ صحت کریں گے۔ فوراً غسل خانے کا حمام گرم ہوگیا۔ رُوئی کے پردے تمام دروازوں پر ڈال دیئے گئے۔ سرکارؒ نے غسل فرمایا تو سارے پیر بھائیوں نے سرکارؒ کا جسم مَلنے اور پانی ڈالنے میں حصّہ لیا۔ خواتین نے کہلایا کہ یہ شرف ہمیں بھی عطا ہو۔ چنانچہ غسّالِ خصوصی کے علاوہ تمام مَرد ہٹ گئے۔ ہماری پیر بہنیں حاضر ہوئیں اور سرکارؒ کے غسل میں حصّہ لینے سے مشرف و مطہّر ہوئیں۔ غسل کے بعد محفلِ سماع آراستہ ہوئی۔ سرکارؒ اپنے کمرے میں ہی گرم کپڑوں میں لپٹے ہوئے لیٹے رہے اور اپنے تمام غلاموں کو محفل میں شرکت کا حکم دیتے رہے میں ایک طرف بیٹھا رہا۔ فرمایا: "شوکت! جاکر قوالی سُنو"۔

ہم میں سے کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ کیسا غسل ہے؟ اور اس غسل کے بعد یہ کیسی محفلِ سماع ہے اور اپنے پاس کسی کو کیوں نہیں ٹھہرنے دیا جارہا ہے۔ یہ کیسے اشارات ہیں۔ اِن اشارات میں کیا کِنائے ہیں، کیا نکات ہیں؟

غسل صحت کے بعد سرکارؒ نے فرمایا کہ اب ہم تندرست ہوچکے ہیں، اجمیر شریف جائیں گے۔

اجمیر شریف روانگی کے وقت ریلوے اسٹیشن پر لوگ الوداعی قدمبوسی کررہے تھے۔ میری حالت گریہ سے غیر تھی۔ سرکارؒ کے قدموں میں سر رکھے زاروقطار رو رہا تھا گاڑی نے وِسل دے دی۔ سرکارؒ نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بلند آواز سے فرمایا: "جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا"۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہی قبلہ وکعبہ ہم سے ظاہری زندگی سے بچھڑ گئے ۔۔۔!

———○———

آپ بیتی

بچپن ہی سے سرکار والا کے کشف و کرامات کے تذکرے سنتا آرہا تھا جن حضرات کو سرکار سے فیض پہنچا وہ لوگ نہایت عقیدت سے پیش آنے والے واقعات سنایا کرتے میرے قلب پر بچپن ہی سے بابا صاحب کی عظمت کا اثر تھا۔

میں سنہ ۱۹۴۰ء میں زیر تعلیم تھا سالانہ تعطیل گزارنے قصبہ اودون جو کہ ضلع علی گڑھ ہی میں ہے پہنچا۔ میرے والد محترم جناب بابا شوکت علی شاہ صاحب قصبہ اودون ہی میں تھے اور سرکار کے فیض و برکات اور کا شرف موصوف کو بابا کے کرم سے حاصل تھا، میں نے قبلہ والد صاحب کی خواہش کو محسوس کیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں کہ تمام اہل اودون سرکارؒ کے فیض و برکات سے دنیا و عاقبت اور خوشنودیٔ خدا اور رسول کا شرف پالیں۔ چنانچہ قبلہ والد صاحب کچھ دن بعد علی گڑھ گئے اور سرکار سے درخواست کی، سرکارؒ نے ازراہِ کرم وعدہ فرمایا۔ جس دن سرکارؒ آنے والے تھے صبح ہی سے سب لوگ جمع ہونا شروع ہوئے۔ اتنے میں بھائی کنور یونس علی صاحب تیز دوڑے آئے اور کہا کہ سرکارؒ آگئے۔ سب پیشوائی کے لئے تیزی سے آگے بڑھے قدمبوسی کی سرکارؒ کے ہمراہ پچاس ساٹھ مرید ساتھ تھے۔ بعد نماز مغرب فاتحہ اور نماز عشاء کے بعد محفل سماع کا انتظام تھا۔ قبل از فاتحہ بھائی یونس علی صاحب نے والد صاحب سے کہا کہ مناسب وقت ہے شرافت کو بھی سرکارؒ کی غلامی میں دے دو۔ میں سن رہا تھا، غلامی کا جو خاکہ میرے ذہن میں تھا اس کا تصور میرے لئے بڑا تکلیف دہ تھا، میں چپکے سے وہاں سے ہٹ گیا چھوٹے خان سپاہی مجھے والد صاحب کے حکم پر مجھے تلاش کرتے رہے۔ وہ بھی سلسلے میں تھے۔ ملتے ہی کہا چلو تمہیں بھی مرید ہونا ہے میں تمہیں کو تلاش کر رہا تھا میں نے کہا جاؤ مجھے مرید نہیں ہونا ہے۔ سرکارؒ جھوٹی چائے جس میں پان اور تھوک شامل ہوتا ہے پلا کر مرید کرتے ہیں یہ میرے بس کا نہیں ویسے دل سے میں سرکار کا مرید ہوں۔ انہیں کی گود میں پلا بڑھا ہوں۔ البتہ فاتحہ میں چلتا ہوں۔ فاتحہ کے بعد دعا مانگ رہا تھا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ کہیں پھر کسی کو یاد نہ آجاؤں۔ سرکار پر میری نظر پڑی دیکھا تبسم فرمارہے ہیں۔ میں نے نظر

نیچی کرلیں کچھ دیر بعد سرکار کے قریب اپنے کو پایا تو عرض کیا کہ سرکار دعا فرمادیں کہ میں خوب پڑھ جاؤں سرکار نے فرمایا اتنا بھی بس ہے اس کے بعد سرکار بستر پر تشریف لے گئے مجھے اماں جی نے طلب کیا اور فرمایا "ننھا" تجھے مولانا یاد کررہے ہیں۔ میں حاضر خدمت ہوا تو سرکار نے بڑی شفقت سے اپنے ہی پاس بٹھالیا اور اماں جی سے ایک پیالہ دودھ منگایا اس پر دم کیا پھر کہا لو یہ پی لو، مجھے یقین ہوا کہ سرکار نے میرے خیالات کو سمجھ لیا، میرا سر شرم سے جھک گیا اور میں پسینے پسینے ہوگیا۔ گھبراہٹ میں جھجکا تو سرکار نے اپنے ہی دست کرم سے لبریز پیالہ مجھے پلادیا۔ اور فرمایا ارے ہم سب باباہی کے غلام ہیں۔ اس وقت کی کیفیت مجھے یاد نہیں کہ میں اسے الفاظ کا جامع پہنا سکوں اسی کیفیت میں جب باہر آیا تو مولانا اختر علی شاہ صاحب نے سینے سے لگایا اور بڑے ہی پُر خلوص عقیدت سے مبارکباد دی۔

بس اتنا یاد ہے نظریں ملیں تھیں نظروں سے ۔۔۔ پھر اس کے بعد جو گزرے وہ واقعات نہ پوچھ

میں ان انعام و اکرام پر جتنا ناز کروں کم ہے، صبح ناشتہ سرکار نے ساتھ کرایا اور بالائی اپنی پلیٹ میں کھلائی ایک دن دوران فاتحہ دل میں یہ خیال گزرا کہ گلدستہ میں جو شعر درج ہے

جس نے دیکھا ہے انہیں اس نے اسی کو دیکھا

ہم بھی اس دید سے حیران نے بیٹھے ہیں

بس ایک خیال آیا اور گزر گیا نہ لب ہلے جو کسی سے کہتا۔ ایک شب خواب میں دیکھا کہ سرکار کے مزار اقدس پر جارہا ہوں۔ ہمراہ حضور سرکار الاولیاء حضرت بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں اور موجودہ مسجد کا صحن ہے (حالانکہ اس وقت مسجد تعمیر نہیں ہوئی تھی) ایک عجیب سا سماں ہے۔ ہر طرف گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں موسم کی رنگینی میں جب بابا صاحب کے قریب پہنچا تو حضور نے فرمایا لو نہاتے ہیں۔ اور دو عدد سفید صابن کی ٹکیاں عطا فرمائیں پھر موسلا دھار بارش بھی شروع ہوگئی وہیں پر ایک کنواں ہے اس کنویں سے پانی بھر بھر کر اور صابن کی ٹکیاں مَل مَل کر خوب نہایا۔ جب فارغ ہوا تو ایسا محسوس ہوا کہ ایسی بالیدگی جسم و روح میں پہلے کبھی نہ آئی تھی، پھر بابا صاحب نے فرمایا۔ تو نے اللہ کو دیکھا ہے؟ میں خاموش کھڑا رہا۔ سرکار کے اشارے پر دیکھا تو ہر سمت بابا صاحب پر نظر جاتی بابا صاحب ہی بابا صاحب نظر آتے۔ کھڑے ہوئے بھی ہیں بیٹھے ہوئے بھی ہیں۔ پھر فرمایا۔ ارے اللہ کو دیکھا؟ (گلدستہ کا وہ شعر جو مجھے دوران فاتحہ خیال آیا تھا دفعتاً

یاد آیا اور میں بجید شرمندہ ہوگیا، حقیقت تو یہ ہے کہ مجھ ناچیز پر بجید کرم نوازی ہے۔ اکثر بیشتر زیارت روئے زیبا سے سرفراز فرماتے ہیں اور ہر مشکل میں کام آتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے میرے اوپر جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا۔ میں بابا حضرت یوسف شاہؒ کی طرف رجوع ہوا۔ دورانِ مقدمہ ہر جگہ بابا صاحب میرے ساتھ رہے ہیں انھیں کھلی آنکھوں سے دیکھتا یہاں تک کہ اس شخص نے مجھ سے معافی مانگ لی۔ اور مقدمہ واپس لے لیا

تصور کو اللہ آباد رکھے — وہیں آگئے وہ جہاں بھی گئے ہم

ایک دن اویس صاحب نے مجھے فون کیا کہ آج گھر پر قوالی کا پروگرام ہے (اویس صاحب ریڈیو پاکستان سے وابستہ تھے) حبیب پینٹر کو بلایا تھا۔ میں چلا گیا، قوالی کے شروع ہوتے ہی موسلا دھار بارش ہوگئی۔ اویس صاحب کے والد میرے لئے بڑے فکرمند ہیں گھر اطلاع کر کے نہیں آیا تھا بلکہ دفتر سے سیدھا اویس صاحب کے ہی یہاں آگیا ان کے والد صاحب کو یہ فکر کہ گھر والے پریشاں ہونگے بار بار اپنی تشویش کا اظہار کرتے یکایک میری نظر ان کے گھر کی دیوار پر پڑی۔ دیکھا کہ بابا تاج الدین علیہ الرحمتہ دیوار پر چکر لگا رہے ہیں اور میرا دل خود بخود مطمئن ہوتا جا رہا ہے۔ تمام شب قوالی ہوتی رہی تمام شب بابا صاحب دیوار پر چکر لگاتے رہے۔ اور میں پوری شب زیارت کرتا رہا۔ صبح اویس صاحب کے ہی گھر پر اخبار دیکھا اس میں ایک خبر تھی کہ نئی نمائش پر دیوار گرنے سے ۱۷ افراد ہلاک ہوگئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اُن دنوں ہم لوگ نئی نمائش پر ہی آباد تھے اویس صاحب نے کہا آپ جلدی گھر پہنچیں بلکہ ایک صاحب کی طرف اشارہ کر کے جو کہ صاحبِ کار تھے کہا ان کے ساتھ کار میں چلے جائیں۔ میں نے کہا یہ ممکن نہیں کیونکہ فرم کی چابی میرے ہی پاس ہے پہلے وہاں جاؤں گا۔

غرض دفتر کے بعد گھر پہنچا تو سب لوگ فضل و کرم سے محفوظ تھے۔ بلکہ میرے ہی لئے فکرمند تھے۔

میری اہلیہ بھی سلسلے سے منسلک ہیں۔ ایک شب بابا صاحب کے عرس میں شرکت کے بعد واپس آ رہے تھے کہ اہلیہ کو سردی سے بخار ہو گیا، ڈاکٹری علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ بلکہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ یہاں تک کہ شب و روز غشی طاری رہنے لگی جناح ہسپتال میں داخل کرا دیا تجربہ کار ڈاکٹروں کی خصوصی توجہ کے بعد بھی بے ہوشی جاری رہی ایک ماہ ۱۲ یوم گذر گئے مگر ہوش نہیں آیا تشخیص تھی کہ دماغ کی جھلی متورم ہوگئی ہے، پورا کنبہ پریشان تھا۔ والدہ صاحبہ، بہنوئی کی والدہ

ماموں سمیع اور میں اسپتال میں مستقل رہتے تھے اسپیشل وارڈ کے انچارج ڈاکٹر رضوی بہت ہی مخلص تھے اور بے حد توجہ فرماتے تھے، جملہ پرسان حال وہیں آتے پیر بھائی سب اکٹھے ہوتے، حلوہ پکتے، فاتحہ کراتے، اب یہ معمول ہوگیا کہ صبح ہوتے ہی محبان و برادران آتے اور خیریت معلوم کرتے رہے،

ایک روز بقا اللہ شاہ صاحب جو میرے پیر بھائی اور خلیفہ ہیں آتے ہی حسبِ معمول خیریت دریافت کی میں کچھ اضطرابی کیفیت میں تھا، میں نے ذرا ترش لہجہ میں کہا کہ آپ لوگوں کی درویشی کب کام آئیگی وہ جز بز ہو کر کہنے لگے بھائی ہم تو روز دعا کرتے ہیں اور جاتے وقت کہا اب ہم اسپتال نہیں آئینگے۔ دادی صاحبہ نے اسی دن طے کیا کہ آیت کریمہ کا وظیفہ پیر کالونی میں ہوگا بیشتر لوگ شرکت کرنے چلے گئے۔ میں اسپتال میں ہی رہا۔ طبیعت کا اضطراب بڑھا تو ۲ بجے شب ٹیکسی لے کر سیدھا مزار شریف پہنچا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میری کیا کیفیت تھی۔ وہاں سے پیر کالونی پہنچا سب لوگ گھبرا گئے، خیریت دریافت کی اور ارادہ کیا کہ وظیفے میں شریک ہو جاؤں مگر چچا برکت علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم بھائی صاحب کے پاس جا کر آرام کر لو۔ میں والد صاحب کے پیروں کی طرف لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں آنکھ لگ گئی کہ کیا دیکھتا ہوں کہ سرکار والا شانوں پر نارنجی رنگ کی دستار ڈالے اسپتال کے برآمدے میں اماں جی سے پوچھ رہے ہیں کہ کہاں ہے اماں جی نے بتایا اس کمرے میں، جب سرکار کمرے کی طرف بڑھے تو ایک بڑی جسامت والی مہیب شکل کی بلا چیخ مار کر بھاگ گئی اور وہ دھر میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور سارا ماجرا سب کو سنایا، تمام لوگ خوش ہوگئے۔ اور مجھے مبارکباد دی۔ میں فوراً ہی اسپتال پہنچا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا بھیا مبارک ہو بیمار ہوش میں آگئی! پھر خود بتایا کہ دلہن نے خود ہی پلنگ سے اتر کر ضروری حوائج سے فراغت پائی۔ تقریباً دو گھنٹہ تک بات کرتی رہیں اور سب ہی کو باری باری پوچھا۔ ڈاکٹر رضوی صاحب نے سُنا بہت خوش ہوئے انھیں جب پورا واقعہ سنایا تو انھیں بھی بابا صاحب سے عقیدت ہوگئی صبح کو بقاء اللہ شاہ صاحب بھی تشریف لائے فرمانے لگے یار دتم لوگوں نے سرکار سے ڈانٹ دلوادی۔ سرکارؒ نے کہا بقاء اللہ ضد نہ کر وہ ٹھیک ہے۔ غرض کہ سرکار کی کرم نوازی کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

جس کے سامنے بھی بابا صاحب کا ذکر ہوا خواہ وہ بچہ ہو، بزرگ ہو یا جوان سب ہی کو سرکار سے غائبانہ عقیدت ہو جاتی ہے اور ان کے قلوب محبت کی چاشنی محسوس کرنے لگتے ہیں اور سرکار انھیں زیارت سے سرفراز فرماتے ہیں اور ظاہری و باطنی فیض سے نوازتے ہیں جس کا اظہار خود ہی لوگ بڑی عقیدت اور حیرت سے کرتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ کیا کم فخر کی بات ہے کہ سرکار

نے فرمایا تمھارے گھر کے تمام افراد ہمارے مُرید ہیں اور ہوتے رہینگے۔ "الحمدُللہ کبیراً" سرکار ہی کے کرم سے ہمارے وہ پیر بھائی خلیفہ جن کی عمریں ۸۰/۹۰ سال کی ہیں' مجھ سے بیحد محبت کرتے ہیں ورنہ میں کیا اور کیا میری ہستی۔

میرے ایک رفیق ایس۔ ایم۔ جاوید جو تقریباً ۱۲ سال سے میری تربیت میں ہیں اور اکثر و بیشتر سرکارؒ کا ذکر سنتے رہتے ہیں' انہوں نے خواب میں دیکھا کہ صدر کے مقام پر حضرت بابا تاج الدین علیہ الرحمتہ تشریف فرما ہیں اور حضرت کے دہنِ مبارک سے رال اور جسم سے پسینہ بہہ رہا ہے اور میں چاٹ رہا ہوں حضور بابا صاحب سے خاص نسبت ہے میں ان کو اپنے ہی خاندان کا ایک فرد سمجھتا ہوں۔ فاتحہ وغیرہ میں برابر شریک ہوتے ہیں۔

میجر نعیم الدین صاحب مرید و خلیفہ بابا شوکت علی شاہ صاحب کے ہیں اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد سے ہیں اپنے سلسلے کے بڑے ہی پُرجوش اور مقبول ہستی میں شمار ہے اپنے مرشد اور ان کی اولاد اور پیر بھائیوں سے بڑی محبت کرتے ہیں اور ہمہ وقت نثار ہونے کو تیار رہتے ہیں۔ ان کی ہر وقت یہی کوشش رہتی ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ کام ان سے لیا جائے۔

میں اور میجر صاحب ملتان میں اللہ دیا ٹیکسٹائل ملز میں مقیم تھے شب کو ذکر ہونے لگا۔ حضرت بابا تاج الدین علیہ الرحمتہ کا ساتھ ہی میرے مرشد بابا یوسف شاہ تاجی کی شفقتیں اور کرامتیں یاد آگئیں۔ معاً میجر صاحب نے کہا کہ بھائی صاحب سلسلے کے ہر فرد کی خواہش رہی کہ بابا صاحب کی زیارت کریں مگر میری یہ خواہش کبھی نہیں رہی میں نے کہا کہ یہ بھی ایک خواہش ہے اور عنقریب آپ کی خواہش پوری ہو جائے گی۔

دوسرے دن دورانِ کام بابا صاحب کا ذکر ہوتا رہا۔ شام کو تقریباً ۴ بجے میں نے کہا کہ ملتان آکر حضرت بہاء الدین ذکریاؒ کے مزار شریف پر حاضری نہ دیں یہ تو بدقسمتی کی بات ہے۔ مالک مل اور ہمارے میزبان مقبول صاحب گاڑی چلا رہے تھے کہنے لگے چلئے حاضری دے آئیں۔ واپسی پر جب ہم لوگ کار کا دروازہ کھول رہے تھے میجر صاحب کو دیکھا وہ بغور آستانے کی طرف دیکھ رہے ہیں اور محو ہیں انہوں نے دیکھا کہ بابا صاحب پیراجبہ پہنے درگاہ شریف میں داخل ہو رہے ہیں یہ منظر مقبول صاحب بھی دیکھ رہے تھے تقریباً ۳۔۴ منٹ تک یہ حضرات دیکھتے رہے' پھر میجر صاحب نے کہا کہ بھائی صاحب اندر چلتے ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں اندر نہیں جاتے آپ کی رات والی بات پوری ہو گئی۔

ہم لوگ پھر اندر آگئے بابا صاحب نظر نہیں آئے۔ فاتحہ پڑھ کر واپس آگئے' اس واقعے کا مقبول صاحب پر بڑا اثر ہوا انہوں نے شام کو بڑے اہتمام سے فاتحہ کرائی میں نے محسوس کیا کہ مقبول صاحب ہمارے ساتھ رہتے تو ہیں مگر کھوئے کھوئے سے ہیں میں نے میجر صاحب سے ذکر کیا' میجر صاحب نے کہا محسوس تو میں نے بھی کیا ہے۔ پرسوں ان کے مکان سے ڈاکٹر بھی نکلتا ہوا دیکھا تھا' غرض طے کیا کہ پوچھ لیتے ہیں دریافت کرنے پر مقبول صاحب نے بتایا کہ عرصے سے والد صاحب بیمار ہیں۔ ہم لوگوں نے طے کیا کہ صبح عیادت کو چلیں گے۔ پھر شب کو بابا صاحب کا ذکر رہا صبح ناشتہ کے بعد ہی مزاج پرسی کو گئے دیکھا معمر شخص ہیں تقریباً ۸۵ سال کے ہوں گے ناک میں آکسیجن کی نلکیاں لگی ہوئی' ہم لوگوں کو دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کی اشارے سے سلام کیا ہم لوگوں نے لیٹے رہنے کی درخواست کی اور صحت یابی کی دعائیں کیں میجر صاحب نے بابا صاحب کی شبیہہ جو وہ پرس میں رکھتے تھے پرس سے سامان نکال کر مع پرس کے پیش کر دی' انہوں نے بڑے احترام سے آنکھوں سے لگایا سر پر رکھا بوسہ دیا اور پھر بڑے اعتماد سے فرمانے لگے "پتر نلکی نکال دے۔"

پھر اٹھ کر بیٹھ گئے پھر فرمایا ان بزرگوں کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے' الغرض مقبول صاحب بھی مطمئن نظر آنے لگے۔ اور والد بھی صحت یاب ہونے لگے اس واقعے کے کئی سال تک زندہ رہے

اسی سلسلے سے ایک اور واقعہ یاد آیا کراچی کے سیٹھ ستار جو آدم سنز کے پروپرائٹر کے صاحبزادے ہیں نے سنایا کہ کسی نے مجھے بابا صاحبؒ کی شبیہہ دی اور کہا کہ بیمار ماں کے سرہانے رکھ دو۔ میں نے ایسا ہی کیا رفتہ رفتہ میری والدہ صحت یاب ہونے لگیں اور کئی سال زندہ رہیں شبیہہ ہمیشہ وہ اپنے سرہانے رکھتی تھیں جب ان کی رحلت ہوئی تو شبیہہ سرہانے سے غائب تھی۔

مختصر یہ کہ ہزارہا کرامات و اعجاز تمام عقیدت مندوں پر ہوتے رہتے ہیں اور ہر کٹھن وقت میں سرکارؒ دستگیری فرماتے ہیں ہمارے لئے اس سے بڑی دولت کوئی نہیں کہ سرکار ہمارے ہیں یہاں بھی اور وہاں بھی آمین ثم آمین والحمدللہ رب العالمین والسلام علیٰ المرسلین وآلہ الطیبہ الطاہرین۔

(شرافت علیخاں یوسفی تاجی)

سرفرازیِ خلافت

خدا کے جلوے ہر آن آشکارا ہوتے رہتے ہیں
بشکلِ اولیاء پیدا و پنہاں ہوتے رہتے ہیں
تجلّی اولیاء کی اس لئے دُنیا میں ہوتی ہے
جگائیں دین کی قسمت جو اُس وقت سوتی ہے

ابنیاء اولیاء وشہدا کا وجود مبارک جس طرح ان کی حیاتِ ظاہری میں ان کے فیوض و برکات و روحانی کمالات سے مخلوق خدا کے لئے فیض رساں واستفادہ بخش ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح اس جہان سے پردہ فرمالینے کے بعد یہی فیضان ان ہستیوں پر دوبالا ہوکر اجاگر ہوتا رہتا ہے جس کی ہزار ہا اور لاکھوں روائتیں مشہور معروف و ثابت ہیں تاآنکہ ان حضرات کے گوناگوں حیرت انگیز کرشمہ جات وکرامات کے مشاہدہ سے عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ اور اسلام کی خوبیوں پر از راہ عقیدت تازگیِ ایمان سے مالا مال ہوتی رہتی ہیں' اور تقویتِ ایمان کا باعث بنتی ہیں' چنانچہ موجودہ زمانے میں حال ہی میں ہندوستان میں ایک برگزیدہ ہستی حضرت تاج الاولیاء تاج الملت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم سید محمد تاج الدین حسنی والحسینی ناگپوری قدس سرہ العزیز کی ہوئی ہے جن کے اوصافِ حمیدہ کشف وکرامات حیرت انگیز روحانی کمالات کا شہرہ چاردانگ عالم میں بج چکا ہے' نیز ہنوز آپ کو اس عالم سے پردہ فرمائے ہوئے قریب ۷۰ سال کا زمانہ ہو رہا ہے مگر نت نئی کرامات وعجیب وغریب کرشمہ جات فیضان زمانے کا تصرف آپ کی ذات بابرکات سے جاری وساری ہے۔ بدیں وجوہات آپ کے روضہ مبارک واقعہ تاج آباد میں لاکھوں انسان جملہ اقوام مذہب و ملت کے افراد آپ کے نام مبارک کے پرستار ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اور اسی طرح آپ کے روحانی جانشین سلطان العارفین ہادیِ زمان امام دوراں' حضرت تاج المحب والمحبوبین سیدنا غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی قدس سرہ العزیز جن کا روضہ اقدس کراچی قبرستان میوہ شاہ میں واقع ہے۔ جن کے وصال کو ۳۵ سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔ نت نئی اور حیرت انگیز ظہور اور فیضان جاری وساری ہو رہا ہے۔ جس سے عقلیں دنگ ہوکر رہ جاتی ہیں جن کی تفصیلی واقعات میں عنقریب دوسری جلد شائع ہوگی چونکہ ان بزرگان میں سے کسی کا تعلق صرف نظم عالم سے ہوتا ہے اور کسی کا نظم عالم ورشد وہدائیت سے ہوتا ہے' چنانچہ حضرت بابا غوث محمد

یوسف شاہ تاجی چشتی قادری ان کے ہر دو کمالات کے مظہر ہوئے ہیں۔ اس لئے رشد وہدائیت تبلیغ واشاعت سلسلے کا کام آپ کے روحانی جانشینان خلفاء متواتر اس روحانی مشن کی تکمیل کو انجام دے رہے ہیں۔ منجملے ان کے نیاز مند نے جن جن اصحاب کو اپنے حلقہ بگوشاں سلسلے سے منتخب کر کے حسب ایمائے مرشدی سرکار قبلہ وکعبہ رضی اللہ خلافت سے سرفراز کیا ہے ان کی فہرست آئندہ ایڈیشن میں تفصیلاً شائع کی جائے گی۔

آدابِ طریقت

حضرت قبلہ وکعبہ مدظلہ العالی نے اپنی کتاب تاج شجرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مریدین کو اپنے شیخ کا وہی ادب کرنا چاہیئے جیسا کہ صحابہ کرام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کرتے تھے اس لئے کہ شیخ مرتبہ فنا فی الرسل میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہمنشیں ہوتا ہے اور حدیث شریف ہے کہ الشیخ فی قومہٖ کالنبی فی امتہٖ۔ اور بزرگان دین کا اتفاق ہے کہ تصوف ادب ہی پر موقوف ہے۔ وگرنہ (بے ادب محروم گشت از فضلِ رب) مولانا رومی۔ ادب تاجیت از لطفِ الٰہی

غرض کہ صحابہ کے منجملے آداب کے یہ روائیت مستند بھی ہے کہ کسی صحابی کی آواز بھی نبی کریم کی آواز سے بلند ہوگئی تو وحی ہوئی کہ اگر آئندہ تمہاری کسی کی آواز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند ہوگئی تو تمہاری نیکیاں برباد کردی جائیں گی اور اسی طرح اولیاء کرام سے بجد ثبوت ملتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کے آداب کو کس درجہ سمایا ہے کہ جس کی مثالیں نہیں ملیتں' چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت سلطان المشائخ سلطان نظام الدین محبوب الٰہیؒ دہلی کے عام چوک میں تخت پر بیٹھے ہوئے کچھ اللہ ورسول کے اذکار وعظ بیان فرمارہے تھے کہ سامنے والی گلی سے کئی مرتبہ ایک کتّا برآمد ہوتا تھا اور دوسری گلی کو چلا جاتا تھا جب بھی وہ کتّا گلی سے برآمد ہوتا تھا حضرت وعظ فرماتے فرماتے کھڑے ہوجاتے' اور جب وہ چلا جاتا بیٹھ کر وعظ بیان فرمانے لگتے یہ خاستگی محفل حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور خلافِ معمول دورانِ وعظ بار بار دفعتہً آپ کا کھڑا ہونا اور بیٹھنا سمجھ میں نہیں آتا۔ تب آپ نے فرمایا کہ خسرو جب ہم بیان کر رہے تھے وہاں سامنے والی گلی سے ایک کتّا برآمد ہوتا تھا۔ اور وہ کتا میرے حضرت شیخ بابا فریدالدینؒ کے کتے کے ہمرنگ تھا لیس مجھے بار بار اس کے آنے جانے پر یہ خیال ہو جاتا تھا کہ کہیں یہ وہ کتا ہی تو نہیں ہے اس لئے تعظیماً کھڑا ہوجاتا تھا۔

کہ ایسا نہ ہو کہ یہ دہی کتا ہو، اور کل قیامت کے دن مجھے بے ادبوں کی صف میں کھڑا کر دیا جائے۔

اسی طرح ایک اور مشہور واقعہ حضرت ابو الحسن خرقانی کا ہے کہ آپنے اس جہان سے پردہ فرمانے سے چند روز قبل اپنے شیخ کے مزار مبارک سے جو وہاں سے تین سو میل دور واقع تھا پیمائش کرائی اور وصیت فرمائی کہ مجھے اپنے شیخ کے مزار مبارک سے تیس گز نیچے دفن کیا جائے تاکہ میں شیخ کے مزار کی سطح سے نیچے دفن ہوں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا پس مرد ن بھی شیخ کے آداب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

غرض کہ بہت سے واقعات آداب شیخ کے بیانوں میں بزرگوں کی کتابوں میں درج ہیں چنانچہ میں اپنے مرشد کے ان آداب سے جو زندگی بھر حضور بابا صاحب ——— سے وابستہ رہے کہاں تک بیان کروں گا دو تین واقعات سے ہی سبق حاصل کیا جا سکتا ہے ——— حالانکہ حضرت اپنے شیخ کی ذات میں فنا تامہ حاصل کر کے عین شیخ ہی ہو چکے تھے۔ اور سراپا عین بابا صاحب بن چکے تھے اور بابا صاحب کے جملہ اوصاف آپ سے جاری ہو چکے تھے لیکن آخری سانس تک آداب شیخ کو ملحوظ فرمایا گیا۔

ناگپور سے چھنداری قریب ۱۵۰ میل کے فاصلے پر واقعہ ہے اور حضور بابا صاحب بھی اس عالم سے پردہ فرما چکے ہیں اور حضور کا قیام چھنداری بھائی خورشید احمد حسن کے مکان پر تھا کئی روز مسلسل حضور کو زمین پر استراحت فرماتے دیکھتے ہوئے بھائی صاحب موصوف نے ایک پلنگ دوسرے کمرے میں حضور کے آرام کو بچھوا دیا اور بستر لگا دیا حضور جب بغرض آرام اس کمرے میں پہنچے۔ بھائی خورشید احمد خاں کو طلب فرمایا اور ڈانٹ کر کہا کہ ہمارے آرام کے لئے یہ پلنگ کس گستاخ نے بچھایا ہے کہ جس کی پائنتی ہمارے قبلہ گاہ یعنی ناگپور کی جانب کر دی ہے غرضیکہ حضور بیحد برہم ہوئے اور پلنگ کا رخ فوراً تبدیل کر دیا جس سے کہ سرہانہ ناگپور کی جانب ہو گیا۔ اور قبلہ رخ پائنتی ہو گئی اور نشست کی حالت میں بھی حضور ان باتوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔

ناگپور شریف میں دربار تاج آباد میں حضور اپنی جھگی جائے قیام میں جب بھی تشریف فرما ہوتے تھے حضور بابا کے دربار شریف کا پالتو کتا آپ کی جھگی میں آ جاتا آپ فوراً تعظیم کو کھڑے ہو جاتے اور جو کچھ بھی کھانا ہوتا اس کے سامنے رکھتے تاآنکہ جب وہ کتا کھا پی کر چلا جاتا تب بیٹھتے ہر چند کہ علماء و فقراء آپ کی محفل میں آپ کے اس اوزان آداب سے متحیر رہتے یک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حافظ محمد صدیق احمد صاحب یوسفی چھنداری جو کہ حضرت کے خلفاء میں سے تھے ایک مرتبہ ناگپور شریف حاضری

کو گئے پہلے سرکار کی جگہ پر پہنچے۔ تاکہ سرکار کی قدمبوسی و اجازت کے بعد حضرت بابا رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر حاضری ہو مگر معلوم ہوا کہ حضرت حضور بابا صاحب کی درگاہ شریف جا چکے ہیں تو یہ فوراً ہی درگاہ شریف پہونچے دیکھا کہ حضرت حسب معمول حضور بابا صاحب کی درگاہ میں جہاں لوگوں کی جوتیاں جمع ہوتی ہیں تشریف فرما ہیں پس یہ قدمبوس ہوئے۔ اور حضرت کو ہار پہناتا چاہا۔ آپ نے ان کے منہ پر ایک چانٹا مارا کہ بے ادب بابا کے مزار مبارک کی طرف انگلی کر کے اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ ان کے ہوتے ہوئے ہمیں ہار پہناتا ہے۔ انہوں نے فوراً جا کر مزار مبارک پر ہار رکھ دیا۔ دربار کے لوگ بیان کرتے تھے کہ ہماری یاد میں نہیں اور نہ کبھی ہم نے دیکھا کہ حضرت بابا محمد یوسف شاہ تاجی نے بابا صاحب کی درگاہ کے اندر اپنی کوئی نشست گدی تکئے کے ساتھ یا بہ حیثیت صدر کمیٹی یا سجادہ نشین ہونیکی حیثیت سے اپنی نشست و برخاست کو کوئی جگہ فرمائی ہو اور جب بھی آپ درگاہ شریف تشریف لے جاتے دور سے برہنہ پا ہو جاتے اور اسی طرح واپسی درگاہ پر کبھی نشست کرنا دور تک نہ فرماتے تھے، چنانچہ آج بھی یہی دستور جاری ہے کہ فرلانگوں اُدھر کی طرف سے جوتے اتروا دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح ہمارے سلسلے میں سرکار قبلہ و کعبہ کے زمانۂ حیات میں یہ دستور عام رائج رہا کہ اہل سلسلہ سے جو بھی حضور کی بارگاہ میں زیارت و قدمبوسی کو حاضر ہوتا رہا۔ حضور کی قدمبوسی کرنیکے بعد ہرگز یہ جرات نہ کر سکتا تھا کہ بلا آپ کے حکم و اجازت کے آپکے محفل کے حاضر شدہ لوگوں کی جوتیوں پر ہی بیٹھ جائے۔ خواہ اس شخص کو ایک ایک گھنٹہ کھڑے کھڑے گذر جاتا، مگر حکم کا منتظر رہتا اور حاضرین محفل پر ایک سکتہ سا طاری رہتا تاآنکہ گھنٹوں صحبت میں خاموش بیٹھے رہنے کے سوا پہلو بدلنا بھی خلاف ادب تصور کرتا۔ نہ کوئی ایک دوسرے سے ہمکلام ہو سکتا تھا۔ اور نہ ہی حضرت سے کوئی زبانی عرض و معروض کرنے کی جرات کر سکتا تھا۔ کسی کی مجال کہ گھنٹوں اسی طرح خاموش بیٹھے رہ رہ کر اور پوری پوری شب گذر جانے پر گھر کی اجازت طلب کر سکے۔ خود ہی حکم فرماتے رہتے تھے کہ اب فلاں گھر چلا جائے آرام کرے اب فلاں چلا جائے آرام کرے۔

پس جو لوگ رخصت ہوتے وہ —— ہرگز حضرت کی قیام گاہ جہاں تک نظر آتی پشت ہرگز نہ کرتے تھے۔ الغرض کہ ہمارے سلسلے کے آداب تو جملہ سلاسل میں مشہور و معروف رہے اور سرکار نے دیگر سلاسل کے مشائخین کو بھی ان کے مراتب بلند ہونیکے لئے آداب طریقت کی ہی تعلیم و تربیت فرمائی چنانچہ اجمیر شریف میں ہمیشہ سے یہ معمول تھا کہ اکثر عرس کے زمانے میں حضور غریب نواز

کے روضۂ مبارک کے سامنے اور متصل دو طرف مشائخین اپنی اپنی گدی لگا کر بڑے بناؤ سنگار سے بیٹھتے تھے۔ حضرت جبکہ ایک مرتبہ اندر درگاہ کے پہنچے ان تمام مشائخین کو سخت لہجے میں نصیحت فرمائی کہ آپ صاحبان کو معلوم ہو جانے کہ یہ کس شہنشاہ کا دربار ہے کہ جہاں ملائکہ بھی سرنگوں ہو کر داخل ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ لوگ یہاں آن کر اپنی اپنی سجادہ نشینی کی گدیاں بچھا کر ان پر بُت بن کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ لوگ آپ کے گرویدۂ حُسن و جمال ہو کر آپ کی پرستاری اختیار کریں بڑے شرم کی بات ہے اور یہ اتنے بڑے دربار سے محروم ہو جانے کی دلیل ہے۔ پس حضرت کی اس تقریر سے اسی وقت سچی سچائی ـــــ گدیاں ہٹا دیں اور اپنے دماغ سے سجادگی کا بھوت دور کر دیا۔ اور پھر یہ مشائخین اکثر سرکار کی خدمت میں آتے جاتے رہتے تھے۔ اور آپ کی صحبت سے بہت سے جملہ سلاسل کے مشائخین و علماء استفادہ حاصل کرتے رہے کیونکہ آپ رسم و رواجی رسومات سے ہمیشہ بالاتر و بلند حوصلہ پسند رہے اور راہ طریقت کے مجدد ہوتے ہیں بقول ؎

عالم سے ہے نرالی ہر آن تاج بابا ‏ ‏ ‏ انداز آگہی کے تیور بدل دیتے ہیں

پس اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو بزرگانِ دین کی تعلیمات و تربیت پر قائم ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور رسم و رواج پرستی سے محفوظ فرمائے تاکہ سچی نسبت اپنے شیخ خدا اور رسول سے قائم ہو اور مفہوم عبادت کی تکمیل ہو۔

فخر جملہ اولین و آخرین تاج محبّ و محبوبین

باباغوث محمد یوسف شاہ تاجی قدس سرہ العزیز

یوسف الاولیاء حضرت بابا یوسف شاہؒ تاج آباد شریف میں اپنی قیام گاہ پر

اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب کے مدرسے واقع بریلی سے فارغ التحصیل ہونے کے
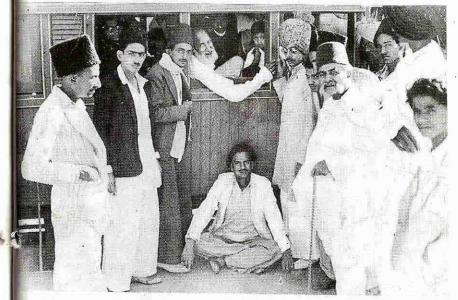
سرکار یوسف الاولیاء حضرت بابا یوسف شاہؒ معہ صاحبزادہ کلّو پاشا، جوناگڑھ ریلوے اسٹیشن سے روانہ ہوتے وقت۔ امیر علی فینسی، محمد صدیق، حاجی موسیٰ، محمد جمال، حاجی عمر و دیگر مریدین پلیٹ فارم پر رخصت کرتے ہوئے۔

نواب عبدالسمیع خان صاحب کی رہائش گاہ چندنیا کوٹھی واقع علیگڑھ پر

زیارت تبرکاتِ مبارکہ

خانقاہِ عالیہ تاجیہ، میوہ شاہ، کراچی

اقوال

حضرت ہادیٔ زماں غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی

۱۔ فرمایا کہ جب تک ایک خواہش بھی انسان کے دل میں دین یا دنیا کی باقی ہے تو وہ اپنی خواہش کا بندہ ہے۔ خدا کا بندہ نہیں ہے۔

۲۔ فرمایا کہ عرفانِ الٰہی حاصل کرنا بمنزلہ فرض کے ہے کیونکہ بلا عرفان عبادت توہم پرستی ہے۔

۳۔ فرمایا کہ عرفان حاصل کرنیکو مرشد کامل کی ضرورت ہے حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مَن لا شیخَ للہ شیخ الشیطان۔ یعنی جس کا شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے۔

۴۔ فرمایا کہ کامل مُرشد کا مل جانا ہی حصول مقصد کی دلیل ہے۔

۵۔ فرمایا کہ مُرید کی مراد و مقصد صرف شیخ کی ذات ہونا چاہیئے اور اس کے سوا ہر تمنا دینی مراتب و درجات یا دنیاوی اعزاز مال و دولت کشف و کرامات وغیرہ وغیرہ جُملہ علتوں سے مرید کا قلب پاک رہنا چاہیئے۔ تاکہ حصُول خدا طلبی میں کامیابی حاصل ہو بقول حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہم،

بے حجابانہ درا از درِ کاشانۂ ما
کہ کسے نیست بجُز دردِ تو در خانۂ ما

۶۔ فرمایا مرید کی محبتِ شیخ جب غائیت درجہ پر پہونچ جاتی ہے۔ تب کہیں فنائیت تامۂ شیخ کی ذات میں حاصل ہوتی ہے اور اسی کو بہ لفاظ دیگر فنا فی الشیخ فنا فی رسول فنا فی اللہ کے مراتب سے عوام تعبیر دیتے ہیں لیکن فی الحقیقت نہ تو مراتب ہی جداگانہ ہیں اور نہ ہی ذات شیخ و رسول و اللہ میں کوئی تفرقہ ہے۔

بقولِ مولانا رومی ؎

گر تو ذاتِ پیر را کردی قبول

ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

۷. فرمایا کہ ہر زمان مخلوقِ خدا کی استعداد ...... و معاملات و حالات کے لحاظ سے ان کی ہدایت و رہنمائی کو ہادی آتے رہے ہیں، چنانچہ دورِ حاضرہ میں چونکہ مادیت اسقدر غالب ہوئی کہ لوگ مادہ پرستی میں مبتلا ہو کر اپنی اصل حقیقت و روحانیت سے قطعی بے بہرہ ہو گئے اس لئے ہمارے بابا جو اس زمانے کے آخری اولیاء اللہ سے ہیں اور تمام عالم کی ہدایت و دستگیری کا کام آپ ہی سے متعلق و منسلک ہے بقول حضرت مدظلہٗ ؎

تو ایسے وقت میں قائم ہوا دربار بابا کا

سمجھ میں آ نہیں سکتا ہے کاروبار بابا کا

چنانچہ آپ کی طرزِ ہدایات و رہنمائی و دستگیری میں تصرفاتِ ہمہ گیری کا رنگ بہت نمایاں پایا جاتا ہے اور اسی طرح ہنوز آپ کا فیضان ہر قوم ہر مذہب ملت میں جاری و ساری ہے۔ آپ کی تعلیم و تربیت کی روش ہر عقائد کے لوگوں میں مقبولِ عام ہے۔

اندازِ آگہی کے تیور بدل دیئے ہیں

عالم سے ہے نرالی ہر آن تاج بابا

نظریں بچاکے گذرا خورشید حشر آخر

دیکھا جو میرے سر پہ دامانِ تاج بابا

فرمایا۔ بابا کے بچوں پر کوئی آسیبی اثر نہیں ہو سکتا۔

فرمایا کہ نیکوکار تو اللہ کے ہیں ہی، بدکار میری طرف آ جائیں وہ میرے ہیں۔

جب کوئی شخص اپنی گنہگاری پر ندامت کا اعتراف کرتا تو آپ تشفی فرماتے کہ ہمارے ہاں دیگنوں صابن موجود ہے مایوس مت ہو۔

نور ظلمت کے عوض عصیاں کا بدلا مغفرت

اللہ اللہ گرمئی بازارِ تاج الاولیاء

فرمایا۔ شیخ کی بارگاہ سے جو مرتد ہوتا ہے وہ پھر کسی بھی بزرگ کے ہاں مقبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ تاآنکہ اس کی نجات میں بھی خطرہ ہے۔

بقول ایک کا مقبول سب کا مقبول اور ایک کا مردود سب کا مردود۔

فرمایا کہ بڑے سے بڑے گناہوں کی تلافی ہو جاتی ہے مگر حضورؐ کی جناب میں اشارتاً کنارتاً۔ خیالاً۔ زباناً یا تحریراً ــــــ گستاخی اگر کوئی ہو جاتی ہے تو اس کی توبہ قبول ہونے کا امکان ہی نہیں ہے۔

بقول کسی بزرگ کے کہ ؎

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

فرمایا کہ نفس کے مکر و فریب آرائی سے ہر لمحہ اپنے اوپر نگاہ رکھو۔

فرمایا۔ دین و دُنیا دونوں ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔

فرمایا۔ کہ مرید صادق کو شیخ سے نسبت حاصل ہو جانے کے بعد کسی سے سوال کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

فرمایا۔ کہ ... ایک پرندے کا نام جب اسکی مادہ کسی بھی جگہ انڈے دے دیتی ہے تو پھر وہ اس جگہ سے ہٹ کر ہزاروں میل دور فاصلے پر جا کر اپنی توجہ سے اُن انڈوں کو سے کر بچے نکال دیتی ہے جب ایک جانور کی توجہ کا یہ حال ہے تو کاملین کی توجہ کا کیا حال ہو گا۔

اے طالبان اے طالباں من با شما ہر جا ستم

ہم جلوہ گر در دیدہ ہا ہم مضمر د لہا ستم

ایں دوری و مہجوریم از وہم و پندار شما ست

در نسبت خود با شما دریا و موج آسا ستم

ــــ ○ ــــ

درگاہِ معلّٰی

حضرت غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی

قدس سرہ العزیز

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

منظہر کل اولین و آخرین تاج المحبوبین منبع فیض و برکات معنوی حل المشکلات دینی و دنیوی حاکم جزو کل عیسیٰ مُردہ دلاں یوسف مسیح زماں قبلۂ دینی و کعبۂ ایمانی روحی فداک اعلیٰ حضرت سیدنا سندنا غوثنا و غیاثنا غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی معروف مولانا محمد عبدالکریم شاہ صاحب چشتی قادری قدس سرہ العزیز کی بارگاہ فیض آثار منبع جمیع جملہ حل المشکلات خاص و عام متصل قبرستان میوہ شاہ واقع منگھو پیر روڈ کراچی واقع ہے جہاں مسلسل عجیب و غریب کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور تا قیامِ قیامت ہوتا رہے گا۔

درگاہ شریف کی بنیاد سال ۱۹۴۷ء میں بروقت تقسیم ہندو پاکستان قائم ہوئی تھی۔ جبکہ اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ مرشدی و مولائی بسلسلہ علالت عین حالتِ نزع میں مبتلا و مدہوش ہوئے جبکہ اطباء و ڈاکٹروں نے جواب دے دیا کہ اب چند ہی لمحوں کے اس دنیا میں مہمان ہیں تو آپ کے مریدین دوست احباب و خاندانی افراد اس وحشت ناک خبر سے انتہائی اندوہگیں و غمزدہ و مایوس ہوگئے۔ اور مجبور و لاچار ہوکر حضرت کے مقبرے کے لئے اجمیر شریف میں ہی ایک پلاٹ خرید کر تجہیز و تکفین کے لئے سرگرداں تھے کہ حضرت نے اپنی اسی مدہوشی کی کیفیت میں بلند آواز میں فرمایا کہ ارے مری تجہیز و تکفین کے لئے یہاں گڑھے تلاش مت کرو مجھ کو فوراً پاکستان پہونچکر وہاں کی حکومت کا چارج لینا ہے اس آواز کو سن کر سب کی جان میں جان آگئی کہ حضرت کی مزاجی کیفیت اب صحت کی طرف مائل ہے ڈاکٹروں کو اطلاع دی کہ ناامیدی میں امید کا پہلو نظر آرہا ہے، مگر ڈاکٹروں نے معائنے کے بعد بتلایا کہ یہ صرف تم لوگوں کا اعتقاد ہے حضرت تو سفرِ آخرت کر چکے ہیں۔ صبر سے کام لو۔ چنانچہ اسی سرگردانی میں پوری شب سب کو جاگتے ہوئے گذر گئی صبح ۹ بجے کے قریب حضرت کو ذرا ہوش سا آیا آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا اور فرمایا ارے مجھے پاکستان جانے کے لئے اسٹیشن کو جلد سواری لاؤ ہرچند کہ تمام لوگ حضرت کو سمجھا رہے تھے کہ آپ سفر نہ کرسکیں گے مگر حضرت نے کسی کی ایک نہ مانی بالآخر محترمہ اماں جی صاحبہ

اجمیر شریف کا بھرا گھر چھوڑ کر خالی ہاتھ ہمیشہ کو ہجرت کرنے کے لئے سرکار والا و صاحبزادہ سید آفتاب کریم جو ابھی نابالغ ہی تھے اور حضرت کی تینوں صاحبزادیاں صاحبہ و خلیفہ بھائی منیر خاں صاحب و چند ایک مریدین کے ہمراہ پاکستان پہنچ گئیں جیکب لائن میں چار پانچ یوم قیام رہا۔ پانچویں روز ۲۹ ذلقعدہ ۱۹۴۷ء بوقت شب ایک بجے حضرت نے اپنی اسی مدہوشی کے عالم میں بھائی منیر خاں صاحب کو اشارہ فرما کر قریب بلایا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اس زور سے دبایا کہ ان کی چیخ نکل گئی اور بیہوش ہوگئے۔ دیکھا کہ حضرت اس عالم سے واصل بحق ہوچکے ہیں۔ حاضرین کے ان کے غم میں جو کچھ اس وقت حالات ہوئے بیان سے باہر ہیں حضرت کے وصال سے ایک یوم قبل مولانا ذہین شاہ تاجی اور سید ضیاء الحق وکیل وغیرہ بھی پاکستان پہنچ چکے تھے پس حضرت کے مدفون ہونے کو جگہ تلاش کی گئی اور انتہائی کوششوں سے قبرستان میوہ شاہ میں بلوچ رجمنٹ کے متصل یکم ذالحجہ کی صبح دفن کیا گیا اور ہندو پاکستان ریڈیو کے ذریعہ یہ خبر ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔ حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

چنانچہ ہندوستان میں یہ خبر وحشت اثر سنتے ہی سب سے پہلے نواب بہادر محمد عبدالسمیع خانصاحب نواب آف طالب نگر یوسفی تاجی جو حضرت کے مخصوص مریدین میں تھے۔ اور حضرت سے والہانہ عشق رکھتے تھے۔ پہلے خود ارادہ فرمایا کہ پاکستان پہونچکر حضرت کا مقبرہ شریف تعمیر کرائیں مگر پاسپورٹ وغیرہ کی مجبوری سے معذور ہوکر اپنے ایک عزیز و مصاحب خاص بقاء اللہ شاہ صاحب خلیفہ سلسلہ یوسفی تاجیہ کو بغرض تعمیر مقبرہ شریف پاکستان بھیج دیا۔ چنانچہ انہوں نے کراچی پہنچتے ہی ایک حجرے نما عمارت حضرت کے مزار مبارک پر اپنے ایک مرید عزیز احمد شاہ ساکن کانپوری کی مدد سے نواب بہادر صاحب موصوف کی جانب سے تعمیر کرائی اسی اثناء میں بھائی بقاء اللہ شاہ صاحب کے ایک مرید شیخ محمد توفیق احمد صاحب کانپوری صدر پاکستان مسلم لیگ کسی کیس میں ملوث ہوئے اور وارنٹ گرفتاری جاری ہوگیا۔ محمد توفیق احمد صاحب گھبرا کر اپنے پیر و مرشد بھائی بقاء اللہ شاہ صاحب کے پاس پہنچے ان سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ خانصاحب موصوف ان کو اپنے ہمراہ حضرت کے مزار مبارک پر لے گئے اور دعا مانگی کہ حضرت! میں اس ناگہانی کیس سے بری ہو جاؤں تو آپ کی درگاہ شریف کی تعمیر میں خود کروں گا۔

چنانچہ یہ دعا و منت مانگنے پر توفیق صاحب اپنے بنگلے پہنچے تو مقدمے سے بلا سماعت بری ہو چکے تھے۔ پس مرحوم شیخ توفیق احمد کانپوری صدر آل پاکستان مسلم لیگ نے اسی دن سے تعمیر درگاہ شریف

کا کام شروع کرا دیا۔ اور بھائی بقاء اللہ شاہ صاحب اور کنور محمدؐ مونس علی صاحب یوسفی تاجی کی زیرِ نگرانی حضرت کے مزار کا گنبد شریف و چار دیواری تیار ہو گئی۔ اسی دوران میں اتفاق وقت کہ عبدالقادر صاحب نامی ایک انجینئر صاحب جو لسبیلہ میں سکونت پذیر تھے انھیں خواب ہوا کہ وہ حضرت کے مزار پر کھڑے ہیں اور نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب وزیرِ اعظم پاکستان بھی اُسی مزار پر دست بستہ کھڑے ہیں۔ نواب زادہ صاحب کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی موافق چمک رہا ہے کہ یکایک ہی اُس مزار سے ایک بزرگ برآمد ہوئے اور مزار مبارک سے کچھ قدم چل کر جہاں اب مسجد واقع ہے۔ ان بزرگ نے صبح کی نماز کے لئے امامت فرمائی جس میں نیت باندھتے ہی صاحب بزرگ ان کے پیچھے نماز میں آ شامل ہوئے۔ تا آنکہ نواب زادہ صاحب اور ان انجینئر صاحب نے بھی ان بزرگ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس ان کی آنکھ کھل گئی، صبح کی اذان ہو رہی تھی یہ فوراً وضو کر کے لسبیلہ کی مسجد میں صبح کی نماز میں حسبِ معمول شامل ہو گئے، لیکن اس خواب کا اثر انجینئر صاحب کو بار بار خواب کی تعبیر کو پریشان کر رہا تھا۔ پس یہ انجینئر صاحب فوراً اپنی کار میں سوار ہو کر درگاہ شریف واقع قبرستان میوہ شاہ پر خواب کی نشاندہی کے مطابق جا پہنچے جہاں پہنچ کر انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس مزار مبارک کے خلفاء و مریدین متوسلین کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ اکثریت مریدین کی پیر الٰہی بخش کالونی میں رہتی ہے۔

پس یہ صاحب سیدھے مزارِ مبارک سے چل کر پیر الٰہی بخش کالونی اپنی کار سے آئے اور بھائی کنور اصغر علیخاں یوسفی تاجی کے بنگلے پر جہاں ہم سب پیر بھائی ہر روز ہی جمع ہوتے رہتے تھے۔ حاضر ہوئے سلام علیکم کے بعد اپنا خواب سنایا۔ ہم سب نے خواب کی تعبیر میں ایک ہی جواب دیا کہ نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب کی اس طرح سے حاضری کا مفہوم تو ہفتے عشرے میں خود ہی سامنے آ جائیگا لیکن جہاں آپ نے نماز ان بزرگوں کو پڑھاتے دیکھا ہے، وہاں ہم نے درگاہ شریف کی مسجد کو جگہ تجویز کی ہے اگر آپ کو کچھ دینی ذوق ہے تو آپ مسجد تعمیر کرانے میں حصّہ لیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ہم نے ہندوستان میں تعمیرِ مسجد کے لئے کچھ رقم جمع کی تھی مگر تقسیم پاکستان پر کس مپرسی کے عالم میں اب یہاں بھاگ آئے ہم ضرور اس رقم کو یہاں کی مسجد میں لگا دینگے چنانچہ اُسی وقت اُنہوں نے کہا کہ ایک آدمی مسجد تعمیر کرانے کو مجھے دیا جائے کہ میں جملہ سامان تعمیرات انکی زیرِ نگرانی خرید کر مسجد تعمیر کراؤں سب پیر بھائیوں نے بالاتفاق بجھ کو تجویز کی اور میں فوراً ہی انجینئر

صاحب کے ہمراہ سامان مسجد کی تعمیر کی فراہمی کے لئے ان کے ہمراہ چلا گیا، موصوف نے سامان، بلاک، سیمنٹ، ٹائلس وغیرہ اور کچھ آہنی سامان بازار سے خرید دیا جس کو لیکر میں درگاہ شریف پہنچا اور تعمیر کا کام شروع کرا دیا، چند ایام میں مسجد تیار ہو گئی جواب اولیاء مسجد کے نام سے مشہور ہے، اب سالہا سال کی جد و جہد اور صاحب مزار کے تصرفات ظاہری و باطنی سے پنجشنبہ کی فاتحہ میں بلا ناغہ مع قوالیوں اور لنگر کے جاری و ساری ہو چکے تھے اور جملہ بزرگان دین کے سالانہ عرس مخصوص صاحب مزار کا عرس مبارک ۲۹ ذیقعدہ تا ۲ و ۳ ذی الحجہ اور حضرت تاج اولیاء تاج الملّت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم حضرت بابا تاج الدین صاحب قدس سرہ العزیز ناگپوری کا عرس مبارک ۲۰ محرم تا ۲۹ محرم الحرام منعقد ہوتے رہتے ہیں جس میں ہزارہا زائرین علاوہ مریدین و خلفاء سلسلہ شریک ہوتے رہے ہیں۔

سجود آرزو شام و پگاہے	بسوئے آستانے کج کلاہے
برائے تشنہ کامانِ محبت!	درِ تو مانِ امید گاہے
قدم از روضۂ بیرون خدا را	ہزاراں دیدہ دل فرش راہے
بدم خوبی دستش فزوں باد	الٰہی تا فروغ مہر و ماہے

تا ز میخانہ و می نام و نشاں خواہد بود
سر ما خاک رہ پیرِ مغاں خواہد بود

صاحبزادے سید آفتاب کریم یوسفی تاجی

عرف کلو پاشا صاحب

صاحب زادے سید آفتاب کریم یوسفی تاجی عرف کلو پاشا حضرت قبلہ وکعبہ مرشد برحق کے اکلوتے اور بڑے لاڈلے صاحبزادے ہیں ۱۹۴۱ء میں آپ کی پیدائش اجمیر شریف میں ہوئی۔ اور بڑے نازونعم سے حضور نے ان کی پرورش کی، ابھی ان کی عمر شریف قریب پانچ سال کے تھی کہ حضور انور نے ایک دن محترمہ اماںجی صاحبہ قبلہ سے فرمایا کہ آج ہم کلو پاشا کو اپنے بابا کے سلسلے میں ہی بیعت کئے لیتے ہیں نہ معلوم سن بلوغ تک پہنچنے تک ہم نہ ہوئے اور یہ بچہ کس کے ہاتھ پر بیعت ہو۔ پس آپ شرینی منگا لیں۔ تاکہ بیعت کرلیں۔ اماںجی صاحبہ نے شرینی کا انتظام فرمادیا۔ سرکارِ والا نے انھیں اپنے احباب مولانا عبدالقادر صاحب نیازیؒ، سید رفیع میاں صاحب نیازی وغیرہ وغیرہ کی موجودگی میں بیعت فرماکر پیشانی کو بوسہ دیا۔ حاضرین نے مبارک بادپیش کی اور سب نے کہا کہ یہ بچہ بڑا ہونہار اور صاحبِ مقام ہوگا۔ بقول ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ چنانچہ بچپن سے ہی صاحبزادے موصوف نماز روزے کے بڑے پابند اور تقویٰ شعار ہیں اور عرفان الٰہی کی تعلیم وتربیت کی تکمیل حضرت کی ہی توجہات میں پرورش ہوتی رہی اور کیوں نہ ہو۔

> تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
> تو سراپا نور ہے سارا گھرانہ نور کا

۱۹۴۷ء میں حضرت قبلہ وکعبہ مرشد برحق کے وصال کے بعد محترمہ اماںجی صاحبہ کے آغوشِ رحمت میں پرورش ہوئے اور حضرت قبلہ وکعبہ کے مزارِ اقدس کی حاضرباشی وجملہ فاتحہ خوانی کو اپنا فرض منصبی قرار دیا چنانچہ بچپن کے زمانے کا ہی ایک واقعہ چشم دید درج کیا جاتا ہے کہ آپ جب بروز پنجشنبہ اعلیٰ حضرت کی درگاہ شریف پر پہنچے اور جیسے ہی جاکر مزارِ اقدس پر قدمبوس ہوئے تو چادر شریف مزار مبارک کے نیچے آپ کو دو عدد یعنی ایک شیرمال اور ایک شامی کباب کی ٹکیہ ملتی آپ اس کو تناول فرماتے اور کچھ ٹکڑا شیرمال دیگر بھائیوں کو دے دیتے جس کا ذائقہ بیان سے باہر ہے مسلسل کئی سال تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ

صاحبزادہ وجانشین آفتاب الاولیاء و فخر تاج الملت والدین

مخدوم خواجہ سید **آفتاب کریم پاشا میاں**

یوسفی تاجی مدظلہ

ہمارے پیر بھائی ڈاکٹر بدرالدین شاہ صاحب یوسفی اور میں نے صاحبزادے موصوف کو مجبور کیا کہ یہ بتائیں کہ آخر اتنا لذیذ شیرمال تازہ ہر جمعرات کو آپ خود کھاتے ہیں اور ہمیں بھی کھلاتے ہیں۔ کہاں سے آتا ہے کلو پاشا بہت دیر ٹالتے رہے اور بالآخر ہمارے اصرار پر فرمایا کہ ابّا کے مزار مبارک سے ہر جمعرات کو چادر کے نیچے سے مجھے ملتا رہتا ہے۔

اس راز کے فاش ہو جانیکے بعد سے پھر اُن کو نہ ملا۔ البتہ اس واقعہ کے کئی سال بعد جبکہ حضور بابا صاحب کا عرس مبارک درگاہ شریف پر منعقد تھا تو میں اور ڈاکٹر بدرالدین یوسفی شب کے ۲ بجے حضور کے مزار مبارک پر بیٹھے ہوئے تھے اتفاقاً عرس کا لنگر اس سال موقوف تھا جب ہم دونوں کو بھوک شدت کی لگی تو ہم دونوں مزار اقدس سے اٹھ کر بڑے گیٹ کے باہر سڑک پر آئے اور ہم دونوں نے کہا کہ بھوک زیادہ لگ رہی ہے کچھ اور تو کھانے کو مل نہیں رہا چلو سامنے والے ٹھیلے سے جو آم بیچ رہا ہے خرید کر کھائیں۔ یہ کہہ کر ٹھیلے سے آم خریدے اس وقت بھائی ڈاکٹر بدرالدین یوسفی سے یہ جملہ نکلا کہ حضرت تو فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی اولاد سے زیادہ مُرید عزیز ہیں مگر کلو پاشا کو ہمیشہ شیرمال و کباب مزار سے کھلاتے رہے مگر ہماری بھوک پر حضرت نے التفات نہ فرمائی۔ یہ جملہ ان کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ ایک لڑکی درگاہ شریف سے لپکی ہوئی ہماری طرف آئی اور ہمارے دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک گرم تازہ تازہ شیرمال اور دو دو شامی کباب کی ٹکیاں دیکر کہا کہ لو حضرت نے بھیجی ہیں' اور نظر سے غائب ہو گئی ہم دونوں حیران بھی تھے اور شرمندہ بھی ہوئے کہ زبان پر شکوہ آجانا بھی حضور کو برداشت نہ ہوا۔ غرض کہ صاحبزادے صاحب موصوف سے متعلق جو جو بھی کرم اکرام کا ظہور ہوتا رہا اور ہو رہا ہے اُن واقعات کو تفصیلاً صاحبزادے صاحب خود ہی کتابت کرینگے۔ صاحبزادے موصوف بچپن سے ہی خاموش طبع عجز و انکساری تقویٰ عبادت گذاری اخلاق حمیدہ کے مجسمّہ پیکر ہیں اور باوجود حضرت قبلہ و کعبہ کے جانشین و ولی عہد ہونے کے ہمیشہ اہل سلسلہ میں اپنے آپ کو کمتر تصوّر فرما کر پیش کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی عمر دراز کرے اور سرکار کا چشم چراغ روشن رکھے۔

چمن کر تا قیامت گُل او بہار بادہ

اعلان

الحمدللہ کتاب ہٰذا یوسف الاولیاء، ——— سالہا سال کی اپنی امکانی سعی جدوجہد کے بعد پہلی مرتبہ شائع کی جارہی ہے۔ چونکہ کتاب ہٰذا میں صرف حضرت کی حیاتِ مبارکہ کے بیشتر واقعات جو ہنوز دستیاب ہو سکے۔ درج وکتابت کرا کے شائع کئے گئے ہیں۔ لیکن بعد از وصال تا ہنوز آپ کی ذات پاک سے جن جن روحانی کمالات حیرت انگیز کرشمہ جات خرق وعادات وکمالات کا ظہور سارے عالم میں جاری وساری ہے اور جو فہم انسانی سے بالاتر ہیں اُن کی مکمل تفصیل میرے اہلِ سلسلہ وخلفاء اپنے اپنے چشم دید واقعات سے عنقریب مرتب وکتابت کرا کے دوسرے ایڈیشن میں شائع کرا رہے ہیں۔ چونکہ میرے سلسلہ میں اب تک چھبیس خلفاء میرے مقرر کردہ پاکستان ودیگر ممالک میں سلسلے ہٰذا کی تبلیغ رشد وہدایت کا کام بڑی شدّ ومد کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ اور بحمدللہ سلسلہ یوسفیہ تاجیہ بڑی تیزی کے ساتھ دنیا کے چپّہ چپّہ میں رواں دواں ہے۔ اور تا قیامت یہ روحانی سلسلہ روز افزوں ترقی کے ساتھ سارے عالم میں پھیل کر رہے گا۔ ؎

وہ شمع جس نے اجالا کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمک کے ملے گی دنیا کے سب درباروں میں

چنانچہ سلسلہ یوسفیہ تاجیہ کے بانی امام زماں مسیح دوراں مسند نشینِ رسالت قطب مدار عالم تاج الاولیاء حضرت سیدنا غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی قدس سرہٗ العزیز جانشینِ حضرت تاج الاولیاء تاج الملّت والدّین شہنشاہ ہفت اقلیم سیّد محمّد بابا تاج الدین حسنی والحسینی ناگپوری قدس سرہ العزیز ہوئے ہیں۔ جن کا ڈنکا سارے عالم میں بج رہا ہے۔ آپ کی درگاہِ عالیہ میوہ شاہ قبرستان کراچی میں واقع ہے۔ حضرت بابا غوث محمّد یوسف شاہ تاجی قلبی وروحی فداک کے اکلوتے لاڈلے بیٹے قبلہ سیدآفتاب کریم عرف کلّو پاشا جنہوں نے بچپن سے ہی اپنے والد ماجد قبلہ وکعبہ کی آغوشِ رحمت میں پرورش وتربیت پائی ہے اپنے والد صاحب قبلہ سے بیعت ومکمل استفادہ حاصل فرمائے ہوئے ہیں سن بلوغ پر پہنچنے

پر اپنے والد ماجد قبلہ وکعبہ کی اس نعمتِ عظمیٰ دولت جو سرچشمہ ولایت کے نام سے موسوم ہے مخلوق خدا کو مستفید فرمانے میں معروف ومشغول ہیں اور حال ہی میں اپنے والد ماجد کے روحانی مشن کی تحریک کے تکمیل کے سلسلے میں آپ نے اپنا دورہ انڈیا بھی کیا ہے۔ چنانچہ موصوف کی ناگپور کی بارگاہِ تاج الاولیاء دربار تاج آباد شریف میں بروقت حاضری صلوٰۃ وسلام روضہ مبارک حضور بابا صاحب عجیب وغریب واقعات درپیش آئے۔ اور حضور بابا صاحبؒ نے اس درجہ نوازا کہ سمجھیں قاصر ہیں۔ کہ وہاں کے خدّام اور صاحب نظر لوگوں کو ان کے پہنچنے سے قبل اِلقا فرما دیا تھا کہ ہمارا بچّہ آج پاکستان سے یہاں حاضر ہو رہا ہے چنانچہ صاحبزادے صاحب موصوف نے فرمایا کہ جوں ہی میں نے حضور کے گنبد شریف میں پہنچکر قدم بوسی کو اپنا سر مزارِ اقدس پر رکھ کر عرض کیا کہ حضور کے سوا مجھے یہاں اور کون پہچان سکتا ہے اس لئے کہ میں ½ ۲ سال کی عمر میں تھا کہ والد صاحب نے اجمیر میں مجھے اپنے ساتھ ساتھ رکھا اور پھر والد صاحب کے ہمراہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان آگیا۔ پس میں نے مکرّر سکرّر بروقت قدم بوسی مزار مبارک یہی عرضداشت پیش کی کہ میرے لئے صرف حضور کی واقفیت کافی ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا کہ آپ کے سوا کوئی دوسرا مجھے پہچانے اس کے بعد میں روضۂ مبارک سے باہر نکلا تو دیکھا کہ چند سکھ چند ہندو اور چند مسلمان میری طرف کو لپکے اور میری دست بوسی کرتے ہوئے کہنے لگے کہ بھگوان بابا نے تو ہمیں پہلے ہی سے مطلع کر دیا تھا۔ کہ ہمارا بچہ پاکستان سے آرہا ہے۔ پس مجھے ہاتھوں ہاتھ یہ لوگ وہاں لے گئے۔ جہاں میرا ناشتہ پہلے ہی سے لگا ہوا تھا پس میں حیرت میں تھا۔ اور درگاہ میں داخل ہوتے ہی جو ایک کیفیت جذب ومستی مجھ پر طاری ہو چکی تھی سرشار تھا اور حضور کے روضۂ مبارک کے سامنے سرنگوں بیٹھا تھا کہ ایک کثیر جماعت کے لوگ جن میں سکھ ہندو پارسی و مسلمان تھے سب نے کہا کہ ہمیں بیعت کر لیا جائے۔ میں ادباً شرمسار ونادم تھا کہ حضور بابا صاحب جہاں خود جلوہ نگن ہوں ان کے سامنے بیعت کس طرح کر لوں۔ تو ان لوگوں نے بہ یک زبان ہو کر کہا کہ ہمیں تو بابا نے ہی حکم دیا ہے۔ چنانچہ مجبوراً وحکماً ان سب کو بیعت کر کے داخلِ سلسلہ کر لیا گیا۔ اور سلسلہ ہٰذا کی معمول کے مطابق اوراد واشغال اور ہر پنجشنبہ کو گلدستہ شریف دربار عالیہ میں پڑھنے کا نظم قائم کر دیا تھا۔ اس کے بعد صاحبزادہ موصوف کو ایک خرقہ شریف جو حضور بابا صاحب کے مزار اقدس میں قدم مبارک کی طرف رکھا تھا ایک

بزرگ نے لاکر پہنا دیا جس کے پہنتے ہی اِن کی حالت میں ایک تغیر تبدّل ہوا۔ اور بے خودی طاری ہوگئی غرض کہ اس عطائے وہبی کا بیان فہم انسانی سے بالا ہے ظاہر میں نظریں اسے خرقۂ خلافت سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن باطنی حقیقت سے عطا کرنے والا ہی بہتر جانتا ہے۔

بے مانگے ہوئے ملتے ساغر کو ہم نے یہیں دیکھا

بابا سا سخی داتا ہم نے تو نہیں دیکھا

الغرضکہ میں نے دربار میں جو منظر مشاہدہ کئے وہ بیان سے باہر ہیں۔ شب میں تین بجے گنبد شریف کے اندر جاکر خدمت و قدمبوسی کا شرف عطا ہوتا رہا۔ قبل مغرب روضہ مبارک کے سامنے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا دستور ہے۔ جس میں سینکڑوں آدمی، ہندو، سکھ، پارسی، مسلمان شامل ہوکر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں میں نے دیکھا کہ اس وقت سکھوں اور دیگر لوگوں کے آنسو جاری رہتے ہیں اور ان کی بے خودی و مستی کا عالم حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ مجھے دن و رات پچاس سو مرد و عورتیں ہندو مسلم گھیرے رہتی تھیں بہ مشکل ۲۰-۳۰ دن تک شب میں ایک گھنٹہ مجھے سونے کو نصیب ہوتا تھا۔ ہر مذہب والے کی یہ خواہش ہوتی کہ میں اُن کے کھانوں میں ایک لقمہ ہی کھالوں تو اُن کا کھانا تبرک و پرشاد بن جائے۔ اکثر اوقات میرے خیمے کی طرف ایسے لوگ بھی آتے جاتے رہے جو باآواز بلند کہتے تھے کہ حضرت بابا محمد یوسف شاہ تاجی آپ ہی ہیں اور اس کے علاوہ بیشتر گھرانے ناگپور شریف کے مجھ سے آآکر ملتے رہے۔ جو بتاتے تھے کہ ہم تمہارے والد صاحب سے بیعت ہیں۔ اور یہ ہزاروں کی تعداد میں وہاں کے باشندے تاج آباد میں بھی آباد ہیں۔ میں نے اُس کنوئیں کی بھی زیارت کی جس میں حضور بابا صاحب ۲½ سال تک متواتر میرے والد ماجد کو بے آب و دانہ مقیم کیا تھا۔ اب اس کنوئیں سے بڑا میٹھا اور ٹھنڈا پانی جاری ہے۔ جو ناگپور کے دوسرے کنوؤں میں نہیں ہے۔ اور ایک مخلوق اس پانی کو پینے کو جمع رہتی ہے۔ اور سیراب ہو رہی ہے۔ وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ دربار تاج آباد سے قریب ۳۰-۲۵ میل کے فاصلے پر ایک جنگل جو واکی شریف کے نام سے موسوم ہے اور جہاں عرصہ دراز تک حضور بابا نے قیام بھی فرمایا تھا۔ اور وہاں حضور بابا کے تبرکات و دیگر قابلِ زیارت نشانیاں بھی ہیں۔ جو اب ایک پٹیل صاحب کی زیرنگرانی ہیں۔ وہاں آپ کے والد صاحب

قبلہ نے ہر سال جا جا کر میلاد شریف و دیگر مراسم بھی ادا کئے ہیں اب اس جگہ بھی سالانہ عرس جیسا ۳ مارچ کو شروع ہوتا ہے اور ۷ مارچ تک میلہ لگا رہتا ہے لہٰذا آپ کو وہاں چلنا ہے۔ سرکاری طریقہ پر بھی یہاں کی تمام پبلک نے یہاں سے چادر کا جلوس لے کر چلنے اور وہاں کے قیام کے لئے آپ کو بہ حیثیت جانشین حضرت بابا یوسف شاہ صاحب قدس سرہٗ منتخب اور درج رجسٹر کر لیا ہے۔ اور وہاں سے پہلے آپ کی لائی ہوئی اور وہاں کی گورنمنٹ آف انڈیا کی چادر چڑھے گی اُس کے بعد دیگر چادریں چڑھیں گی چنانچہ یہ جلوس ۳ مارچ کو تاج آباد شریف کے دربار سے روانہ ہوا۔ جس میں قریب نو دس لاکھ کا مجمع۔ ہندو، عیسائی، پارسی، سکھ، مسلمان اور دیگر اقوام کے لاکھوں افراد شامل تھے۔ صبح کے دس بجے سے لیکر دو تین بجے تک جلوس عام ناگپور شریف میں گھوما جس میں ہر قسم کے باجے بج رہے تھے۔ اور مختلف قوال اور دیگر تماشے کرنے والے ہمراہ تھے اُس کے بعد ریل و ٹرینوں کے ذریعے جس کا ٹکٹ گورنمنٹ کی طرف سے تا میلے واکی شریف معاف تھا۔ تمام جلوس واکی کے اس میدان میں جا پہنچا۔ اُس وقت تک مجمع کسی طرح بھی دس لاکھ سے کم نہ تھا۔ مجھے اسٹیج پر بڑے احترام سے بحیثیت صدر و جانشین حضرت والد صاحب قبلہ بٹھایا گیا۔ اور سب سے پہلے میری چادر جو مجھے بھائی شوکت علی شاہ یوسفی تاجی نے کراچی سے چلتے وقت پیش کی تھی۔ چڑھانے کا اشارہ ہوا۔ پس میں نے صلوٰۃ و سلام اور تمام مجمع کے ساتھ چادر شریف پیش کی۔ اُس کے بعد وہاں کی گورنمنٹ کی چادر پیش کی اور اس کے بعد دیگر چادریں جو قریب ڈھائی تین ہزار کی تعداد میں تھیں پے در پے پیش کرتا رہا غرضیکہ پانچ یوم میرا قیام اُس جنگل میں رہا اور وہاں کے لوگوں نے میرا شامیانہ و خیمہ وہیں نصب کیا تھا جہاں میرے والد صاحب کا لگتا تھا۔ اور لوگ مجھے برابر اُسی نظریے سے دیکھتے جس طرح سے والد صاحب کے ساتھ برتاؤ رہتا تھا غرضیکہ ۲۲ دن میرا قیام رہا۔ وہاں کے لوگوں، معاملات، اور نت نئی کرامات کا تفصیلاً ذکر کہاں تک قلمبند کراؤں پس بالآخر علاوہ دیگر تبرکات کے مجھے سات عدد چادر شریف بھی روضہ مبارک سے عطا ہوئیں۔ اور مجھے ناگپور شریف کے اسٹیشن پر سوار کرانے لاتعداد ہندو سکھ مسلم تھے۔ جن کے آنسو جاری تھے۔ اور جلد از جلد مکرر ناگپور شریف کی دعوت دے رہے تھے۔ تا آنکہ میں ریل میں سوار ہوا تو پلیٹ فارم مجمع سے بھرا ہوا تھا۔ اور بھگوان تاج الدین کی جے

کے نعرے لگائے جارہے تھے۔ جوں ہی گاڑی چلی بہت سے لوگ میرے ڈبے کے ساتھ بھاگے بالآخر میں عجیب وغریب تاثرات لے کر انڈیا میں دوسری جگہ پہنچا تو اکثر اسٹیشن پر اور ریل کے ڈبے میں ہندو سکھوں نے میری پرستش کی میں حیرت میں رہتا تھا کہ خیر ناگپور شریف میں تو میرا احترام لوگ باگوں نے جو کیا تو میرے والد صاحب قبلہ وکعبہ کی وجہ سے کیا انڈیا کے جس گوشے میں جاتا ہوں وہاں کیوں کر مجھے عزت احترام سے استقبال کیا جارہا ہے جس کے معنے یہی نکلتے تھے کہ حضور بابا کی حکومت کا سکہ ہر قلب پر جاری وساری ہے پس جس کو وہ نوازنا چاہیں مخلوق کیوں نہ گردنیں ڈال دیں پس جس انداز سے صاحبزادے کو نوازا گیا ہے ہمیں صاحبزادے کی شان مبارک میں بہ مصداق اس شعر کے حامل نظر بہ نکر ہونا پڑا۔

تیری نسل پاک میں بچہ بچہ ہے نور کا

تو سراپا نور ہے سارا گھرانہ نور کا

پس بارگاہ تاج الاولیاء سے اس شان و شوکت و احترام سے صاحبزادے موصوف کو نواز کر ہمیں اور سارے عالم کے مسلمانوں کو درس و تربیت فرمائی جارہی ہے کہ اگرچہ ہادیٔ زماں امام دوراں خاتم الاولیاء شہنشاہ ہفت اقلیم حضرت سیدنا سید محمد بابا تاج الدین رح حسنی والحسینی ناگپوری بہ ذات خود بھی امام الاولیا حضرت امام عسکری علیہ السلام کی آل اولاد ہیں۔ اور بہ وجوہ نشائے تامہ اپنے ایک خلیفہ اعظم حضرت غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی رح کو اپنی ذات مبارک میں سمو کر اور اپنا لاڈلا بیٹا فرما چکے ہیں پس اُن کی آل اولاد کو بھی اُسی انداز میں اپنا کر دکھایا جائے۔ جو کہ معنوی نسبت کا ماحصل ہے۔ چنانچہ بہ عینی اسی طرح ہم نے حضرت قبلہ مدظلہ' العالی کے قلب و طرزِ عمل میں ہمیشہ و مسلسل ہر آن دیکھا کہ آپ آل محمدؐ کی محبت کا ہی درس سارے عالم کو دیتے رہے۔ جیسے کہ اپنے سلسلے کے وظیفوں میں پنجتن پاک کا گلدستہ شریف کا ورد جاری وساری ہے۔ اور جس کے ورد میں دین و دنیا کی فلاح کا راز مضمر ہے۔ اور یہی سلسلہ یوسفیہ تاجیہ کا سرمایہ ہے۔ اس لئے میں ملتجی ہوں کہ مسلمانانِ عالم آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل کی آل و اولادوں کا احترام اپنا اولیں فرض تصور کریں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ تم میری آل کا احترام کرو اچھوں کا اللہ کے لئے اور بُروں کا میرے لئے اور دیگر احادیث و عبارات

الٰہی یعنی نماز میں بھی آلِ محمد پر درود واجب قرار ہوا۔ پس ہمیں درس دیا جارہا ہے چنانچہ اسی ضمن میں حضرت غوث پاک رح اپنی منقبت میں چند اشعار فرماتے ہیں۔

از کلام مبارک حضرت الاعظم رحمۃ اللہ علیہ

غلامِ حلقہ بگوشِ رسولِ ساداتم — زہے نجات نمودن حبیب آیاتم

کفایت است ز روح رسول و اولادش — ہمیشہ در دو جہاں جملہ مستاتم

زغیر آل نبی حاجتے اگر طلبم — روا مدار یکے ہزار حاجاتم!

دلم ز حُبِ محمدؐ پُر اُست و آل مجید — گواہِ حال من است ایں ہمہ حکایاتم

چوں ذرہ ذرہ شود ایں تنم بخاک لحد — تو بشنوی صلوٰۃ از جمیع ذراتم

کمینہ خادم و خدام خاندان توام — ز خدائی تو دائم بود مباحاتم

سلام گوئم صلوٰۃ با تو ہر نفسے — قبول کن بہ کرم ایں سلام وصلواتم

گناہ بے حد من مبیں یا رسول اللہ — شفاعتِ بکن و محو کن خیالاتم

بگوے محیؔ کہ بہر نجات می گوید — درود سرورِ کونین در مناجاتم

اسی لئے ہمیں تمام زمانے بھر کے مسلمانوں کو احادیث اور جملہ بزرگان دین کے کلام و اقوالات سے درس عبرت حاصل کر کے راہِ مستقیم اختیار کرنی چاہیئے۔ تاکہ ہماری ایمانی روح بیدار ہو خصوصاً میں اپنے اہل سلسلہ کو بھی متنبہ اور متوجہ ہونے کی التجا کرتا ہوں۔ کہ وہ سلف کے تمام بزرگان دین کی روایات و تربیت رشد و ہدایت کے مطابق جسکے بانی دورِ حاضرہ میں تمام عالم کے لئے امام وقت کی حیثیت سے صرف حضرت ہی کی ذات مقدس ہوتی ہے۔ پس عرفان الٰہی حاصل کرنے کے لئے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقصد و نصب العین تصور فرمائیں۔ اور بہ مصداقِ حدیث شریف:۔

(الشیخ فی قومہٖ کالنبی فی امتہٖ) یعنی شیخ اپنے مریدوں میں مثل نبی کے ہے۔ اپنے سلسلہ کے شیخ کی آل و اولاد کو حرمت و احترام کے نظریۂ و عملدرآمد سے شیخ کی روحِ مبارک کو خوش فرما کے استفادہ و فیضِ غیر مترقبہ معنوی حاصل فرمائیں۔ پس میں اپنے اہل سلسلہ کو جنہوں نے میرے

توسّل سے سلسلہ یوسفیہ تاجیہ میں بیعت حاصل کی ہے۔ جن کا شمار لاتعداد ہے اور جو آئندہ بیعت ہوتے رہیں گے سب ہی کو تنبیہہ و تاکید کرتا ہوں کہ اُن کے فرائض میں سے فرضِ اوّلین آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اسی طرح میرے شیخ کی آل سے خصوصاً صاحبزادہ سید آفتاب کریم عرف کلّو پاشا یوسفی تاجی جو کہ میرے شیخ کے اوصاف سے متّصف اور وراثت دولتِ ولایت سے بھرپور معمور ہیں جن کو عام نگاہیں نہیں پہچان سکتیں کہ وہ قائم مقام روحانی جانشین میرے شیخ کے ہیں اور یہ معمہ راز ہے۔

نگاہِ ہوش تمہارا مقام کیا جانے
جہاں خِرد کی رسائی نہیں وہاں تم ہو

کہ میرے اور اُن کے مابین کس قسم کا رابطہ نسبت دائم و قائم ہے پس میرے جملہ اہلِ سلسلہ یوسفیہ تاجیہ کے حلقہ بگوشوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اُن کی عظمت و احترام اور اُن کے احکامات کو مثل حضرت بابا سرکار ہی تصور کریں اور کاربند رہیں۔ کیوں کہ اسی میں سلسلے کی بقاء کا راز مضمر ہے۔ اور دورِ حاضرہ میں یہی سلسلے کی جسم و جاں ہیں۔ اِس جگہ اس حقیقت کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے جس قدر نوازا گیا ہے صرف سرکارِ والا رح کی آل و اَولاد ہی کی محبت و واسطے سے بخشش کیا گیا ہے جس کی شرح و تفصیل بیان کرنے سے میری زبان قاصر ہے۔ اگر میں اپنی جان کا نذرانہ اِس ہدیہ کے شکرانے میں دیدوں تو ہیچ ہی ہوگا، اِس لئے میں کیوں نہ اِس نعمتِ عظمیٰ کو اُسی گھرانے کو نذر کر دوں کہ جن کے واسطے و توسُّل سے مجھے یہ دولت عطا ہوئی۔ صاحبزادہ موصوف یعنی سیّدنا آفتاب کریم عرف کلّو پاشا یوسفی تاجی کو میں نے پہلے ہی خلافت و اجازت عطا کر دی ہے ——— اور اب نیازمند نے حسبِ اشارہ و ایماء مرشدِ پاک سیدنا غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی قدس سرہٗ العزیز اپنے سلسلے کا سجادہ نشین متعین کر دیا ہے لہٰذا اپنے حلقہ بگوشان و جملہ مریدین و خلفاء کو یہ میری طرف سے مکرّر تاکید ہے کہ وہ میسر حاضر و غائب اُن کا احترام و عظمت کو مثل میرے ملحوظ رکھیں گے اور اُن کے جملہ احکامات پر سرِ تسلیم خم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ بطفیل سرورِ کونینؐ صاحبزادے موصوف کی عمر دراز فرمائے اور سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ کو انکے ہاتھوں فروغ عطا ہو اور رہتی دنیا تک یہ بے مثل سلسلہ عروج حاصل کرتا رہے۔
(آمین)

ہو الکل بابا ‏ ‏ ‏ ‏ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

درگاہ کمیٹی بارگاہ حضرت تاج الاولیاء تاج الملّت والدین شہنشاہ ہفتِ اقلیم

سیّد محمد بابا تاج الدّین حسَنی والحُسینی قدّس سرّہٗ العزیز

تاج آباد۔ ناگپور

زمانہ واقف ہے۔ کہ حضرت تاجُ الاولیاء کی ذات مقدس صفِ اولیاء القدس میں امام زماں اور موجودہ دَور میں ایسی برگزیدہ و جلیل القدر ہستی ہوئی ہے جن کے اوصاف کشف و کرامات و کمالات روحانی کا ڈنکا سارے عالم میں بج رہا ہے۔ اور نہ صرف آپ نے ایک عالم کی حاجت روائی فرمائی۔ بلکہ اپنے روحانی تغذیہ کے کمالات سے لاکھوں انسانوں کو کافر سے مومن اور مومن سے اولیاء اللہ بنا کر عالم میں ایک نیا روحانی نظم قائم فرما دیا جس کا اندازہ اہلِ بصیرت و خاصانِ خدا کو ہی ہے۔ منجملہ صف اولیاء اللہ کے ایک چیدہ و چنیدہ ہستی حضرت غوث بابا محمّد یُوسف شاہ تاجی المعروف شمس العلماء مولانا عبدالکریم شاہ تاجی چشتی قادری قدس سرہٗ العزیز ہوئی ہے۔ جو ہندوستان کے مشہور و معروف عالم شمار ہوئے، ہیں۔ اور میرے برادرِ طریقت ہیں۔ حضور بابا صاحب نے انہیں اپنی روحانی جانشینی و خلافت سے نوازا۔ اور یہ فرمایا کہ یُوسف ہمارے خزانے کی کنجی ہے۔ ہمارا لاڈلا بیٹا ہے۔ اور رشد و ہدائت کا کام اُن ہی کے سپُرد فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے حضُور بابا کے مشن کی تکمیل کیلئے جس جانفشانی فقر و فاقے صبر و تحمّل و توکل کو زادِ راہ بنا کر سلسلے کی اشاعت میں جو صعوبتیں برداشت کیں اسکی نظیر نہیں ملتی اور اپنی ہدائیت و تبلیغ سے ہزارہا انسانوں کو راہِ ہدایت پر لا کر ولی کامل و اکمل بنایا۔ جسمیں ہندوستان کے نواب زادگان راجے مہاراجے ہندو مسلم و دیگر اقوام کے لوگ بھی شامل ہیں۔ بر وقت تقسیم پاکستان بحالت علالت ہی آپ کراچی رونق افروز ہوئے۔ اور ہفتہ عشرہ قیام کے بعد آپ پردہ فرما گئے۔ آپ کی درگاہ شریف منگا پیر روڈ میوہ شاہ قبرستان میں واقع ہے۔

پیرو مرشد حضرت بابا تاج الدین اولیاء کے اور دیگر اولیاء کرام کے اعراس ہوتے رہتے ہیں حضرت بابا محمد یوسف شاہ
تاجی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہی اکلوتے صاحبزادے ہیں جن کا نام نامی سید آفتاب کریم عرف کلّو پاشا یوسفی تاجی ہے
جو اپنے والد ماجد بزرگوار کے جانشین و ولی عہد ہیں ۔ اور بچپن ہی سے اپنے والد بزرگوار
کے قدم بہ قدم اور ذوقِ خداطلبی میں سرشار و خدا رسیدہ ہیں اور سرتاپا اپنے والد بزرگوار
کی تصویر ہیں ۔ اپنے والد صاحب کے روحانی مشن کی اشاعت و تکمیل میں معروف و مشغول
ہو کر حسبِ دستور بزرگانِ دین سجادہ نشین ہیں ۔ اور سلسلہ یوسفیہ تاجیہ کی تبلیغ کر رہے
ہیں ۔ حضرت بابا غوث محمد یوسف شاہ تاجیؒ کے خلفاء میں بھی عزیز روحی عزیزم بابا محمد شوکت علی
شاہ یوسفی تاجی جو کہ حضرت کے سب سے پرانے مرید و خلیفہ ہیں ۔ انہوں نے سلسلہ یوسفیہ
تاجیہ کی تبلیغ و اشاعت میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ قابل قدر ہیں ۔ اُن کی تحریک ہدایات
و روحانی اصلاحات سے پاکستان و غیر ممالک میں ہزارہا آدمی فیضیاب ہو رہے ہیں اور سلسلہ
یوسفیہ تاجیہ کی تبلیغ و اشاعت کیلئے موصوف نے بیشتر خلفاء اندرون پاکستان و بیرونِ پاکستان
متعین کیئے ہیں ۔ اور سلسلے کے عروج کے لیے انجمنیں قائم کی ہیں ۔ مختصر یہ کہ میں موصوف
کے حلقہ بگوشاں سلسلے کو دیکھ کر بیحد خوش ہوا ہوں ۔ اور بہ نظرِ چشم بصیرت معلوم ہوتا ہے
کہ سلسلے ہذا کے بزرگانِ سلف کی ارواحِ مقدسہ ان کی تائید میں ان کے دوش بدوش رواں
دواں ہیں ۔ موصوف نے بڑی جدوجہد سے چشم دید واقعات پر ایک کتاب بھی "یوسف الاولیاء"
کے نام سے شائع کرائی ہے ۔ جس میں مختصر حالات حضرت تاج الاولیاء بابا رضی اللہ عنہٗ اور
حضرت بابا غوث محمد یوسف شاہ تاجیؒ کے درج کیئے ہیں ۔ مجھے توقع ہے ۔ کہ اس کتاب کے
مطالعہ سے رہ روان راہِ طریقت اور بالخصوص اہل سلسلہ کے راہ سلوک کے منازل و مراتب
بلند ہوں گے ۔ اور بالآخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بہ طفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
سلسلہ ہذا کو فروغ اور روز افزوں ترقی عطا فرمائے ۔ اور سلسلہ یوسفیہ تاجیہ ہمیشہ
ہمیشہ پھلتا پھولتا و درخشاں رہے ۔

چمنے کہ تا قیامت گُلِ اُو بہار بادہ

دعاگو میاں محمد فریدالدین شاہ تاجی کریم بابا

محب الفقراء بابا فریدالدین شاہ معروف کریم بابا تاجی سجادہ نشین درگاہ تاج الاولیاء
تاج آباد شریف ناگپور سی پی

اختتامیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اب جبکہ کتاب اختتام پذیر ہوئی ، یہاں چند باتوں کا اظہار ضروری معلوم
ہوتا ہے ۔ اوّل یہ کہ حضرت سیدنا و مرشد مدظلہ العالی سے متعلق جتنے مشاہدات و واقعات راقم الحروف
کو پیش آئے وہ قلمبند کر دیئے گئے ۔ اس کے علاوہ جو مواد پیر بھائیوں سے دستیاب ہوا وہ بھی بلا کسی ترمیم و
تنسیخ کے من و عن تالیف ہٰذا میں نقل کر دیا گیا ۔ تصوّف میں چونکہ حقیقت ہی حقیقت ہے ۔ لہٰذا
حتی الامکان مضامین بندی ، منظر نگاری و بیان آفرینی وغیرہ سے پرہیز کیا گیا ہے اور کوشش
بھی کی گئی ہے کہ جیسا سنا یا دیکھا ویسا ہی نہایت سادہ زبان میں لکھ دیا جائے تاکہ "از دل خیزد
بر دل ریزد" کے مصداق حقیقت اپنے رنگ میں قاری پر اثرانداز ہو ۔ دورانِ مطالعہ کسی قاری کو
کوئی تجسّس یا استفسار ذہن میں پیدا ہوا ہو تو وہ ہدایت اور تسلّیِ قلب کے لئے راقم الحروف سے
کتاب میں درج پتہ پر یا کسی خلیفہ مجاز سلسلہ یوسفیہ تاجیہ سے رجوع کر سکتا ہے ۔

دوئم یہ کہ میری سالہا سال کی انتہائی جدوجہد کے باوجود مجھے حضرت قبلہ و کعبہ کے مکمل
واقعات اپنے پیر بھائیوں سے دستیاب نہ ہو سکے وہ اس لئے کہ بیشتر پیر بھائی اس دوران عالم فانی سے
ملک جاودانی کو رحلت فرما گئے بقیہ بہت تعداد میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں آباد ہیں جن کے
مکمل پتے مہیا نہ ہو سکے ۔ تاآنکہ پاکستان میں بھی اکثر مخلص پیر بھائیوں سے جنہیں حضرت قبلہ و کعبہ کی
صحبت بابرکت میں حاضر باشی کے بیشتر اوقات میسّر ہوئے باوجود کوشش ہائے بسیار اُن کے قلمبند کئے
ہوئے واقعات مجھے نہ مل سکے جس کا افسوس ہے ۔ پس آئندہ جن جن افراد سے جو واقعات مل
سکیں گے وہ انشاء اللہ اسی تزک و احتشام سے دوسرے ایڈیشن میں شائع کرائے جائیں گے ۔ !

سوئم یہ بات یہاں غیر ضروری نہیں ہوگی کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد قارئین پر یہ بخوبی
واضح ہو گیا ہوگا کہ تاج الاولیاء حضرت سیدنا محمد بابا تاج الدین حسنی والحسینی قدس سرہٗ العزیز اور اُن
کے روحانی جانشین و خلیفہ اعظم سیدنا و مرشدنا حضرت غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجی قدس سرہٗ العزیز
دورِ حاضرہ کے کس قدر عظیم المرتبت والا شان شہرہ آفاق و جلیل القدر بزرگ ہستی ہوتے ہیں ۔

تاج الفقراء شوکت الاولیاء شوکت الملک والدین

حضرت بابا **شوکت علی شاہ**

یوسفی تاجی اعثنی وامددنی باذن اللہ۔

آپ کے روحانی فیوض، کشف وکرامات، اور نظرِ کیمیا اثر صرف کل ہی کی بات نہیں بلکہ آج بھی فیضِ عام نہایت تیزی سے جاری وساری ہے اوراس کی صداقت اہلِ معاملہ حضرات ہی خوب جانتے ہیں حضرت یوسف الاولیاء کے خلفاء ہندو پاکستان ودیگر ممالک میں سلسلہ عالیہ یوسفیہ تاجیہ کے روحانی نظام، تبلیغ، اشاعت وتربیت سالہاسال سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور ہنوز سلسلہ عالیہ بڑی شدّ ومدّ اور تیب سے روزافزوں ترقی پذیر ہے اور آئے دن کثیر تعداد میں لوگ سلسلہ عالیہ یوسفیہ تاجیہ سے منسلک ہورہے ہیں۔ یہ حضرات اپنی خوش نصیبی پر جتنا ناز کریں کم ہے کیونکہ ــــــ

دامنِ مصطفےٰؐ جس کے ہاتھوں میں ہو

اُس کو روزِ جزا اور کیا چاہیئے!

حقیقت یہ ہے کہ وابستگان سلسلہ پر جس قدر فیوض واکرام کی بارش اور کرامات وکرشمات کا ظہور ہورہا ہے اُس کو اگر ضبط تحریر میں لایا جائے تو دفتر کے دفتر بھی کم ہیں۔ چنانچہ حضرت قبلہ وکعبہ کے اکرام و تصرفات کے تحت میری تبلیغ واشاعت سلسلہ لہٰذا جس قدر گوناگوں کرامات و واقعات ظہور پذیر ہورہے ہیں اُن کی تفصیل وچشم دید حالات میرے مقرر کردہ خلفاء واہلِ سلسلہ عنقریب تذکرہ دوسرے ایڈیشن میں شاملِ اشاعت کریں گے۔

آخر میں قارئین سے پرخلوص گذارش ہے کہ وہ اس کتاب کا توجہ کے ساتھ وقفہ وقفہ سے مطالعہ کرتے رہیں کیونکہ عرصہ دراز کی کوششوں کے بعد یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے جو حضرت قبلہ وکعبہ مدظلہٗ العالی کے چیدہ قابل ذکر واقعات وارشادات عالیہ پر مشتمل ہے اور پہلی بار اتنی تفصیل سے شائع کی گئی ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ کتاب لہٰذا سچی غور وفکر وصحیح تعلیم وتربیت کے لئے نہایت معاون اور رہ روانِ طریقت وجملہ سلاسل کے لئے روحانی فیض رساں ثابت ہوگی ویسے میری خدمات بحیثیت خادم بارگاہ سلسلہ عالیہ یوسفیہ تاجیہ ہروقت تمام طالبانِ خدا کے لئے اس میدان میں وقف اور پیش پیش ہیں۔ یہی کلمات بطور ہدایت اپنے جملہ مریدین وخلفاء کے لئے بھی ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

ـــــــ ..x.. ـــــــ

قطب الاقطاب شمس العارفین سراج السالکین فخر المحبوبین والمعشوقین اعلیٰحضرت

بابا محمدؐ شوکت علی شاہ

یوسفی تاجی اویسی چشتی قادری قدس سرۃ العزیز

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

بعد از حمد و ثنا بارگاہِ ایزدی میں سجدہِ شکر بجالاتی ہوں کہ آج میں نے اپنے مرشدِپاک کی حیات طیبہ کے متعلق کچھ لکھنے کیلئے قلم اٹھایا ہے۔ گو ان کی ذات والا صفات کے متعلق کچھ لکھنا گویا سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہے۔ اپنے مرشد پاک کی اولوالعزم اور بلند مرتبت ہستی کے متعلق کچھ تحریر کرنا خاصا دقیق و مشکل کام ہے۔ میری کیا مجال کہ میں کماحقہٗ انکے اوصاف و مراتب بیان کر سکوں۔ اپنی عملی بے بضاعتی کا بھی احساس ہے اور اپنی سرکارِ والا تبار کے اعلیٰ مراتب اور بلند مقام کا تعین بھی میرے بس کی بات نہیں۔ آپکی ہمہ گیر شخصیت، آفاقی حیثیت کی حامل ہے اور جنکے ظاہری اور باطنی کمالات کی مثال صدیوں میں کہیں ملتی ہے۔ سمجھ کام نہیں کرتی کہ ان کی کس کس شان کو بیان کروں اور ان کی کس کس ادا کا ذکر کروں۔ میں کہاں اور ان کا ذکر کہاں۔

تو کجا من کجا ذکرت کجا اللہ اللہ نسبتِ شاہ و گدا

آپکی ذات ایک بیکراں سمندر ہے جسکی گہرائی اور گیرائی کا اِحاطہ تو دور کی بات ہے کنارے تک رسائی محال ہے۔ ایسے میں موتیوں کی بات کیسے کی جاسکتی ہے جو اسکی اتھاہ گہرائی میں موجود ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے جن لوگوں کو شرفِ ولایتِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ انہیں خالق دو جہاں کے سوا کوئی نہیں جان سکتا جیسا کہ حدیثِ قدسی ہے "اولیاء تَحتَ قبائی لَا یَعرِفُھم غیری" یعنی میرے ولی میری قبا میں ہیں انہیں میرے سِوا کوئی نہیں پہچان سکتا۔

نورِ ولایت نورِ نبوت کا ظِل ہوتا ہے۔ اللہ کا دوست وہی ہو سکتا ہے جو اللہ کی رضا میں راضی ہو۔ اگرچہ اولیاء اللہ کے لئے بھی جسم و جاں کی وہی حدود و قیود ہوتی ہیں جو عام انسانوں کیلئے پیمانۂ حیات ہیں۔ پھر بھی اللہ کے ان محبوب بندوں کا طرزِ فکر و عمل اُنہیں ایک مختلف سطح کا فرد بنادیتا ہے۔ ازل سے انسان کی غایت ادراکِ حقیقت رہی ہے، مگر یہ سوچنے کی بات ہے کہ وہ اپنی محدود عقل سے لامحدود کو کیسے پا سکتا ہے۔ پابندِ نفس انسان اُن لطیف و قُدسی فضاؤں میں کیونکر قدم رکھ سکتا ہے۔ جو صرف مخلص بندوں کی میراث ہے، جنہیں ولی اللہ کہتے ہیں۔ ولی دراصل شہیدِ اکبر ہوتا ہے۔

ایمان اگر محبوب کی محبت کا نام ہے تو ایقان محبوب پر مر مٹنے کا نام ہے۔ ایقان کی ابدی صداقت کی سطحِ مادیٔ جسم سے الگ قلب و روح سے بہت دور منبعِ وجود میں ہوتی ہے۔ یہ کیفیت عشق و محبت کی شدت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ راہِ طریقت کا سب سے بڑا اصول محبت ہی ہے، عشق ہی ہے۔ عشق میں محبوب ایک ہی ہوتا ہے۔ دوست ہزاروں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پہلے حضور نبی کریم ﷺ کے ہوئے پھر اُن کے صدقے میں عالمِ کون و مکاں کے رب العالمین بنے، اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے حبیب تجھے پیدا نہ فرماتا تو کچھ بھی پیدا نہ فرماتا۔ عاشق کسی عالم میں بھی محبوب سے جدا نہیں رہ سکتا۔ وہ خود رب العالمین ہیں تو محبوب کو رحمت اللعالمین بنایا۔ اب ہر عالم میں ہر مقام پر جہاں جہاں رب العالمین ہیں وہاں وہاں اُنکے محبوب کا ہونا ضروری ہے۔ ولایت نام ہے محبتِ رسول اللہ ﷺ کا۔ اہلِ محبت میں خوف و طمع نہیں ہوتا۔ اہلِ محبت وہ چراغ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ صدقۂ محمدؐ رسول اللہ ﷺ میں روشن فرماتا ہے اور اس چراغ کو روشن رکھنے کا اہتمام بھی وہ خود ہی فرماتا ہے۔ اِسی لئے اہل محبت کو نہ کوئی ڈر ہوتا ہے نہ کوئی خوف۔ پیر کامل اللہ تعالیٰ کے حبیبِ پاک ﷺ کی محبت کا مظہر ہے اُس کے سینے میں اُسی نور کی شعاع ہے۔ شیخِ کامل اگر کسی کو محبت سے دیکھ لیتا ہے تو عادت بدل دیتا ہے، خصلت بدل دیتا ہے، ماہئیتِ قلب بدل دیتا ہے۔

راہِ محبت میں پہلے اکمل بنتا ہے پھر کامل پھر مکمل۔ اکمل کو محبت حاصل ہو جاتی ہے لیکن فیضان اور نور کسی اور میں منتقل نہیں کر سکتا۔ ہاں خود کامیاب ہوتا ہے۔ کامل وہ ہے جو دوسروں میں فیوض منتقل کر دے، اپنا علم بھی منتقل کر دے اور صفات بھی۔ مکمل وہ ہے جو ذات میں ذات رکھ لے۔ کن فیکون کا مشاہدہ کرا دے۔ ایسے بزرگ خلیفۃ اللہ کہلاتے ہیں۔ ہمارے بابا آقائی و مولائی و مرشدی حضرت بابا محمدؒ شوکت علی شاہ کی نسبت عشقی اتحادی تھی۔ آپ وہ ابو الوقت بزرگ تھے جو اپنے تعدیہ سے ایک ہی نگاہ میں مرید کو کہاں سے کہاں پہنچادے۔

نہ تاج و تخت نہ لشکر و سپاہ میں ہے   جو بات قلندر کی بارگاہ میں ہے

پیدائش: آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی شوکت علی تھا۔ آپ 12 جنوری 1901ء بمطابق 21 رمضان المبارک 1318ھ بروز ہفتہ علیگڑھ کے قریب ریاست چھتاری میں پیدا ہوئے۔ آپکی والدہ ماجدہ سادات کے معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں جبکہ آپکے والدِ ماجد کا تعلق راجپوت خاندان سے تھا۔ حضور کا خاندان ایک عرصہ سے ریاست چھتاری میں مہتمم خزانہ اور مختارِ عام کے منصب پر فائز چلا آرہا تھا۔ جس میں آپکے دادا کے بعد آپکے والدِ محترم اور پھر اُنکے بعد حسبِ روایت آپ بھی اسی عہدہ پر خدمات انجام دیتے رہے۔

آپکی پیدائش کے وقت آپ کی والدہ محترمہ روزے سے تھیں۔ آپ انتہائی متقی، پرہیزگار اور پابندِ صوم وصلوٰۃ تھیں اور چونکہ وہ آفتابِ ولایت سرچشمۂ ہدایت جناب قبلہ حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ دیوہ شریف جو سلسلۂ وارثیہ کے بانی ہیں، سے براہ راست بعیت تھیں اور ان کی نسبت و محبت کی بدولت روحانیت اور ولایت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں اور اپنے مرشدِ پاک سے قوی نسبت رکھتی تھیں۔ اسلئے حضور باباصاحب کی پیدائش پر قبلہ حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ ریاست چھتاری تشریف لائے اور آپکو اپنی آغوشِ رحمت نواز میں لے کر اپنی زبان مبارک آپکے دہن میں ڈال کر نسبتِ وارثیہ کے

اس مقام سے نوازا جو بڑے بڑوں کو سالہا سال کی قدمبوسی کے بعد بھی نصیب نہ ہوا۔ حضور کی طبعِ مبارک میں اپنی والدہ محترمہ کی محبت اور نسبتِ وارثیہ کی اس اعلیٰ قربت کا اثر اس قدر ہوا کہ آپ بچپن سے حلیم الطبع، خُلقِ نبوی اور توکلِ فقیرانہ کا مجسم پیکر ثابت ہوئے اور آپ نے لڑکپن سے ہی اپنے حسنِ اخلاق اور مرنجاں مرنج شخصیت کی بدولت اپنے دوست واحباب اور اساتذۂ کرام کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا۔

تعلیم: آپ نے اپنی دنیاوی تعلیم اور حدیث وفقہ کی تعلیم کی تکمیل چھتاری کے مدارس سے حاصل کی۔ بچپن سے ہی آپکی طبیعت میں عشق رسول ﷺ کی تڑپ اور ذوق خدا طلبی کا میلان اسقدر تھا کہ آپ قرب وجوار میں ہونیوالی مجالسِ ذکر اور محافلِ فضائل میں باقاعدہ شرکت فرمایا کرتے تھے۔

بیعت: 1922ء میں آفتاب رُشد وہدایت مرشد کامل سراج السالکین فخر جملہ اولین وآخرین سجادہ نشین سلسلۂ عالیہ یوسفیہ تاجیہ، تاج الاولیاء تاج الملت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے جانشین اور روحانی خلیفہ غوثنا غیاثنا قبلہ وکعبہ بابا سید محمدؒ یوسف شاہ تاجیؒ قدس سرۃ العزیز لباسِ مجذوبانہ اور کیف مستانہ میں اپنے چند مریدوں کے ساتھ چھتاری تشریف لائے۔ آپ آنحضرت کی خدمت میں شرفِ دیدار کو حاضر ہوئے۔ قبلۂ عالم نے اپ کو عالمِ کیف ومستی میں "بابا" کہہ کر پکارا اور فرمایا "آگئے بابا، ہم آپ کے انتظار میں تھے"۔ آپکی سمجھ میں قبلۂ عالم کی باتیں نہ آسکیں۔ حضور فرماتے ہیں کہ قبلۂ عالم نے ایک آنکھ بھر کے ہماری طرف دیکھا اور ایسا لگا کہ ہمارا دل شق ہو گیا ہو اور ہم اپنے ہوش وحواس گم کر بیٹھے اور ہماری حالت اس شعر کی مصداق ہو گئی۔

سرمد دردیں عجب شکستے کردی   ایماں بہ فدائے چشم مستے کردی

چنانچہ حضور نے قبلۂ عالم سرکار بابا سید محمدؒ یوسف شاہ تاجیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ فرماتے کہ بیعت کے بعد قلبِ وارفتہ کو ایسی تسکین اور روشنی نصیب ہوئی کہ سرکار کے قدموں کی ایک لحہ کی جدائی بھی ہمیں گوارا نہ تھی۔ بیعت کے بعد آپ نے اپنی تمام زندگی اپنے شیخ کی محبت اور صحبت میں مستغرق گذاری۔ اور چوبیس [۲۴] سال تک اپنے مرشدِ کامل کے ساتھ سفر وحضر میں ہندوستان کے گوشے گوشے میں سفر کیا۔

خلافت: قبلہ عالم سراج سالکین تاج العارفین فخر جملہ اولین وآخرین حضرت بابا سید محمدؒ یوسف شاہ تاجیؒ نے آپ کو اجمیر شریف میں ایک محفلِ سماع میں آپ کی ایک ادائے دلبرانہ وعاشقانہ پر آپ کو خلعتِ خلافت سے نوازا۔ آپ کو اپنے شیخ سے اس قدر والہانہ عشق تھا کہ ایک پل بھی انکو دیکھے بنا نہ رہ سکتے تھے۔

تو چناں گرفتہ جاں بہ میان جان شیرین کہ نتواں ترا و جاں بہ ہم امتیاز کردن

اپنے شیخ سے محبت وعشق اور ان کی عترت سے وابستگی اور ادب آپ کے رُوم رُوم میں ایسا رچا بسا تھا کہ انکی مثال اہل طریقت میں کم ہی ملتی ہے۔ اپنے شیخ کے وصال کے بعد 1968ء میں اپنے مرشدِ پاک کی بشارت پر پنجاب میں

سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ کی تبلیغ واشاعت کیلئے سفر کیا۔

محاسن: آپ درویش کامل، مرد حق آگاہ و حق نما تھے۔ آپ پیکرِ ایثار و محبت مجسمۂ صدق و صفا اور گنجینۂ مہر و وفا تھے۔ ان کے کلام میں سحر انگیزی اور معجز بیانی تھی۔ جیسے ۔ از دل خیزد بر دل ریزد، کے مصداق ہو۔ بعض دفعہ تو حرف صوت کے منت کش ہوئے بغیر آپ محض اپنے وجدانی تصرف سے حاضرینِ محفل تک ابلاغِ معانی کی پوری قوت رکھتے تھے۔ جبکہ حدیثِ عشق خود اپنے نفس الامر میں حرف وصوت سے مستغنی ہوتی ہے ۔

اے خدا بنما تو ما را آں مقام　　کارزاراں بے حرف می روئند کلام

زہد و تقویٰ آپ کا شعار، حق شناسی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ تحمل اور تواضع آپکی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ آپکی صحبت میں جو ایک دفعہ بیٹھتا آپ کا دالہ و شیدا ہو جاتا۔ آپکی محافل میں خواص تو خواص عام لوگوں پر بھی کیف و سرور کا عالم طاری ہو جاتا۔ ساری محفل پر فیضان اور انوار کی بارش ہوتی اور دلوں کی دنیا بدل جاتی۔ آپ علم و عرفان کا بحر ذخار تھے۔ مثنوی مولانا رومؒ اور محی الدین ابن عربیؒ کی فصوص الحکم پر آپکو پورا عبور حاصل تھا۔ آپ اکثر اپنی گفتگو مولانا رومؒ کے اشعار کے حوالے سے کرتے۔ آپکی ذاتِ والا صفات عشقِ رسولؐ کے رنگ میں رچی بسی تھی۔ آپ مردہ دلوں کو جلا دیتے۔ جو طالبِ دنیا بن کر آتے انہیں بھی طالبِ مولا بنا دیتے۔ آپ کا قلب سوز و گداز، عشق و مستی اور کیف و سرور سے پُر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپکی محافل میں صدقِ دل سے بیٹھنے والوں کا تیزکیۂ نفس تصفیۂ قلب اور تجلیۂ ارواح ہو جاتا۔ رنج و آلام کے مارے لوگ بے سکون دل لے کر آتے اور آپکی صحبت میں گھڑی دو گھڑی بیٹھ کر اطمینانِ قلب اور سکونِ دل کے ساتھ رخصت ہوتے ۔

یک ذرہ عنایت تو اے بندہ نواز　　بہتر ز ہزار سالہ تسبیح و نماز

آپکی باتیں سن کر، آپ کی صحبت میں بیٹھ کر لاَ اِلٰہَ اِلا اللّٰہ کا اصل معنیٰ سمجھ میں آتا، فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ اور نَحْنُ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کی رمز بھی سمجھ میں آنے لگتی۔ من و تو کی کش مکش ختم ہوتی۔ من کی حقیقت عیاں اور تو کا کارخانہ روشن ہوتا۔

آپکی ذات سے بے شمار کرامات و خوارق عادات کا ظہور ہوا جنہیں آپ انتہائی عاجزی و انکساری سے اپنے مرشد کے نام منسوب کر دیتے تھے۔ آپ نے اپنے مرشدِ پاک کی حیات طیبہ پر ایک کتاب موسوم بہ "یوسف الاولیاء" تحریر کی۔

ارشاداتِ عالیہ: آپ فرماتے، "لوگو! اللہ کا رنگ اختیار کرو، صِبْغَۃَ اللّٰہ، اللہ کا رنگ اس ذکر سے چڑھتا ہے جو مرشد کی عطا ہو، ورنہ تسبیح کا کسبی ہلنے سے مزدوری تو مل جاتی ہے، خزانوں کی کنجی نہیں ملتی"۔

آپ نے فرمایا حق رسی اور حق آگہی کیلئے کسی حق گیر کا دامن پکڑنا ضروری ہے۔ حق گیر صرف ذات سرورِ دو عالم ﷺ اور آپکے نائبینِ کرام ہیں۔ آپ فرماتے یہ تو ممکن ہے کہ حضورؐ سے محبت رکھنے والا رند بادہ مست مومن ہو جائے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ حضور کی محبت کے بغیر زاہد شب گذار مسلماں بھی کہلا سکے۔ جسے حق کی رضا چاہئے وہ حضور کا نام لیوا بن جائے، جو حق کی محبت چاہتا ہو وہ حضورؐ سے محبت کرے ۔

عاشقاں را کجا کنی محروم　　تو کہ بر دشمناں نظر داری

آپ فرماتے حسن عقیدت، حسن محبت، حسنِ ادب یہ انسانیت کے تین جوہر ہیں جو راہِ طریقت کیلئے بہت ضروری ہیں۔ طریقت کا راستہ عقل سے طے نہیں ہوتا۔ محبت اور اطاعت سے ہوتا ہے۔ آپ صدقِ دل سے ایک قدم اٹھائیں، دوسرا قدم اللہ کا قدم بن جاتا ہے، اور جہاں اللہ اور بندے کا اشتراکِ عمل ہو تو منزل کے قرب و بُعد کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ قدم خود ہی منزل بن جاتے ہیں۔ مومن تو اپنی منزل آپ ہوتا ہے۔ مرشد کے کرم سے ظاہری آنکھ میں ذرا سی حق بینی پیدا ہو جائے تو باطنی آنکھ بھی خود بخود کھلنے لگتی ہے۔ ظاہر و باطن کی اصطلاح بھی لفاظی ہی ہے ورنہ شیر و شکر کی طرح ظاہر باطن بھی ایک ہی حقیقت ہے۔

آپ فرماتے مومن عارف الٰہی ہوتا ہے اور عارف کو گنہگار سے پرہیز نہیں ہوتا۔ اسلئے آپ اپنی محفل میں ہر آنیوالے کو یوں محبت و پذیرائی دیتے کہ آنیوالا آپکی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو جاتا۔ آپ فرماتے عشق ہی وہ براق ہے جو مرید کو ایک پل میں ساری منازل طے کرا دیتا ہے اور اگر مرید عاشقِ صادق ہو تو ایک ہی جست میں فنائی الشیخ، فنائی الرسول اور فنائی اللہ کی منازل طے کرا دی جاتی ہیں۔ بقول مولانا رومؒ ۔

گر تو ذاتِ پیر را کردی قبول　　ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

آپ فرماتے، "حدیث نبوی ہے الشیخ فی قومه کالنبی فی امته، پس مرید کو مرشد کے ہاتھ میں کالمیّت بید الغسال، یعنی جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس طرح ہونا چاہیے"۔

باید کہ ز خویش مردہ باشی　　تا راہِ طلب سپردہ باشی

آپ فرماتے "عارف کو تین علم عنایت ہوتے ہیں، ایک علم ظاہر یعنی شریعت جن سے جمیع جن و انس کو تعلیم فرماتا ہے۔ دوسرا علم باطن یعنی طریقت کے سوائے اسکے اہل کے عام کو تعلیم نہیں کر سکتا۔ تیسرا علم معرفت یعنی فقر و غنا، کہ تصوف میں اس سے افضل و اعلیٰ مرتبہ نہیں اور یہ رازِ الٰہی ہے کہ اسکے بغیر علم خاص کی تلقین نہیں کر سکتا جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کہ بحکم خدا مامور ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بحکم خدا راز مخفی سے مطلع کیا چنانچہ یہ قصہ قرآن میں موجود ہے۔ اگر ایسا علم عام طور پر تعلیم کیا جاتا تو احکام شرع درہم برہم ہو جاتے۔ اور عوام الناس ہلاک و تباہ ہو جاتے۔ اسی واسطے فقر کی تعلیم سینہ بہ سینہ ہوتی ہے اور یہ امانت اسی کے سپرد کی جاتی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے اسکے حصول کی قابلیت عطا فرمائی ہو"۔

بابا فرماتے کہ "ہم لوگوں کی عقل کے موافق کلام کرتے ہیں۔ اگر الف، ب پڑھنے والے کو ایم اے کا کورس پڑھانا شروع کر دیں تو اسکے پلے کچھ نہیں پڑیگا"۔

آپ فرماتے "الدنیا جیفۃ وطالب کلا بہا، دنیا مردار ہے اور اسکے طالب کتے"۔

آپ نے فرمایا "طالب دنیا مخنث، طالب عقبے مونث، طالب مولا مذکر"

آپ فرماتے "آنکھوں میں محبت کا سرمہ اور مرشد کا قربِ معنوی حاصل ہو تو اسرارِ الٰہی روشن موتیوں کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ جب اپنے مرشد پاک سے نسبت پختہ ہو جاتی ہے تو اپنا قلب ہی مخزنِ اسرار بن جاتا ہے۔ کتاب بن جاتا ہے، اور اُم الکتاب بھی۔ روشن ضمیری بھی حاصل ہو جاتی ہے اور سرِ اسرار کی باتیں بھی خود بخود سمجھ میں آنے لگتی ہیں"۔

آپ دینی تبلیغ اور معاشرتی فلاح و اصلاح کیلئے ناصحانہ انداز کی لمبی تقریروں کی بجائے مختصر کلام کرتے تھے، جس میں سادگی کے ساتھ تاثیر کی دلنشینی کا پہلو بھاری رہتا تھا۔ دانش و بصیرت، منطق و حکمت کی عمدہ تراکیب سے ان کا طرز بیان اس قدر دلاویز ہوتا کہ حاضرین کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتا۔ بابا صاحب کا ایک وصف یہ تھا کہ جو لوگ ان کے حلقۂ خطاب میں آنکلتے، آپ ان پر جاں و دل سے فدا ہوتے۔ ان کے راحت و آرام کی اس خلوص سے پاسداری کرتے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو یہ گماں ہوتا کہ آپ مجھے سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ اور انکی نظر التفات میں بس وہی ہیں۔

اللہ رے چشمِ پاک کی معجز بیانیاں ہر اک کو تھا گماں کہ مخاطب ہمیں سے ہیں

سرکار فرماتے کہ "آج اس دور میں جبکہ لوگوں کے پاس ریاضت اور مجاہدے کا وقت نہیں، تو انہیں بنا محنت کیے یہ سب کچھ عطا ہو جاتا ہے۔ بس صدق دلی اور طلب صادق شرط اولیں ہے"۔ سرکار فرماتے "جس نے 'بابا' سے محبت کر لی، جس نے ان کی تصویر سے محبت کر لی، جس نے ان کے دیکھنے والوں سے محبت کر لی، اسکی نجات ہو گئی، تو جس ہستی کے دامن سے وابستگی کے بعد یہ مقام حاصل ہو جائے اسے اور کیا چاہئے۔"

دامنِ مصطفٰی جسکے ہاتھوں میں ہو اسکو روزِ جزا اور کیا چاہئے

آپ کی رحمدلی اور مریدین سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی جیبِ خاص سے غریب مستحق مریدین کی مدد کیا فرماتے۔ آپ فرماتے ہدایت کا کام کٹھن ترین کام ہے۔ ہر وقت روح جان کنی کے عالم میں رہتی ہے۔ بابا فرماتے، "ہماری زندگی تو شمع کی مانند ہے جب تک موم بتی خود نہ پگھلے دوسروں کو روشنی نہیں دے سکتی"۔ بابا فرماتے "جو سودا ہم لئے بیٹھے ہیں اسکے خریداری بہت کم آتے ہیں۔ ہم نے بھی جال لگایا ہوا ہے۔ چڑیاں، کوے، گدھے، گھوڑے سبھی جال میں پھنس جاتے ہیں، لیکن کبھی تو 'ہما' بھی آئے گا"۔

آپ نے اپنی ضعیف العمری اور خرابئی صحت کے باوجود کراچی، لاہور، فیصل آباد، گوجرہ، اوکاڑہ، بوریوالا،

وہاڑی اور پاکستان کے دیگر شہروں میں قیام فرما کر لوگوں کو اپنے تصرف باطنی سے دین کی روشنی سے بہرہ ور فرمایا۔ آپ بزرگانِ دین کے اعراس انتہائی تزک اور احتشام سے منایا کرتے تھے۔

آپ نے سلسلہ عالیہ یوسفیہ تاجیہ کی اشاعت و ترویج کیلئے اپنے بہت سے مریدین کو خلعتِ خلافت سے نوازا اور اپنے اکثر مریدوں کو ولایت کے اس مقام تک پہنچا دیا جہاں صدیوں کی عبادت سے پہنچنا دشوار ہو۔

آنجا کہ زاہداں بہ ہزار اربعین رسد مستِ شرابِ عشق بیک آہ می رسد

آپ نے اپنی حیات میں اپنے مرشد پاک کے صاحبزادے سیدنا آفتاب کریم المعروف کلّو پا شاہ مد ظلہٗ العالی کو اپنا جانشین اور سجادہ نشین مقرر فرمایا۔

بمطابق 29 فروری 1988ء بروز پیر بمطابق 10 رجب المرجب، کراچی میں اس دنیائے فانی سے راہی ملک بقا ہوئے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آپ کراچی میں قبرستان سخی حسن میں چادر سرمدی اوڑھے آرام فرما رہے ہیں اور آپکا مزار مبارک جلوہ گاہِ خاص و مرجع خلائق ہے، آپکے پسماندگان میں دو صاحبزادیاں اور چھ صاحبزادے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آپ کے بے شمار خلفاء ہر شہر میں موجود ہیں جو سلسلہ عالیہ یوسفیہ تاجیہ کی اشاعت و تبلیغ کیلئے ہر وقت کوشاں ہیں اور دست بدعا ہیں۔

الٰہی تابود خورشید و ماہی چراغِ چشتیاں را روشنائی

آپ کا سالانہ عرس زیر سرپرستی سیدنا آفتاب کریم المعروف کلّو پا شاہ مد ظلہٗ العالی انتہائی تزک و احتشام سے پاکستان کے ہر شہر میں منایا جاتا ہے۔

دلی دعا ہے کہ سلسلہ عالیہ ہذا پھولے پھلے اور وہ گلستان جسے ہمارے مرشد پاک نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے دمبدم سرسبز و شاداب رہے۔

قبول باد الٰہی دعائے میخواراں کہ بادہ و ساقی و میخانہ تا ابد آباد

از رفعت اسلم یوسفی تاجی

ایک اک بات زمانے پہ اثر کرتی ہے

حق کی آواز ہو، اللہ کا لہجہ تم ہو

کتاب ہٰذا کی تکمیل تک کئی پیر بھائی جن کا ذکر اس میں موجود ہے رحلت فرما گئے۔ دوسرے یہ کہ اس تالیف کی ترتیب و تزئین میں یوں تو کئی مخلصین نے حصّہ لیا مگر عزیز قلبی محمد عادل صدیقی یوسفی تاجی نے جس خلوص، تندہی اور محنت سے اس کو موجودہ صورت تک پہنچایا وہ نہایت ہی قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دلی دعا ہے کہ ان کو اور سب معاونین کو اپنے خزانۂ رحمت سے مالا مال فرمائے۔

آمین! (شوکت)

هُوالکُلُ یا بَابا   هُوالکُلُ یا بَابا

سرتاجِ ولایت قطبِ مدارِ عالم۔ تاجُ الفقراء۔ تاجُ المجذوبین۔ تاجُ السالکین

تاجُ العارفین۔ تاجُ العاشقین۔ تاجُ الاتقیاء۔ تاجُ الاصفیاء۔ تاجُ الاولیاء

تاجُ الملّت والدّین

شہنشاہِ ہفت اقلیم حضرت سیّد محمد بابا **تاجُ الدّین** حسنی والحسینی قُدس سِرّہ العزیز

ناگپوری

هُوالکُلُ یا بابا ‏ هُوالکُلُ یا بابا

سرتاجِ ولایت قطبِ مدارِ عالم۔ تاجُ الفقراء۔ تاجُ المجذوبین۔ تاجُ السالکین

تاجُ العارفین۔ تاجُ العاشقین۔ تاجُ الاتقیاء۔ تاجُ الاصفیاء۔ تاجُ الاولیاء

تاجُ الملّت والدّین

شہنشاہِ ہفت اقلیم حضرت سیّد محمد بابا **تاجُ الدّین** حسنی والحسینی قدس سرّہ العزیز

ناگپوری

ایک اک بات زمانے پہ اثر کرتی ہے
حق کی آواز ہو، اللہ کا لہجہ تم ہو

کتابِ ہٰذا کی تکمیل تک کئی پیر بھائی جن کا ذکر اس میں موجود ہے رحلت فرما گئے۔ دوسرے یہ کہ اس تالیف کی ترتیب و تزئین میں یوں تو کئی مخلصین نے حصّہ لیا مگر عزیز قلبی محمد عادل صدیقی یوسفی تاجی نے جس خلوص، تندہی اور محنت سے اس کو موجودہ صورت تک پہنچایا وہ نہایت ہی قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دلی دُعا ہے کہ اِن کو اور سب معاونین کو اپنے خزانۂ رحمت سے مالا مال فرمائے۔

آمین! (شوکت)

هُوالکُلُ یا بابا	هُوالکُلُ یا بابا

سرتاجِ ولایت قطبِ مدارِ عالم۔ تاجُ الفقراء۔ تاجُ المجذوبین۔ تاجُ السالکین

تاجُ العارفین۔ تاجُ العاشقین۔ تاجُ الاتقیاء۔ تاجُ الاصفیاء۔ تاجُ الاولیاء

تاجُ المِلّت والدّین

شہنشاہِ ہفت اقلیم حضرت سید محمد بابا **تاجُ الدّین** حسنی والحسینی قُدس سِرّہ العزیز

ناگپوری